

احسن الفتاوی





فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (القرآن)

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحدیث)

احسن الفتاویٰ

بحذف مکررات و تخریجات فرائض مسائل غیر مہمہ

جلد ۱

(از)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(واحد تقسیم کنندگان)

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

کتبہ محمد فاروق عفی عنہ



نام کتاب ——— احسن الفتاوی

جلد ——— اوّل

زیر اهتمام ——— ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ——— ۵۷۲ صفحات

کتابت ——— محمد فاروق خطاط

تعداد ——— ایک ہزار

پریس ——— ایجوکیشنل پریس کراچی

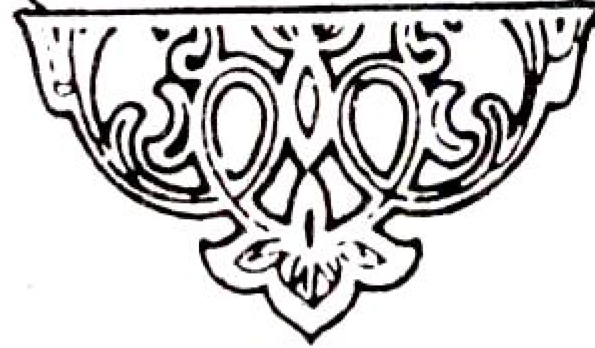
طبع اول ——— ۱۳۹۸ھ

طبع یازدهم ——— ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی



فہرست مضامین احسن الفتاوی جلد اوّل



خاندان :

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مفتی **رشید احمد** صاحب دامت برکاتہم کا وطنِ مالوف لدھیانہ ہے جو مشرقی پنجاب میں واقع ہے اور آجکل بھارت میں شامل ہے۔ لدھیانہ علم و فضل کے اعتبار سے ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ بڑے بڑے جبالِ علم و اولیاءِ کرام کا مرکز رہا ہے۔

حضرتِ والا علماءِ لدھیانہ کے مشہور خاندان سے ہیں۔ جو اپنے علم، ذہانت، تقویٰ، احوالِ باطنہ، کشف و کرامات، شجاعت، حق گوئی و بیباکی، جسمانی قوّت اور انگریز سے جہاد میں نمایاں کارناموں کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم جو حضرت تھانوی قدس سرّہٗ کی صحبتوں سے منجھے ہوئے ہیں۔ اور "**بزمِ اشرف**" میں صاحب الرؤیا کے لقب سے معروف ہیں بسلسلۂ زمینداری لدھیانہ سے ضلع فیصل آباد اور پھر وہاں سے ضلع ملتان تحصیل خانیوال تشریف لائے، وہاں ایک نو آباد گاؤں چک نمبر ۱۰۱ ۱۵-ایل میں رہائش اختیار کی اور اشرف الاولیاء کے نام پر اس گاؤں کا نام "کوٹ اشرف" رکھا۔

ولادت و مقامِ ولادت :

اسی مبارک بستی میں "رأس المتقین رشیدِ ثانی" کی ولادت بروز سہ شنبہ ۳ صفر ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء میں ہوئی۔ حضرت گنگوہی قدس سرّہٗ کے نام پر آپ کا نام رکھا گیا۔ آپ کا تاریخی نام سعود اختر (۱۳۴۱ھ) ہے۔ یہ نام آپ نے خود پندرہ سال کی عمر میں تجویز فرمایا تھا۔ آپ کی سب سے پہلی تصنیف "تسہیلُ المیراث" میں اس نام کا ذکر ہے۔

طفولیت اور ابتدائی تعلیم :

بچپن میں والدین کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی، اور آپ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے، انہی شفقتوں نے آپ کو "رشیدِ ثانی" بنا دیا۔

والدہ محترمہ نے تقریباً پانچ برس کی عمر میں قرآنِ مجید اور نماز کی تعلیم دینا شروع کی۔ ۱۳۴۸ھ ہجری سے ۱۳۵۲ھ ہجری تک سرکاری پرائمری اسکول میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ خداداد ذہانت کی وجہ سے ہمیشہ اپنی جماعت میں ممتاز رہے۔

فارسی کی ابتدائی تعلیم:

حضرتِ والا کے بڑے بھائی مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا محمد خلیل صاحب اور مولانا محمد جمیل صاحب پہلے سے ملتان کے قریب گھوٹہ شریف میں دینی علوم پڑھ رہے تھے، ۱۳۵۳ھ ہجری میں والد صاحب نے آپ کو بھی تحصیلِ علمِ دین کے لئے وہیں بھیج دیا۔ حضرت والد محترم نے آپ کو اور مولانا محمد جمیل صاحب کو میاں چنوں ریلوے اسٹیشن سے ریل پر سوار کرا کر ساتھ میں بیٹھے ہوئے ایک جنٹلمین سے کہا کہ ان بچوں کو احتیاط سے ملتان اُتار دیں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ راستے میں ان جنٹلمین نے ہم سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ علمِ دین پڑھنے جا رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا، "مُلّا بن کر بیکار بنوگے" اور علمِ دین نہ پڑھنے کے لئے کافی لمبی چوڑی تقریر کی۔ راقم الحروف نے حضرتِ والا سے پوچھا، پھر ان کو کیا جواب دیا؟ فرمایا، "بچّے تو تھے ہی کیا جواب دیتے، لیکن اس حالت میں بھی ان سے نفرت ہو رہی تھی، اور الحمدللہ ان کے کہنے سے دین سے متنفر نہ ہوئے اور یہ بھی اللہ کا کرم ہے ورنہ ہم کون ہیں۔"

اس کے بعد حضرتِ والا نے فرمایا:

> "اگر یہ جنٹلمین صاحب آج مجھے دیکھتے تو پتہ چلتا کہ کون بے کار ہے؟ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں آرام و راحت کے سب سامان فراہم فرمائے ہیں اور نوابوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ عزت و منصب عطا فرمایا اور سب سے بڑی بات یہ کہ سکونِ قلب کی دولت نصیب ہے جو کسی جنٹلمین کو خواب میں بھی میسّر نہیں آسکتی، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں، آمین"

پھر فرمایا:

> "یہ تو مسافر خانہ ہے نہ یہاں کی راحت کا اعتبار نہ تنگی کا اعتبار، اعتبار تو آخرت کا ہے۔ بھئی اس کا فیصلہ نہ وہ کرسکتے ہیں نہ میں کرسکتا ہوں، اس کا فیصلہ کل ہوگا، جب احکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیشی ہوگی اس

روز پتہ چلے گا کہ ہم کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق
عطا فرمائیں اور ہمیں آخرت کے لئے باکار بنائیں، آمین اھ"

گھوٹہ شریف پہنچ کر آپ نے اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ قیام کیا اور اپنے بڑے بھائی مولوی محمد خلیل صاحب سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

بشارت :

گھوٹہ شریف میں تعلیم کے دَوران علمِ دین کی خاطر بچپن ہی میں والدین سے جُدائی کے شدید ترین مجاہدہ کی بدولت حضرت والا کو ایک رات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپ کو دیکھا کہ زبانِ مبارک میں لکنت کا اثر ہے اسی وقت آپ کو خیال ہوا کہ لکنت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانِ مبارک میں تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر کیسا ؟

جب خواب سے بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے بڑے بھائیوں سے خواب کا تذکرہ کیا، مگر انھوں نے کسی بزرگ سے اس کی تعبیر دریافت نہ کی۔

تعبیر :

اب سے تقریباً تین سال قبل ۱۳۹۳ھ ہجری میں آپ کو اچانک اپنا وہ پُرانا خواب یاد آیا، تو بندہ سے ذکر کر کے فرمایا "اسکی تعبیر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ علمِ نبوت حاصل ہوگا، زبان کی لکنت ثقلِ وحی کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ علاوہ ازیں اس میں نسبت موسویہ کے حصول کی طرف بھی اشارہ ہے"

نسبت موسویہ کے مظہر حضرت والا کی زندگی کے متعدد واقعات راقم کے علم میں ہیں جن کی تفصیل حضرت والا کی مفصل سوانح عمری "انوار الرشید" میں لکھی گئی ہے،

یہ خواب اس لحاظ سے اور زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ ابھی ابھی آپ نے علم دین حاصل کرنا شروع کیا تھا' ایسے وقت میں یہ بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے،

عربی کی ابتدائی تعلیم :

شوال ۱۳۵۳ھ ہجری میں چاروں بھائی بغرضِ تعلیم جہانگیر آباد تحصیل خانیوال (جو ٹوٹو والا کے نام سے مشہور ہے) مولانا سلطان محمود صاحب[۵] کی خدمت میں پہنچے، مولوی محمد جمیل صاحب

ع۵ سفرِ حج کے موقع پر آپ کے ساتھ ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل "انوار الرشید" میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ۱۲ آسیا آبادی

فارسی کی تکمیل کر کے اب عربی شروع کر رہے تھے، حضرتِ والا کو بھی عربی میں ان کے ساتھ ہی شریک کر دیا گیا، فارسی کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہی۔

درسِ نظامی کا دوسرا سال (۵۴-۵۵ھ) آپ نے گکھڑ ضلع گوجرانوالہ اور تیسرا، چوتھا سال (۵۵-۵۷ھ) جھنگ میں گزارا، ان تینوں سالوں کی کتابیں آپ نے اپنے بہنوئی حضرت مولانا محمود احمد صاحب مدظلہم سے پڑھیں، ۱۳۵۷ھ میں آپ کے والد ماجد مدظلہم بسلسلۂ زمینداری خیرپور (سندھ) تشریف لے آئے جس کی وجہ سے صاحبزادگان کی تعلیم کا سلسلہ بھی سندھ کے علاقوں میں شروع ہوا۔ حضرتِ والا اور آپ کے بھائی مولانا محمد جمیل صاحب اپنے استاذ مولانا محمود احمد صاحب کے ساتھ جامعہ دار الہدیٰ ٹھیڑی میں آگئے۔ یہاں آپ نے مولانا محمود احمد صاحب کے علاوہ مولانا محمد صاحب سے بھی چند کتابیں پڑھیں۔ مولانا محمد صاحب علم و عمر دونوں کے لحاظ سے اکابر علماء میں سے تھے، بہت عمر رسیدہ تھے، جامعہ کے صدر مدرس تھے، تمام علوم میں بہت بلند مقام رکھتے تھے، بڑے قابل اور متقی بزرگ تھے، آپ نے ایک اقلیدس خود تصنیف فرمائی تھی۔

علم ہندسہ، مثلث اور کرویات میں ہمارے حضرت کی مہارت کا دنیا کے چند گنے چنے ماہر ریاضی داں ہی اندازہ کر سکتے ہیں، اس کی چند مثالیں آپ کی مفصل سوانح عمری "انوار الرشید" جلد اوّل میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس سال یعنی ۵۷-۵۸ھ ہجری میں آپ نے مولانا محمود احمد صاحب سے ہدایۂ اوّلین، مختصر المعانی اور مطول پڑھیں اور مولانا محمد صاحب سے حاشیہ عبد الغفور، میر قطبی اور اقلیدس پڑھیں۔

۱۳۵۸ھ میں آپ کے بھائی مولانا محمد خلیل صاحب ڈابھیل سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو وہ اور مولانا محمود احمد صاحب دونوں پیر جھنڈو جدید (درگاہ شریف) میں مدرس ہو گئے، حضرتِ والا بھی ان کے ساتھ تھے۔

اس سال آپ نے اپنے بہنوئی مولانا محمود احمد صاحب اور بھائی مولانا محمد خلیل صاحب سے سلم العلوم، ملا حسن، میبذی، شرح عقائد نسفی، خیالی، سبع معلقہ اور تفسیر بیضاوی پڑھیں۔ علاوہ ازیں مطالعہ مذاہب باطلہ، تمرین مناظرہ اور انشاء عربی کی مشق کی۔

فنون کی تکمیل:

اگلے تعلیمی سال شوال ۵۹ھ میں آپ معقولات کی مشہور درس گاہ انھی (ضلع گجرات پنجاب) تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فنون کی اونچی کتابیں پڑھاتے تھے۔ اس ایک سال میں آپ نے جتنی کتابیں پڑھیں انھیں آج کل کا طالب علم کم از کم تین سال میں پورا کر سکے گا۔ اس سال مندرجہ ذیل کتب پڑھیں:

ملا جلال مع حاشیہ میر زاہد، رسالہ قطبیہ مع حاشیہ میر زاہد و غلام یحییٰ، قاضی مبارک، حمد اللہ، شرح مواقف مع حاشیہ میر زاہد، شرح عقائد عضدی، شرح اشارات، صدرا، شمس بازغہ، الدوحۃ المیادۃ، تصریح، شرح چغمینی، بست باب، السبع الشداد، ربع مجیب، ربع مقنطر، اکرثاؤ ذوسیوس، اکرمناظر، کرہ متحرکہ، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، ان کے علاوہ مشکوٰۃ، بیضاوی ہدایہ آخرین، السبع المعلقات اور مقامات کا طلبہ کے ساتھ تکرار کیا۔ (مجموعہ ۳۰ کتب)

دار العلوم دیوبند میں داخلہ اور تکمیل دورۂ حدیث

دیگر علوم و فنون کی تکمیل کے بعد آپ دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے مشہورِ عالم دینی درسگاہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔

حضرتِ والا شوال سنہ ۱۳۶۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شعبان سنہ ۱۳۶۱ھ میں فارغ ہوئے اس سال مندرجہ ذیل کتب ذیل کے اساتذہ سے پڑھیں:

۱۔ صحیح بخاری
۲۔ سُنن ترمذی
} یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا مدنی سے پڑھیں۔ آخر سال میں حکومتِ برطانیہ نے حضرت مدنی کو گرفتار کرکے مراد آباد جیل بھیج دیا تو یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب نے ختم کرائیں۔

۳۔ صحیح مُسلم : حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی

۴۔ سُننِ ابی داؤد
۵۔ شمائل ترمذی
} حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب امروہوی

۶۔ سُنن نسائی : حضرت مولانا عبد الحق صاحب نافع

۷۔ سُنن ابن ماجہ : حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب

۸۔ طحاوی : حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

۹۔ موطا امام مالک : حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

۱۰۔ موطا امام محمد : حضرت مولانا ظہور احمد صاحب

اس سال حضرت والا نے دورۂ حدیث کے ساتھ ساتھ کتب تجوید میں سے فوائد مکیّہ اور جزری قاری عزیز احمد صاحب اور خلاصۃ البیان قاری حفظ الرحمن صاحب صدر المقراء سے پڑھیں۔

خمیر میں جوشِ جہاد:

اللہ تعالیٰ نے جوشِ جہاد حضرت اقدس کے خمیر میں بھر دیا ہے۔ یہ دولت آپ کو خاندانی وراثت میں ملی ہے۔ آپ کے خاندان کے اکابر علماء و مشائخ انگریز کے خلاف جہاد میں بہت مشہور رہیں، آپ نے نوعمری ہی سے تحصیل علوم اسلامیہ کے ساتھ فنونِ جہاد کی مشق کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غزوات مجالس میں سنا کر سامعین کے قلوب میں جوشِ جہاد کی آگ بھڑکا دیتے، پھر دار العلوم دیوبند میں داخلہ کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبتِ مبارکہ اور کتبِ حدیث میں مغازی اور جہاد کے موضوع نے جلتی پر پیٹرول کا کام کیا۔ چونکہ دار العلوم دیوبند میں تعلیم کے علاوہ تربیت جہاد بھی بنیادی مقاصد میں ہے اس لئے طلبہ کو جہاد اور فنونِ حرب کی تربیت دینے کے لئے اس فن کے ماہرین اساتذہ دار العلوم کی طرف سے تھے، حضرت اقدس نے سب سے اونچے درجہ کے استاذ عبد الرحمٰن اور استاذ عبد الرشید سے بجذبۂ جہاد فنونِ حرب میں مہارت حاصل کی۔

تربیتِ باطن

بشارت قبل از ولادت: حضرت والا کے دادا مولانا محمد عظیم صاحب عرف بڑے صاحب مقام بزرگ اور کشف و کرامات میں مشہور تھے، آپ نے اپنے شیخ سے ایک خواب کی تعبیر دریافت فرمائی، شیخ نے فرمایا "صالح فرزند کی بشارت ہے جو شاید محمد سلیم (حضرت کے والد ماجد) کے کاشانہ کا چراغ ہو"، حضرت کے والد صاحب نے یہ خواب کئی بار ذکر فرما کر حضرت والا کے بارے میں فرمایا کہ آپ اس بشارت کے مصداق ہیں۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ: بچپن ہی میں والد ماجد کی زبان سے حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ و ملفوظات کان میں پڑتے رہے جب خود پڑھنے کے قابل ہوئے تو حضرت حکیم الامت کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کا معمول بنا لیا، شوال سنہ ۱۳۶۰ھ میں تکمیل حدیث کیلئے دار العلوم دیوبند تشریف لے جانے سے پہلے تھانہ بھون حاضری دی، اس کے بعد دیوبند سے تھانہ بھون متعدد بار حاضری کا شرف ملا، اس

زمانے میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ ضعف کی وجہ سے خود بیعت نہیں فرماتے تھے۔

شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ: دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الادب میں شان اصلاح نمایاں دیکھ کر آپ سے روزانہ پندرہ منٹ کے لئے صرف حاضری کی اجازت چاہی، حضرت نے اپنے خصوصی مطالعہ وتصنیف کے وقت میں اجازت مرحمت فرمائی، یہ خصوصی عنایت صرف حضرت والا پر رہی تھی، ایک بار بوقت مصافحہ حضرت والا کا ہاتھ تھام کر ایسی توجہ ڈالی جس کا اثر پورے جسم پر برقی رو کی طرح محسوس ہوا،

حضرت مدنی قدس سرہٗ: حضرت شیخ الادب سے استشارہ اور استخارہ کے بعد حضرت مدنی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے، حضرت شیخ الادب نے فرمایا کہ حضرت مدنی کی خدمت میں بغرض بیعت میں خود اپنے ساتھ لے چلوں گا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت والا حضرت مدنی کی زیارت کے لئے دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو حضرت مدنی نے آمد کا مقصد دریافت فرمایا' حضرت نے بلا تکلف عرض کر دیا جس پر حضرت مدنی نے ازراہ شفقت فوراً بیعت فرمالیا،

حضرت مفتی محمد حسن قدس سرہٗ: حضرت مدنی کے انتقال کے بعد حضرت مفتی صاحب سے تعلق رکھا، حضرت مفتی صاحب کی حضرت والا پر خاص نظر عنایت تھی، ایک بار دارالعلوم کراچی میں حضرت مفتی صاحب کی اچانک تشریف آوری کی وجہ سے حضرت والا کو حاضر خدمت ہونے میں قدرے تاخیر ہوگئی، اس تھوڑے سے وقفہ میں حضرت مفتی صاحب نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے کئی بار حضرت والا کے بارے میں دریافت فرمایا، بعد میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے حضرت والا سے یہ ماجرا بیان فرما کر بہت مسرت سے فرمایا کہ اکابر کی ایسی توجہ بہت بڑی سعادت ہے،

سلطان العارفین حضرت پھولپوری قدس سرہ: حضرت والا کو آخر میں حضرت پھولپوری سے شرف بیعت وخلافت حاصل ہوا، بیعت سے قبل حضرت والا نے خواب میں دیکھا کہ آپ دارالعلوم دیوبند میں بالائی منزل پر مہمان خانہ میں مقیم ہیں، حضرت شیخ الادب بہت جلدی میں تشریف لائے اور فرمایا "آپ کا الارم آیا ہے سند عالی کر لیجئے جلدی چلئے" پھر فرمایا کہ ہماری اصطلاح میں اہم ٹیلیفون کو الارم کہتے ہیں' پھر آپ نے الماری سے ایک کتاب نکالی اور حضرت والا کو ساتھ لے کر ایک باغ میں چلے گئے، اس خواب سے کچھ عرصہ بعد حضرت پھولپوری سے بیعت ہوئے تو آپ کی خدمت میں

یہ خواب پیش کیا، آپ نے فرمایا "اس کی تعبیر ہوگئی" یعنی باغ میں علو سند دربارِ پھولپوری میں باریابی ہے،

ایک بار آپ حسب معمول شب جمعہ میں حضرت پھولپوری کے ہاں مقیم تھے، خواب میں حضرت نے فرمایا جلدی چلئے ایک بزرگ سے ملا دوں، باہر نکلے تو سڑک پر جانب مغرب کو ایک بزرگ تشریف لے جارہے ہیں جن پر جلال کا غلبہ ہے ان سے ملانے کے لئے حضرت پھولپوری آگے اور حضرت والا پیچھے بھاگے جارہے ہیں، قریب پہنچے تو اس بزرگ نے از خود پیچھے مڑکر حضرت والا کو سینے سے لگا لیا، صبح کو حضرت پھولپوری کی خدمت میں خواب پیش کیا تو فرمایا کہ وہ بزرگ ہمارے مرشد پاک تھے یعنی حضرت تھانوی قدس سرہ،

اجازت بیعت: ایک مجلس میں حضرت پھولپوری نے اچانک اجازت بیعت عطا فرمائی، حضرت والا بہت پریشان ہوئے، نہ تحمل امانت گراں بار اور نہ مجالِ انکار، اس پریشانی میں ایک دو روز ہی گزرے تھے کہ مجلس میں ایک صاحب بولے "مولوی ... صاحب بہت با اثر آدمی ہیں آپ ان کو خلافت دیدیں تو خلق خدا کو بہت فائدہ ہو" یہ سن کر حضرت پھولپوری فوراً سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور بڑے جوش سے فرمایا "کیا یہ میرے گھر کی چیز ہے کہ جس کو چاہوں دیدوں، اگر ایسا ہوتا تو میں سب سے پہلے اپنی اولاد کو دیتا یہ میاں کی دین ہے جس کے لئے ہوتی ہے اُسی کو دی جاتی ہے"، یہ قصہ دیکھ کر حضرت والا کی پریشانی جاتی رہی اور سمجھے کہ ؎

لطف عام او نمے جوید سند ؛ آفتابش بر حد شہا مے زند

اس وقت سے اس دعا کا معمول جاری ہے، اللّٰھم اجز وعد ومن اکرہ علیہ انزل اللہ علیہ ملکا یسددہ،

زندگی کا دوسرا دور

تدریس، افتاء، ارشاد

حضرتِ والا اور آپ کے والد بزرگوار کو اس کا شدّت سے احساس تھا کہ علم دین کی تدریس اور نشر و اشاعت پر آپ کی زندگی وقف ہو۔ چنانچہ حضرتِ والا کی تدریس کا سلسلہ ۱۳۶۲ھ ہجری میں مدینۃ العلوم بھینڈو ضلع حیدرآباد سندھ سے شروع ہوا۔ بحیثیت مدرس درجۂ علیا آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۶۴ھ ہجری میں آپ کو صدر مدرس بنا دیا گیا اور اسی سال سے بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث کی تدریس بھی شروع کی۔

افتاء کا کام ویسے تو ۱۳۶۲ھ ہی سے شروع ہو چکا تھا لیکن ۱۳۶۶ھ سے دارالافتاء کی مکمل ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر ڈالدی گئی، ۱۳۶۶ھ سے ۱۳۶۹ھ تک آپ بیک وقت شیخ الحدیث، صدر مدرس اور صدر مفتی رہے

دار الہدیٰ ٹھیڑھی :

سنہ ہجری میں حضرتِ والا بحیثیت شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی تشریف لے گئے، صحیح بخاری و دیگر علوم وفنون کے تقریباً آٹھ اسباق پڑھانے کا معمول تھا، اس کے ساتھ ساتھ دار الافتار کی مکمل ذمہ داریاں بھی سنبھالتے تھے۔

دار العلوم کراچی :

شوال ۷۶ سنہ ہجری میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کی فرمائش پر آپ بحیثیت شیخ الحدیث دار العلوم تشریف لائے اور شعبان ۸۳ سنہ ہجری تک دار العلوم میں رہے۔

۱۳۶۴ سنہ ہجری سے ۱۳۸۳ سنہ ہجری تک ہر سال آپ نے صحیح بخاری پڑھائی، اس حساب سے آپ نے بیس ۲۰ مرتبہ درسِ بخاری دیا۔ شروع میں دار العلوم کی نظامتِ تعلیم کی ذمہ داری بھی آپکے سپرد ہوئی مگر کچھ عرصہ بعد آپ نے اسے علمی خدمات میں مخل سمجھ کر ترک کر دیا۔

فتویٰ نویسی :

ویسے تو ۱۳۶۲ سنہ ہجری سے حضرتِ والا کو فتاویٰ نویسی کے مواقع پیش آتے رہے۔ لیکن ۱۳۶۶ سنہ ہجری سے دار الافتار کی مکمل ذمہ داریاں حضرت والا کے سپرد ہوئیں مگر ۱۳۷۰ھ تک جو فتاوی صادر ہوئے ان کے جمع وضبط کا کوئی انتظام نہ ہوسکا، سوائے چند گنتی کے فتاوی کے کہ اُن کی نقل محفوظ رکھی گئی، اس قلیل مدت میں آپ کی شانِ تحقیق اور تعمقِ نظر کو اسقدر شہرت حاصل ہوگئی کہ بیرونِ مُلک کے علمار بھی مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرنے لگے، ہر قسم کے فتاوی کے لئے مرجع خواص وعوام بن گئے، علمار میں پیچیدہ مسائل فیصلے کے لئے یہیں آنے لگے آپ نے اس منصب پر فائز ہوکر وہ محنت وجانفشانی کی کہ فتویٰ نویسی کو بجا طور پر آپ پر فخر ہے۔

۱۳۷۱ھ سے ۷۶ سنہ ھ تک آپ نے اپنے تحریر کئے ہوئے اہم مسائل کی نقلیں محفوظ رکھیں اگرچہ کثرتِ مشاغل کی وجہ سے اکثر مسائل نقل نہ ہوسکے، اس پانچ سال کے عرصہ میں کُل دو ہزار پچیس ۲۰۲۵ فتاوی تحریر فرمائے، جن میں سے صرف چار سو اکاون ۴۵۱ فتاوی نقل ہوسکے جو "احسن الفتاویٰ" کے نام سے شائع ہوکر عوام وخواص میں اسقدر مقبول ہوئے کہ "عیاں راچہ بیاں"

اس کے بعد دار العلوم کراچی میں اگرچہ دار الافتار کی مستقل ذمہ داری آپ پر نہ تھی، تاہم زیادہ اہم اور پیچیدہ مسائل کی تحریر آپ ہی کے سپرد کی جاتی تھی۔ فقیہ اور مفتی تو بہت ہوتے ہیں، لیکن فقیہ النفس بہت کم ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے فقیہ النفس بنایا

اور ہمارے حضرت دامت حیاتہم کو "رشید ثانی" ـــــــ اللہ تعالیٰ نے علم وفقہ کو حضرتِ والا کے رگ و پے میں اس طرح سمو دیا کہ مسائلِ فقہیہ حضرت کا اوڑھنا بچھونا بن گئے۔

دار العلوم میں ۱۳۸۱ھ سے آپ کے زیرِ تربیت تخصص فی الفقہ کا شعبہ شروع کیا گیا، دو سال بعد حضرتِ والا نے دار العلوم چھوڑ کر "دار الافتاء والارشاد" کی بنیاد رکھی تو دار العلوم میں یہ سلسلہ کچھ عرصہ بند رہا، اس کے بعد پھر جاری کر دیا گیا۔

دار الافتاء والارشاد کی بنیاد:

اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری قدس سرہٗ کی خواہش اور غیبی اشارے پر حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے رمضان ۱۳۸۳ھ میں اعلیٰ استعداد رکھنے والے فارغ التحصیل علماء کی تمرینِ افتاء کے لئے "دار الافتاء والارشاد" کی بنیاد ڈالی اور اب ۱۳۹۶ ہجری تک یہیں یہ خدمت جاری ہے، اللہ تعالیٰ ان خدمات کو قبول فرمائیں اور آپ کے سایہ کو مسلمانوں پر قائم رکھیں، آمین۔

مدارسِ عربیہ سے فارغ التحصیل علماء کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور تحریرِ افتاء کی تمرین کے ساتھ فیضِ باطن، تقویٰ، استغناء اور تعلق مع اللہ کی دولت بھی لیکر جاتے ہیں۔

مجالسِ رشد و ہدایت:

حضرت اقدس دامت برکاتہم یُوں تو ہر آنے والے کے کان میں کچھ نہ کچھ دین کی بات پہنچا کر چھوڑتے ہیں، آپ کی نشست و برخاست کا ہر آن ایک مستقل سبق ہے بلکہ آپ کی زندگی پوری کی پوری شریعتِ مقدسہ کی ایک جیتی جاگتی عملی تصویر ہے لیکن جمعہ اور اتوار کی شام آپ تلقین و ہدایت کے لئے وقت فارغ کر دیتے ہیں جس میں اطراف و جوانب سے کثیر تعداد میں مرد اور خواتین حاضر ہوکر فیضیاب ہوتے ہیں، بالخصوص نوجوان طبقہ کے لئے یہ مجالس اکسیر عجیب التاثیر ہیں چند روز ہی میں اُن کے دلوں کی کایا پلٹ جاتی ہے اور ایسا حیرت انگیز انقلاب آتا ہے کہ زندگی کے طور و طریق ہی بدل جاتے ہیں۔

آپ کے بعض خدّام نے ۱۳۹۱ھ سے ان مجالس میں سے جمعہ کے بیانات کو بالالتزام اور اکثر و بیشتر اتوار کے بیانات کو بھی قلمبند کر لیا ہے، جو محفوظ ہیں انکی طباعت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

خصوصیات:

اس تحریر میں سب مضامین مختصر لکھے گئے ہیں، جو ایک صاحبِ ذوق قاری کے لئے یقیناً ناکافی ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے حضرت والا کی مفصل سوانح عمری بنام "انوار الرشید" زیرِ ترتیب ہے،

یہاں دوسرے عنوانوں کے ساتھ اس عنوان کا بھی صرف اشاریہ لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں تفصیل کے لئے "انوار الرّشید" ملاحظہ ہو۔ آپ کی بعض خصوصیات یہ ہیں :

(۱) صفائی معاملات :

یہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرّہٗ کی امتیازی شان ہے، حضرتِ والا بھی صفائی معاملات کا اسقدر اہتمام فرماتے ہیں کہ کیسا ہی اہم کام ہو مگر صفائی معاملات کہ جس کا تعلّق حقوق العباد سے ہے اُسے مقدم رکھتے ہیں، اس پر حضرت والا کے کئی عجیب واقعات ہیں۔

(۲) تقویٰ اور تصلّب فی الدّین :

باوجود خلقی نرمی اور طبعی غلبۂ مروّت کے کسی موقع پر بھی تقویٰ اور تصلّب فی الدّین کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹ سکتا، اس پر بھی کئی سبق آموز واقعات ہیں۔

(۳) اِستغناء :

استغناء کا یہ عالم ہے کہ حکومت اور بڑے بڑے مالدار کروڑ پتی لوگ آپ کے دروازے پر ناک رگڑتے ہیں، آپ کے استغناء کا خلاصہ یہ ہے ؎

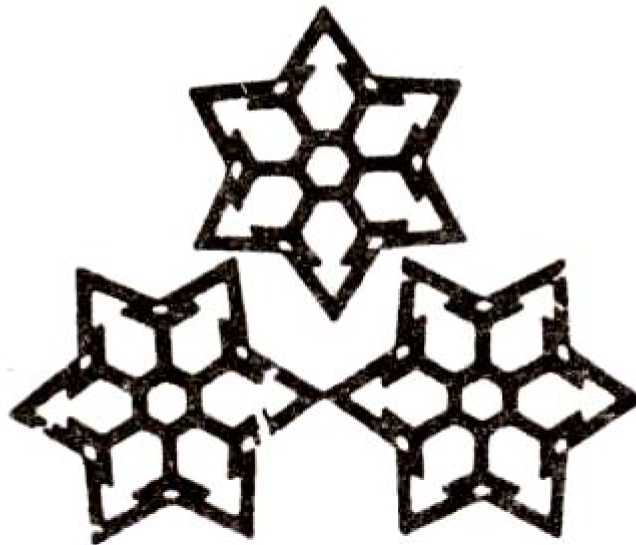
نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکّل میں ہیں استغناء کی تلواریں

(۴) مواقعِ شہرت سے اِجتناب :

(۵) مَشایخ وَعلماء کی مخصوص وضعداری اور تکلفات سے آزاد سادہ اور بے تکلّف زندگی :

اِن عنوانات کی تفصیل اور ہمّت واستقلال کے حیرت انگیز واقعات "انوارُالرّشید" میں ملاحظہ ہوں۔

آپ میں یہ خصوصیات اتنی نمایاں ہیں کہ مُعاند سے مُعاند مخالف بھی ان کے اعتراف پر مجبور ہے۔



تصانیف[1]

- الاجتثاث لموحد الطلقات الثلاث
- اجتماعی ذکر (مجالسِ ذکر)
- احسن الفتاویٰ ۱۰ جلدیں
- احسن القضاء فی الذبح باعانۃ الکہرباء
- احکام زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قربانی
- احکام الکلام فی احکام الخروج علی الامام
- احکام معذور
- اخسأ العاویۃ بفضل معاویۃ (رضی اللہ عنہ)
- اداء القرض من الحرام
- الارشاد الی مخرج الضاد
- ارشاد الانام بجواب ازالۃ الاوہام
- ارشاد اولی الابصار الی شرائط حق القرار
- ارشاد السبیل الی انوار التنزیل (مقدمہ تفسیر بیضاوی)
- ارشاد العابد الی تخریج الاوقات وتوجیہ المساجد
- ارشاد القاری الی صحیح البخاری
- ارغام العنید فی میراث الحفید
- ازالۃ الاوہام عن الرق فی الاسلام
- ازالۃ الریب عن مسألۃ علم الغیب
- استیناس الآبد بشرح فضل العالم علی العابد
- اسلام کا عادلانہ نظامِ معیشت
- اعدل الانظار فی الشفع بعد الایثار
- الافصاح عن خیار فسخ النکاح
- الاکتحال للرجال
- امام الکلام فی تبلیغ صوت الامام
- انصراف الامام الی جہۃ الانام
- الاوامر والنواہی
- ایقاع الطلقات بالقاء الجمرات
- ایمان وکفر کا معیار
- باغوں کے مسائل
- بسط الباع لتحقیق الصاع
- بشارۃ اللظی لآکل الربا
- بعض ضروری احکام میت
- بلاسود بنکاری
- بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا (دیندار انجمن)
- پراویڈنٹ فنڈ
- تبلیغی جماعت اور اُنچاس کروڑ کا ثواب
- تحریر الثقات لمحاذاۃ المیقات
- التحریر الفرید فی ترکیب کلمۃ التوحید (غیر مطبوع)
- تحریر المقال فی التعزیر بالمال
- تحقیق شب برات
- تحقیق شبِ معراج
- تسہیل المیراث
- تعدد الازواج
- التفریق بین التقیید والتعلیق
- تقسیم وراثت کی اہمیت
- تکفیر شیعہ پر اشکالات کے جوابات

---

[1] اس فہرست میں سے بیشتر رسائل احسن الفتاویٰ کی اس جدید تبویب میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

(بقیہ فہرست صفحہ ۵۶۹ پر)

تجدیدی کارنامے

مسائلِ حاضرہ پر آپکی دُور رس نگاہ اور ان سے متعلق آپ کی جامع اور مدلّل تحریریں، قوّتِ استنباط، اختصارِ الفاظ کے ساتھ ٹھوس دلائل کی وہ بھرمار کہ انکے چند صفحات کی شرح کے لئے کئی دفاتر درکار ہیں، اسلام میں پیدا ہونیوالے فتنوں کی سرکوبی اور براہینِ قاطعہ کی مجانیق سے انکا استیصال، ہر نئے اُبھرنے والے فتنہ کا بروقت محاسبہ، دلائل نقلیۂ عقلیۂ فنون قدیمۂ جدیدۂ اور تجارب مشاہدات کی روشنی میں ایسی تحقیقات کہ انکی نظیر نہیں ملتی، مثلاً اختلاف مطالع، مقدار صدقۃ الفطر، حرمین شریفین میں عورتوں کی نماز، اور تحقیق صبح صادق و دیگر تحقیقات، اصلاحِ اُمت کا درد، جو گناہ معاشرے کا جزء بن گئے ہیں اور بلا جھجک علانیہ کئے جا رہے ہیں اور انکے سیلاب میں دیندار گھرانے اور علماء و صلحاء بھی بہے جا رہے ہیں، انکی تباہی سے اُمت کو بچانیکی فکر اور بذریعہ وعظ وارشاد بالخصوص نوجوانوں کو اس ہولناک بھنور سے نکالنے کی کوشش اور اسمیں نمایاں کامیابی، آپ کی مجالس وعظ وارشاد میں شریک ہونیوالے نوجوانوں کی زندگیوں میں حیرت انگیز انقلاب، حفاظتِ وقت اور صفائی معاملات کا بے نظیر اہتمام، طبعی نرمی اور غلبۂ مروت کے باوجود دین میں تصلّب کہ کوئی بڑے سے بڑا تعلق بھی اسمیں بال برابر لچک پیدا نہیں کر سکتا، حکومت اور اہلِ ثروت سے ایسا استغناء کہ اسکی نظیر تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتی۔ آپ کے دادا پیر حضرت تھانوی قدس سرّہٗ کی شان میں کہا گیا ؎

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں ❖ ترے دستِ توکّل میں تھیں استغناء کی تلواریں

ہو بہو آپ پر صادق آتا ہے، ان کمالات کے باوجود گمنامی و خلوت پسندی، مناصب سے انکار اور مجالس و مواقع شہرت سے احتراز۔

مذکورہ مواہبِ لدنیہ و انعامات ربانیہ کی بناء پر اکابر علماء و صلحاء دین کی عظیم و اہم ترین خدمات علمیہ و عملیہ و اصلاح امت میں آپ کی جلالت قدر اور امتیازی شان کے قائل ہیں،

اولاد:

(۱) صاحبزادی صفوۃ، تعلیم: تجوید القرآن، اُردو دینیات، تمرین قواعد صرف و نحو عربی، ترجمۃ القرآن،

(۲) حافظ قاری مولوی محمد (۳) حافظ قاری مولوی احمد (۴) حافظ قاری مولوی حامد

(۵) صاحبزادی اسماء، تعلیم: حفظِ قرآن مع تجوید، اُردو دینیات، عربی صرف و نحو میں غیر معمولی مہارت، ریاض الصالحین، ترجمۃ القرآن ❖

وصیّت نامہ

حضرتِ والا نے مختلف اوقات میں تین ۳ وصیّت نامے تحریر فرمائے ہیں پہلے دو ۲ میں اگرچہ خاص اولاد کو خطاب ہے مگر ان کا فائدہ عام ہے تینوں وصیّت ناموں کا مجموعہ ایک مستقل رسالہ کی صورت میں شائع ہوچکا ہے جس کے سرورق پر یہ آیات تحریر ہیں

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا ۝

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا ۝

حضرت والا نے ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ کو چوتھا وصیت نامہ بھی تحریر فرمایا جو انشاء اللہ تعالیٰ "انوار الرشید" میں شائع ہوگا۔

اب تینوں وصیّت نامے بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) عزیزہ اسماء سلمہا اللہ تعالیٰ کی تکمیل حفظِ قرآن کے موقع پر یہ وصیتیں کی گئیں

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ؕ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ؕ

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَـكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ؕ اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ۝

پہلی آیت میں اس کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیٰ نبیّنا و علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنے کی وصیّت فرمائی تھی۔

اور دوسری آیت میں اس کا ذکر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے بوقتِ رحلت اپنی اولاد سے یہ عہد اور اقرار لیا تھا کہ میرے بعد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے رہو گے اور صرف اسی کے سامنے جھکو گے۔

یہ خوب سمجھ لیں کہ اسلام یا اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف کلمہ طیّبہ پڑھ لینے یا نماز روزہ وغیرہ چند عبادات ادا کرلینے کا نام نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری زندگی شریعت کے مطابق ہو اور بندہ اپنی سب خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں فنا کردے۔

پس میں بھی تمہیں یہی وصیّت کرتا ہوں کہ دین کی حفاظت کے لئے اُمورِ ذیل کا بہت اہتمام رکھیں۔

(۱) اپنی اولاد کو اسکول اور کالج کی تعلیم سے اس طرح بچائیں جس طرح شیر یا بھیڑیئے سے بچایا جاتا ہے۔

اس ماحول میں بچوں کو بھیجنا ان کو اپنے ہاتھوں سے جہنم میں جھونکنا ہے، وہاں جاکر لاکھوں میں سے کسی ایک کا دین محفوظ رہ جائے تو یہ بطور خرقِ عادت ہوگا جو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، جیسے کسی کو خونخوار شیر کے منہ سے یا دہکتی ہوئی آگ سے اگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بچالیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عمداً شیر کے منہ میں جانے یا آگ میں کودنے کا کوئی جواز ہے۔ دنیوی تعلیم مضر نہیں، برا ماحول مہلک ہے۔

(۲) اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کردیں۔ دین کا جو کام بھی اللہ تعالیٰ لے لیں اسے بہت بڑا انعام سمجھیں اگرچہ لوگوں کی نظر میں وہ کام ذلت و حقارت ہی کا کیوں نہ ہو، عزت و ذلت صرف وہ معتبر ہے جو مالک کی نظر میں ہو ؎

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

خدمتِ دین کی صلاحیت رکھتے ہوئے اس سے کام نہ لینا نعمتِ الٰہیہ کی بے قدری و ناشکری ہے غرضیکہ دنیوی کام کا مشغلہ نہ بنائیں، اس کی وجہ سے تم خدمتِ دین سے محروم ہوجانے کے علاوہ بہت سے گناہوں میں بھی مبتلا ہوجاؤ گے، خدمتِ دین میں مشغول رہنا گناہوں سے حفاظت کے لئے بہت مضبوط قلعہ ہے۔

(۳) روزانہ بلاناغہ تلاوت کی پابندی رکھیں۔

(۴) مندرجہ ذیل گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھنے کی بتاکید وصیت کرتا ہوں۔

(ا) کسی ایسی مجلس میں بیٹھنا جہاں کسی جاندار کی تصویر ہو یا تصویر لی جارہی ہو۔

(ب) کسی کا کوئی حق دبانا۔

(ج) بلا اجازت کسی کی کوئی چیز استعمال کرنا

(د) کسی کو تکلیف پہنچانا۔

(ہ) کسی پر بہتان لگانا۔

(و) کسی کی غیبت کرنا۔

(ز) غیبت سننا۔

(ح) شرعی پردہ کا اہتمام نہ کرنا

(۵) یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ تم اپنی اولاد کو بھی ان سب امور کی وصیت کرکے مرنا، میں مسجد میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناکر تمہیں امورِ بالا کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت

میں دیتا ہوں، اَللّٰھُمَّ بَلَّغْتُ، اَللّٰھُمَّ بَلَّغْتُ، اَللّٰھُمَّ بَلَّغْتُ، اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃٌ کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ —— فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیّ فی الدّنیا والاٰخرۃ توفّنی مسلمًا والحقنی بالصّٰلحین ۝ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی سید المرسلین وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین برحمتک یا ارحم الراحمین،

رشید احمد

دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۳ جمادی الآخرہ ۱۳۸۷ھ عشیۃ الجمعہ

(۲) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایک اہم وصیّت اولاد اور انکی ازواج کے نام

میرے عزیزو! چند روز سے تمہارے مستقبل کے بارے میں ایک اہم فکر میرے دماغ پر مسلّط ہے آج بتاریخ ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ بروز پنجشنبہ فجر کی نماز کے بعد جب میں قبلہ رُو ہوکر اپنے معمولات میں مشغول ہوا تو اللہ تعالیٰ نے قلب میں بڑی قوّت کے ساتھ یہ القاء فرمایا کہ اس بارے میں ایک وصیّت لکھوں، رمضان المبارک میں اشراق سے فارغ ہوکر دو گھنٹے سونے کا معمول ہے خیال تھا کہ اس معمول سے فارغ ہوکر وصیّت لکھوں گا مگر اللہ تعالیٰ نے اس خیال کو اس حد تک مسلّط فرمادیا کہ میں بمشکل آدھا گھنٹہ سوسکا اس کے بعد ہرچند سونے کی کوشش کی مگر نیند نہ آئی اور اُٹھ کر اس تحریر میں مشغول ہوگیا۔

میرے عزیز بیٹو اور بیٹیو! بچپن میں تمہارا آپس میں تعلّق اور محبّت میری نظر میں بڑی حد تک قابلِ اطمینان اور موجبِ مسرّت رہی ہے اور دوسروں کی نظر میں تو بہت ہی باعثِ رشک اور لائقِ ستائش وتحسین اور قابلِ مبارکباد اور عام زبان زد، اب ماشاء اللہ تم سب جوان ہوگئے ہو۔ بعض کی شادی ہوگئی اور بعض کی ہونے والی ہے، اب تمہارے تعلقاتِ محبت پر بہت بڑے ابتلاء وامتحان کا وقت آرہا ہے، بیوی بچّوں اور مال ومنصب کی غلط محبّت میں پھنس کر بڑے بڑے عقلاء اور شہسوار بھی اوندھے گر جاتے ہیں اور گردنیں تڑوا بیٹھتے ہیں، علاوہ ازیں ایک جگہ قیام وطعام اور ان سے متعلق کام کاج بھی بسا اوقات اختلاف کا سبب بن جاتا ہے۔

اس لئے میں تمہیں بتاکید وصیّت کرتا ہوں کہ آپس میں محبت کے نازک رشتے کو کسی قیمت

پر بھی ٹوٹنے نہ دیں۔ اس نازک ترین رشتے اور بہت قیمتی سرمایہ کی حفاظت کے لئے تمام خواہشات اور مال و منصب بھی قربان کرنا پڑے تو اس سے بھی ہرگز دریغ نہ کریں، آپس میں اتفاق اور محبت سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی نعمتوں کے علاوہ دنیا میں بھی راحت، سکون، مسرت، برکت اور عزت و مال میں ترقی ہوتی ہے، اس کے برعکس اختلاف خالق کی ناراضی اور آخرت کی بربادی کے علاوہ دنیا میں بھی پریشانی، ذلت، فقر و فاقہ اور تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اب میں مختصراً اسبابِ اختلاف و اسبابِ محبت بیان کرتا ہوں تاکہ اوّل سے اجتناب اور دوم سے اقتراب کا اہتمام کیا جائے۔

اسبابِ اختلاف

(۱) گناہوں سے نہ بچنا اور گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ نہ کرنا۔ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگوں پر اختلاف کا عذاب مسلّط فرما دیتے ہیں۔ (۲) حُبِّ مال (۳) حُبِّ جاہ۔ ان دونوں کی وجہ سے آپس میں اختلاف، فتنہ و فساد، قتل و غارت، تباہی و بربادی کا ہم شب و روز مشاہدہ کر رہے ہیں (۴) غیبت، عیب جوئی اور مذاق اڑانا (۵) روکھاپن، ترشروئی اور زبان درازی (۶) مشترک کام کاج سے جی چرانا (۷) کھانے پینے، پہننے اور آرام و راحت میں اپنے نفس کو ترجیح دینا۔

اسبابِ محبت

(۱) تقویٰ، یعنی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنا اور کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لینا، اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور ان کی رحمت آپس میں محبت اور پُرکیف زندگی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ (۲) حُبِّ مال کا علاج (۳) حُبِّ جاہ کا علاج، ان دونوں خطرناک اور دنیا و آخرت دونوں کے لئے تباہ کن امراض کا علاج اہل اللہ کی صحبت اور یہ میسّر نہ ہو تو ان کے ملفوظات اور مراقبۂ موت سے کیا جائے (۴) ایک دوسرے کے قول و فعل اور اشیاء کی تحسین اور غائبانہ تعریف کی جائے (۵) آپس میں تبکلف محبّت کا اظہار کیا جائے اور بتایا جائے کہ مجھے آپ کے ساتھ محبت ہے۔ یہ محبت بڑھانے کا بہت ہی اکسیر نسخہ ہے (۶) مشترک کام میں سب سے زیادہ حصّہ لینے اور دوسروں کی خدمت کرنے کی کوشش کی جائے (۷) کھانے، پینے، پہننے اور آرام و راحت میں ایثار سے کام لیا جائے، یعنی دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دی جائے (۸) اگر کسی سے کوئی شکایت ہو تو اسے دل میں نہ رکھیں۔ اس سے نرمی اور محبت سے کہہ دیں (۹) ایک

دوسرے کے لئے دعا کی جائے (۱۰) اللہ تعالیٰ سے آپس میں محبت کی دُعا اور اختلاف کے عذاب سے پناہ مانگتے رہیں۔ فقط واللہ المستعان وعلیہ التکلان

رشید احمد
مقیم دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی
۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ

(۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما حق امرأ مسلم لہ شیء یرید ان یوصی فیہ یبیت لیلتین الا و وصیتہ مکتوبۃ عندہ (متفق علیہ)

"کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ کسی چیز کی وصیت کرنا اس پر ضروری ہو پھر وہ دو راتیں بھی اس طرح گزارے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو"

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات علی وصیۃ مات علی سبیل وسنۃ ومات علی تقی وشھادۃ ومات مغفوراً لہ (ابن ماجہ)

"جو شخص وصیت کر کے مرا وہ صراطِ مستقیم اور طریقِ سنّت پر مرا اور تقویٰ و شہادت پر مرا اور مغفرت کی حالت میں مرا"

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی کے ذمہ کوئی حق واجب ہے تو اس پر اس کی وصیت لکھنا ضروری ہے اور اگر کوئی حق اسکے ذمہ نہیں تو بھی وصیت کرنا مغفرت اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ لہٰذا میں اُمورِ ذیل کی وصیت کرتا ہوں۔

(۱) اوصی نفسی وایاکم بتقوی اللہ "میں اپنے نفس کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں" یہ دولت کسی اللہ والے کی صحبت کے سوا حاصل نہیں ہوتی لہٰذا کسی ایسی شخصیت کی صحبت کو لازم پکڑیں جس کے پاس بیٹھنے سے دُنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا ہو۔ اگر ایسی مجلس میسّر نہ آئے تو اہل اللہ کی کتابوں کے مطالعہ کا روزانہ بلاناغہ معمول بنالیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار کر کے شکر ادا کرنے کا معمول بنالیں۔ اس عاجز کو جو کچھ حاصل ہوا شکرِ نعمت کی بدولت ہوا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا اس عاجز بندے پر یہ بہت بڑا کرم ہے کہ کسی کا کوئی مالی حق اس بندہ کے ذمہ واجب نہیں، آئندہ کے لئے بھی ربّ کریم سے حفاظت کی اُمید ہے، البتہ جسمانی حقوق ہیں

ابتلاء کے مواقع پیش آتے رہے ہیں، اپنی اولاد اور طلبہ کو بغرض اصلاح اور بعض غیر متعلق لوگوں کو بھی حمیتِ دینی کے باعث زجر و توبیخ اور بعض مرتبہ جسمانی سزا کی بھی نوبت آئی، چونکہ ان مواقع میں ضرورت سے زیادہ شدّت یا نفس کی آمیزش کا احتمال ہے اس لئے مَیں ان سب حضرات سے نہایت عاجزی اور لجاجت سے درخواست کرتا ہوں کہ للہ مجھے دل سے معاف فرمادیں، اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں اور گناہوں سے درگزر فرمائیں گے، یہ معاف کرنا انشاء اللہ تعالیٰ ان کے لئے بھی مفید اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔ درگزر اور معاف کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں اور معذرت کرنے والے کو معاف نہ کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "جس شخص سے اس کا بھائی معذرت کرے اور وہ اس کو قبول نہ کرے وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہ آنے پائیگا" (ترغیب و ترھیب)

ایک حدیث میں ہے، "جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے معذرت کرے اور وہ اس کو قبول نہ کرے اس پر ایسا گناہ ہوگا جیسا ظلماً محصول وصول کرنے والے پر ہوتا ہے" (ابن ماجہ) اور ظلماً محصول لینے والے کے بارے میں یہ وعید ہے، "اللہ تعالیٰ (بروزِ قیامت) اپنی مخلوق سے (بلحاظ رحمت و مغفرت) قریب ہونگے پس زنڈی اور (ظلماً) محصول لینے والے کے سوا جس کی چاہیں گے مغفرت فرمائیں گے۔" (طبرانی)

دوسری روایت میں ہے، "(ظلماً) محصول وصول کرنیوالا جنت میں داخل نہ ہوگا" (ابوداؤد، ابن خزیمہ، حاکم)

میرا کئی سال سے یہ معمول ہے کہ ہر اُس شخص کے لئے جس کو مجھ سے کبھی کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچی ہو، روزانہ بلاناغہ دعاءِ مغفرت کرتا ہوں اور اپنے تمام نیک اعمال کا ثواب بخشتا ہوں اور مزید براں تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر بھی ایصالِ ثواب کرتا ہوں، مجھ پر ظلم کرنے والوں کے بارے میں بھی میرا یہی معمول ہے۔

(۴) وصیت کے باب میں میرے نزدیک دارالافتاء والارشاد کا معاملہ بہت اہم ہے، میں اب تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ دارالافتاء والارشاد کے نظم سے متعلق اپنا وصیّ کسے مقرر کر دوں، اگر آئندہ کوئی قابلِ اطمینان صورت ظاہر ہوئی تو اس کے مطابق وصیت کر دوں گا ورنہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں وھو حسبی ونعم الوکیل۔

(۵) میں اپنے تمام متعلقین کو اور بالخصوص اولاد کو اس کی وصیّت کرتا ہوں کہ کبھی بھی قرض کا لین دین ہرگز نہ کریں، نہ اپنی ذات کے لئے اور نہ ہی کسی دینی کام کے لئے، اپنی تمام تر

حاجات کو صرف اپنے مالک کے سامنے پیش کیا کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے پناہ مانگی ہے اور استعاذہ (پناہ مانگنے) میں مغرم ومأثم (قرض اور گناہ) کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ قرض لینے میں عزت اور دین دونوں کا نقصان ہے۔ قرض دینا اگرچہ بہت بڑا ثواب ہے مگر اس زمانے میں لوگوں کی بدمعاملگی کی وجہ سے آپس میں عداوت اور منافرت کا باعث بنجاتا ہے اسلئے اس سے بھی احتراز لازم ہے بحمد اللہ تعالیٰ میں نے آج تک کبھی بھی کسی سے اپنی ذات کے لئے یا کسی دینی کام کے لئے قرض نہیں لیا، مجھے اپنے رب کریم کی رحمت سے یقین ہے کہ وہ آیندہ بھی حفاظت فرمائیں گے، سفر میں کوئی ساتھ ہوتا ہے تو مصارفِ سفر کا اندازہ کرکے اس سے بھی کافی زیادہ رقم اس کے حوالہ کردیتا ہوں، سفر ختم ہونے پر وہ حساب کرکے بقیہ رقم مجھے واپس کردیتا ہے، میں حساب نہیں کرتا۔ البتہ کئی لوگوں کو قرض دیا انمیں سے کسی نے بھی بطیب خاطر واپس نہیں کیا اکثر کو تو معاف ہی کرنا پڑا اور ہمیشہ آپس میں ناگواری کا سبب بنا۔

(۶) کچھ امانت رکھنے کا معاملہ کریں تو اشیاء کی پوری تفصیل اور رقم کی مقدار لکھ کر اس پر مالک دستخط کرے محض حافظہ پر اعتماد کرنا بسا اوقات غلط فہمی اور بدگمانی کا باعث بن جاتا ہے۔

(۷) کوئی رقم کسی خاص مد کی ہو تو جتنی جلدی ہوسکے اس پر یادداشت لکھ دیں، اسی طرح کوئی صاحب آپ کو کوئی چیز یا کچھ رقم بطور امانت دیں اگرچہ تھوڑی دیر ہی کے لئے ہو اس پر بھی جتنی جلدی ممکن ہو مالک کا نام اور رقم کی مقدار لکھ لیں نہ معلوم کب وقت آجائے، موت کے لئے ہر وقت سب معاملات سے فارغ رہنا لازم ہے۔

(۸) میں نے قبل ازیں ایک وصیت نامہ ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۸۷ھ میں عزیزہ اسماء کے حفظِ قرآن کی تکمیل کے موقع پر اہتمامِ اعمال سے متعلق لکھا تھا پھر ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ میں آپس میں محبت اور اسبابِ اختلاف و اسبابِ محبت پر مشتمل دوسرا وصیت نامہ لکھا ان دونوں وصیت ناموں کے مطابق عمل کرنے کی اب پھر وصیت کرتا ہوں۔

(۹) مجھے کسی حال میں بھی ہسپتال میں ہرگز داخل نہ کریں اور اتنا مشورہ تو سب کو دیتا ہوں کہ جب مریض کی حالت مایوس کن ہو تو اسے ہسپتال نہ لے جائیں۔

(۱۰) جس شہر یا گاؤں میں میرا انتقال ہو مجھے وہیں کے عام قبرستان میں دفن کیا جائے کسی دوسرے مقام کی طرف منتقل نہ کیا جائے اور نہ ہی میرے لئے عام قبرستان سے الگ کوئی جگہ منتخب کی جائے۔

(۱۱) میت کو غسل دیتے وقت جو کپڑا ناف سے زانو تک ڈالا جاتا ہے، وہ تر ہونے کے بعد جسم کے ساتھ

چپک جاتا ہے جس سے جسم کی رنگت اور حجم نظر آنے لگتا ہے اس لئے مجھے غسل دیتے وقت ناف سے زانو تک کے حصہ پر کوئی چارپائی وغیرہ رکھ کر اس کے اوپر چادر ڈالدی جائے یا چارپائی کے بجائے چادر کو دونوں طرف سے دو آدمی پکڑ کر جسم سے ذرا اونچی کھینچکر رکھیں۔

(۱۲) میرے جنازے میں شرکت کے لئے کسی قریب سے قریب رشتہ دار یا کسی بڑے سے بڑے بزرگ یا زیادہ لوگوں کے اجتماع کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ وقت پر جتنے افراد بھی موجود ہوں وہ نماز جنازہ پڑھ کر جلد از جلد قبرستان پہنچانے کی کوشش کریں، سنت کے مطابق چند افراد کے نماز جنازہ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی جو رحمت متوجہ ہوتی ہے وہ خلافِ سنت ہزاروں کے مجمع پر بھی نہیں ہوتی۔

(۱۳) منہ دکھانے کی رسم بہت بری ہے اس میں شرعاً بھی کئی قباحتیں ہیں اسلئے اس رسم سے احتراز کی تاکید کرتا ہوں

(۱۴) مجھے قبر میں سنت کے مطابق ٹھیک داہنی کروٹ پر قبلہ رُخ لٹایا جائے، میت کو سیدھا لٹاکر صرف چہرہ قبلہ کیطرف کر دینے کا دستور غلط ہے۔

(۱۵) میرے ایصالِ ثواب کے لئے اجتماع نہ کیا جائے، ہر شخص اپنے اپنے مقام پر حسبِ توفیق ایصالِ ثواب کرتا رہے مالی عبادت کا ثواب پہنچانا چاہے تو حسبِ توفیق رقم کسی کارِ خیر میں لگادے یا کسی مسکین کی مدد کر دے اللہ تعالیٰ کے ہاں سنت کیمطابق تھوڑا سا عمل بھی خلافِ سنت بہت بڑے اعمال سے بدرجہا بہتر ہے۔

(۱۶) میرے لئے ابھی سے روزانہ مغفرت اور رضائے الٰہی کی دعا اور ایصالِ ثواب کا معمول بنالیں، کم از کم تین بار قل ہو اللہ ہی پڑھ کر بخشدیا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ یہ عمل خود پڑھنے والوں کے لئے بھی بہت نافع ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہماری حیات و موت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، تعزیت اور ایصالِ ثواب وغیرہ سب معاملات اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیمطابق مقدر فرمائیں، آمین

انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ۝ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین ۝ لا شریک لہٗ وبذٰلک امرت وانا من المسلمین ۝

رشید احمد

مقیم[1] دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی، ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

نوٹ: جیساکہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، ہوسکتا ہے کہ اہلِ ذوق کو بہت سی چیزیں اس مختصر مضمون میں تشنۂ تحریر نظر آئیں جن سے ان کی پیاس کی تڑپ اور فروزاں ہو، ——— وہ "انوار الرشید" کے چھپنے کا انتظار فرمائیں، فقط وَاللہُ الْمُسْتَعَانُ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ، احتشام الحق آسیا آبادی ۹۶۰۰۷۰۲۳ھ

---

[1] "مقیم دار الافتاء والارشاد" لکھنے کا معمول اسلئے ہے کہ دنیا میں جہاں بھی رہیں بہر حال قیام عارضی ہی ہے وطن تو آخرت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا استحضار اور وطن کا شوق عطا فرمائیں، آمین

تمہید

(طبع جدید)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل العلم نورا یھتدی بہ فی ظلمات الجھل واختلاف الآراء واوضح سبیلہ الصراط المستقیم لمن اتقی وان اضطربت فیہ الاھواء وجعل فی کل زمان رجالا علی الحق ادلاء تیسیرًا للاھتداء وجعل منھم ائمۃ ومجددین خاشعین للہ علماء ۔ والصلوٰۃ والسلام علی افضل المرسلین وخاتم الانبیاء وعلی اٰلہ وصحبہ الاتقیاء ومن حذا حذوھم من العلماء والاولیاء صلوٰۃ وسلامًا دائمین ما طلع القمران والنجوم فی الغبراء ، امّا بعد ۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو وجود بخشا تو اس میں اشرف المخلوقات حضرت انسان کو بسا کر اسے مزید شرف عطا فرمایا لیکن انسان کو خود اپنی ذات میں اشرف واعلیٰ نہیں بنایا بلکہ ایک خارجی چیز ایمان واسلام کی نعمت سے مالا مال کیا اور یہی نعمت دوسری عام مخلوق پر اس کے شرف ومزیت کا موجب بنی۔

چنانچہ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہے اور بندگان خدا کو ایمان واسلام کی حقیقت سمجھاتے رہے، ہدایت کا یہ سرچشمہ انبیاء اور رسولوں کے وجود مبارک سے پھوٹتا ہوا انسانوں کے ایمان کی کھیتی کو سیراب کرتا رہا، بالآخر یہ منبع ہدایت سرکار دوعالم فخر موجودات خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر اپنی انتہا کو پہنچا جس طرح آپ کی ذات گرامی کو بیچ سے ہٹا کر ہدایت کا حصول ناممکن ہے اسی طرح رشد وہدایت کی انتہا بھی آپ کی لائی ہوئی کتاب وسُنّت پر ہوتی ہے، یہی فیض نبوّت کا وہ چشمہ ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے:۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما کتاب اللہ وسنتی

(مستدرک حاکم)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں ان کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے، کتاب اللہ اور اپنی سنت۔

(حاکم)

دوسرے الفاظ میں اس کی تعبیر یوں ہوسکتی ہے کہ محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کے طالبین کو جو پیغام رحمت دیا وہ صراطِ مستقیم ہے، یہ وہی صراطِ مستقیم ہے جس کو پروردگارِ عالَم نے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ یعنی منعم علیہم بندوں کا طریق فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ کتاب وسنّت کی وہی تعبیر وتشریح صراطِ مستقیم پرے جانے والی ہے جو منعَم علیہم بندوں، صحابہ وتابعین وسلفِ صالحین اور ائمہ مجتہدین کی بیان کی ہوئی ہو، کتاب وسنّت کی یہی تعبیر وتشریح جس کو صراطِ مستقیم کہا گیا، اسی کا دوسرا نام "فقہ" ہے۔ فقہ ہی وہ علم ہے، جو انسانوں کے لئے منضبط طور پر ایک مکمّل ضابطۂ حیات اور لائحۂ عمل پیش کرتی ہے۔

ان سرچشمہائے ہدایت میں اگرچہ جزئیات سے بھی کافی بحث کی گئی ہے، لیکن کلّیات جو ایک جامع شریعت کی روح ہوتی ہیں، انہیں کتاب وسنّت اور فقہ میں بہت اہمیت دی گئی ہے، لیکن ظاہر ہے ان کلّیات کو جزئیات پر منطبق کرنا ہر زید، عمر وبکر کا کام نہیں، خصوصًا اس دورِ ترقی میں جب کہ انسان زہرہ وقمر پر کمندیں ڈال رہا ہے، ہر آئے دن ایسی ایجادات ہوتی رہتی ہیں، جن کے متعلق سلف کی تحریروں میں کوئی صریح حکم دستیاب نہیں ہوتا، آج کے ہر انسان کو ان ایجادات خصوصًا ڈاکٹری طریقہائے علاج وغیرہ سے تو روزمرہ سابقہ پڑتا ہے اور ایک مسلمان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ شریعتِ مطہرہ کا حکم معلوم کرکے اپنے روزمرہ کے معمولات کو ان کے سانچہ میں ڈھالا جائے، لیکن یہ معلومات کہاں سے حاصل کی جائیں؟

اس لئے ہر دور کے ماہرین علوم دینیہ علماء ربّانیین نے اپنے اپنے دور کے نئے مسائل کی طرف اپنی توجہ مبذول فرماکر امّت کے سامنے ان کا حل پیش فرمایا ہے، لیکن اس کے باوجود آج کل کچھ ایسے عجیب وغریب مسائل پیدا ہوگئے ہیں، جن کو دیکھ کر ایک عام انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ ان مشکلات کا حل کہاں ملے گا؟ جن میں سے کچھ تو نئی ایجادات اور ڈاکٹری طریقِ علاج میں ترقی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں اور کچھ عوام کی جہالت اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی مرعوب ذہنیت اور خود ساختہ پیغمبروں اور مجتہدوں کی پیداوار،

علاوہ ازیں بعض ایسے اہم مسائل بھی ہیں جنہیں حکومتی سطح سے بنکوں اور دوسرے ذرائع سے پروان چڑھایا جارہا ہے غرضیکہ تقریبًا تیرہویں صدی کے وسط سے لے کر آج تک چاروں طرف ایسے مسائل پیدا ہوتے جارہے ہیں جن کے سیلاب نے عوام کو بھی اپنی رو میں بہادیا ہے، بلا شبہہ علماء کرام اور اہل فتوی حضرات نے ایسے نئے پیدا شدہ مسائل پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں اور ان پر گراں قدر تحقیقات کرکے ان کا حل تلاش کیا ہے، لیکن ان فتووں سے صرف وہ لوگ مستفید ہوسکتے ہیں جنہوں نے ان مسائل کا حل زبانی یا لکھ کر دریافت کیا ہے۔ مگر ذرائع نشر واشاعت کے مسدود یا محدود ہونے کی وجہ سے یہ تحقیقات کاغذوں کے صفحات اور لاتعداد رجسٹروں کے اوراق کی زینت ہیں اور بس،

جن سے ہر کس و ناکس تو کیا استفادہ کرتا، جن کی عمریں اس میدانِ تحقیق میں کھپ گئی ہیں، ان کے لئے بھی بروقت اپنے لکھے ہوئے کسی مسئلہ کو اتنے بڑے ذخیرہ سے تلاش کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے، حالانکہ ان میں سے ایک سے ایک مسئلہ ایسی اہمیت کا حامل ہے کہ جس قدر ہو سکے ان کی اشاعت کر کے ضرورت مندوں تک پہنچا دیا جائے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خزانۂ علم کے دفاتر زبانِ حال سے اپنے قدردانوں اور ضرورت مندوں کو دعوتِ عمل دے رہے ہیں فیا اسفًا علی سدّ الذرائع۔

انہی متبحرین علماء کرام میں جنہوں نے اپنی عمریں علوم اسلامیہ کی خدمت، خصوصًا مسائل و نوازل کی تحقیق و تفتیش میں گذاری ہیں، میرے مربّی و محسن فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت فیوضہم ہیں، آپ نے چونتیس برس فتوی نویسی میں گزارے ہیں، اور ہنوز فتوی نویسی میں محنتِ شاقہ اور غور و فکر روز افزوں کی طرح جاری ہے۔

۱۳۶۲ھ سے آپ کی فتوی نویسی کا آغاز ہوا، آپ کے تعمق نظر و قوتِ استدلال کی وجہ سے اکثر علماء کے درمیان نزاعی مسائل فیصلہ کے لئے آپ کے پاس آتے تھے، ۱۳۷۹ھ میں آپ کے ابتدائی دور کے فتاوی کا انتخاب بنام "احسن الفتاوی کامل مبوّب" شائع ہوا، جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ شاید کسی دینی ادارہ کا دار المطالعہ اس سے خالی نہ ہوگا، اکابر علماء بھی اس سے استفادہ بلکہ استناد کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا منتخب مجموعہ کی اشاعت کے بعد آپ نے جتنے فتاوی جاری فرمائے ہیں، ان سب کی تعداد تو بہت کثیر ہے، اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ حضرت والا کے مختلف رسائل اور زیادہ اہم فتاوی کا انتخاب کر لیا جائے، فرائض کی تخریجات، غیر اہم مسائل اور مکررات کو چھوڑ دیا جائے۔

اس سے قبل احسن الفتاوی مکمل کے نام سے جو کتاب معروف ہے اسے بھی اس مجموعہ میں شامل کر لیا گیا ہے تاریخ تحریر سے قدیم اور جدید فتاوی میں امتیاز کیا جا سکتا ہے، رمضان ۱۳۸۲ھ سے جدید سلسلہ کا آغاز ہوا ہے۔

اس مجموعہ کی خصوصیات

حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے مجموعہ فتاوی و رسائل میں سے اس مجموعہ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل خصوصیات کو سامنے رکھ کر رسائل و مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے کہ:-

① ـــــ اس مجموعہ میں صرف فقہی رسائل و مضامین اور فتاوی شامل کئے گئے ہیں۔

② ـــــ فقہی رسائل و فتاوی کے انتخاب میں ان باتوں کا خیال رکھا گیا ہے:-

(الف) وہ فتاوی و رسائل لئے گئے ہیں جو موجودہ زمانے کی ضرورتوں اور مسائل کی احتیاج کو پورا کریں۔

(ب) ایسے مسائل جو تحقیق طلب تھے مگر عام طور پر ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔

(ج) وہ مسائل جو عربی فتاوی میں تو موجود ہیں مگر اردو فتاوی میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا، یا اختصار مخل کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔

(د) ایسے رسائل جو اب تک طبع نہیں ہوئے، یا طبع تو ہوئے ہیں مگر ضخامت کم ہونے کی وجہ سے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

③ — مسائل اکثر تحقیقی اور اصطلاحی زبان میں لکھے گئے ہیں تاکہ علماء و محققین حضرات ان سے کما حقہ استفادہ کر سکیں۔

④ — بعض رسائل و فتاوی آسان زبان میں ہیں اور جن میں عربی کتابوں کی عبارتیں زیادہ ہیں ان میں اس مسئلہ کا خلاصہ بحث کے شروع یا آخر میں درج کر دیا گیا ہے تاکہ عوام بھی مسئلہ کی نوعیت سے واقف ہو سکیں۔ البتہ عربی عبارات و دلائل کی عوام کو ضرورت ہی نہیں، اس لئے ان کے ترجمے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، نیز یہ تطویل کا باعث بھی ہے جس سے بچنا ضروری تھا۔

⑤ — احسن الفتاوی کی ترتیب دوسرے فتاوی کی طرح فقہی رکھی گئی ہے۔

⑥ — ان فتاوی میں سے بیشتر حصہ دارالافتاء والارشاد کے شعبۂ تمرین افتاء میں کام کرنے والے مختلف علماء کا تحریر کردہ ہے مگر چونکہ ہر مسئلہ حضرت اقدس نے اپنی خاص نگرانی میں اور خصوصی ہدایات کے تحت لکھوا کر اس پر تصدیق فرمائی ہے اس لئے ہر مسئلہ میں تحقیق حضرت اقدس ہی کی ہے، اگرچہ تحریر مختلف حضرات کی ہے۔

⑦ — ان تمام مسائل و رسائل پر حضرت اقدس نے چھپنے سے پہلے نظر ثانی فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس مجموعہ کو عوام و خواص کی رہنمائی کا ذریعہ بنائیں وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔

و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

احتشام الحق آسیا آبادی عفا اللہ عنہ
دارالافتاء والارشاد کراچی
۵ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ
مطابق ۷ مارچ ۱۹۷۶ء

تقدمہ

(اشاعتِ اوّل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ویسے تو ۱۳۶۲ھ ہی سے بندہ کو تحریرِ افتاء کے مواقع پیش آتے رہے، مگر ۱۳۶۶ھ سے اللہ تعالیٰ نے دار الافتاء کی مکمّل ذمہ داری اور مستقل طور پر خدمتِ افتاء کی نعمت سے نوازا لیکن افسوس کہ سنہ ۱۳۷۰ھ تک محرّرہ فتاوی کے جمع اور ضبط کا کوئی انتظام نہ ہوسکا (الّا نادرًا) ۱۳۷۱ھ سے منعمِ حقیقی نے اس کی بھی توفیق عنایت فرمادی، کثرتِ مشاغل کی وجہ سے ہر فتوی کو خود نقل کرنے کی فرصت نہ تھی کسی دوسرے کی نقل پر اعتماد نہ تھا۔ اس لئے بطور یادداشت نمبر تو ہر مسئلہ کا درج کردیا گیا، مگر مضمون کی نقل میں مکررات (الّا نادرًا لفائدۃ) اور فرائض کی تخریجات (جن میں مناسخہ کی طویل تخریجات کا بہت بڑا حصّہ ہے) کو ترک کردیا۔ ۱۳۷۶ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد دار العلوم کراچی میں منتقل ہونے پر چونکہ دار الافتاء کی مستقل ذمہ داری نہ رہی اور کثرتِ مشاغل میں مزید اضافہ ہوگیا۔ اس لئے اس اثناء میں جن مسائل کی تحریر کی نوبت آئی ان میں سے بیشتر کے ضبط کی ہمت نہ ہوئی (الّا ما شاء اللہ)

پس ۱۳۷۱ھ سے لے کر ۱۳۷۶ھ تک پانچ سال کے فتاوی کی کل تعداد تو ۲۰۲۵ تھی۔ مگر ان میں سے محفوظ صرف ۴۵۱ تھے جن میں سے بعض مدّتِ مذکورہ سے قبل یا بعد کے بھی ہیں۔ مگر بہت کم بلکہ کالعدم ہیں۔ نامساعد حالات میں اس مجموعہ کی تبویب اور طباعت واشاعت کی قادرِ مطلق نے توفیق عنایت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو شرفِ قبول بخشیں اور اس عاجز کے لئے ذریعۂ نجات بنائیں، اور سراپا ظلوم وجہول ومجسّمۂ سیأت ومعاصی کے عیوب ظاہرہ وباطنہ کو جیسے دنیا میں محض اپنی کرم نوازی سے اہلِ دنیا کی آنکھوں سے مستور کررکھا ہے، ایسے ہی آخرت میں بھی ستر رحمت سے مغفور فرمائیں اللّٰھمّ اجعل سریرتی خیرا من علانیتی واخرتی خیرا من دنیای آمین برحمتک یا ارحم الراحمین وبحقّ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

وانا العبد

رشید احمد

۲۳۔ جمادی الآخرہ ۱۳۷۹ھ، یوم الخمیس

۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الایمان والعقائد!

کسی شخص کا یہ کہنا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرض نماز معاف کردی ہے

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین ایسے شخص کے متعلق جس کا عقیدہ اور بیانات، حسب مندرجہ ذیل ہوں:

عرض ہے کہ ڈاکٹر عسکری صاحب جو کہ اپنے آپ کو ڈاکٹر اور سید بھی بتلاتے ہیں، مقام نودیرو ضلع لاڑکانہ میں آباد ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق ایڈیٹر اخبار رہبر سندھ نے بہت کچھ لکھا۔ بعدۂ عسکری صاحب نے معافی مانگ کر ان سے چھٹکارا حاصل کیا۔ ڈاکٹر عسکری صاحب کا عقیدہ اور بیانات حسب ذیل ہیں:

ڈاکٹر عسکری صاحب مذکور نے مسمیان صوفی عبدالستار صاحب و محمد حسن صاحب و احتشام الدین صاحب سابق اسٹیشن ماسٹر نودیرو، و شیخ علی خاں و سید رشید الدین احمد صاحب پوسٹ ماسٹر نودیرو ضلع لاڑکانہ سندھ کے روبرو وبیشتر مرتبہ حسب ذیل بیان کیا کہ:

① ــــ پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے فرمایا ہے کہ نماز پڑھنے سے آزاد ہے۔

② ــــ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت خواجہ غریب نواز صاحب اور حضرت خواجہ قطب الدین صاحب اور حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج صاحب اور حضرت خواجہ نظام الدین صاحب میرے مکان نودیرو میں تشریف لائے اور میرے عالم بیداری میں مجھ سے بات چیت ہوئی۔ بزرگان موصوفین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم سب تمہارے یہاں تین یوم قیام کریں گے۔ چنانچہ تین یوم تک مذکورہ بالا لوگوں میں سے بجز صوفی عبدالستار صاحب بقیہ مذکورہ چار اشخاص کو تین روز دعوتیں کھلائیں۔

③ ــــ ایک روز بیان کیا کہ آج جنابہ سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء میرے گھر تشریف لائیں اور میں جاگ اٹھا۔ مگر کمر سے نیچے میرا جسم بالکل مفلوج ہوگیا تھا، اٹھ نہیں سکتا تھا۔ میں بیدار تھا اور دیکھ رہا تھا۔ لاں اماں

کہہ رہا تھا۔

④ —— ایک دن بیان کیا کہ آج شب میں حضرت سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے مکان پر تشریف لائیں اور مجھے عالمِ بیداری میں زیارت ہوئی۔

⑤ —— ایک دفعہ بیان کیا کہ آج شب میں حضرت خواجہ غریب نواز تشریف لائے ہیں اور مجھ سے مُسلّم بکرا پکوانے کی فرمائش کی اور پکانے کی خاص ترکیب بھی بتلائی ہے۔ چنانچہ ایک دن کا بچہ بکری کا پکوا کر کھلایا۔ اس کھانے کے بعد بعض کو قے بھی ہوئی۔

⑥ —— بیان کیا کہ میں ایک روز دہلی میں پیدل تیز رفتار جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک بزرگ صاحب کا مزار تھا۔ جب کہ میں کچھ مزار سے دور بڑھ گیا تو صاحبِ مزار نے آواز دے کر فرمایا کہ اب نہیں آتے ہو میں لوٹ پڑا اور مزار پر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ صاحبِ مزار مسکرا رہے ہیں۔ مجھ سے بات چیت ہوئی اور پھر میں چلا آیا۔ یہ بھی دعویٰ کیا کہ میں نے اہلِ قبور سے باتیں کی ہیں۔ جب اس قسم کے روزانہ قصے بیان کرنے لگے تو اشخاص مندرجہ بالا میں سے کچھ نے عسکری صاحب مذکور سے کہا کہ اس قسم کے قصے بیان کرنا بند کر دیجئے۔ یہ قوت اللہ پاک نے نبیوں کو عطا فرمائی ہے۔ آپ کے بیانات سے توہین بزرگانِ دین اور حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حملہ اور بہتان ہے۔ اس سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے۔ جواب میں فرمایا کہ میری اپنی قبر اور میری اپنی صلیب میں نے روپیہ خرچ کر کے یہ حاصل کیا ہے۔ مجھ کو کسی سے کچھ نہیں لینا ہے۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

مندرجۂ سوال عقائد رکھنے والا شخص زندیق ہے، نماز وغیرہ ظاہری احکام کا انکار کفر ہے۔ ایسے شخص کا معتقد ہونا ہرگز جائز نہیں۔ ہر شخص پر اس کی تکذیب اور انکار واجب ہے۔ جو شخص اس کی تصدیق کرے وہ بھی زندیق ہے۔ علامہ محمد برکلی رومی رحمہ اللہ تعالیٰ طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں ما يدعيه بعض المتصوفة فى زماننا اذا انكر عليهم بعض امورهم المخالف للشرع ان حرمة ذلك فى العلم الظاهر وانا من اصحاب العلم الباطن وانه حلال فيه وانكم تأخذون عن الكتاب وانا نأخذ من صاحبه يعنى محمدا صلى الله عليه وسلم، كله الحاد واضلال اذ فيه ازدراء بالشريعة المحمدية فالواجب على كل من سمع هذا المقال الانكار على قائله والجزم ببطلان قوله بلا شك ولا تردد ولا توقف والا فهو من جملتهم ويحكم بالزندقة عليهم، الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ شوال سنہ ۱۳۷۱ھ

اولیاء اللہ کو متصرف اور عالم الغیب سمجھنا:

سوال: اولیاء کرام کی ارواح کو متصرف فی الامور اور عالم الغیب سمجھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس عقیدہ کا کفر ہونا قرآن، حدیث اور فقہ میں مصرح ہے، کقوله تعالیٰ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۷-۱۸۸) قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (۷۲-۲۱) من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر (بزازیہ) ذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (شرح فقہ اکبر) ومنها ان ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر (البحر الرائق ج ۲ [1]) قاضی خان وغیرہ کتب فقہ میں ایسے شخص کی تکفیر کی ہے جو نکاح میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنائے اس لئے کہ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھا۔ اس باب میں آیات، احادیث اور عبارات فقہ اس کثرت سے ہیں کہ انہیں تحریر میں لانا مشکل ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱ ذی الحجہ سنہ ۷۱ھ

قبر کو بوسہ دینا:

سوال: قبر کو بوسہ دینا شرعاً جائز ہے یا کہ حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قبر کو بوسہ دینا بنیت عبادت وتعظیم کفر ہے اور بلا نیت عبادت بوسہ دینا گناہ کبیرہ ہے، وكذا ما يفعلونه من تقبيل الارض بين يدي العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضي به آثمان لانه يشبه عبادة الوثن وهل يكفران على وجه العبادة والتعظيم كفروان على وجه التحية لا وصارا آثما مرتكبا للكبيرة وفي الملتقط التواضع لغير الله حرام (شرح التنوير) (قوله ان على وجه العبادة والتعظيم كفر الخ) تلفيق لقولين، قال الزيلعي وذكر الصدر الشهيد انه لا يكفر بهذا السجود لانه يريد به التحية. وقال شمس الائمة السرخسي ان كان لغير الله تعالى على وجه التعظيم كفر اهـ قال القهستاني وفي الظهيرية يكفر بالسجدة مطلقا. وفي الزاهدي الايماء في السلام الى قريب الركوع كالسجود وفي المحيط انه يكره الانحناء للسلطان وغيره اهـ وظاهر كلامهم اطلاق السجود على هذا التقبيل. (رد المحتار کتاب الحظر والاباحة) مزید دلائل محدثین وفقہاء کی تصریحات عزیز الفتاویٰ جلد اول میں ملاحظہ ہوں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ ارشوال سنہ ۷۱ھ

---

[1] قبیل باب الاعتکاف ۱۲ منہ

تارکِ صوم کافر نہیں :

سوال : ایک شخص روزہ نہیں رکھتا مگر خود کو بدبخت اور گنہگار سمجھتا ہے۔ یہاں بعض علماء اسے کافر کہتے ہیں۔ آنجناب بادلائل اس پر روشنی ڈالیں کیونکہ اس میں اختلاف ہو گیا ہے
بیّنوا بالدّلیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

تارکِ صوم بلا استحلال باتفاق جمیع اہل السنۃ مسلمان ہے لان الکفر ھو انکار ما ثبت من الدین ضرورۃ۔ گناہ کبیرہ کی وجہ سے خروج عن الایمان معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے ومن ادعی الارتداد فلیطلع لنا قرنہ ولیعرض فی مضمار البیان مہرہ فان من قال انا، وقع فی العنا۔
اہل سنت کے ہاں بعض اعمال مثل شدّ زُنّار والقاء القرآن وغیرہ اس لئے موجبِ کفر ہیں کہ یہ انکار اور تکذیب پر دال ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۵ ذیقعدہ ۷۲ھ

رمضان میں علانیۃً کھانے والے کا حکم :

سوال : شامیہ کتاب الصوم میں ہے کہ رمضان میں علانیۃً کھانے والا کافر ہے۔ پس ایک شخص رمضان میں کھلم کھلا کھاتا ہے مگر ساتھ ہی خود کو قصور وار اور گنہگار بھی کہتا ہے۔ آنحضور کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ فی شرح التنویر ولو اکل عمدًا شہرۃ بلا عذر یُقتل وتمامہ فی شرح الوھبانیۃ۔ وفی الشامیۃ (قولہ وتمامہ فی شرح الوھبانیۃ)، قال فی الوھبانیۃ ؎

ولو اکل الانسان عمدًا وشہرۃ ولا عذر فیہ قیل بالقتل یؤمر

قال الشرنبلالی صورتہا تعمد من لاعذر لہ الاکل جہارا یقتل لانہ مستہزئ بالدین، او منکر لما ثبت منہ بالضرورۃ ولاخلاف فی حل قتلہ والامر بہ فتعبیر المؤلف بقیل لیس بلازم الضعف۔ اھ (شامیہ ج ۲)، بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شامیہ کی عبارت مذکورہ فی السؤال واقعی موجب تکفیر ہے، مگر اوّلاً یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ شامیہ میں علتِ تکفیر استہزاء بالدّین ذکر کی ہے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے کو گنہگار اور قصوروار سمجھتا ہے اور اس کا اقرار بھی کرتا ہے وہ مستہزئ بالدین نہیں بلکہ تکاسلاً ترکِ صوم کرتا ہے، اور تکاسلاً تارکِ صوم کے متعلق خود شامیہ میں لکھا ہے کہ اسے قید وضرب کی شدید سزا دی جائے، قتل نہ کیا جائے گا، اور باتفاق حنفیہ

شافعیہ، مالکیہ تارکِ صلوٰۃ کافر نہیں تو تارکِ صوم بطریقِ اَولیٰ کافر نہ ہوگا، اور ثانیاً حکمِ قتل موجبِ تکفیر نہیں کحکم القتل حدًّا او قصاصًا۔ اور ثالثاً قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ تکفیرِ مسلم میں از حد احتیاط کی ضرورت ہے، وقد ذکر ان المسألۃ المتعلقۃ بالکفر اذا کان لہا تسع وتسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد فی نفیہ فالاولیٰ للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی لان الخطأ فی ابقاء الف کافر اھون من الخطأ فی افناء مسلم واحد، (شرح فقہ اکبر لملا علی القاری ص ۱۹۹)

شامیہ باب المرتد میں (قولہ قال فی البحر وقد الزمت نفسی الخ) کے تحت نہایت بسط اور تفصیل سے احتیاط فی التکفیر کی از حد تاکید ہے، اور بہت سی کتب کی عبارات نقل کی ہیں، اور اس مقام سے کچھ آگے چل کر خود درمختار میں اس کی سخت تاکید کی گئی ہے، لہٰذا ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگانا خلافِ احتیاط ہے، البتہ اس کو تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کا حکم دینا بہتر ہے، کما فی شرح التنویر معزیًا الیٰ شرح الوھبانیۃ للشرنبلالی ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح، وفی الشامیۃ (قولہ والتوبۃ) ای تجدید الاسلام (قولہ وتجدید النکاح) ای احتیاطًا (الیٰ قولہ) وظاھرہ انہ لا یحکم القاضی بالفرقۃ بینھما وتقدم ان المراد بالاختلاف ولو روایۃ ضعیفۃ ولو فی غیر المذھب (شامیۃ ج ۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۷ محرم سنہ ۷۴ھ

علم اور اہلِ علم کی اہانت کفر ہے:

سوال: ایک شخص اہلِ علم اور صلحاء وعلماءِ حق کو گالیاں دیتا ہے اس کا شرعًا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

علمِ دین کی اہانت اور علماءِ حق کو اس لئے گالیاں دینا کہ وہ حاملینِ علمِ دین ہیں کفر ہے، لہٰذا ایسے شخص کو دوبارہ مسلمان کرکے تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے، اور اسے جلا وطن کرنا چاہیئے اگر دوبارہ مسلمان نہ ہو تو شرعًا اسے قتل

کرنے کا حکم ہے، قال فی البریقۃ المحمودیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ قال فی الاشباہ الاستہزاء بالعلم والعلماء کفر وعن منیۃ المفتی تخفیف العلم والعلماء کفر وعن الخزانۃ من اذل العلماء ینفی من البلد بعد تجدید الایمان وعن مجموع النوازل اہانۃ علماء الدین کفر وعن المحیط ان شتم عالمًا فقد کفر فتطلق امرأتہ الخ (بریقۃ محمودیۃ ج ۳) ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ رذی الحجہ ۷۳ھ

پردہ کو بُرا سمجھنا کفر ہے :

سوال ؛ ایک شخص نے اپنی عورت کو پردۂ شرعی کا حکم دیا۔ عورت نے جواب میں کہا کہ میں آخر عمر تک لعنت قبول نہ کروں گی۔ اس عورت کے لئے شرعًا کیا حکم ہے بینوا بالبرھان توجروا عند الرحمٰن

الجواب ومنه الصدق والصواب

لفظ مذکور فی السوال کلمۂ کفر ہے، اس میں نص صریح سے ثابت شدہ حکم حجاب کا انکار بلکہ اہانت ہے قال فی شرح التنویر والکفر لغۃ الستر وشرعًا تکذیبہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شیء مما جاء بہ من الدین ضرورۃ ۔ وقال قبیل ھذا من ھزل بلفظ کفر ارتد وان لم یعتقدہ للاستخفاف الخ، وفی الشامیۃ المراد بالتکذیب عدم التصدیق الذی مر ای عدم الاذعان والقبول لما علم مجیئہ بہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرورۃ (الی قولہ) ولیس المراد التصریح بانہ کاذب فی کذا لان مجرد نسبۃ الکذب الیہ صلی اللہ وسلم کفر الخ (ردالمحتار ۔ کتاب المرتد ج ۳) ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رذی الحجہ ۷۳ھ

گناہوں پر فخر کرنا کفر ہے :

سوال ؛ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین ایسے شخص کے بارے میں جو علانیہ گناہوں میں مبتلا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے اپنے گناہوں پر فخر ہے، شریعت میں اس کی کیا سزا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

احکامِ شریعت کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر فخر کرنا بلاشبہہ کفر ہے، لہٰذا ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہے، اس پر تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح ضروری ہے، حاکمِ وقت پر فرض ہے کہ اسے توبہ اور تجدیدِ ایمان کی تلقین کرے، اگر خدانخواستہ توبہ نہ کرے تو اس کے قتل کا حکم دے، قال فی شرح التنویر من ھزل بلفظ کفر ارتد وان لم

یعتقدہ للاستخفاف (رد المحتار ج ۳) وفیہ ایضا تعمد من لاعذر لہ الاکل (فی رمضان) جہارا یقتل لانہ مستهزئ بالدین او منکر لما ثبت منه بالضرورة (رد المحتار ج ۳)

مزاحاً کلمہ کفر کہنے والے اور علانیہ گناہ کرنے والے کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا گیا ہے تو گناہوں پر فخر کرنے والے کے کفر میں کیا شبہہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲۳ ربیع الآخر ۹۶ھ

تبصرہ بر رسالہ "التلقین والهدایۃ لمن انکر الکرامۃ"

میں نے مولانا محمد خلیل اللہ صاحب کی تحریر اور مولانا عبدالکریم صاحب اور مولانا دوست محمد کے جوابات کا بغور مطالعہ کیا۔ میرے خیال میں جواب لکھنے والے ہر دو حضرات نے مولانا خلیل اللہ صاحب کا مقصد پوری طرح نہیں سمجھا۔ جس کی وجہ سے مولانا محمد خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا جواب مکمل نہیں۔ جواب میں دو امر مذکور ہیں۔

(۱) وقوع کرامت بدرجہ قدر مشترک نصوص قطعیہ سے ثابت ہے حالانکہ مولانا محمد خلیل اللہ صاحب بھی اس کے منکر نہیں۔

(۲) ہر واقعہ اور جزئی کرامت کے ثبوت کے لئے نص قرآنی یا احادیث متواترہ کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ مولانا خلیل اللہ صاحب بھی اس کے قائل نہیں۔

میرے خیال میں مولانا خلیل اللہ صاحب کا مقصد یہ ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بمراد عبادہ) کہ مثلاً احراقِ نار مشاہدہ ہونے کی وجہ سے قطعی ہے۔ اب اگر کسی ولی کے متعلق سننے میں آئے کہ اسے کرامت کے طور پر آگ نہیں جلاتی تو اس واقعہ کی تصدیق کے لئے اس کا علم قطعی ضروری ہے۔ یعنی روبرو جاکر بالمشافہہ دیکھا جائے یا اس کی خبر حدِّ تواتر تک پہنچے۔ غرضیکہ قطعی سے مراد علم قطعی ہے قرآن یا حدیث کی نص قطعی مراد نہیں چنانچہ مولانا خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا پہلا جملہ "واقعاتِ عادیہ قطعی ہیں" اس پر بیّن دلیل ہے کہ قطعی سے ان کی مراد قطعی الوجود بالمعاینۃ وغیرہا ہے۔ ثابت بنص القرآن یا بالحدیث القطعی مراد نہیں۔ مولانا خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا مقصد واضح ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ رسالہ میں مندرجہ جوابات مولانا کے استدلال کی تردید کے لئے کافی نہیں، لہٰذا مولانا کے استدلال کے بالاختصار دو جواب تحریر کئے جاتے ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

(۱) **الزامی جواب**۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے اکثر معجزات اخبار آحاد ہی سے ثابت ہیں۔ آپ کے استدلال کے مطابق ان جملہ معجزات کا انکار کرنا پڑے گا۔ یہ جواب مولانا عبدالکریم صاحب کی تحریر میں بھی موجود

ہے۔ مگر مندرجہ ذیل تحقیقی جواب کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔

(۲) **تحقیقی جواب**۔ امورِ عادیہ کے خلاف بعض واقعات جب مسلّم اور قطعی ہیں تو امورِ عادیہ قطعی نہ رہے بلکہ عام مخصوص منہ البعض ہونے کی وجہ سے ظنی ہوگئے۔ لہٰذا ان کے مقابلہ میں خبرِ واحد عادل کافی ہے جو کہ موجبِ ظنِ غالب ہے۔ بغرضیکہ اگر کوئی کرامت خبرِ واحد عادل سے منقول ہو تو اس کی تصدیق لازم ہے۔

فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ

چاند پر پہنچنا شریعت کے خلاف نہیں

عنایت فرما کر اس سوال کا تسلی بخش جواب تحریر فرمائیں۔ قرآن شریف میں "تَبَارَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب آسمانوں میں ہیں اسی طرح چند تفاسیر میں بھی تحریر ہے کہ سب آسمان میں ہیں اور آج کل لوگ چاند پر اتر رہے ہیں اور اسی طرح زہرہ پر اتر رہے ہیں اور وہاں اسٹیشن قائم کر رہے ہیں اور یہ لوگ آسمانوں کے قائل نہیں ہیں اور دلیل یہی دے رہے ہیں کہ اگر آسمان ہوتے تو ہمیں رکاوٹ ہوتی، عنایت فرما کر جواب تحریر فرمائیں، والسلام

الجواب باسم ملهم الصواب

سماء کے لغوی معنی بلندی کے ہیں لہٰذا آیۂ مذکورہ میں اگر اس کے لغوی معنی مراد لئے جائیں جو کثرت سے آتے ہیں، کما قالوا فی قولہ تعالیٰ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً تو کوئی اشکال باقی نہیں رہنا چاہیے کہ "كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ" میں فلک کے لغوی معنی یعنی مدویر مراد لینے سے اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔ نیز دونوں جگہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حرف "فی" ظاہرِ رؤیت کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔ یعنی بظاہر یہ سیارات آسمان کے اندر نظر آرہے ہیں اگرچہ حقیقۃً نیچے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میں نے آسمان پر یا آسمان میں فلاں چیز دیکھی یا آسمان پر بادل ہیں حالانکہ یہ اشیاء آسمان سے بہت نیچے ہیں۔

نیز آیات مذکورہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیارات ثخن سماء میں مرکوز ہیں۔ کیونکہ اشیاء مجاورہ کے لئے بھی "فی" استعمال ہوتا ہے کما فی قولہ تعالیٰ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ پس قرب الی السماء یا بالطبع مائل الی المحیط ہونے کی وجہ سے "فِي السَّمَآءِ" کا اطلاق صحیح ہے بلکہ "یسبحون" سے یہی متبادر ہے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول ۸۹ھ

ڈاڑھی کو برا سمجھنا کفر ہے

سوال۔ سنتِ نبویہ خصوصاً ڈاڑھی کا مذاق اڑانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ سنت کو برا سمجھنا یا اس کا مذاق اڑانا درحقیقت اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء ہے جس کے کفر ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ جب سنت سے استہزاء کفر ہے تو ڈاڑھی تو واجب ہے، اور شعارِ اسلام ہے، ایک مشت سے کم کرنا بالاجماع حرام ہے۔ اس کا مذاق اڑانا بطریق اولیٰ کفر ہے۔ قال فی العلائیة واما الاخذ منها وهی دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد (شامیة ص ۱۲۳ ج ۲) اسے دوبارہ مسلمان کرکے نکاح بھی دوبارہ کیا جائے اگر دوبارہ اسلام قبول نہ کرے تو حاکم پر فرض ہے کہ اس کے قتل کا حکم دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ یوم عید الاضحیٰ ۸۶ھ۔

مسئلۂ ختمِ نبوت پر ایک دلچسپ مناظرہ

جمع وترتیب

احتشام الحق آسیا آبادی

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد

میرے مربی روحانی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ابتدائی تدریس کے زمانے میں ایک قادیانی مناظر سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی، قادیانی کے ساتھ ان کا ایک شاگرد بھی تھا، ملتے ہی قادیانی مناظر نے اپنی تعریف اور مہارت پر کافی تقریر کی اور کہا کہ میں نے بوعلی سینا کی کتابیں پڑھی ہیں، عیسائیوں اور آریوں سے بہت سے مناظرے کئے ہیں، خوب اپنی قابلیت اور مہارت جتاتا رہا اور حضرت والا خاموشی سے سنتے رہے، اس کے بعد مسئلہ جریانِ نبوت پر بات شروع کردی۔ ذیل میں اس مختصر مگر دلچسپ مناظرے کی روئیداد پیش کی جارہی ہے جس میں خاص طور سے حضرات علماء کرام کے لئے بڑی کارآمد اور مفید باتیں آگئی ہیں۔

اختصار کی خاطر حضرت والا کو مفتی صاحب اور قادیانی کو قادیانی مناظر کے عنوان سے ذکر کیا جائے گا۔

(آسیا آبادی)

حضرت مفتی صاحب:۔ آپ کا اصل دعوی تو اثباتِ نبوتِ مرزا ہے، مسئلہ جریانِ نبوت آپ کے دعوائے نبوت پر دلیل کے لئے صغری کا کام دیتا ہے یا کبری کا؟

قادیانی مناظر:۔ یہ ہماری دلیل نہیں ہے، بلکہ اس مسئلہ کو ہم اس لئے بیان کرتے ہیں

کہ مرزا صاحب کی نبوت پر بحث کرتے ہوئے اکثر علماء یہ بحث از خود چھیڑ دیتے ہیں کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ بحث کرنا پڑتی ہے۔

مفتی صاحب:۔ یہ بحث آپ اس عالم سے کریں جو اسے چھیڑے، مجھ سے براہِ راست اپنے دعوی نبوتِ مرزا پر بحث کریں، اس لئے کہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ بفرض محال اگر نبوت جاری ہو تو بھی مرزا صاحب نبی نہیں ہو سکتے۔

حضرت والا کے اس اصرار کے باوجود قادیانی مناظر جریانِ نبوت ہی پر بحث کرنے پر مصر رہے، اصل وجہ یہ ہے کہ قادیانی مناظر اس مسئلہ میں اصل مدعا کی طرف آتے ہوئے گھبراتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت کو ثابت کرنے کے آگے کانٹوں کا انبار ہے۔ اس لئے حضرت والا ارخاء عنان کے لئے جریانِ نبوت ہی پر بحث کرنے پر رضامند ہو گئے کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ کسی کمزوری کی بناء پر اس بحث سے پہلو تہی کر رہے ہیں، چنانچہ اب بحث شروع ہوتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب:۔ یہ بحث ہے تو بالکل فضول مگر جب آپ اپنے اصل مدعا کی طرف نہیں آنا چاہتے اور اسی پر مصر ہیں کہ جریانِ نبوت ہی پر بحث ہو تو چلئے اس پر فرمایئے۔

قادیانی مناظر:۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک بالاتفاق نبوت جاری رہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا یہ دعوی ہے کہ نبوت ختم ہو گئی، جو شخص متفق علیہ حقیقت کے خلاف کا قائل ہوتا ہے وہ مدعی کہلاتا ہے اور مدعی کے ذمہ دلیل بیان کرنا ہوتا ہے، آپ مدعی ہیں، لہذا ختم نبوت پر دلیل بیان کریں۔

حضرت مفتی صاحب:۔ آپ میرا مدعی ہونا تسلیم کرتے ہیں؟

قادیانی مناظر:۔ (ذرا ہچکچا کر) ہاں! اس حیثیت سے کہ آپ متفق علیہ حقیقت کے خلاف کے قائل ہیں۔

حضرت مفتی صاحب:۔ آپ حیثیت وغیرہ چھوڑیں اور صاف اس کا اقرار کریں کہ آپ مجھے مدعی مانتے ہیں،

قادیانی مناظر:۔ (دبی ہوئی زبان میں) ہاں آپ مدعی ہیں۔

قادیانی مناظر کو حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے مدعی تسلیم کرنے میں تردد اس لئے ہو رہا تھا کہ

مناظرہ میں ہر شخص مدعی بننے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، مگر یہاں خود حضرت مفتی صاحب اپنے مدعی ہونے کا ان سے اقرار لے رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب: یہ بتائیے کہ آپ کے ہاں نبوت بشرط لاشئی، جاری ہے یا لابشرط شئی، ر؟

قادیانی مناظر: آپ علمی اصطلاحات استعمال نہ کریں، عام فہم زبان میں بات کرنا چاہئے۔

حضرت مفتی صاحب: یہاں عوام کا کوئی ایسا مجمع نہیں اس لئے علمی اصطلاحات کے استعمال میں کوئی حرج تو نہیں، معہذا آپ کی خواہش کی رعایت کرتا ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہاں مطلق نبوت جاری ہے یا النبوۃ المطلقۃ؟

قادیانی مناظر: دونوں میں کیا فرق ہے؟

حضرت مفتی صاحب: میں نے خیال کیا کہ آپ بو علی سینا کی کتابیں دیکھے ہوئے ہیں اس لئے سمجھ جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہاں نبوت کی دو قسمیں ہیں، تشریعی اور ظلّی، یہ دونوں قسمیں جاری ہیں یا ایک؟

قادیانی مناظر: ایک قسم جاری ہے یعنی ظلّی، تشریعی نبوّت ختم ہوگئی۔

حضرت مفتی صاحب: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نبوت تشریعی جاری تھی آپ اس کے ختم ہو جانے کے قائل ہیں، متفق علیہ حقیقت کے خلاف کہہ رہے ہیں، اس لئے آپ مدعی ٹھہرے۔ آپ اس پر دلیل بیان کریں۔

قادیانی مناظر: میں مدعی نہیں ہوں۔

حضرت مفتی صاحب: بعینہٖ جس طریقے سے آپ نے مجھے مدعی ٹھہرایا، اسی طریقے سے آپ مدعی بن رہے ہیں۔

قادیانی مناظر: میں کسی طرح مدعی نہیں ہوں۔

حضرت مفتی صاحب: جس طریقے سے مجھے مدعی بنایا تھا بعینہٖ اسی طریقے سے آپ مدعی بن گئے اب اگر آپ مدعی نہیں تو میں بھی مدعی نہیں، قصہ ہی ختم ہوگیا۔

قادیانی مناظر: (مجبور ہو کر اپنے مدعی ہونے کا بادل ناخواستہ اقرار کرتے ہوئے دلیل پیش کرتے ہیں) نبوتِ تشریعیہ کے لئے کچھ شرائط ہیں (ان شرائط کی تفصیل بیان کرنے سے بچنے کے لئے کہا کہ) یہ شرائط آپ کو معلوم ہی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب: مجھے ان شرائط کا علم نہیں آپ ہی بیان کریں، نیز یہ بھی بتائیے

کہ ان شرائط کا وجود ممکن ہی نہیں یا ممکن تو ہے واقع نہیں ؟

قادیانی مناظر:- ممکن ہے مگر واقع نہیں۔

حضرت مفتی صاحب:- اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت تشریعی ممکن تو ہے مگر واقع نہیں !

قادیانی مناظر:- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت تشریعی ممکن ہی نہیں ،

حضرت مفتی صاحب:- یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شرط ممکن ہو اور مشروط ممتنع ؟

قادیانی مناظر کافی دیر تک اس بحث میں الجھتے رہے کہ شرائط ممکن ہیں اور نبوت تشریعی ممکن نہیں ، مگر بالآخر اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ نبوت تشریعی کے شرائط بھی ممکن نہیں ۔ ——

حضرت مفتی صاحب:- اب دو دعووں کا اثبات آپ کے ذمہ ہوگیا ، ایک تو یہ کہ جو چیز آپ بیان کریں اس کی شرطیت دلیل سے ثابت کریں ۔ دوسرا یہ کہ اس شرط کا ممتنع ہونا بھی ثابت کریں ،

قادیانی مناظر:- (ایک آیت[1] پڑھ کر) اس سے یہ ثابت ہوا کہ تشریعی رسول تب آتا ہے جب کہ اس سے پہلی کتاب میں تحریف ہونے لگے ۔ چونکہ قرآن کریم میں کوئی تحریف نہیں ہو سکتی اس لئے تشریعی رسول بھی نہیں آسکتا ۔

حضرت مفتی صاحب:- اس آیت سے تو سببیت ثابت ہوئی نہ کہ شرطیت ، تحریف ماقبل بعثتِ رسالت کا سبب ہے ، شرط نہیں ، یعنی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بغیر تحریف ماقبل کے کوئی نیا رسول نہیں آسکتا ، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام تشریعی نبی تھے ، مگر آپ سے قبل کسی دین کی تحریف نہیں ہوئی ۔ کیا نیا رسول آنے کی یہ وجہ نہیں ہو سکتی کہ دینِ ماقبل میں کوئی تحریف نہ بھی ہو مکمل طور پر صحیح طریقے پر موجود ہو ، اس کے باوجود اس کے احکام طبائع کے مناسب نہ رہے ہوں ، اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کے ذریعہ اس زمانہ کے طبائع کے مطابق احکام میں ترمیم فرمائیں ۔ بہرحال شرطیت ثابت نہیں ہوتی ۔

قادیانی مناظر:- (شرمندگی کی ہنسی طاری کر کے فرمانے لگے کہ) شرطیت ہو یا سببیت بات یوں ہی ہے ۔

یہ کہہ کر اپنی چھیڑی ہوئی بحث کو خود ہی ختم کر دیا اور حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے بار بار اصرار کے باوجود اصل مدعا یعنی اثبات نبوت مرزا پر بات کرنے کو تیار نہ ہوئے اور نہ ہی مسئلہ جریانِ نبوت پر مزید کلام کیا ، بالکل ہی خاموش ہوگئے ۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ " ہم نے کبھی کسی مناظر کو اس طرح خاموش ہوتے ہوئے نہ دیکھا نہ سنا ۔ یہ صاحب اپنی خاموشی میں منفرد رہے ۔

۳ ربیع الاول سنہ ۹۶ھ

---

[1] یاد نہیں رہا کونسی آیت تھی ، شاید یہ ہو ۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ الخ ۱۲ منہ

قادیانیوں سے تعلقات رکھنے کا حکم :

سوال - ایک شخص صحیح العقیدہ ہے۔ صوم، صلوٰۃ وزکوٰۃ کا پابند ہے، لیکن اس کے دنیوی تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں۔ کیا ایسے شخص سے مسجد کے لئے چندہ لینا اور ایسے شخص سے تعلقات رکھنا جائز ہے، اور ایسے شخص کو خنزیر سے بدتر کہنا اور سمجھنا کیسا ہے ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ایسا شخص جو صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے لیکن اس کے تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں اگر وہ دل سے بھی ان کو اچھا سمجھتا ہو تو وہ مرتد ہے اور بلاشبہ خنزیر سے بدتر ہے، اس سے تعلقات رکھنا ناجائز ہے، اگر وہ مسجد کے لئے چندہ دیتا ہے تو اسے وصول کرنا جائز نہیں۔ اور اگر وہ قادیانیوں کے عقائد سے متفق نہیں اور نہ ہی ان کو اچھا سمجھتا ہے، بلکہ صرف تجارت وغیرہ، دنیوی معاملات کی حد تک ان سے تعلق رکھتا ہے تو یہ شخص مرتد نہیں، البتہ بہت سخت مجرم اور فاسق ہے۔ قادیانی زندیق ہیں جن کا حکم عام مرتد سے بھی زیادہ سخت ہے، مرتد اور اس کا بیٹا اپنے مال کے مالک نہیں، لہٰذا ان کی بیع وشراء، اجارہ واستجارہ، ہبہ کا لین دین وغیرہ کوئی تصرف بھی صحیح نہیں، البتہ پوتے نے جو مال خود کمایا ہو وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے، مگر زندیق کا پوتا بھی اپنے کمائے ہوئے مال کا مالک نہیں اور اس کے تصرفات نافذ نہیں، اس لئے قادیانی سے کسی ذریعہ سے بھی کوئی مال لیا تو وہ حلال نہیں۔

تجارت وغیرہ معاملات کے علاوہ بھی قادیانیوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی میل جول رکھنا جائز نہیں۔ اس میں یہ مفاسد ہیں :

(۱) اس میں قادیانیوں کے ساتھ تعاون ہے،

(۲) اس قسم کے معاملات میں عوام قادیانیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھنے لگتے ہیں،

(۳) اس طرح قادیانیوں کو اپنا جال پھیلانے کے مواقع ملتے ہیں،

اس لئے قادیانیوں سے لین دین اور دیگر ہر قسم کے معاملات میں قطع تعلق ضروری ہے، ان سے تعلقات رکھنے والا آدمی اگرچہ اُن کو بُرا سمجھتا ہو قابلِ ملامت ہے، ایسے شخص کو سمجھانا دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱ محرم سنہ ۹۶ھ

قادیانیوں سے متعلق مزید مسائل جلد ۶ "باب المرتد والبغاۃ" میں ہیں۔
اور زیادہ تفصیل کتاب الحظر والاباحۃ میں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کا عقیدہ رکھنا کفر ہے

سوال: مرزائیوں نے کتابیں چھپوا کر بستی میں تقسیم کی ہیں جس میں انھوں نے قرآن کی آیات سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کیا ہے۔ کچھ مسلمان اس عقیدے کی طرف رجوع بھی ہو گئے تو ان مسلمانوں کو مرتد خارج از اسلام اور کافر سمجھا جائے یا ضعیف الایمان مسلمان؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کا عقیدہ رکھنے والے خارج از اسلام اور بلاشبہ کافر ہیں اس لئے کہ نصِ قرآن سے ثابت ہے کہ کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید نہیں کر سکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اُٹھالیا۔ قال اللہ تعالیٰ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبّہ لهم وانّ الذین اختلفوا فیہ لفی شكٍّ منہ ما لهم بہ من علمٍ الا اتباع الظنّ وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزاً حکیماً۔ جب تک یہ لوگ توبہ و استغفار کر کے تجدید ایمان نہ کریں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جیسا کہ قادیانی و دیگر مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ انکے ساتھ ہر قسم کا تعلق و کاروبار وغیرہ ناجائز ہے۔ علاوہ ازیں مرتد کا حالتِ ارتداد میں کمایا ہوا مال اس کے وارثوں کو نہیں مل سکتا بلکہ مسلمانوں کا حق ہے اسلئے بیت المال کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ نیز مرتد کے تصرفات نکاح، شرکتِ مفاوضہ، ولایۃ علی الولد الصغیر، ہبہ، اجارہ، قبض دین وغیرہ نافذ نہیں ہوتے اور احد الزوجین کے ارتداد سے نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ قال فی التنویر ویبطل منہ النکاح والذبیحۃ والصید والشهادۃ والارث ویتوقف منہ المفاوضۃ والتصرف علی ولدہ الصغیر والمبایعۃ والعتق والتدبیر والکتابۃ والهبۃ والاجارۃ والوصیۃ ان اسلم نفذ وان هلك اولحق بدار الحرب وحکم بطل۔

(رد المحتار ص ۳۱۱ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ محرم سنہ ۹۶ھ

ماہِ صفر میں شادی کو منحوس سمجھنا

سوال: لوگ صفر کے مہینے میں شادی کرنے کو بُرا سمجھتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ "لوگوں کا نحوست کا گمان غلط ہے لیکن میرے بھائی کی شادی اس مہینے میں ہوئی تو نتیجہ اچھا نہیں ہوا" اس

مولوی صاحب کا یہ کہنا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مولوی صاحب کے قول "نتیجہ اچھا نہیں ہوا" سے غلط عقیدہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے ان پر توبہ لازم ہے نیز جن لوگوں کے سامنے ایسا کہا ہے انکے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف اور توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الاول ۹۵ھ

"لی خمسۃ اطفی بھا الخ" شرک ہے

سوال: لی خمسۃ اطفی بھا حرّ الوباء الحاطمہ ؛ المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناھما والفاطمہ، یہ تعویذ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ناجائز اور شرک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ربیع الاول ۸۷ھ

تحقیق مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہِ

ایک فتوی ارسالِ خدمت ہے اس کے جواب سے نوازیں۔

سوال: ایصالِ ثواب بروحِ بزرگان اور ان کی طرف چوپائے منسوب کرنا اور پھر انکو زیارتگاہ پر جاکر ذبح کرنا (بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر) اور غرباء میں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ایصال ثواب للغیر جائز ہے۔ زیلعی (شرح کنز) درمختار، فتاوی عالمگیری اور شامی وغیرہ میں یہ مذکور ہے اور کسی چیز کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا ہرگز حرام نہیں بلکہ احادیث سے ثابت ہے۔ مشکوۃ شریف باب فضل الصدقہ میں حضرت سعد بن عبادۃ کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کی والدہ کی جب وفات ہوئی تو انھوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ کی وفات ہوگئی ہے ان کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی والدہ کے نام ایک کنواں کھدوایا (مشکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ خیرات وغیرہ کو اولیاء امّت کی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی انکار کرے تو وہ منکرِ حدیث ہے۔ اور منکرین نے اس آیۃ کریمہ سے استدلال کیا ہے، وما اھلّ

بہ لغیر اللہ، حالانکہ باجماع مسلمین یہ اُس جانور کے بارے میں ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے، ولا خلاف بین المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اھلّ بہ لغیر اللہ عند الذبح (احکام القرآن للجصاص ص۱۴۰ ج ۱)

ومن ھٰھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیھا وقت ذبح وان کانوا ینذرونھا لہ (تفسیرات احمدیہ ص۲۹) بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایصالِ ثواب بروح بزرگان و اولیاء کرام ثابت و موجب اجر و ثواب ہے اس میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ کسی قسم کی تقیید و تخصیص احداث فی الدین و بدعت ہے۔ اولیاء کرام کے نام پر جانور متعین کرنا اور پھر مزاروں پر لیجا کر ذبح کرنا ما اھلّ بہ لغیر اللہ میں داخل ہونے کی وجہ سے شرک ہے اور اس کا کھانا حرام ہے گو اس پر ہزار بار بسم اللہ اللہ اکبر پڑھی گئی ہو۔ مجیب نے جواز پر جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی ایک دلیل بھی مفید مدعا نہیں۔ ملاحظہ ہو (قولہ) علماء کرام متفق ہیں کہ ہر کار خیر الخ (اقول) اس تقریر سے اتنا ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب الی الغیر مطلقاً جائز ہے۔ اور اسمیں ہمیں بھی کوئی کلام نہیں البتہ اس کے لئے کوئی وقت متعین کرنا اور قیود لگانا بدعت ہے جسکا کوئی ثبوت نہیں۔

(قولہ) منکرین نے وما اھلّ بہ لغیر اللہ سے استدلال کیا ہے الخ (اقول) مجیب نے اس ساری تقریر سے نذر لغیر اللہ کے اثبات کی کوشش کی ہے اور احکام القرآن للجصاص کا حوالہ دیا ہے۔ انّ المراد بہ الذبیحۃ اذا اھلّ بھا لغیر اللہ عند الذبح، لیکن اس سے آگے نظر نہیں فرمائی جہاں مصرح ہے وظاھر قولہ تعالیٰ وما اھل بہ لغیر اللہ یوجب تحریمھا اذا سمی علیھا بسم غیر اللہ لان الاھلال بہ لغیر اللہ ھو اظھار غیر اسم اللہ ولم یفرق الآیۃ بین تسمیۃ المسیح وتسمیۃ غیرہ بعد ان یکون الاھلال بہ لغیر اللہ اھ (احکام القرآن ص۱۲۵ ج۱) بالفرض ما اھل بہ لغیر اللہ کی تخصیص ذبح بسم غیر اللہ کے ساتھ تسلیم بھی کر لی جائے تو منذور لغیر اللہ کی حرمت "وما ذبح علی النصب" میں مصرح ہے۔

دوسرا حوالہ تفسیرات احمدیہ کا دیا ہے ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء اھ اس کا مطلب یہ ہے کہ نذر تو اللہ تعالیٰ کے لئے مانی جائے اور ثواب اولیاء اللہ کے لئے ہو۔ یہ وضاحت خود مصنف نے منہیہ میں فرما دی ہے (بیان القرآن) اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ اگر　۴

اولیاء اللہ کو متصرف فی الامور اور نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر ان کی رضا کے لئے جانور ذبح کرتا ہے تو یہ بلاشبہہ ما اھلّ بہ لغیر اللہ میں داخل ہے اور آجکل عوام کا عقیدہ یہی ہوتا ہے قال العلماء لوان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ تعالیٰ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد (تفسیر نیشاپوری) امام رازی نے اپنی تفسیر میں صراحۃً اسکی حرمت بیان فرمائی ہے اور تمام فقہاء کرام بھی اس کی حرمت پر متفق ہیں۔ درمختار میں ہے ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ ولو ذبح للضیف لا یحرم لانہ سنۃ الخلیل علیہ السلام واکرام الضیف اکرام اللہ تعالیٰ والفارق بینھما ان قدمھا لیأکل منھا کان الذبح للہ تعالیٰ والمنفعۃ للضیف او للولیمۃ وان لم یقدمھا لیأکل منھا بل یدفعھا لغیرہ کان لتعظیم غیر اللہ فتحرم وھل یکفر قولان انتہیٰ الاشباہ والنظائر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ر محرم سنہ ۱۳۹۵ھ

سائبہ کی تحقیق

سوال: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان القرآن میں سائبہ کی حرمت ثابت فرمائی ہے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں حلال لکھا ہے اور وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ سائبہ کو حرام کہنے سے مشرکین کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے، آپ کی تحقیق کیا ہے؟ سائبہ ما اھلّ بہ لغیر اللہ میں داخل ہے یا نہیں؟ نیز جانوروں کے علاوہ مٹھائی وغیرہ جو غیر اللہ کی نذر کے طور پر تقسیم کی جاتی ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ اور ما اھلّ بہ لغیر اللہ اس کو شامل ہے یا نہیں؟ بینوا بیانا شافیا، توجروا اجرا وافیا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے امداد المفتین ص۴۴۳ ج ۲ میں سائبہ کی حلت کی طرف حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا رجوع نقل فرمایا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی طرف سے سوال اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا جواب امداد المفتین سے نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: ایک فتوی ریاست قرولی کا دربارہ (حلت) سائبہ وبحیرہ وغیرہ یہاں آیا ہوا ہے جس پر حضرت والا کی بھی تصدیق ہے۔ غالباً تصدیق کی نقل میں تو غلطی نہیں ہے کیونکہ بیان القرآن

جدید کے حاشیہ میں بھی حضرت نے اسی صورت کو ترجیح دی ہے اور کچھ یاد ہے زبانی بھی حضرت سے چند جملے احقر نے سُنے تھے مگر اسمیں ایک کھٹک اسی وقت سے چلی آتی ہے وہ یہ کہ صورتِ ثالثہ جس میں اراقۂ دم لغیر اللہ مقصود نہیں مگر نذر لغیر اللہ کی حد میں تو داخل ہے اور منذور لغیر اللہ کی حرمت پر صاحب بحر نے عبارت؎ ذیل میں اجماع مسلمین نقل کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے جانور کی حلّت کے لئے صرف اذن مالک کافی نہیں بلکہ مالک کا اپنی نذر سے رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ ہاں اگر سائبہ وغیرہ جانوروں اور منذور لغیر اللہ میں کوئی فرق ہو تو بیشک یہ شبہ رفع ہو سکتا ہے مگر مجھے ان دونوں میں کوئی فارق معلوم نہیں ہوا کہ اصل علت تقرب الیٰ غیر اللہ ہے وہ دونوں میں یکساں ہے، صرف بحیرہ سائبہ میں صیغۂ نذر کا نہیں ہے اگر ہو سکے تو اس پر نظر فرما کر اس کا حل فرمادیا جاوے تاکہ اشکال رفع ہو اور اس کا جواب بھی روانہ کر دیا جائے۔

جواب

اس مسئلہ کے متعلق میری رائے پر تین دَور گزرے ہیں۔ ایک زید کی موافقت (حرمت) کا اور میں نے تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ دوسرا تردّد کا، تفسیر کی جلد ثالث کے منہیہ میں اس تردّد کو ظاہر کیا ہے۔ تیسرا بکر کی موافقت میں (حلت) اور امداد الفتاوی کے فتوی منقولہ سوال میں اسی کا حکم کیا ہے جو کہ تفسیر سے زماناً متاخر ہے، پس اخیر رائے یہی ہے اور پہلی دونوں رائیں مرجوع عنہ ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ سوائب ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں کیونکہ ناذر کا مقصد ان کا ذبح نہیں، پس ان کی حرمت کسی دوسرے عارض (عدم اذن المالک) سے ہوگی جس کے ارتفاع سے حرمت اکل بعد الذبح مرتفع ہو جائے گی۔ چنانچہ بکثرت مفسرین نے آیت یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً کا سبب نزول اسی تحریم سوائب کو لکھا ہے اور آیت سے حلت کا اثبات اور اس حرمت کی نفی کی ہے اور بعض نے جو دوسرا سبب نزول لکھا ہے انہوں نے بھی اس حلت کی نفی اور حرمت کا اثبات نہیں کیا تو مسئلہ متفق علیہا ہو گیا البتہ میری تحقیق میں ما اھل بہ لغیر اللہ میں ایک دوسرا عموم ہے یعنی منذور بہ لغیر اللہ غیر حیوان کو بھی حکم حرمت کا شامل ہے مگر اس تفصیل سے کہ حیوان کی حرمت مدلول نص بلا واسطہ ہے لان الآیات وردت قطعاً فی الحیوانات اور غیر حیوان کی حرمت مدلول بواسطہ قیاس ہے۔ لاشتراک العلۃ

؎ واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام الخ (البحر الرائق قبیل باب الاعتکاف ص۲۹۸) رشید احمد

وھی نیۃ التقرب الی المخلوق، بحر کا فتوی اسی قیاس پر مبنی ہے۔ باقی آپ نے جو خلجان لکھا ہے اس کا جواب قواعد سے یہ ہے کہ منذور بہ لغیر اللہ میں وہ تصرف جس میں تقریر ہے ناذر کی غرض باطل کی حرام ہے لان اعانۃ الحرام حرام اور جس تصرف میں ابطال ہے غرض ناذر کا وہ جائز ہے پس ما اھل بہ لغیر اللہ کے ذبح و تناول میں تو تقریر ہے اس کی غرض اراقۂ دم کی اسلئے حرام ہے اور سوائب کے ذبح و تناول میں ابطال ہے اس کی غرض کا اس لئے حرام نہیں، اور بحر کی جزئیات میں مجاورین کا انتفاع یا ایقاد قنادیل وغیرہ یہ سب تقریر ہے غرض ناذر کی اسلئے حرام ہے۔ اس سے فرق نکل آیا سوائب کے تناول میں اور منذور للقبور کے تناول میں۔ واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی

۳ ربیع الثانی سنہ ۵۴ھ

سوائب اور منذور للقبور میں ایک اور فرق بھی معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ منذور للقبور کی حرمت تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے ہے اور تقرب بواسطۂ قربت ہوتا ہے، اور تصدق و اراقۂ دم شرعاً قربت ہے مگر محض تسییب کو شریعت نے قربت نہیں قرار دیا اگرچہ مسیّب اسے قربت سمجھتا ہے لہذا سوائب میں تقرب الی غیر اللہ نہیں پایا گیا جو علت تحریم ہے۔

غرضیکہ سائبہ فی نفسہٖ حلال ہے مگر عدم اذن مالک کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر مالک کی طرف سے صراحۃً یا اباحتِ عامہ کے تحت اذن پایا جائے تو سائبہ حلال ہے "ما اھل بہ لغیر اللہ" کے عموم میں مٹھائی وغیرہ بھی داخل ہے، اور "وما ذبح علی النصب" کا بالاستقلال ذکر اس پر قرینہ ہے کہ "ما اھل بہ لغیر اللہ" حیوان و غیر حیوان دونوں کو شامل ہے اور اگر اسے حیوان کے ساتھ خاص رکھا جائے تو غیر حیوان کی حرمت ثابت بالقیاس ہوگی بعلۃ التقرب الی غیر اللہ، فقط واللہ تعالی اعلم

۲۳ جمادی الاولی سنہ ۹۶ھ

نجومی کو ہاتھ دکھانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ نجومی کو ہاتھ دکھا کر حالات معلوم کرنا جائز ہے، علم غیب تو صرف اللہ تعالی ہی کو ہے، نجومی اسباب پر نظر کر کے نتیجہ کی پیشگوئی کرتا ہے جیسے کہ محکمۂ موسمیات اور دوسرے مختلف محکمے اور ماہرینِ فن اسباب

کے پیشِ نظر پیشگوئیاں کرتے رہتے ہیں۔ نیز بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ علم اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیا تھا اور نجومی جو وقوع حوادث کی خبر دیتا ہے وہ امر تقدیری بقواعد نجوم بتاتا ہے یہ علم غیب میں شمار نہیں۔ کیا مسلمانوں کے لئے یہ عقائد رکھنا شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اسباب سے متعلق عام قاعدہ یہی ہے کہ اگر ان کو مؤثر نہ سمجھا جائے بلکہ درجہ سببیت میں رکھتے ہوئے مسبب پر استدلال کیا جائے تو یہ جائز ہے مگر شریعت نے اس قاعدہ سے علم نجوم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے یعنی نجوم سے درجۂ سبب میں بھی واقعات پر استدلال سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اس استثناء کی حکمت کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں، معہذا بظاہر یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اس میں اتنا غلو ہوگیا ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہونے والے بالعموم نجوم کی تاثیر کے قائل ہوجاتے ہیں، محض سببیت پر توقف نہیں کرسکتے، نیز اس علم میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ بسا اوقات بہت سی پریشانیوں کا باعث بنتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شریعت نجوم کی سببیت ہی کا انکار کرتی ہے یعنی نجومی جن امور کی نسبت نجوم کی طرف کرتے ہیں شریعت نے ان کی تغلیط کی ہے ویسے مطلقاً سببیت بالخصوص شمس و قمر میں مشاہد ہے، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ علم نجوم و علم فراست دراصل صحیح ہیں مگر ان کے قواعد کسی دلیل سے ثابت نہیں اسلئے ان میں عموماً غلطی واقع ہوتی ہے جو بسا اوقات بدگمانی کا باعث بنتی ہے اور بدگمانی سے فتنہ، منافرت اور دیگر کئی مفاسد پیدا ہوتے ہیں چنانچہ چور کی شناخت کا عمل اسی وجہ سے ممنوع ہے۔

افلاطون سے اگر کوئی ملاقات کرنا چاہتا تو پہلے اس کی تصویر منگوا کر بذریعہ فراست اس کے اخلاق معلوم کرتے ملاقات کے قابل ہوتا تو اجازت دیتے۔ ایک شخص کی تصویر دیکھ کر ملاقات سے انکار کردیا تو اس نے کہا کہ افلاطون کی فراست صحیح ہے واقعی میرے اندر یہ رذائل تھے مگر اب میں نے ان کی اصلاح کرلی ہے، جب افلاطون جیسے مشہور صاحب تصرف اشراقی سے غلطی ہوسکتی ہے اور وہ بدگمانی پیدا کرسکتی ہے تو کوئی دوسرا کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ غرضیکہ شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس پر شدید وعیدیں آئی ہیں۔

(۱) من اتی عرافا فسألہ عن شیء لم تقبل لہ صلاۃ اربعین لیلۃ (صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل)

(۲) من اتی عرافا او کاھنا فصدقہ بما یقول فقد کفر بما انزل علی محمد (مسند احمد، مستدرک حاکم)

(۳) من اتی کاھنا فصدقہ بما یقول او اتی امرأۃ حائضا او اتی امرأۃ فی دبرھا

فقد برئ مما انزل علی محمد (سنن اربعہ، مسند احمد)

(۴) من اتی کاھنا فسألہ عن شیٔ حجبت عنہ التوبۃ اربعین لیلۃ فان صدقہ بما قال کفر (طبرانی)

قال فی رد المحتار تحت (قولہ التنجیم) وافاد ان تعلم الزائد علی ھذا المقدار (ای مقدار ما یعرف بہ مواقیت الصلوٰۃ والقبلۃ) فیہ بأس بل صرح فی الفصول بحرمتہ وھو ما مشی علیہ الشارح والظاہر ان المراد بہ القسم الثانی دون الاول ولذا قال فی الاحیاء ان علم النجوم فی نفسہ غیر مذموم لذاتہ اذ ھو قسمان الخ ثم قال) ولکن مذموم فی الشرع وقال عمر تعلموا من النجوم ما تھتدوا بہ فی البر والبحر ثم امسکوا وانما زجر عنہ من ثلاثۃ اوجہ احدھا انہ مضر باکثر الخلق فانہ اذا القی الیھم ان ھذہ الاٰثار تحدث عقیب سیر الکواکب وقع فی نفوسھم انھا المؤثرۃ وثانیھا ان احکام النجوم تخمین محض ولقد کان معجزۃ لادریس علیہ السلام فیما یحکی وقد اندرس وثالثھا انہ لا فائدۃ فیہ فان ما قدر کائن والاحتراز عنہ غیر ممکن اھ ملخصا (رد المحتار ص۳۰ ج۱)

یہ جو کہا گیا ہے کہ علم نجوم حضرت ادریس علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلایا گیا تھا، اوّلاً تو یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، ثانیاً قواعد نجوم سند سے ثابت نہیں کہ ان پر اعتماد کر لیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ یہ وہی علم ہے جو حضرت ادریس علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ ثالثاً خود منجمین اور ان سے پوچھنے والے عام طور پر کواکب کو متصرف و فاعل سمجھتے ہیں جو شرکِ جلی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

خالہ زاد سے پردہ کو معیوب سمجھنا کفر ہے

سوال: خالہ، ماموں، پھوپھی اور چچا کے لڑکوں سے پردہ کو بُرا سمجھنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خالہ زاد وغیرہ سے پردہ فرض ہے اور شریعت کے کسی حکم کو بُرا سمجھنا کفر ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ذی قعدہ سنہ ۸۷ ہجری

جی ایم سید، کفر میں جید

سوال۔ کتاب "جئیں ذ نوموں" تصنیف جی ایم سید طابع و ناشر نور محمد پلیجو برائے ملاحظہ ارسال خدمت ہے، تحریر فرمائیں کہ اس کے مصنف اور طابع و ناشر کے بارہ میں شریعت کا حکم کیا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

میں نے اس کتاب کو متعدد مقامات سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ صریح اور ناقابلِ تاویل کفریات کا مجموعہ ہے۔ اس میں مذہب اور خدا پرستی کو وہم پرستی ثابت کرنے کی بار بار کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع، بصر، رزق، رضا، غضب وغیرہا اور اسلام کے بنیادی عقائد خلق انسان، حیات بعد الموت برزخ، قیامت، پل صراط، میزان، جنت اور دوزخ، حج، طواف، رمی، سعی، قربانی، صدقات، ختنہ، جانوروں کی حلت و حرمت، عبادات، اوراد، وظائف اور روزہ وغیرہا احکام کو قدیم وہم پرستی قرار دیا ہے (ص۱۴۲) یہ نمونہ کے طور پر ذکر کیا گیا ورنہ اس دوسو صفحات کی کتاب میں شاید ہی کوئی صفحہ الحاد و کفر سے خالی ہو۔ انتہائی حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ مسلم حکومت اور مسلم ملت میں ایسی صریح اسلام دشمنی اور عقائد و اصول اسلام کا علانیہ مذاق اڑانے اور صریح کفر والحاد کی نشر و اشاعت کی جرأت کیسے ہوئی؟ پھر مسلمانوں نے اور مسلم حکومت نے اسے برداشت کیسے کیا؟ حکومت پر فرض ہے کہ اس کتاب کے ضبط کا فوری حکم دے اور ایسے مردود دشمنانِ اسلام کو برسرِ عام قتل کی عبرتناک سزا دے اور عامۃ المسلمین، خصوصًا علماء کرام کا فرض ہے کہ اس کھلی ہوئی توہینِ اسلام اور کفر و الحاد کی نشر و اشاعت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور اس کی روک تھام کے لئے حکومت سے پُرزور مطالبہ کریں۔ مسلمانوں کے لئے اس کتاب کے مصنف و طابع و ناشر کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق رکھنا جائز نہیں۔ ان مرتدین کا نکاح بھی باقی نہیں رہا، ان کی بیویوں پر فرض ہے کہ فورًا ان سے الگ ہو جائیں، ان کے ساتھ بیوی جیسا تعلق رکھنا زنا شمار ہوگا اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا ہوگی، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ

نور و بشریت

سوال۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور سمجھنا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نور کے معنی ہیں روشنی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چاند کو نور فرمایا ہے ھو الذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نورًا۔ روشنی چونکہ خود بھی ظاہر ہوتی ہے اور دوسری اشیاء کو بھی روشن اور ظاہر کر دیتی ہے اسلئے نور کے التزامی معنیٰ ہیں "الظاہر المظہر" اسی مناسبت سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی نور کہا جاتا ہے اسلئے کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور دوسروں کے لئے بھی وصول الی اللہ کے راستوں کو ظاہر کرنے والے اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کرنے والے، بلکہ اس معنی سے ہر دینی مقتدا نور ہے۔ حدیث میں "اللّٰھم اجعلنی نورًا" کی دعا سے بھی یہی مراد ہے۔ نور الدین، نور الاسلام، نور اللہ وغیرہ نام رکھنے کا عام دستور ہے، اس سے بھی یہی مقصد ہے۔ یعنی دین اور اسلام کی ہدایت کرنے والا۔ نور اور بشریت میں کوئی منافات نہیں ورنہ بشر کا نام نور الدین وغیرہ رکھنا جائز نہ ہوتا۔ اسی طرح بشر کے لئے "اللّٰھم اجعلنی نورًا" کی دعا جائز نہ ہوتی۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہوتے کہ "یا اللہ اسے بشریت اور انسانیت سے نکالدے"۔ قرآن کریم میں بھی دینی ہدایت کو نور اور گمراہی کو ظلمت فرمایا گیا ہے او من کان میتًا فاحیینٰہ وجعلنا لہ نورًا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منھا۔ یہی نور ہدایت بروز حشر روشنی بن کر چمکے گا۔ یسعیٰ نورھم بین ایدیھم وبایمانھم۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کے بارے میں فرماتے ہیں اللہ نور السمٰوٰت والارض۔ حضرات مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی نور بمعنی ہدایت تحریر فرمایا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی تمام مخلوق کو ہدایت دینے والے ہیں۔ بندہ کے خیال میں اس کا زیادہ واضح اور زیادہ جامع مطلب یہ ہے کہ جس طرح روشنی سے استفاضہ کیا جاتا ہے اسی طرح زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ بھی ہے ان سب کا وجود اور صفات محض رب کریم کا فیض ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نور بمعنی ہدایت ہی اصل کمال ہے اور یہ ظاہری روشنی سے بدرجہا زیادہ افضل ہے، چنانچہ سورج، چاند اور ستارے ظاہری نور ہونے کے باوجود بشر کے خادم ہیں۔ وسخر لکم الشمس والقمر دائبین۔ چونکہ بشر اشرف المخلوقات ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت کے لئے بشر ہی کو منتخب فرمایا۔ ارشاد ہے انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان، منکرین بشریت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کو اشرف المخلوقات کی جنس اور بشریت کے اعلیٰ ترین مقام سے گرا کر کس مخلوق میں داخل کرنا چاہتے ہیں؟ اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کی طرح آپ بھی مجردات میں

سے ہیں تو یہ مدعیانِ محبت نادان دوست کی طرح محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت آدم علیہ السلام سے بھی افضل ہیں۔ بشریت و رسالت میں تضاد کفار کا عقیدہ تھا، وہ کہتے تھے کہ رسول صرف فرشتہ ہی ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انکے اس غلط عقیدہ پر قرآن کریم میں جا بجا تردید فرمائی ہے۔

الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی، آپ کی بشریت کا انکار نصوصِ قرآنیہ کے خلاف اور آپ کی توہین کو مستلزم ہونیکی وجہ سے کفر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ر شوال سنہ ۹۱ھ

تکفیرِ مُسلم کفر ہے

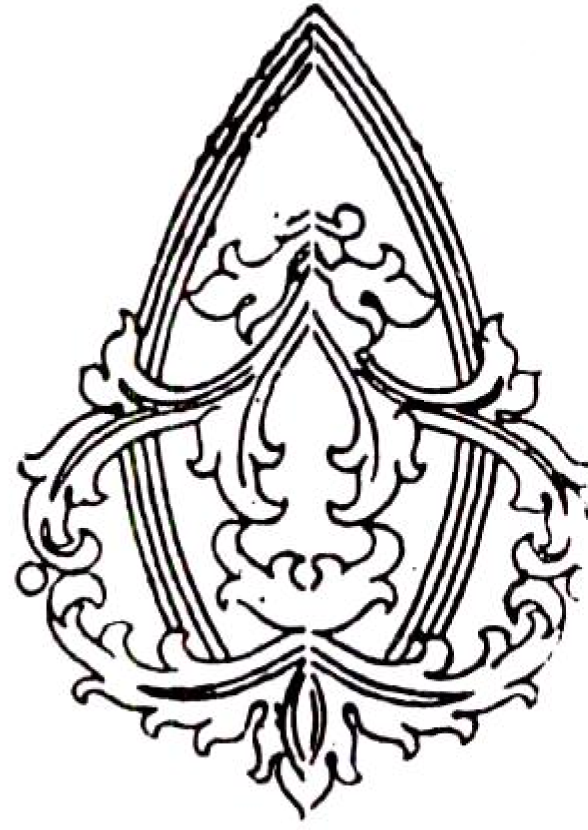
سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ امیر بادشاہ ایک دینی جماعت کے ایک حلقہ کے ناظم تھے اور کمال الدین صاحب اس جماعت کے مرکزی ناظم۔ امیر بادشاہ نے جماعت میں یہ مسئلہ اٹھایا کہ امام مسلم کو مشرک قرار دو۔ یہ مسئلہ اس جماعت کی شوریٰ کے زیر غور تھا امیر بادشاہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ جو کتابیں چھپی ہوئی ہیں ان پر جو رحمہ اللہ لکھا ہے اسے کاٹ دو شوریٰ نے فیصلہ دیا کہ جب تک مسئلہ کا آخری فیصلہ شوریٰ نہ کر دے جب تک رحمہ اللہ نہیں کاٹا جا سکتا، اس پر امیر بادشاہ نے کہا میں ایسی جماعت کا کوئی کام نہیں کروں گا اور جماعت کے کام میں بالکل حصہ نہیں لوں گا یعنی جماعت سے علیحدہ ہو جاؤں گا، اور عملی طور پر الگ ہو گئے۔ کمال الدین صاحب مرکزی ناظم کا ارکان کی میٹنگ میں سارا زور اس بات پر تھا کہ امام مسلم رحمہ اللہ مشرک ہرگز نہیں تھے بلکہ پکے مومن تھے، اتفاق سے ایک اور مسئلہ پر کمال الدین صاحب مرکزی ناظم اور جماعت کے امیر اور شوریٰ کے تمام ارکان میں اختلاف ہو گیا، امیر جماعت اور پوری شوریٰ ایک طرف، کمال الدین صاحب مرکزی ناظم دوسری طرف اکیلے تھے تو امیر بادشاہ اپنے مسئلہ پر قائم رہتے ہوئے اپنی پوری طاقت کے ساتھ کمال الدین صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمیں تحریر کریں کہ ہم ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں، اب سنا ہے، جو صحیح بھی ہے کہ کمال الدین صاحب اس جماعت کے امیر بن گئے ہیں اور امیر بادشاہ مرکزی ناظم بن گئے ہیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام تو بہت بلند ہے، کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی کافر یا مشرک کہنے والا خود کافر ہوجاتا ہے، لہٰذا امیر بادشاہ جب تک توبہ اور تجدید ایمان کا اعلان نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں۔ اگر امیر بادشاہ شادی شدہ ہے تو اس کا نکاح بھی دوبارہ پڑھا جائے، تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح بھی لازم ہے، کمال الدین، اگرچہ تکفیر مؤمن جیسے کفر کا مرتکب نہیں ہوا مگر امیر بادشاہ کے ساتھ تعلق و تعاون کی وجہ سے فاسق ہے جب تک اس سے قطع تعلق کا اعلان نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ بھی کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں۔ حکومت پر فرض ہے کہ ان دونوں کو عبرتناک سزا دے۔ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بہا احدھما (متفق علیہ) وعن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلك (رواہ البخاری) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ جمادی الآخرہ ۹۵ھ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا یؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به (الحدیث)

ایمان وکفر کا معیار

○ گاندھی کو مسلمان سمجھنا کفر ہے

○ مسلمان کی تعریف

سوال: گاندھی نے جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے۔ "مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کلمہ کیوں نہ پڑھوں؟ کیوں میں اللہ کی تعریف نہ کروں؟ کیوں میں محمد کو اپنا پیغمبر نہ سمجھوں مجھے سب مذاہب اور دھرموں کے مہاتماؤں اور پیغمبروں میں وشواش ہے۔" مذکورہ الفاظ کہنے سے گاندھی کو مسلمان کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جواب جلد عنایت فرمائیں کیونکہ مجھے ایک تبلیغی رسالے کے لئے ضرورت ہے ——

بینوا بالبرھان اجرکم الرحمن

الجواب ومنه الصدق والصواب

ایمان کی تعریف یہ ہے هو التصديق بما علم مجيء الرسول صلى الله عليه وسلم به اجمالا فيما علم اجمالاً وتفصيلاً فيما علم تفصيلاً اس تعریف میں تصدیق سے مراد تصدیق منطقی یعنی معرفت وادراک نسبت نہیں اور نہ ہی تصدیق لغوی (ای نسبۃ الصدق الی القائل) مراد ہے بلکہ مقصود تصدیق شرعی ہے جو کہ امور ثلاثہ کا مجموعہ ہے (۱) معرفت (۲) تصدیق لغوی (۳) انقیاد واستسلام۔ یا یوں کہا جائے کہ ایمان کی حقیقت صرف تصدیق لغوی ہے۔ مگر ایمان کے تحقق کے لئے معرفت اور انقیاد شرط ہیں۔ عند الجهمية ایمان صرف معرفت ہے وهو مردود لانها غير اختيارية والايمان اختياري لكونه مكلفا به والتكليف وارد على الافعال الاختيارية. وايضا قوله تعالى فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اى اكتسبه يدل على كون الايمان كسبيا والمعرفة ليست بكسبية وايضا المعرفة كيف والتصديق فعل وبينهما تضاد۔

قرآن مجید کی نصوص بھی جہمیہ کی تردید کر رہی ہیں، قال الله تعالى وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ۔ وقال الله تعالى حكاية عن موسى عليه السلام مخاطبا لفرعون لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ○

غرضیکہ ایمان کے لئے صرف معرفت کافی نہیں۔ بلکہ تصدیق اور انقیاد بھی لازمی ہیں۔ قال امام الحرمين في الارشاد التصديق على التحقيق كلام النفس ولكن لا يثبت الا مع العلم الخ قال ابن الهمام وظاهر عبارة الاشعري في هذا السياق ان التصديق كلام للنفس مشروط بالمعرفة يلزم من عدمها عدمه ويحتمل ان الايمان هو المجموع من المعرفة والكلام النفسي فيكون كل منهما ركنا من الايمان فلابد في تحقيق الايمان على كلا الاحتمالين من المعرفة اعنى ادراك مطابقة دعوى النبي صلى الله عليه وسلم للواقع ومن امر آخر هو الاستسلام الباطن والانقياد لقبول الاوامر والنواهي المستلزم للاجلال وعدم الاستخفاف (مع التبري من الكفر الذي كان فيه) وهذا الاستسلام الباطن هو المراد بكلام النفس وبه عبّر المصنف (اى الغزالي) في كلامه على الايمان والاسلام وانما قلنا انه لابد مع المعرفة من الامر الآخر وهو الاستسلام الباطن لما تقدم من ثبوت مجرد تلك المعرفة مع قيام الكفر الخ. قال العلامة الزبيدي في شرح الاحياء الاظهر ان التصديق قول للنفس غير المعرفة لان المفهوم من التصديق لغة هو نسبة الصدق الى القائل وهو فعل والمعرفة ليست فعلاً انما هي من قبيل الكيف المقابل لمقولة الفعل فلزم خروج كل من الانقياد الذي هو الاستسلام ومن المعرفة عن مفهوم التصديق لغة مع ثبوت اعتبارهما شرعاً

فی الایمان و ثبوت اعتبارها بهذا الوجه علی انهما جزءان لمفهومه شرعًا او شرطان لاعتباره لاجراء احکامه شرعًا والثانی هو الاوجه اذ فی الاول یلزم نقل الایمان من المعنی اللغوی الی معنی اخر شرعی وهو بلا دلیل یقتضی وقوعه منتف لانه خلاف الاصل فلا یصار الیه الا بدلیل ولا دلیل بل قد کثر فی الکتاب والسنّة طلبه من العرب واجاب من اجاب الیه دون استفسار عن معناه وان وقع استفسار منهم فانما هو عن متعلق الایمان وعدم تحقق الایمان بدون المعرفة والاستسلام لا یستلزم جزئیتهما لمفهومه شرعًا لجواز ان یکونا شرطین للایمان شرعًا وحقیقته التصدیق بالامور الخاصة بالمعنی اللغوی واذا تقرر ذلک ظهر ثبوت التصدیق لغةً بدونهما مع الکفر الذی هو ضد الایمان اھ. و ناقش فی بعضه العلامة الآلوسی فقال بعد کلام وحاصل ذلک منع حصول التصدیق للمعاند فانه ضدّ الانکار وانما الحاصل له المعرفة التی هی ضدّ النکارة والجهالة وقد اتفقوا علی ان تلک المعرفة خارجة عن التصدیق اللغوی وهو المعتبر فی الایمان. (فتح الملهم ج ۱)

غرضیکہ تصدیق لغوی معرفت اور انقیاد سے جدا ہو سکے یا نہ ہو سکے بہر کیف ایمان کے تحقق کے لئے انقیاد ضروری ہے انقیاد کے سوا نبانی اقرار بھی معتبر نہیں۔ اظہار حق میں ہرقل کے الفاظ کتنی اہمیت رکھتے ہیں مگر پھر بھی فقدان انقیاد کی وجہ سے اسے مومن نہیں کہا جا سکتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے شئون بیان کرنے کے بعد ہرقل کہتا ہے "فان کان ما تقول حقا فسیملک موضع قدمیّ هاتین وقد کنت اعلم انه خارج ولم اکن اظن انه منکم فلو انی اعلم انی اخلص الیه لتجشمت لقاءه ولو کنت عنده لغسلت عن قدمیه" قال هرقل هٰذا ملك هٰذه الامة قد ظهر" "انا ہ کتاب من صاحبه یوافق رأی هرقل علی خروج النبی صلی الله علیه وسلم وانه نبی" فقال یا معشر الروم هل لکم فی الفلاح والرشد وان یثبت ملککم فتبایعوا هٰذا النبی (بخاری)

وفی الفتح عن الطبرانی "فقال قیصر اعرف انه کذٰلك" وفی مرسل ابن اسحٰق "ان هرقل قال ویحك والله انی اعلم انه نبی مرسل" وفی مسند احمد انه کتب من تبوك الی النبی صلی الله علیه وسلم انی مسلم فقال النبی صلی الله علیه وسلم کذب بل هو علی نصرانیته وفی کتاب الاموال لابی عبید بسند صحیح من مرسل بکر بن عبد الله المزنی نحوه ولفظه فقال کذب عدو الله لیس بمسلم فعلی هٰذا اطلاق صاحب الاستیعاب انه اٰمن ای اظهر التصدیق لکنه لم یستمر علیه ولم یعمل بمقتضاه بل شحّ بملکه واٰثر الفانیة علی الباقیة والله الموفق (فتح الباری جلد ۱)

قال النووی لا عذر فیما قال لو انی اعلم لتجشمت لانه قد عرف صدق النبی صلی الله علیه وسلم

و انہ شح بالملك ورغب فی الریاسة فآثرهما علی الاسلام وقد جاء ذلك مصرحاً به فی صحیح البخاری الخ

(عمدة القاری ج ۱)

ہرقل نے زبان سے بھی اقرار کیا اور لکھ کر بھی بھیجا کہ میں مسلم ہوں۔ معہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تکذیب فرمائی۔ اس لئے کہ انقیاد نہ تھا حضرت ورقہ بن نوفل پر بھی صرف ان کے اقرار اور الفاظ کی وجہ سے مسلم ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیا سے آپ کا ایمان ثابت ہوا۔ ابوطالب نے کس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا اظہار کیا۔ اشاعتِ اسلام میں کس قدر تکالیفِ شاقہ برداشت کیں۔ قول وعمل ہر طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

ودعوتنی وعلمت انك صادق ولقد صدقت وکنت قبل امینا
واللہ لن یصلوا الیك بجمعهم حتی اوسد فی التراب دفینا
فاصدع بامرك لا نسبك عضاضة وابشر بذاك و قر منك عیونا
ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریة دینا
لولا الملامة او حذاری سبة لوجدتنی سمحا بذاك مبینا

اس کے باوجود انقیاد نہ ہونے کی وجہ سے ابوطالب کو مومن نہیں کہا جا سکتا۔

نقل فی فتح الملهم قول الحافظ ابن تیمیة بل ابوطالب وغیرہ کانوا مع محبتهم للنبی صلی اللہ علیه وسلم ومحبتهم لعلو کلمته من عدم حسدهم له وعلمهم بصدقه واقرارهم به حملهم الفهم لدین قومهم وکراهتهم لفراقه وذم قریش لهم علی عدم اتباعه علی دینه القویم وهدیه المستقیم فلم یترکوا الایمان لعدم العلم بل لهوی الانفس فکیف یقال معهذا ان کل کافر انما کفر لعدم علمه باللہ اھ

وعلی هذا فالکفر انواع کفر انکار وکفر جحود وکفر عناد وکفر نفاق یعنی ان کان التکذیب ای عدم التسلیم بالقلب وباللسان جمیعاً فهو الاول وان کان باللسان فقط مع حصول المعرفة والاستیقان بالقلب فهو الثانی وان کان مع حصول المعرفة والاقرار باللسان لمحض العناد فهو الثالث (ہرقل، ابوطالب اور گاندھی اسی قسم میں داخل ہیں) وان کان بالقلب فقط مع التسلیم والانقیاد باللسان فهو الرابع (فتح الملهم ج ۱)

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ایمان کے تحقق کے لئے انقیاد لازم ہے پھر وجود وتحقق انقیاد کے لئے اصل یہ ہے کہ اسے ہر شخص یوں سمجھنے لگے کہ یہ اپنا اصل دین چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گیا ہے۔ اس

؎ الظاهر واللہ اعلم انه وقع ههنا فی عبارة فتح الملهم سقط وهو "ان لایقبلوا" او نحوہ ۱۲ منہ

ایمان وکفر کا معیار ــــــ ۴

قانون کی تفصیل شرح التنویر میں باب الفاظ مسطور ہے۔ الکفار اصناف خمسة من ینکر الصانع کالدهرية ومن ینکر الوحدانیة کالثنوية ومن يقر بهما لكن ينكر بعثة الرسل کالفلاسفة ومن ينكر الكل كالوثنية ومن يقر بالكل لكن ينكر عموم رسالة المصطفی صلی الله علیه وسلم کالعیسویة فيكتفى في الاولين بقول لا الٰه الا الله وفي الثالث بقول محمد رسول الله وفي الرابع باحدهما وفي الخامس بهما مع التبری عن کل دین يخالف دين الاسلام (الی قوله) والذی افتى به صحته بالشهادتين بلا تبر لان التلفظ بهما صار علامة على الاسلام فيقتل ان رجع مالم يعد، وفی الشامیة تحت (قوله فیکتفی فی الاولین الخ) لان هؤلاء يمتنعون عن الشهادة اصلا فاذا اقروا بها فذلك دليل ايمانهم. وتحت قوله (وفي الثالث الخ) فلو قال لا اله الا الله لا يحكم باسلامه لانه منكر الرسالة ولا يمتنع عن هذه المقالة ولو قال اشهد ان محمدا رسول الله يحكم باسلامه لانه يمتنع عن الشهادة فكان الاقرار بها دليل الايمان وتحت قوله فی الرابع الخ) علله فی البدائع لانه منكر الامرين جميعا فبايهما شهد دخل في الاسلام (الى قوله) وزاد انه لو قال انا مسلم فهو مسلم لان عبدة الاوثان لا يدعون هذا الوصف لانفسهم بل يتبرؤن على قصد المغايظة للمسلمين وكذا لو قال انا على دين محمد او على الحنفية او على دين الاسلام وتحت (قوله وفى الخامس الخ) والظاهر انه لو اتى بالشهادتين وصرح بتعميم الرسالة الى بنى اسرائيل وغيرهم او قال اشهد ان محمدا رسول الله الى كافة الخلق الانس والجن يكفى عن التبری ايضا كما صرح به الشافعية وتحت عنوان (تنبيه) قلت وانما اكتفى عليه الصلوة والسلام بالشهادتين لان اهل زمانه كانوا منكرين لرسالته اصلا كما يأتى ثم اعلم انه يؤخذ من مسئلة العيسوی ان من كان كفره بانكار امر ضروری كحرمة الخمر مثلا انه لا بد من تبريه مما كان يعتقده لانه كان يقر بالشهادتين معه فلا بد من تبريه منه كما صرح به الشافعية وهو ظاهر وتحت (قوله بل عمم في الدر الخ) اما اليهود والنصارى فكان اسلامهم فی زمنه صلی الله علیه وسلم بالشهادتين لانهم كانوا ينكرون رسالته صلى الله عليه وسلم واما اليوم ببلاد العراق فلا يحكم باسلامه بهما مالم يقل تبرأت عن ديني ودخلت في دين الاسلام لانهم يقولون انه رسول الى العرب والعجم لا الى بنى اسرائيل كذا صرح به محمد وفی شرح السير للسرخسی واما اليهود والنصارى اليوم بين ظهرانى المسلمين اذا اتى واحد منهم بالشهادتين لا يكون مسلما لانهم جميعا يقولون هذا ليس من نصرانی ولا يهودى عند نسأله الا قال هذه الكلمة فاذا استفسرته قال رسول الله اليكم

لا الی بنی اسرائیل، ثم قال ولو قال انا مسلم لم یکن مسلما بهٰذا لان کل فریق یدّعی ذلك لنفسه،
فالمسلم هو المستسلم للحق وکل ذی دین یدعی انه منقاد للحق وکان شیخنا الامام یقول الا المجوس
فی دیارنا فان من یقول منهم انا مسلم یصیر مسلما لانهم یأبون هذه الصفة ویسبّون به اولادهم
ویقولون یا مسلمان اھ (الی قوله) فعلی هٰذا یقال کذلك فی الیهود والنصاریٰ فی بلادنا
فانهم یمتنعون عن قول مسلم حتی ان احدهم اذا اراد منع نفسه عن امر یقول ان فعلته اکون مسلما
فاذا قال انا مسلم طائعًا فهو دلیل اسلامه وان لم یسمع منه النطق بالشهادتین کما صرح به فی شرح
السیر فیمن صلی بجماعة فانه یحکم باسلامه وبانه یحکم بالاسلام بمجرد سیما المسلمین فی حق الصلوٰة
علیه اذا مات وکذا یمتنعون من النطق بالشهادتین اشد الامتناع فاذا اتی بهما طائعًا یجب الحکم
باسلامه لانه فوق السیما اذ لاشكٌ ان محمّدًا انّما اشترط التبری بناء علی ما کان فی زمنه من
اقرارهم بالرسالة علی خلاف ما کان فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم من انکارها فاذا انکروها
فی زماننا وامتنعوا من النطق بالشهادتین یجب ان یرجع الامر الی ما کان فی زمنه صلی الله علیه وسلم
اذ لم یبق وجه للعدول عنه علی ان محمّدًا انما حکم علی ما کان فی بلاد العراق لامطلقا کما یوهمه
مافی الدر وعن هذا ذکر العلامة قاسم انه سئل عن شامی (الی قوله) فانهم ذکروا ان
بعض الیهود یخصص رسالة نبیّنا صلّی الله علیه وسلم بالعرب وهٰذا یکفیه مجرّد الشهادتین بخلاف من
ینکر الرسالة اصلاً وبعض من اعمی الله قلبه جعلهم فرقة واحدة فی جمیع البلاد حتی حکم
فی نصرانی منکر للرسالة تلفظ بالشهادتین ببقائه علی النصرانیة لانه لم یتبرأ. والحاصل
ان الذی یجب التعویل علیه انه ان جهل حاله یستفسر عنه وان علم کما فی زماننا فالامر
ظاهر وقال تحت (قوله لان التلفظ بها صار علامة علی الاسلام الخ) افاد بقوله صار الی
ان ما کان فی زمن الامام محمّد تغیر لانهم فی زمنه ما کانوا یمتنعون عن النطق بها فلم تکن علامة
الاسلام فلذا شرط معها التبری اما فی زمن قاری الهدایة فقد صارت علامة الاسلام
لانه لایأتی بها الا المسلم کما فی زماننا هٰذا (الی قوله) وهٰذا یجب المصیر الیه فی دیار المصر
بالقاهرة لانه لایسمع من اهل الکتاب فیها الشهادتان ولذا قیده محمّدٌ بالعراق
(الی قوله) احمد بن کمال باشا (الی قوله) وهو المعمول به فلیحفظ. وقال تحت عنوان (تتمة)
اعلم ان الاسلام یکون بالفعل ایضًا کالصلوٰة بجماعة اوالاقرار بها اوالاذان فی بعض المساجد

عه ہرقل نے بھی اسی لیے "انا مسلم" لکھا تھا ۱۲ منہ

او الحج وشهود المناسک لا الصلوٰۃ وحدہ ومجرّد الاحرام بحج وقدم الشارح ذلک نظماً فی اول کتاب الصلوٰۃ وقدمنا الکلام علیہ مستوفیً وذکرنا ھناک انہ لافرق فی الاسلام بالفعل بین العیسوی وغیرہ والمراد انہ دلیل الاسلام فیحکم علی فاعل ذلک بہ الخ (ردّ المحتار کتاب الجہاد باب المرتد ج ۳)

درمختار اور ردّالمحتار کی مفصل عبارات سے ظاہر ہوا کہ تحقق انقیاد کا مدار عرف پر ہے۔ موجودہ عرف میں گاندھی جیسے الفاظ کہنے والے کو مسلم متصور نہیں کیا جاتا، نہ ہی غیر مذاہب کے لوگ ایسے الفاظ سے احتراز وامتناع کرتے ہیں۔ گاندھی سے بھی زیادہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف مختلف اہل مذاہب سے نثر ونظم میں ثابت ہے۔ ایسے الفاظ کے تکلم کے بعد بھی عوام ہندو ومسلم اور خود متکلم بھی خود کو ہندو ہی سمجھتا ہے۔ کسی کو اس کے مسلمان ہو جانے کا وہم بھی نہیں گزرتا۔ اسی وجہ سے گاندھی کے مرنے کے بعد مسلم علماء میں سے جو گاندھی کی سوانح سے بخوبی واقف تھے۔ بلکہ سیاست میں اس کے رفیق راہ تھے انہوں نے گاندھی پر نماز جنازہ اور تجہیز وتکفین کا مطالبہ نہ کیا اور نہ ہی ہندو قوم نے اسے مسلمان سمجھ کر اس کی تجہیز سے بیزاری ظاہر کی۔ غرضیکہ گاندھی کے ان الفاظ کی وجہ سے نہ ہی مسلمانوں نے اسے مسلمان سمجھا اور نہ ہندوؤں نے۔ اور خود گاندھی کو یہ علم یا خیال ہوا کہ ان الفاظ سے وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اس لئے آئندہ مسلمانوں کی روش اختیار کرے۔ یا کم از کم مرتے وقت نماز جنازہ کی وصیت کر جاتے ایسے الفاظ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہمیشہ غیر مذاہب میں سے فہمیدہ اشخاص کہتے رہتے ہیں مگر کوئی شخص بھی ان کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ موجودہ عرف میں مسلمان جب سمجھا جاتا ہے کہ صاف کہے کہ میں مسلمان ہوں یا بلا استہزاء شہادتین پڑھے اور آئندہ مسلمانوں کی روش اختیار کرے گاندھی کا یہ جملہ "مجھے سب مذاہب اور دھرموں کے مہاتماؤں اور پیغمبروں میں وشواش ہے" یہ عقیدہ اسلام کے خلاف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ گاندھی موجودہ جملہ مذاہب اسلام، عیسائیت، یہودیت اور ہندو، سکھ وغیرہ کو حق سمجھتا تھا اس آخری جملہ سے گاندھی کا عقیدہ اور اس کا اسلام میں داخل نہ ہونا صاف ظاہر ہے

حقیقت یہ ہے کہ گاندھی اس قسم کے اعلان صرف مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے کرتا تھا جیسے شکاری شکار کو پھانسنے کے لئے اس کی بولی بولتا ہے اگر گاندھی واقعۃً اسلام کو حق سمجھتا تھا تو اسے کس لئے قبول اسلام سے مانع کیا تھا؟ اس جیسے مکار اور قطعی کافر کو مسلمان سمجھنا کفر ہے۔ فقط واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

۲۲ ربیع الآخر سنہ ۹۴ ہجری

۵

ایمان وکفر کا معیار ــــ ۷

مسلمان کی تعریف

سوال : ایک رسالہ "مسلمان کی تعریف" ارسالِ خدمت ہے ۔ اسکی تلبیسات کی قدرے تفصیل سے وضاحت فرماکر امتِ مسلمہ کی رہنمائی فرمائیں ۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مضمون نگار کا یہ کہنا کہ "عمر بھر درس و تدریس اور فتویٰ دینے والے علماء اس سوال سے بہت چکرائے مشکل سے جواب دے سکے اور متضاد جوابات دیکر خود ایک دوسرے کی تکذیب کر بیٹھے" خلافِ حقیقت ہونے کے علاوہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے سخت اور خطرناک حد تک مضر بھی ہے ۔ درحقیقت یہ بے دین حکومت اور رسوائے زمانہ منیر کمیشن کی تلبیس اور غلط پروپیگنڈہ ہے ۔

مضمون نگار کو یہ خیال نہ آیا کہ جب قرآن ، حدیث اور فقہ کی خدمت میں عمریں صرف کر دینے والے اور قوانینِ اسلام کے ماہرین بھی آج تک اسلام اور مسلمان کا صحیح مفہوم نہ بیان کرسکے تو اسلام کو دنیا میں باقی رہنے کا کیا حق ہے ؟ یہ تحریر قصرِ اسلام میں شگاف ڈالنے ، اس کی بنیادوں کو متزلزل کرنے اور اعداءِ اسلام کو منجنیق مہیّا کرنے کے مترادف ہے ۔ مضمون نگار نے اسے دانستہ یا نادانستہ اس انداز سے لکھا ہے کہ اس سے قرآن ، حدیث اور فقہ کے تمام تر ماہرین پر مضمون نگار کی فوقیت کا دعویٰ مترشح ہوتا ہے انھوں نے اس تحریر کی مضرت کی طرف توجہ نہ کی اور یہ نہ سوچا کہ اس سے انھوں نے کیا پایا اور کیا گنوایا ؟ ؎

اَے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو سہی   یہ گھر جو بہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہو

مسلمان کی تعریف میں علماءِ دین کی عبارات کے اختلاف کو تضاد سے تعبیر کرنا جہالت یا تلبیس کے سوا کچھ نہیں ۔ اگر اختلافِ عبارت اختلافِ حقیقت کو مستلزم ہے تو خود مضمون نگار نے مسلمان کی تعبیر میں ایسی آیات اور احادیث کیوں پیش کی ہیں جن کی عبارتیں مختلف ہیں ، اس پر یہ شبہہ کیوں نہ ہوا کہ آیات اور احادیث متضاد ہیں اور یہ نتیجہ کیوں نہ نکالا گیا کہ معاذ اللہ ! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی "مسلمان" کی صحیح تعریف بیان نہ کرسکے ۔

مضمون نگار کا مسلمان کی تعریف کے اس طریقے کو غلط قرار دینا بالکل بجا ہے کہ جس فرقہ کو اسلام سے خارج کرنا یا اسے کافر قرار دینا ہو اسے پہلے ذہن میں محفوظ رکھیں پھر "مسلمان" کی کوئی ایسی تعریف نکالیں جس میں صرف وہی فرقے داخل ہوسکیں جن کو تعریف کرنے والے داخل کرنا چاہیں

صحیح طریقہ یہی ہے کہ بالکل خالی الذہن ہو کر کتاب و سنت سے مسلمان کی تعریف اخذ کی جائے اور اسکی مطلقاً پرواہ نہ کی جائے کہ اس کی رُو سے کون مسلمان اور کون کافر قرار پاتا ہے، جو فرقہ بھی اس تعریف میں آجائے وہ مسلمان اور جو اس سے نکل جائے وہ کافر ہوگا۔

بطریق مذکور قرآن و حدیث میں غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی تعریف بہت جامع، مختصر اور بہت سہل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو صحیح ماننا اسلام ہے علماء نے اسکی تعبیر یوں کی ہے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ، قرآن و حدیث کی نصوص میں جہاں کہیں ایمان باللہ کے ساتھ دوسری اشیاء مذکور ہیں مثلاً ملائکہ، کتب، رسل، یوم آخرت وغیرہ یہ مستقلاً مراد نہیں اور نہ ہی ان میں حصر مقصود ہے بلکہ یہ سب ایمان باللہ ہی کے چند اہم شعبے ہیں۔ انکی اہمیت ظاہر کرنے کی خاطر ان کو مستقلاً ذکر کر دیا گیا ہے استیعاب مقصود نہیں یہ امر ظاہر اور مسلّم ہونے کے علاوہ اسلئے بھی انکار کی گنجائش نہیں رکھتا کہ اگر ان جملہ اُمور کی مستقل حیثیت تسلیم کر لی جائے، تو قرآن وحدیث میں اسلام کی تعریف میں ہر مقام پر ان تمام امور کا ذکر لازم تھا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مختلف مقامات پر یہ امور کمی بیشی کے ساتھ مذکور ہیں حتیٰ کہ بہت سے مواضع میں تو صرف ایمان باللہ ہی پر اکتفاء کیا گیا ہے اسی طرح ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف رسالت کی تصدیق کافی نہیں بلکہ آپ کے ہر حکم کی تصدیق لازم ہے علیٰ ہذا القیاس ملائکہ اور یوم آخرت کے صرف وجود اور وقوع کو ماننا کافی نہیں بلکہ ان سے متعلق اللہ تعالیٰ کی ہر ہدایت کی تصدیق ضروری ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علم کیسے ہو کہ فلاں حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تاکہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے تو اس کے دو طریقے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ بالمشافہہ کوئی حکم معلوم ہو۔

(۲) تواتر سے یقینی اور بدیہی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا ان دونوں طریقوں سے حاصل ہونے والے علم کو علم بدیہی و ضروری کہا جاتا ہے اور ایسے احکام کو "ضروریاتِ دین" کا نام دیا جاتا ہے جن میں سے ایک کا انکار بھی کفر ہے، مثلاً کسی نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روبرو بلا واسطہ یہ حکم سُنا کہ "میں خاتم النّبیّین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا" اس سُننے والے کو اگر اس حکم کے صدق میں ذرا بھی تردّد ہو تو وہ بلاشبہہ کافر ہوگا بعینہٖ اسی طرح جب یہ حکم ہم تک بطریق تواتر پہنچا اور بداہۃً و ضرورۃً اس کا حکمِ الٰہی ہونا ثابت ہو گیا تو اس کے منکر کے کفر میں کسی شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

مضمون نگار نے اپنے مجموعۂ عجائب میں ایک اعجوبہ یہ بھی لکھا ہے کہ "ضروریاتِ دین کی فہرست کوئی عالم پیش نہ کرسکا" ضروریاتِ دین کوئی پانچ دس نہیں کہ ان کی فہرست تیار کی جاسکے احکامِ ضروریہ اسقدر کثیر ہیں کہ ان کی فہرست لکھنے کی اگر کوئی حماقت کرے بھی تو استیعاب نہیں کرسکے گا اور استیعاب کی ضرورت بھی نہیں اتنا ضروری ہے کہ احکامِ شرعیہ سے جو مسئلہ بھی سامنے آئے ہم اسکے بارے میں بلا تردّد یہ بتاسکیں کہ یہ ضروریاتِ دین میں داخل ہے یا نہیں۔ سو الحمد للہ علماءِ دین کو اس فیصلے میں کبھی کوئی اشکال پیش نہیں آسکتا۔

مضمون نگار نے مسلمان کی تعریف کے لئے قرآنِ کریم کی چھ آیتیں تحریر کی ہیں۔

(۱) انما المؤمنون الذین اذا ذکراللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون۝ الذین یقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون۝ اولئک ھم المؤمنون حقا(۸-۴)

(۲) فان لم یستجیبوا لکم فاعلموا انما انزل بعلم اللہ وان لا الٰہ الا ھو فھل انتم مسلمون۝(۱۱-۱۴)

(۳) واذ اوحیت الی الحواریین ان اٰمنوا بی وبرسولی قالوا اٰمنا واشھد باننا مسلمون(۵-۱۱۱)

(۴) قل انما یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد فھل انتم مسلمون ۵ (۲۱-۱۰۸)

(۵) فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین (۹-۱۱)

(۶) فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللہ وکلمٰتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون۝(۷-۱۵۸)

ان میں ایمان باللہ کی تفسیر میں "خدا کی توحید" لکھا ہے حالانکہ ایمان باللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر ایمان لائے توحید بھی صرف وہی معتبر ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوگی ورنہ یہود ونصاریٰ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے اور عقیدۂ تثلیث کے باوجود مدعی توحید تھے، بلکہ مشرکین بھی ہزاروں معبودوں کی پرستش کرنے کے باوجود اپنے کو موحّد ہی سمجھتے تھے اور برملا کہتے تھے (الاشریکا ھو لک تملکہ وما ملک) مگر ان کی توحید اس لئے معتبر نہیں کہ حکمِ الٰہی کے مطابق نہیں، ہم اوپر تحریر کرچکے ہیں کہ اسلام سے متعلق آیات واحادیث میں مقصود صرف ایمان باللہ ہے اور بقیہ امور اسی ایمان باللہ کے اہم شعبے ہیں۔ پیشِ نظر چھ آیتوں میں تو بعض ایسے امور مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا وغیرہ بھی مذکور ہیں کہ غالباً مضمون نگار بھی انکے تارک کو کافر نہ کہے گا۔

اس کے بعد مضمون نگار نے مسلمان کی تعریف کے لئے چند حدیثیں پیش کی ہیں۔

(۱) حدیثِ جبریل علیہ السلام۔

(۲) بنی الاسلام علی خمس الخ

ان دو حدیثوں کا مضمون وہی ہے جو آیاتِ قرآنیہ میں ہے۔ ان کی تشریح اوپر گزر چکی ہے

(۳) جس شخص نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کو مانا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے (مشکوۃ)

اس حدیث میں مسلمان کی تعریف نہیں بلکہ علامات بتائی گئی ہیں۔ اگر اسے مسلمان کی تعریف قرار دیا جائے تو توحید و رسالت کا منکر بھی کافر نہ ہوگا لہٰذا لازماً کہنا پڑے گا کہ یہ اُمور مسلمان کی علامات میں سے ہیں اور محض علامات سے حقیقت ثابت نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً جھوٹ بولنے کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی علامت بتایا ہے مگر پوری اُمت کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان محض جھوٹ بولنے سے منافق نہیں ہو جاتا، نیز زمانے کے اختلاف سے علامات بدلتی رہتی ہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی مسلمان ضروریاتِ دین کا منکر نہ تھا اس لئے اُمور بالا مسلمان کی حتمی علامت شمار ہوتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی میں کفر کی کوئی وجہ ظاہر ہو جانے کے بعد بھی محض علاماتِ مذکورہ کی بنا پر اسے مسلمان سمجھا جائے گا، اگر یہ مسلمان کی تعریف ہے تو آخر منافقین بھی تو یہ کام کیا کرتے تھے ان کو مسلمان کیوں نہیں شمار کیا گیا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کیا حالانکہ وہ مذکورہ افعال کے پابند تھے مسیلمہ کذاب بھی نماز پڑھتا تھا اذان دلاتا تھا اور اس کی اذان میں اشہد ان محمداً رسول اللہ کا اعلان بھی ہوتا تھا (تاریخ طبری ص۲۴۴ ج ۳) پھر اسے کیوں مسلمانوں کی فہرست سے نکالا گیا؟

(۴) بخاری میں ہے کہ ایک صاحب کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا تھا وہ احمق سی کوئی حبشیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہے؟ آپ نے اس سے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف انگلی اُٹھا دی، آپ نے ان صاحب سے فرمایا لیجاؤ یہ مسلمان ہے۔

یہ حدیث بخاری میں نہیں، البتہ صحیح مسلم، ابوداود اور نسائی میں اس قسم کی روایت ہے مگر اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ جب اس لونڈی نے آپ کی رسالت کے اقرار کے ضمن میں آپ کے ہر حکم کی تصدیق کر دی تو اس کے اسلام میں کیا شبہہ رہ سکتا ہے؟

مضمون نگار نے حدیث کا جتنا حصہ نقل کیا ہے حدیث کی کسی کتاب میں اس پر اکتفار نہیں کیا گیا، اگر اسے معیارِ اسلام قرار دیدیا جائے تو مسلم اور کافر میں کوئی فرق اور امتیاز باقی نہ رہیگا

منکرینِ توحید، منکرینِ رسالت، یہود، نصاریٰ اور مشرکین سب کے سب مسلمان کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ "ماشاء اللہ" یہ ہے آجکل کی وسعتِ نظر۔

اس کے بعد بلا حوالہ لکھتے ہیں "التاویل نوع القبول (تاویل قبول وتسلیم ہی کی ایک شکل ہے)" مشہور ہے کہ مؤول کافر نہیں، مگر خوب سمجھ لیں کہ یہ اتنا عام نہیں جتنا بظاہر اس سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ اس سے ایسی تاویل مراد ہے جو انکارِ تواتر کو مستلزم نہ ہو، چونکہ الفاظِ قرآن سب متواتر ہیں اور مفہوم اکثر متواتر نہیں اس لئے کہدیا جاتا ہے کہ اگر کوئی لفظ قرآن کا انکار نہ کرے صرف مفہوم میں تاویل کرے تو وہ کافر نہیں کیونکہ امر متواتر کا انکار نہیں پایا گیا مگر قرآن کے بہت سے مفہوم بھی متواتر ہیں لہٰذا اس مفہوم متواتر میں تاویل کرنے والا کافر ہو جائے گا چنانچہ جس طرح لفظ "خاتم النبیین" متواتر ہے، اسی طرح اس کا مفہوم بھی تواتر سے ثابت ہے لہٰذا اس کے مفہوم میں تاویل کرنا انکارِ متواتر ہونے کی وجہ سے بلاشبہہ کفر ہے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ خوارج میں سے ایک شخص مامون الرشید کے پاس آیا، مامون نے اس سے عامۃ المسلمین سے مخالفت کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ کتاب اللہ میں ہے "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون" (اور حضرت علی وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے ایک انسان کو حَکَم تسلیم کرلیا) مامون نے کہا کہ تمہارے پاس اسکے قرآن ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اجماعِ اُمت، مامون نے کہا کہ جس طرح تم نے اس کے قرآن ہونے کے لئے اجماع کو دلیل قرار دیا ہے، اسی طرح اسکے مفہوم کی تعیین میں بھی اسی طرح اجماع کو حجت تسلیم کرو، اس نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا، (تاریخ الخلفاء مجتبائی ص ۲۲۲)

غرضیکہ اسلام وکفر کا اصل معیار تواتر سے ثابت ہونے والی ضروریاتِ دین کی تصدیق یا تکذیب ہے، لہٰذا بدیہی اور متواتر مفہوم کا انکار اور اسمیں تاویل کفر ہے البتہ غیر متواتر مفہوم کا مؤول کافر نہیں۔

آخر میں امام غزالی رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا۔ "جہاں تک ہو سکے اہلِ قبلہ کی تکفیر سے اپنی زبان کو روکو، جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قائل رہیں اور اس کے خلاف نہ کریں۔ اور خلاف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی عذر سے یا بغیر عذر کے کاذب قرار دیں۔"

بعینہ یہی مفہوم ضروریاتِ دین کے انکار کا ہے، اگر کوئی شخص ایسے مسئلہ کا انکار کرتا ہے کہ اسکا حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اسقدر بدیہی اور یقینی ہو کہ گویا اس نے بالمشافہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے اور پھر اسکا انکار کرتا ہے تو کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب نہیں کر رہا؟

اس میں کلام ہے کہ ہر امر متواتر کا انکار کفر ہے یا کہ صرف ایسے متواتر کے انکار کو کفر کہا جائے گا جسکا دین میں ہونا اسقدر مشہور ہو کہ عوام بھی اسے جانتے ہوں - اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ ایسا امر متواتر جسے صرف خواص جانتے ہوں عوام تک اسکی شہرت نہ ہوئی ہو اسکا انکار عوام کے لئے تو موجب کفر نہیں اس لئے کہ یہ حکم ان کے حق میں قطعی نہیں، البتہ وہ خواص جو اس کے تواتر و قطعیّت کا علم رکھتے ہوں ان کے لئے اسکا انکار موجب تکفیر ہے -

قال ابن الهمام رحمه الله تعالیٰ واما ما ثبت قطعًا ولم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت الصلبية باجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الاكفار بجحدہ بانهم لم يشترطوا فى الاكفار سوى القطع فى الثبوت (الى قوله) ويجب حمله على ما اذا علم المنكر ثبوته قطعًا (مسامرہ ط ۱۴۹)

تکفیر اہلِ قبلہ

کتب عقائد میں ہے کہ " اہلِ قبلہ کی تکفیر جائز نہیں" اس سے ملحدین یہ فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص بیت اللہ کو اپنا قبلہ تسلیم کرتا رہے اسکی تکفیر جائز نہیں، یہ محض تلبیس ابلیس ہے - حقیقت یہ ہے کہ متکلمین کی اصطلاح میں اہل اسلام کو اہلِ قبلہ کہا جاتا ہے اور یہ دونوں لقب مترادف ہیں اور اسکا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی مسلمان ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے اسوقت تک اس کی تکفیر جائز نہیں -

چنانچہ شرح العقائد النسفیہ کی شرح نبراس میں ہے -

اهل القبلة فى اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروريات الدين (الى قوله) فمن انكر شيئًا من الضروريات (الى قوله) لم يكن من اهل القبلة ولو كان مجاهدًا بالطاعات وكذلك من باشر شيئًا من امارات التكذيب كسجود الصنم والاهانة بامر شرعي والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة (نبراس ص ۵۷۲)

وقال الملا على القارى رحمه الله تعالیٰ اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم الله تعالیٰ بالكليات والجزئيات وما اشبه ذلك من المسائل المهمات فمن واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم ونفى الحشر او نفى علمه سبحانه وتعالیٰ بالجزئيات لايكون من اهل القبلة وان المراد بعدم تكفير احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر احد مالم يوجد شيء من امارات الكفر وعلاماته ولم يصدر منه شيء من موجباته (شرح الفقه الاكبر)

وفى شرح المقاصد فلا نزاع فى كفر اهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفى الحشر ونفى العلم بالجزئيات ونحو ذلك وكذلك بصدور شيء من موجبات الكفر عنه (شرح المقاصد المبحث السابع)

وقال العلماء رحمہ اللہ تعالیٰ کل من کان من قبلتنا (الی قولہ) وان انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ کفر، وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ، لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام من حدوث العالم وحشر الاجساد ونفی العلم بالجزئیات وان کان من اہل القبلۃ المواظب طول عمرہ علی الطاعات کما فی شرح التحریر (ردالمحتار ص۵۲۴ ج ۱)

متکلمین کے ہاں یہ مسئلہ اس طرح پیدا ہوا کہ معتزلہ وخوارج مرتکب کبیرہ کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ ان کی تردید میں حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ اہلِ قبلہ یعنی اہلِ اسلام کی تکفیر ارتکابِ کبیرہ کی وجہ سے جائز نہیں جب تک وہ ضروریاتِ دین سے انکار نہ کریں۔

نقل فی شرح التحریر عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لانکفر اہل القبلۃ بذنب (شرح التحریر ص۳۱۸)

وقال فی النبراس ومعنی عدم تکفیر اہل القبلۃ ان لا یکفر بارتکاب المعاصی ولا بانکار الامور الخفیۃ غیر المشہورۃ ہذا ما حققہ المحققون (نبراس ص۵۷۲)

وقال ابن تیمیۃ فی کتاب الایمان ونحن اذا قلنا اہل السنۃ متفقون علی ان لا یکفر بالذنب فانما نرید بہ المعاصی کالزنا والشرب اھ واوضحہ القونوی فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ۔

متکلمین کے اس قول کا مأخذ یہ حدیث ہے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ من اصل الایمان الکف عمن قال لا الٰہ الا اللہ ولا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل الحدیث (ابوداود ص۳۵۲ ج۱)

چونکہ متکلمین وفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں اہل القبلہ بمعنی اہل الاسلام کی اصطلاح اور عدم تکفیر اہل القبلہ کا یہ مطلب کہ "ارتکاب کبیرہ موجب کفر نہیں" بہت مشہور اور عام معروف ہے اس لئے بعض دفعہ صرف اتنا لکھدیتے ہیں کہ "اہلِ قبلہ کی تکفیر جائز نہیں" اور اعتماداً علی فہم المخاطب اسکی تشریح کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تمام تر احکام کی تصدیق کرنیوالا مسلمان ہے اور کسی ایک حکم کا انکار کرنیوالا کافر ہے اسکی معروف تعبیر یہ ہے کہ جمیع ضروریاتِ دین کی تصدیق کا نام اسلام ہے اور انمیں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ فقط واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

رشید احمد

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ

حقیقتِ شیعہ

- کیا شیعہ مسلمان ہیں ؟
- کتبِ شیعہ میں شیخین و دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف ۔
- شیعہ کو ایک اہم مشورہ

حقیقتِ شیعہ

اشاریہ :۔

کیا شیعہ مسلمان ہیں ؟

سوال : شیعانِ علی مسلمان ہیں یا کافر ؟ اگر کافر ہیں تو اہلِ کتاب کے حکم میں ہونگے یا نہیں ؟ اگر اہلِ کتاب ہیں تو ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ساتھ تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں ؟ بیّنوا الحقّ المبین واوضحوا بالبرھان المتین، اجرکم اللّٰہ یوم الدّین ۔

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باقی سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے افضل سمجھتا ہے تو صرف اتنے اعتقاد سے وہ کافر نہیں ہوتا، مگر آجکل کے شیعہ کا صرف یہ اعتقاد نہیں ان کے معتقدات کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، چنانچہ تحریفِ قرآن کا مسئلہ ان کے ہاں مسلمات اور متواترات میں سے ہے، ان کی تصریحات ملاحظہ ہوں

عقیدۂ تحریفِ قرآن

(۱) المستفاد من مجموع ھٰذہ الاخبار وغیرھا من الرّوایات من طریق اھل البیت علیھم السّلام انّ القرآن الّذی بین اظھرنا لیس بتمامہ کما انزل علیٰ محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم بل منہ ما ھو خلاف ما انزل اللّٰہ ومنہ ما ھو مغیر ومحرف وانّہ قد حذف منہ اشیاء کثیرۃ منھا اسم علی فی کثیر من المواضع ومنھا غیر ذٰلک (دیباچہ تفسیر صافی)

اہلِ بیت کے واسطہ سے پہنچی ہوئی روایات سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ پورے کا پورا اس طرح نہیں ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، بلکہ اسمیں کچھ حصّہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے قرآن کے خلاف ہے اور کچھ حصّے میں تغیر اور تحریف واقع ہوئی ہے اور اسمیں سے بہت سی چیزیں نکالدی گئی ہیں ان میں سے مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے جو قرآن میں کئی مقامات سے نکالدیا گیا ہے، انکے علاوہ بھی کئی ایسے مواضع ہیں ۔

(۲) لو شرحت لك کل ما اسقط وحرّف وبدّل ممّا یجری ھٰذا المجری لطال وظھر ما تحظر التقیّۃ اظھارہ (احتجاج طبرسی ص ۱۲۸ طبع ایران)

قرآن میں سے جو کچھ نکالا گیا ہے یا اسمیں تحریف اور ردّ و بدل وغیرہ کیا گیا ہے اگر میں ان سب کو بیان کروں تو بات بہت لمبی ہو جائے اور وہ چیز ظاہر ہو جائے جس کے اظہار کی تقیّہ اجازت نہیں دیتا ۔

(۳) قال السیّد المحدّث الجزائری ما معناہ ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحۃ الاخبار المستفیضۃ المتواترۃ الدالۃ بصریحھا علی وقوع التحریف فی القرآن

(فصل الخطاب علامہ نوری صہ ۳)

محدّث جزائری کہتے ہیں کہ صراحۃً تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی متواتر روایتوں کی صحت پر (ہمارے) سب اصحاب کا اتفاق ہے۔

(فصل الخطاب از علامہ نوری صہ ۳)

(۴) ان الاخبار الدالۃ علی ذٰلک تزید علی الفی حدیث وادعی استفاضتھا جماعۃ کالمفید والمحقق الداماد والعلامۃ المجلسی

(فصل الخطاب علامہ نوری صہ ۳)

تحریفِ قرآن پر دلالت کرنے والی روایات دو ہزار سے زیادہ ہیں، ایک جماعت نے انکے متواتر ہونیکا دعویٰ کیا ہے جیسے مفید، محقق داماد، اور علامہ مجلسی وغیرہ۔

(۵) عن علی بن سوید السائی قال کتب الیّ ابوالحسن الاول وھو فی السجن واما ما ذکرت یا علی ممن تاخذ معالم دینک لا تاخذنّ معالم دینک عن غیر شیعتنا فانک ان تعدیتھم اخذت دینک عن الخائنین الذین خانوا اللّٰہ ورسولہ وخانوا اماناتھم انھم اؤتمنوا علی کتاب اللّٰہ جل وعلیٰ فحرفوہ وبدلوہ فعلیھم لعنۃ اللّٰہ ولعنۃ ملائکتہ ولعنۃ اٰبائی الکرام البررۃ ولعنتی ولعنۃ شیعتی الیٰ یوم القیٰمۃ

(رجال کشی طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ تالیف ابوعمرو محمد بن عمر عبدالعزیز الکشی صہ ۳ سطر ۳)

علی بن سوید کہتے ہیں ابوالحسن اوّل نے مجھے جیل سے لکھا، "اے علی! یہ جو تم نے لکھا ہے کہ دین کی بنیادی باتیں کس سے سیکھوں؟ اپنے دین کی باتیں سوائے ہمارے شیعہ کے اور کسی سے حاصل نہ کرو اس لئے کہ اگر تم ان کے علاوہ دوسرے کے پاس گئے تو گویا تم نے ایسے خیانت کرنے والوں سے علم حاصل کیا جنہوں نے اللہ ورسول سے خیانت کی، اور جو امانت انکے پاس رکھی گئی تھی اسمیں خیانت کی ان کے پاس کتاب اللہ امانت تھی انہوں نے اسمیں تحریف کرڈالی اور اس میں تبدیلیاں کیں، ان پر اللہ، ملائکہ، میرے نیک آباء واجداد، میری اور میرے تمام شیعہ کی قیامت تک پھٹکار ہو"۔

(۶) مراد بقرآن قرآن محفوظ نزد ائمہ علیہم السلام ست کہ ہفدہ ہزار آیت ست (صافی شرح کافی ج ۲، کتاب فضل القرآن جز ششم طبع نولکشور صہ ۶۵)

قرآن سے مراد وہ قرآن ہے جو ائمہ کے پاس محفوظ ہے جس کی سترہ ہزار آیتیں ہیں (صافی شرح کافی ج ۲ کتاب فضل القرآن جز ششم صہ ۶۵ طبع نولکشور)

موجودہ قرآن میں ۶۲۳۶ آیتیں ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ دو تہائی قرآن غائب ہے اور ایک

تنہا موجود ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ موجود قرآن سے تین گنا زیادہ قرآن پورے کا پورا غائب ہے جسمیں موجود قرآن کا ایک حرف بھی نہیں، چنانچہ آئندہ روایت میں اس کی صراحت آرہی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ شیعہ مذہب کے مطابق موجود قرآن میں ایک حرف بھی صحیح نہیں، اس روایت میں اگر حرف بمعنی لفظ کی تاویل بھی کرلی جائے تو بھی ثابت ہوا کہ شیعہ کے قرآن میں ایمان، کفر، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حشر و نشر، حساب وکتاب، جنت و دوزخ، حتی کہ اللہ، رسول اور ملائکہ میں سے کوئی ایک لفظ بھی نہیں۔

(۷) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام وان عندنا مصحف فاطمۃ وما یدریھم ما مصحف فاطمۃ قال مصحف فیہ مثل قرآنکم ثلاث مرات واللہ ما فیہ من قرآنکم حرف واحد (اصول کافی ص۱۴۶ طبع نولکشور، صافی کتاب الحجۃ جز ۳ ص۱۸۰)

ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مصحف ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ وہ کیسا مصحف ہے۔ مصحفِ فاطمہ تمہارے قرآن سے تین گنا زیادہ ہے اور خدا کی قسم تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی اسمیں نہیں ہے۔

(۸) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان القرآن جاء بہ جبریل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ (اصول کافی ص۶۷۱)

ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ جو قرآن جبریل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اسکی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ (اصول کافی ص۶۷۱)

(۹) قال یا ابا محمد وان عندنا الجامعۃ وما یدریھم ما الجامعۃ قال قلت جعلت فداک وما الجامعۃ قال صحیفۃ طولھا سبعون ذراعا بذراع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صافی جز ۳ کتاب الحجۃ ص۱۸۰، اصول کافی ص۱۴۶)

ابو محمد کہتے ہیں کہ میرے استاد نے مجھ سے کہا، اے ابو محمد بیشک ہمارے پاس الجامعہ ہے اُن کو کیا معلوم کہ جامعہ کیا ہے؟ میں نے کہا، میں آپ پر فدا ہوں جامعہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا وہ صحیفہ ہے جسکی لمبائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گز سے ستر گز ہے۔

(۱۰) قال ان عندنا الجفر وما یدریھم ما الجفر قال قلت وما الجفر قال وعاء من ادم فیہ علم النبیین والوصیین وعلم العلماء الذین مضوا من بنی اسرائیل (اصول کافی ص۱۴۶)

راوی کہتے ہیں کہ میرے اُستاد نے کہا بیشک ہمارے پاس "جفر" ہے، ان کو کیا معلوم کہ "جفر" کیا ہے؟ میں نے کہا "جفر" کیا ہے؟ تو فرمایا وہ ایک چمڑے کا تھیلا ہے جس میں نبیوں، وصیوں اور علماء بنی اسرائیل کے علوم ہیں۔ (اصول کافی ص۱۴۶)

(۱۱) عن ابی بصیر عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال قلت لہ قول اللہ عزوجل هٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق قال فقال ان الکتاب لم ینطق ولن ینطق ولکن رسول اللہ هو الناطق بالکتاب قال عزوجل ذکرہ هٰذا رسولنا ینطق علیکم بالحق، قال فقلت جعلت فداك انا لا نقرؤها هٰکذا فقال هٰکذا واللہ نزل جبریل علی محمد ولکنہ حرف من کتاب عزوجل (روضہ کلینی ص۲۵)

ابو بصیر، ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے هٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق، یہ ہماری کتاب (اعمال نامہ) تمہارے خلاف ٹھیک ٹھیک بولے گا ابو عبداللہ نے کہا کہ کتاب نہ کبھی بولی ہے اور نہ بولے گی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کو بولتے (پڑھتے) ہیں، اللہ تعالےٰ نے تو "هٰذا رسولنا ینطق علیکم بالحق" فرمایا ہے، مَیں نے کہا مَیں تم پر فدا ہوں، ہم تو اس طرح نہیں پڑھتے تو فرمایا، اللہ کی قسم جبریل علیہ السلام نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح (هٰذا رسولنا الخ) نازل کی تھی لیکن اللہ کی کتاب میں تحریف کرکے یہ بدل دیا گیا ہے ؛

(۱۲) امر موسیٰ کاظم لعلی بن سوید لا تلتمس دین من لیس من شیعتك ولا تحبن دینهم فانهم الخائنون الذین خانوا اللہ ورسولہ وخانوا اماناتهم وتدری ما خانوا اماناتهم ائتمنوا علی کتاب اللہ فحرفوہ وبدلوہ (روضہ کلینی ص۱۲۶)

موسیٰ کاظم نے علی بن سوید کو حکم دیا کہ جو تمہارے شیعہ میں سے نہیں ہیں ان سے دین حاصل مت کرو اور ان کے دین کو دوست نہ رکھ کیونکہ یہ وہی خیانت کرنے والے ہیں جنہوں نے اللہ و رسول کے ساتھ خیانت کی اور اپنی امانتوں میں خیانت کی، تمہیں معلوم ہے وہ کیا امانتیں ہیں؟ ان کو کتاب اللہ پر امین بنا دیا گیا، انہوں نے اسمیں تحریف کر ڈالی اور اسے بدل دیا ؛

(۱۳) عن ابی جعفر قال نزل القراٰن اربعة ارباع ربع فینا وربع فی عدونا وربع سنن وامثال وربع فرائض واحکام شرع (اصول کافی ص۶۶۹)

ابو جعفر کہتے ہیں کہ قرآن کے چار حصے نازل ہوئے تھے، ایک ربع ہمارے بارے میں ہے، ایک ربع ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے ایک ربع میں سنن و امثال ہیں اور ایک ربع میں فرائض و احکام شرع ہیں ؛ (اصول کافی ص۶۶۹)

(۱۴) عن ابی بصیر عن ابی عبداللہ علیہ السلام فی قول اللہ عزوجل ومن یطع اللہ ورسولہ

ابو بصیر، ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آیت وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ

فی ولایۃ علیؑ والائمۃ من بعدہ فقد فاز فوزاً عظیماً، ھٰکذا انزلت (اصول کافی ص۲۶۲)

فوزاً عظیماً اس طرح نازل ہوئی تھی " ومن یطع اللہ ورسولہ فی ولایۃ علی والائمۃ من بعدہ فقد فاز فوزاً عظیماً "

(۱۵) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ ولقد عھدنا الی اٰدم من قبل کلمات فی محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتھم فنسی ھکذا واللہ نزلت علی محمد (اصول کافی ص۲۶۳)

ابو عبد اللہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آیت ولقد عھدنا الی اٰدم من قبل فنسی اس طرح نازل ہوئی تھی " ولقد عھدنا الی اٰدم من قبل کلماتٍ فی محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتھم فنسی "

(۱۶) نزل جبرئیل بھٰذہ الاٰیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ بئس ما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ فی علی بغیا (حوالہ بالا)

جبرئیل نے آیت بئس ما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح نازل کی تھی بئس ما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ فی علی بغیاً

(۱۷) نزل جبرئیل بھٰذہ الاٰیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ھکذا فبدل الذین ظلموا اٰل محمد حقھم قولاً غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا اٰل محمد حقھم رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون (اصول کافی ص۲۶۷)

جبرئیل علیہ السلام آیت فبدل الذین ظلموا قولاً غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا رجزاً من السمآء بما کانوا یفسقون کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح لائے تھے۔ فبدل الذین ظلموا اٰل محمد حقھم قولاً غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا اٰل محمد حقھم رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون ؏

(۱۸) ھٰکذا انزلت ھٰذہ الاٰیۃ ولو انھم فعلوا ما یوعظون بہ فی علی لکان خیراً لھم (اصول کافی ص۲۶۸)

آیت ولو انھم فعلوا ما یوعظون بہ لکان خیراً لھم یوں نازل ہوئی تھی، ولو انھم فعلوا ما یوعظون بہ فی علیؑ لکان خیراً لھم۔

(۱۹) نزل جبرئیل بھٰذہ الاٰیۃ ھکذا فابٰی اکثر الناس بولایۃ علیؑ الا کفوراً (اصول کافی ص۲۶۸)

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آیت فابٰی اکثر الناس الا کفوراً اس طرح نازل کی تھی فابٰی اکثر الناس بولایۃ علیؑ الا کفوراً

(۲۰) ونزل جبرئیل بھٰذہ الاٰیۃ وقل

جبرئیل علیہ السلام نے آیت وقل الحق

الحقّ من ربّكم فی ولایة علیّ (الی قوله) انّا اعتدنا للظالمین اٰل محمد نارًا (اصول کافی ۲۶۶)

من ربّکم (الی قوله) انّا اعتدنا للظالمین نارًا یوں نازل کی تھی وقل الحقّ من ربّکم فی ولایة علی (الی قوله) انّا اعتدنا للظالمین اٰل محمدٍ نارًا۔

(۲۱) نزل جبرئیل بهذه الاٰیة هٰكذا ان الذین ظلموا اٰل محمد حقهم لم یكن الله لیغفر لهم ولا لیهدیهم طریقا (الی قوله) یا ایها الناس قد جاءكم الرسول بالحقّ من ربّكم فی ولایة علیّ فاٰمنوا خیرًا لكم وان تكفروا بولایته فانّ لله ما فی السمٰوٰت وما فی الارض (اصول کافی ۲۶۶)

جبرئیل علیہ السلام آیت ان الذین ظلموا لم یکن اللہ لیغفر لہم ولا لیہدیہم طریقا (الی قولہ) یا ایہا الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم فاٰمنوا خیرًا لکم وان تکفروا فان للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض کو یوں لائے تھے ان الذین ظلموا اٰل محمد حقہم لم یکن اللہ لیغفر لہم ولا لیہدیہم طریقا (الی قولہ) یا ایہا الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم فی ولایة علی فاٰمنوا خیرًا لکم وان تکفروا بولایته فان للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض۔

(۲۲) ستعلمون یا معشر المكذبین حیث انبأتكم رسالة ربی فی ولایة علی علیه السلام والائمة من بعده من هو فی ضلال مبین كذا انزلت (اصول کافی ۲۶۶)

آیت ستعلمون من ھو فی ضلال مبین یوں نازل ہوئی تھی "ستعلمون یا معشر المکذبین حیث انبأتکم رسالة ربی فی ولایة علی علیہ السلام والائمة من بعدہ من ھو فی ضلال مبین۔"

(۲۳) نزل جبرئیل بهذه الاٰیة علی محمد صلی الله علیه وسلم واٰله هٰكذا ان كنتم فی ریب مما نزّلنا علی عبدنا فی علی فأتوا بسورة من مثله۔ (اصول کافی ۲۶۴)

جبرئیل علیہ السلام نے آیت ان کنتم فی ریب مما نزّلنا علی عبدنا فأتوا بسورة من مثله یوں نازل کی تھی "ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فی علیّ فأتوا بسورة من مثله"

(۲۴) نزل جبرئیل علی محمد صلی الله علیه واٰله وسلم بهذه الاٰیة یا ایها الذین اوتوا الكتاب اٰمنوا بما نزّلنا فی علی نورًا مبینًا۔ (اصول کافی ۲۶۴)

جبرئیل نے آیت یا ایہا الذین اوتوا الکتاب اٰمنوا بما نزّلنا اس طرح نازل کی تھی "یا ایہا الذین اوتوا الکتاب اٰمنوا بما نزّلنا فی علیّ نورًا مبینًا۔"

(۲۵) اخرج المصحف الذی کتبہ علی علیہ السلام الی الناس حین فرغ منہ وکتبہ فقال لہم ہذا کتاب اللہ عز وجل کما انزل اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قد جمعتہ من اللوحین فقالوا ھوذا عندنا مصحف جامع فیہ القرآن لا حاجۃ لنا فیہ فقال اما واللہ ما ترونہ بعد یومکم ھذا ابدا انما کان علی ان اخبرکم حین جمعتہ لتقرؤہ (اصول کافی ص۶۷۱)

حضرت علی جب قرآن لکھنے سے فارغ ہوئے تو اس کو لوگوں کے پاس لائے اور ان سے فرمایا، یہ اللہ کی کتاب ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھی، میں نے اسکو دو لوحوں سے جمع کیا ہے، لوگوں نے کہا اللہ کی کتاب تو یہ ہمارے پاس موجود ہے ہمیں آپ کے لائے ہوئے قرآن کی) حاجت نہیں (اس پر حضرت علی نے غصہ میں آکر) کہا، اب خدا کی قسم آج کے بعد تم اس کو کبھی نہیں دیکھو گے۔ میرے ذمہ تو صرف یہ تھا کہ جب میں نے اسے جمع کیا تو تم کو بتادوں تاکہ اسے پڑھو۔

(۲۶)(۲۷) اصول کافی ص ۱۳۹ میں دو روایتیں لائے ہیں کہ حضرت علی کے سوا کسی کو سارا قرآن معلوم نہیں۔

(۲۸) اصول کافی ص ۶۷۰ پر لم یکن الذین الخ سے متعلق تحریف کی روایت ہے۔

(۲۹) اصول کافی ص ۲۶۱ پر بھی ایک آیت کی تحریف کا ذکر ہے۔

(۳۰) قرآن مجید میں ایسی باتیں بھی ہیں جو خدا نے نہیں کہیں (احتجاج طبرسی ص۲۵)

(۳۱) موجودہ قرآن مجید کو اولیاء الدین کے دشمنوں نے جمع کیا ہے (احتجاج طبرسی ص۱۳۰)

(۳۲) موجودہ قرآن مجید میں خلافِ فصاحت اور قابلِ نفرت الفاظ موجود ہیں (احتجاج طبرسی ص۳۰)

(۳۳) قرآن مجید میں سرور کائنات کی بھی ہتک کی گئی ہے۔ (حوالہ بالا)

(۳۴) موجودہ قرآن کی ترتیب خدا کی مرضی کے خلاف ہے (فصل الخطاب ص۳۰)

تقیہ :

اگر کہیں کسی شیعہ مصنف نے اعتقادِ تحریف سے انکار کیا ہے یا آجکل کوئی شیعہ انکار کرتا ہے تو تقیہ پر مبنی ہے۔ جیساکہ عبارات بالا میں سے ۳۲ میں احتجاج طبرسی کی عبارت گزری کہ عقیدۂ تحریف کے اظہار سے تقیہ مانع ہے۔ اور تقیہ مذہب شیعہ میں اسقدر مؤکد ہے کہ جو تقیہ نہیں کرتا وہ مسلمان ہی نہیں

(۱) لا دین لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص۴۸۲) جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

(۲) لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص۴۸۴) جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے ایمان ہے۔

مسئلہ بداء :

۶ شیعہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں غلطی واقع ہوسکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے۔ وہ

اسے بدار کہتے ہیں اور عقیدۂ بدار سے بڑھ کران کے مذہب میں اور کوئی عبادت نہیں۔

(۱) ماعبداللہ بشیءٍ مثل البداء (اصول کافی ص۸۴) — بدار کا عقیدہ رکھنے کے برابر اللہ تعالیٰ کی کوئی عبادت نہیں۔

(۲) ما عظم اللہ بمثل البداء (اصول کافی ص۸۵) — بدار کا عقیدہ رکھنے کے برابر اللہ کی کوئی بڑائی نہیں بیان کی گئی۔

(۳) سمعت الرضا علیہ السلام قال مابعث اللہ نبیاً قط الا بتحریم الخمر وان یقر للہ بالبداء (اصول کافی ص۸۶) — امام رضا نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حرمتِ شراب اور بدار کے ماننے کا حکم دیکر بھیجا ہے

(۴) سمعت ابا عبداللہ علیہ السلام یقول لو علم الناس ما فی القول بالبداء من الاجر مافتروا عن الکلام فیہ (اصول کافی ص۸۶) — ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوجاتا کہ بدار (اللہ کی طرف غلطی کی نسبت) کا عقیدہ رکھنے میں کتنا ثواب ہے، تو وہ اس عقیدہ سے نہ رُکتے۔

(۵) عن ابی الہاشم الجعفری قال کنت عند ابی الحسن علیہ السلام (الی قولہ) فقال نعم یا اباہاشم بدا للہ فی ابی محمد کما بدا فی موسیٰ (اصول کافی ص۳۰۳) — حضرت علی نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ابو محمد کے بارے میں غلطی ہوئی، جیسے موسیٰ کے بارے میں غلطی ہوئی۔

کیا مذکورہ بالا عقائد کے کفر ہونے میں کسی کو شبہہ کی گنجائش ہے؟ بلکہ شیعہ کی تکفیر خود انکی کتابوں میں اُن کے بزرگوں سے منقول ہے۔

شیعہ کی تکفیر خود ان کی کتب سے

(۱) قال ابو عبداللہ علیہ السلام ما انزل اللہ اٰیۃ فی المنافقین الا وھی فیمن ینتحل التشیع (رجال کشی ص۱۹۳ س۱۶) — ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں جو آیت بھی نازل کی ہے وہ تشیع کی طرف منسوب لوگوں کے بارے میں ہے۔

(۲) سمعت علی بن الحسین یقول (الی قولہ) ان قوما من شیعتنا سیحبونا حتّٰی یقولوا فینا ما قالت الیہود فی عزیر وما قالت النصاریٰ فی عیسیٰ بن مریم فلا ھم منا ولا نحن منہم (رجال کشی ص۹۹) — علی بن حسین کہتے ہیں ہمارے شیعہ میں سے ایک قوم عنقریب ہمارے ساتھ دوستی کا اظہار کرے گی حتّٰی کہ ہمارے بارے میں وہ باتیں کہیں گے جو یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں اور نصاریٰ

نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا، نہ وہ ہم سے ہیں نہ ہمیں ان سے کوئی تعلق (رجال کشی ص۹)

(۳) عن ابن ابی یعفور قال کنت عند الصادق اذ دخل موسیٰ فجلس فقال ابوعبداللہ علیہ السلام یا ابن ابی یعفور ھٰذا خیر ولدی واحبّھم الیّ غیر ان اللہ عزّ وجل یضلّ بہ قوما من شیعتنا فانھم قوم لاخلاق لھم فی الاٰخرۃ ولا یکلمھم اللہ یوم القیٰمۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم قلت جعلت فداک فقد ارغب قلبی عن ھؤلاء قال یضل بہ قوم من شیعتنا بعد موتہ جزعا علیہ (رجال کشی ص۲۸۵ س ۸)

ابن ابی یعفور کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق کے پاس تھا وہاں موسیٰ کاظم آکر بیٹھ گئے تو ابوعبداللہ (جعفر صادق) نے کہا اے ابن ابی یعفور! یہ (موسیٰ کاظم) ہمارا سب سے بہتر اور محبوب بیٹا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہمارے شیعہ میں سے ایک قوم کو گمراہ کریں گے یہ (شیعہ) ایسی قوم ہے جس کا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں، اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے روز (رحم وکرم کی) بات نہ کرینگے اور نہ ہی ان کو پاک کریں گے، ان (شیعہ) کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ابن ابی یعفور کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میرا تو دل ان سے پھر گیا ہے، ابوعبداللہ نے کہا اسی کی وجہ سے ہمارے شیعہ میں ایک قوم ان کی وفات کے بعد ان پر جزع فزع کرکے اور رو رو کر گمراہ ہو جائے گی۔ (رجال کشی ص۲۸۵)

(۴) ان علیا علیہ السلام لما فرغ من قتال اھل البصرۃ اتاہ سبعون رجلا من الزط فسلموا علیہ وکلموہ بلسانھم فرد علیھم بلسانھم وقال انی لست کما قلتم انا عبداللہ مخلوق قال فابوا علیہ وقالوا انت انت ھو فقال لھم لئن لم ترجعوا عما قلتم فی وتتوبوا الی اللہ تعالیٰ لاقتلنکم قال فابوا ان یرجعوا ویتوبوا فامر ان یحفر لھم آبار فحفرت ثم خرق بعضھا الیٰ بعض ثم قذفھم فیھا ثم طم رؤسھا ثم الھب النار فی بئر منھا لیس فیھا احد فدخل الدخان علیھم فماتوا (رجال کشی ص۷۱ طبع کربلا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اہلِ بصرہ کے قتال سے فارغ ہوئے تو آپ کے پاس قبیلہ زط سے ستّر آدمی آئے، انہوں نے آپ کو سلام کیا اور اپنی زبان میں بات کی، آپ نے بھی انہی کی زبان میں جواب دیا اور فرمایا کہ مَیں ایسا نہیں جیسا تم سمجھتے ہو، مَیں اللہ کا بندہ اور مخلوق ہوں انہوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ آپ وہی ہیں (یعنی خدا ہیں) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم اس سے باز نہیں آتے جو میرے بارے میں کہتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ نہیں کرتے تو مَیں تم لوگوں کو ضرور قتل کر دونگا، ان (شیعہ) نے رجوع اور توبہ سے انکار کر دیا، آپ نے حکم دیا کہ ان کے لئے کنوئیں کھودے جائیں پھر انکے درمیان

سوراخ کر کے ان کو آپس میں ملا دیا۔ پھر انکو ان کنوؤں میں پھینک کر ان کنوؤں کا منہ بند کر دیا، پھر ان میں سے ایک کنوئیں میں آگ جلائی جس میں کوئی آدمی نہ تھا، اس طرح سے دوسرے کنوؤں میں انپر دھواں داخل ہوگیا اور وہ سب کے سب مر گئے۔ (رجال کشی ص۱۰۱ طبع کربلا)

(۵) قال ابوالحسن لو میزت شیعتی ماوجدتہم الا واصفۃ ولو امتحنتہم لما وجدتہم الا مرتدین الخ (روضۂ کلینی ص۱۰۱)

ابوالحسن (موسیٰ کاظم فرماتے ہیں کہ میں اگر اپنے شیعہ کو چھانٹ کر دیکھوں تو ان سب کو صرف باتیں بنانے والے (منافق) پاؤں۔ اگر ان کا امتحان لوں تو وہ سب مرتد نکلیں گے۔

(۶) اگر عدد ایشاں (شیعہ) بہ سہ صد و سیزدہ (۳۱۳) کسی بہیئت اجتماعی رسد امام ظاہر شود، (صافی باب۵ جزء۳ ص۳۶)

اگر ان (شیعہ) کی مجموعی تعداد تین سو تیرہ تک پہنچ جائے تو امام (مہدی) ظاہر ہو جائیں گے (صافی باب۵ جزء۳ ص۳۶)

معلوم ہوا کہ آج تک کبھی بھی تین سو تیرہ شیعہ کسی زمانے میں جمع نہیں ہوئے، یہ سب مدعیان تشیع منافق ہیں اور انہوں نے امام مہدی کو غار میں دھکیل رکھا ہے اور امام کے نہ ہونے کی وجہ سے اُمت کی گمراہی اور دنیا میں فساد و فتن کی ذمہ داری بھی انہی پر ہے، اگر ان میں سے تین سو تیرہ ہی صحیح شیعہ بن جائیں تو امام مہدی ظاہر ہو جائیں اور سارے جھگڑے طے ہو جائیں۔

اہلِ تشیع کا آپس میں لعن طعن:

لعن طعن اور سب وشتم کو حدیث میں علاماتِ نفاق شمار کیا گیا ہے، اور شیعہ لوگوں میں آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کا سلسلہ عام ہے، چنانچہ ان کے رواۃ اور بزرگوں پر خود ان کے بزرگوں سے لعنت اور بد دعا کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

(۱) عن ابی جعفر قال امیرالمؤمنین اللّٰہم العن ابنی فلان واعم ابصارہما کما عمیت قلوبہما (قال فی الحاشیۃ) ہما عبداللّٰہ بن عباس وعبیداللّٰہ بن عباس (رجال کشی ص۳۵ س۲۳)

ابو جعفر کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے اللہ! فلاں کے دو بیٹوں پر لعنت کر اور ان کی بینائی سلب کر لے جیسا کہ آپ نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے۔ حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ (دو بیٹے) عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عباس ہیں۔

(۲) مقاماتِ ذیل میں زرارہ کی انتہائی درجہ کی تعریف اور مدح کی روایات ہیں۔ رجال کشی ص۸۹ س۷، ص۹۱ س۱۴ و س۱۸، ص۱۱۳، س۸، ص۱۲۲ س۱۱، اور اس کے برعکس رجال کشی ہی

میں ص ۹۹ س ۱۲ میں زرارہ پر لعنت کی روایت ہے

(۳) اور رجال کشی ص ۹۱ س ۱۸، ص ۱۲۲ س ۱۱ میں بریدہ کی تعریف اور ص ۹۹ س ۱۲ میں اس پر لعنت کی روایت ہے

(۴) اور رجال کشی ص ۹۱ س ۱۸، ص ۱۲۲ س ۱۱ میں محمد بن مسلم کی تعریف کی روایت اور ص ۱۳ س ۱۱ میں اس پر لعنت کی روایت ہے

(۵) اور رجال کشی ص ۹۱ س ۱۸ میں ابو بصیر کی تعریف کی روایت اور ص ۱۱۶ س ۶ میں اس کی مذمت کی روایت ہے۔

(۶) روایتِ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ محبِّ علی کتنے ہی بڑے گناہ کرتا رہے تو بھی اس کی مغفرت یقینی ہے

سید بن محمد الحمیری اشعار در تعریف علی ساختہ بود پس آں شعر فضیل الرسان درخدمت امام جعفر خواند (الی قولہ) قال سمعت نغیبًا من وراء السّتر وقال من قال ھٰذا الشعر قلت السید بن محمد الحمیری فقال رحمہ اللّٰہ فقلت انی رأیتہ یشرب نبیذا فقال رحمہ اللّٰہ فقلت انی رأیتہ یشرب نبیذ الرستاق قال تعنی الخمر قلت نعم قال رحمہ اللّٰہ وما ذٰلک علی اللّٰہ ان لا یغفر لمحبّ علیؓ (رجال کشی ص ۱۸۵ س ۳)

سید بن محمد حمیری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کچھ مدحیہ اشعار کہے تھے فضیل الرسان نے وہ اشعار جعفر صادق کے سامنے پڑھے (الی قولہ) میں نے کسی کی آواز سنی جو پس پردہ کہہ رہا تھا یہ شعر کس نے کہے ہیں۔ میں نے کہا سید بن محمد حمیری نے۔ تو اس نے کہا "اللہ اس پر رحم کرے" میں نے کہا کہ میں نے اسے نبیذ پیتے دیکھا ہے، تو اس نے پھر کہا "اللہ اس پر رحم کرے" میں نے کہا کہ نبیذ الرستاق پیتے ہوئے میں نے اسے دیکھا ہے تو اس نے کہا کہ شراب ہی تو پی ہوگی، میں نے کہا، ہاں! تو کہنے لگے، اللہ اس پر رحم کرے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کسی محبّ علی کی مغفرت نہ کرے۔

اور روایتِ ذیل میں اسی سیّد بن محمد کو روسیاہی کی قدرتی سزا ملنے کا ذکر ہے حالانکہ روایت بالا میں گزرا کہ وہ باوجود شراب پینے کے محبت علی کی وجہ سے مغفور ہے۔

حدّثنی ابو الحسین ابن ایوب المروزی قال روی ان السیّد بن محمد الشاعر اسودّ وجھہٗ عند الموت فقال ھٰذا یفعل باولیائکم یا امیر المومنین (رجال کشی ص ۱۸۵ س ۱۳)

ابو الحسین بن ایوب مروزی کہتے ہیں کہ موت کے وقت سید بن محمد شاعر کا چہرہ سیاہ ہوگیا تھا تو اسنے کہا، اے امیر المومنین! کیا آپ کے احباب کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے؟

اس سے ثابت ہوا کہ شیعہ کے بزرگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کے محبین کا چہرہ موت کے وقت سیاہ ہوجاتا ہے۔

(۷) عن رضا علیہ السّلام م یونس بن عبدالرحمٰن فی زمانہ کسلمان الفارسی فی زمانہ (رجال کشی ص ۳۰۳ س ۲۱)

رضا کہتے ہیں کہ یونس بن عبدالرحمٰن اپنے زمانے میں ایسے ہیں جیسے سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) اپنے زمانے میں تھے (رجال کشی ص ۳۰۳)

اور سلمان فارسی کی تعریف میں رجال کشی ص ۹ س ۱۷ اور روضۂ کلینی ص ۱۱۵ میں روایت ہے دونوں روایتوں کے مجموعہ سے یونس بن عبدالرحمٰن کی مدح ثابت ہوئی، مگر رجال کشی ص ۳۰۹ س ۲ میں رضا ہی سے روایت ہے کہ یونس بن عبدالرحمٰن ابن زانیہ اور زندیق ہے۔

اہلِ بیت سے دشمنی :

ان لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حُسنِ معاملہ تو اوپر کی روایات سے معلوم ہو چکا، اب ذرا مدعیانِ عشقِ اہلِ بیت کا حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق حُسنِ اعتقاد بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عن ابی عبداللہ قال ان جبرئیل نزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ یا محمد ان اللہ یبشرک بمولود یولد من فاطمۃ تقتلہ امتک من بعدک فقال و علی ربی السّلام لا حاجۃ لی فی مولود یولد من فاطمۃ تقتلہ امتی من بعدی فعرج ثم ھبط فقال لہ مثل ذٰلک فقال یا جبرئیل و علی ربی السّلام لا حاجۃ لی فی مولود تقتلہ امتی من بعدی فعرج جبرئیل الی السماء ثم ھبط فقال یا محمد ان ربک یقرئک السّلام و یبشرک بانہ جاعل فی ذریتہ الامامۃ والولایۃ والوصیۃ فقال قد رضیت ثم ارسل الی فاطمۃ ان اللہ یبشرنی بمولود یولد لک تقتلہ امتی من بعدی فارسلت الیہ ان لا حاجۃ لی فی مولود تقتلہ امتک من بعدک فارسل الیھا ان اللہ قد جعل فی ذریتہ الامامۃ والولایۃ و

جعفر صادق فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تو فرمایا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے پیدا ہوگا جسے آپ کے بعد آپ کی اُمّت شہید کر دے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے رب پر سلام مجھے ایسے بیٹے کی ضرورت نہیں جو فاطمہ سے پیدا ہو اور پھر اسے میرے بعد میری اُمت شہید کرے جبرئیل علیہ السلام اوپر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد پھر نازل ہوئے اور پھر وہی بات کہی، آپ نے پھر وہی جواب دیا، جبریل امین پھر واپس تشریف لے گئے اور پھر آئے اور فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور وہ آپ کو بشارت دیتے ہیں کہ وہ ان کی اولاد میں امامت، ولایت اور

الوصیۃ فارسلت الیہ انی قد رضیت (الی قولہ) ولم یرضع الحسین من فاطمۃ علیہا السلام ولا من انثی کان یوتی بہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم فیضع ابھامہ فی فیہ فیرضع منہا ما یکفیہ الیومین اوالثلاث (اصول کافی ص ۲۹۴)

وصیّت رکھیں گے تب آپ نے فرمایا کہ اب میں راضی ہوں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے بچے کی بشارت دیتے ہیں جو آپ سے پیدا ہوگا، جسے میری اُمت میرے بعد شہید کریگی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ مجھے ایسے بچے کی کوئی حاجت نہیں جسے آپ کی اُمت شہید کرے، آپ نے پھر پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں امامت، ولایت اور وصیّت رکھی ہے تب حضرتِ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) راضی ہوئیں (حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسکا بدلہ اپنی والدہ محترمہ سے یہ لیا کہ) اس کے بعد نہ اپنی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا اور نہ ہی کسی اور عورت کا (یعنی ان کو جنس عورت سے نفرت ہوگئی جو اکی پیدائش پر ناخوش تھی) آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا، آپ اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں دیتے، حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) اس سے دودھ پیتے جو ان کو دو تین روز تک کفایت کرتا :

(۲) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لما حملت فاطمۃ بالحسین جاء جبرئیل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان فاطمۃ ستلد غلاما تقتلہ امتک من بعدک فلما حملت فاطمۃ بالحسین کرھت حملہ و حین وضعتہ کرھت وضعہ ثم قال ابو عبد اللہ علیہ السلام لم تر فی الدنیا ام تلد غلاما تکرھہ ولکنہا کرھتہ لما علمت انہ یقتل قال وفیہ نزلت ھٰذہ الآیۃ حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا (حوالہ بالا)

جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے حاملہ ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل امین تشریف لائے اور کہا کہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) عنقریب ایک بچہ جنے گی جسے آپ کے بعد آپ کی اُمت قتل کریگی، پس جب فاطمہ حاملہ ہوئیں تو وہ اس حمل کو بُرا سمجھتی تھیں اور جب بچّہ پیدا ہوا تو اس کو بھی بُرا سمجھتی تھیں، جعفر صادق نے فرمایا کہ دُنیا میں کوئی ماں ایسی نہیں جو اپنے بچے کو بُرا سمجھتی ہو مگر حضرت فاطمہ اسے بُرا سمجھتی تھیں اسلئے کہ وہ جانتی تھیں کہ یہ بچّہ شہید ہوگا (العیاذ باللہ شہادت کی نحوست کی وجہ سے وہ بچے کو بُرا سمجھتی تھیں) جعفر صادق نے کہا کہ آیت حملتہ امہ کرھا الخ اسی سلسلے میں نازل ہوئی ہے، (اُس کی ماں نے اسے حمل کی حالت میں بھی بُرا سمجھا اور پیدا ہونے کے بعد بھی) یہ ترجمہ اہل تشیع

کا ہے، حالانکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر انسان کو ماں کا شکرگزار اور مطیع رہنا چاہیئے، اس لئے کہ ماں نے حالتِ حمل اور وقتِ پیدائش کی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔

کسی شاعر نے اسے یوں منظوم کیا ہے ؎

ہائے رے شبیر مظلومی تری ٭ رد ہوئی تیری بشارت تین بار ٭ گرچہ راضی ہو چکی تھیں فاطمہ ٭ پھر بھی تھی تیری ولادت ناگوار
کرتی ہے اس رمز کو قرآں عیاں ٭ اللہ کرہا کی آیت آشکار ٭ تم کو بھی غیرت کا ایسا جوش تھا ٭ دودھ اس ماں کا نہ چوسا زینہار

دیکھا آپ نے کہ شیعہ مذہب میں شہادت کتنی بُری چیز ہے اور حضرت حسین شہید ہونے کی وجہ سے ان کے خیال میں کس قدر مکروہ و مبغوض ہیں اور حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان کس قدر عداوت اور بغض ثابت کیا گیا ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ، اُمید ہے کہ مضمون بالا دیکھنے کے بعد شیعہ کی تکفیر میں کسی کو بھی شبہہ نہ رہے گا۔

کیا شیعہ اہلِ کتاب ہیں؟

معتزلہ کے بارے میں تحریر شامیہ کی بنا پر میں شیعہ کو اہلِ کتاب کہتا تھا، بعد میں تنبہ ہوا کہ یہ لوگ زندیق ہیں، اس لئے انھیں اہلِ کتاب میں داخل کرنا صحیح نہیں، زندیق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بمعنی منافق، یعنی اسلام کا مدعی ہو اور کفریہ عقائد چھپاتا ہو، قال العلامۃ التفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ وان کان مع اعترافہ بنبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظہارہ شعائر الاسلام یبطن عقائد ھی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق (شرح المقاصد ص ۲۶۹ ج ۲) وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ واختلف فی تفسیرہ فقیل ھو المبطن للکفر المظہر للاسلام کالمنافق (عمدۃ القاری ص ۷۹ ج ۲۴)

(۲) جو شخص عقائدِ اسلام میں تاویلاتِ باطلہ کرتا ہو، ایسا شخص اگرچہ اپنے عقائدِ کفریہ کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ان کی اشاعت کرتا ہے اس کے باوجود اسے زندیق کہا جاتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ المعروف) ای بالزندقۃ الداعی الذی یدعو الناس الی زندقتہ اھ فان قلت کیف یکون معروفا داعیا الی الضلال وقد اعتبر فی مفہومہ الشرعی ان یبطن الکفر، قلت لا بعد فیہ فان الزندیق یموہ کفرہ ویروج عقیدتہ الفاسدۃ ویخرجھا فی الصورۃ الصحیحۃ وھذا معنی ابطان الکفر فلا ینافی اظہارہ الدعوی الی الضلال وکونہ معروفا بالاضلال اھ ابن کمال (رد المحتار ص ۳۰۵ ج ۳)

وقال الشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ ان المخالف للدین الحق ان لم یعترف بہ ولم یذعن لہ لا

ظاهراً ولا باطناً فهو کافر، وان اعترف بلسانه وقلبه علی الکفر فهو المنافق، وان اعترف به ظاهراً لکنه یفسر بعض ما ثبت من الدین ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون واجتمعت علیه الامة فهو الزندیق (المسوّی ص۱۳۰ ج ۲)

زندیق کے احکام:

(۱) زندیق واجب القتل ہے۔

(۲) گرفتار ہونے کے بعد اسکی توبہ قبول نہیں، گرفتاری سے پہلے قبول ہے۔

(۳) ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (۴) ان کا ذبیحہ حرام ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ وکذا الکافر بسبب الزندقة لا توبة له وجعله فی الفتح ظاهر المذهب لکن فی حظر الخانیة الفتوی علی انه اذا اخذ الساحر او الزندیق المعروف الداعی قبل توبته ثم تاب، لم تقبل توبته ویقتل ولو اخذ بعدها قبلت (رد المحتار ص۳۰۵ ج ۳)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (تنبیه) یعلم مما هنا حکم الدروز والتیامنة فانهم فی البلاد الشامیة یظهرون الاسلام والصوم والصلوٰة مع انهم یعتقدون تناسخ الارواح وحل الخمر والزنا وان الالوهیة فی شخص بعد شخص ویجحدون الحشر والصوم والصلوٰة والحج ویقولون المسمی به غیر المعنی المراد ویتکلمون فی جناب نبینا صلی اللہ علیه وسلم کلمات فظیعة، وللعلامة المحقق عبد الرحمٰن العمادی فیهم فتوی مطولة (الی قوله) ونقل عن علماء المذاهب الاربعة انه لا یحل اقرارهم فی دیار الاسلام بجزیة ولا غیرها ولا تحل مناکحتهم ولا ذبائحهم وفیهم فتوی فی الخیریة ایضاً فراجعها، والحاصل انهم یصدق علیهم اسم الزندیق والمنافق والملحد (الی قوله) وبعد الظفر بهم لا تقبل توبتهم اصلاً (رد المحتار ص۳۰۵ ج ۳)

کتب شیعہ میں شیخین و دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف

(۱) عن فضیل الرسان قال سمعت ابا داود وهو یقول حدثنی بریدة الاسلمی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول ان الجنة تشتاق الی ثلاثة قال فجاء ابوبکر فقیل له یا ابابکر انت الصدیق وانت ثانی اثنین اذ هما فی الغار فلو سألت من هؤلاء الثلاثة رجال کشی ص۳

فضیل الرسان کہتے ہیں کہ میں نے ابو داود سے سُنا اور ان سے بریدہ اسلمی نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جنت تین آدمیوں کے لئے مشتاق ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق تشریف لائے تو اُن سے کہا گیا کہ آپ صدیق ہیں اور غارِ ثور میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص تھے، اگر آپ یہ پوچھیں کہ یہ تینوں کون ہیں (تو بہتر ہے)

(۲) ثم جاء عمر فقيل له يا ابا حفص ان رسول الله قال ان الجنة تشتاق الى ثلاثة وانت الفاروق الذی ينطق الملك الخ (رجال کشی ص ۲)

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ان سے کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے، اور آپ ایسے فاروق ہیں کہ آپ کی زبان پر فرشتہ بولتا ہے، یعنی آپ کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوتی ہے

(۳) قال بعض المخالفين بحضرة الصادق عليه السلام لرجل من الشيعة ما تقول فی العشرة من الصحابة قال اقول فيهم الخير الجميل الذی يحط الله به سيأتی ويرفع به درجاتی قال السائل الحمد لله على ما انقذنی من بغضك كنت اظنك رافضيا يبغض الصحابة فقال الرجل من ابغض واحدا من الصحابة فعليه لعنة الله والملائكة فقال لعلك تتأول ما تقول فيمن ابغض العشر من الصحابة فقال من ابغض العشرة فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين (تفسير عسكری مطبع جعفری ۱۳۱۵ھ بهامش تفسير ابن بابويہ ص ۱۹۵)

بعض مخالفین نے جعفر صادق کی موجودگی میں کسی شیعہ سے کہا کہ صحابۂ کرام میں سے عشرۂ مبشرہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو وہ (شیعہ) کہنے لگا کہ میں ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہوں، اسی حسن ظن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو مٹا دیں گے اور میرے درجات بلند فرمائیں گے، پوچھنے والے صاحب نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تیرے بغض سے نجات دلائی میں تو تمہیں صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے عداوت رکھنے کی وجہ سے رافضی سمجھتا تھا وہ شخص (شیعہ) کہنے لگا جو کوئی کسی ایک صحابی سے بغض رکھے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، اس نے کہا کہ شاید تم اس قول میں کوئی تاویل کر رہے ہو۔ عشرۂ مبشرہ کے بارے میں بتائیے کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے تو اس نے کہا کہ جو عشرۂ مبشرہ کے ساتھ بغض رکھے، اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت۔

(۴) فروع کافی جلد ۲ نصف اول ص ۴ پر بھی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت مذکور ہے۔

(۵) نہج البلاغۃ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات منقول ہیں جن میں کئی جگہ بہت کثرت سے شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح مذکور ہے، مثال کے طور پر صفحات ذیل ملاحظہ ہوں:

نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۳۵، ۸۵، ۱۸۲، ۲۴۹ اور جلد ۲ ص ۲۴، ۳۵/۸۴، ۹۸، ۱۲۱، ۱۰۱ جلد ۳ ص ۸

(۶) شیعہ کی معتبر کتاب تفسیر عسکری میں آیت اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور کرامت "یا ساریة الجبل" مذکور ہے۔

هذا عمر بن الخطاب اذا قيل لهم

یہ عالم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بزرگی کا ایسی

انہ کان علی المنبر یخطب اذ نادی فی خلال خطبتہ یا ساریۃ الجبل وعجبت الصحابۃ ما ھذا من الکلام الذی فی ھذہ الخطبۃ فلما قضی الخطبۃ والصلوۃ قالوا ما قولک فی خطبتک یا ساریۃ الجبل فقال اعلموا انی وانا اخطب رمیت بصری حتی رأیتہم وقد اصطفوا بین یدی جبل ھناک وقد جاء بعض الکفار لیدوروا خلف سعد بن ابی وقاص وسائر من معہ من المسلمین فیحیطوا بھم فیقتلوھم فقلت یا ساریۃ الجبل لیلتجی الیہ فیمنعہم ذلک من ان یحیطوا بہ ثم یقاتلوا ومنح اللہ اخوانکم المؤمنین اکناف الکافرین وفتح اللہ علیہم بلادھم فاحفظوا ھذا الوقت فیرد علیکم الخبر بذلک، وما بین المدینۃ ونہاوند اکثر من خمسین یومًا۔

(تفسیری عسکری مطبع جعفری ص۲۷)

حالت میں جبکہ آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے بلند آواز سے فرمانے لگے یا ساریۃ الجبل (اے ساریہ پہاڑ کی پناہ لو) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سے تعجب کرنے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خطبہ اور نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت کرنے پر فرمایا کہ اثناءِ خطبہ میں میں نے نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر پہاڑ کے نیچے صف بستہ ہے اور چند کافر پہاڑ کے پیچھے سے آئے تاکہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور دیگر مسلمانوں کا گھراؤ کرکے ان پر حملہ کریں، اسوقت میں نے یا ساریۃ الجبل کہا، تاکہ پہاڑ کی طرف پناہ لیکر کفار کے گھراؤ سے بچ جائیں اور پھر ان سے مقابلہ کریں اللہ تعالیٰ نے تمہارے بھائیوں کو کافروں کے حملے سے نجات دی اور کافروں پر مسلمانوں کو فتح ہوگئی پھر فرمایا اس وقت کو یاد رکھو تمہارے پاس اس کی خبر آئے گی۔

مدینہ منورہ اور نہاوند (جہاں یہ لشکر تھا) کے درمیان پچاس دن کی مسافت سے زیادہ فاصلہ ہے

(۷) وعن عروۃ بن عبد اللہ قال سألت ابا جعفر محمد بن علی علیہما السلام عن حلیۃ السیوف فقال لا بأس بہ فقال قد حلّی ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سیفہ قلت فتقول الصدیق فوثب وثبۃ واستقبل القبلۃ وقال نعم الصدیق، نعم الصدیق، نعم الصدیق فمن لم یقل لہ الصدیق فلا صدق اللہ لہ قولًا فی الدنیا ولا فی الاٰخرۃ۔

عروۃ بن عبد اللہ کہتے ہیں میں نے امام باقر سے پوچھا کہ کیا تلواروں پر سونا چاندی چڑھانا جائز ہے؟ تو کہا کہ جائز ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار پر سونا چڑھایا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ بھی صدیق کہتے ہیں؟ تو امام باقر غایت جوش سے اُچھل کر کھڑے ہوگئے اور قبلہ رُو ہوکر فرمانے لگے، ہاں میں صدیق کہتا ہوں! ہاں میں صدیق کہتا ہوں!! ہاں میں

(کشف الغمہ فی احوال الائمہ طبع ایران ص۲۲) صدیق کہتا ہوں!!! اور جو آپ کو صدیق نہ کہے
اللہ دنیا و آخرت میں اسکا کوئی قول سچّا نہ کرے،

نکتہ :

افسوس کہ شیعہ نے اپنے امام پنجم ابو جعفر محمد بن علی باقر کی بات نہ مانی اور افضل البشر بعد الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ صرف صدیقیت بلکہ صحابیت کے شرف سے بھی گرانے کی کوشش کرکے اپنی عاقبت برباد کی اور امام باقر کی بد دعا فلا صدق اللہ لہ قولاً فی الدنیا ولا فی الآخرہ (اللہ تعالیٰ اس کی کسی بھی بات کو دُنیا و آخرت میں سچا (درست) نہ کرے) کے مستحق ہوئے، شیعہ کے حق میں ان کی یہ بد دعا قبول ہوئی، چنانچہ شیعہ لوگوں نے تقیہ یعنی جھوٹ اور فریب کو اپنا مذہب قرار دے لیا ہے اور کہتے ہیں کہ جو جھوٹ نہیں بولتا، فریب اور دغا بازی نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ اس کا ایمان معتبر نہیں، اسکے ساتھ یہ بھی دعویٰ کیا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی جھوٹ بولتے تھے، اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ اور افتراز باندھا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوجاتی ہے، پھر حد یہ کردی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلطی کو منسوب کرنے سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں، یہ ان کی قولی کذب بیانی اور افتراء پردازی کا نقشہ تھا، دوسری جانب ان کی اخلاقی حالت کا اس سے اندازہ کرلیں کہ انہوں نے یہ مذہب اختیار کرلیا کہ عورتوں کا بلا نکاح بصیغۂ متعہ کسی کے گھر چلی جانا اور مذہب کے علاوہ اخلاق و روایات کی بندشوں کو بھی توڑ کر حیا سوزی کا مرتکب ہونا، اسے کارِ خیر بلکہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ قرار دیدیا۔

کتب شیعہ سے فضائل متعہ نقل کرنے سے قبل ایک اشکال کا جواب تحریر کیا جاتا ہے۔

کتب شیعہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف دیکھنے پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ مردود تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کھلے دشمن ہیں، پھر تعریف کیونکر؟ اسکے دو جواب ہیں:

(۱) یہ تعریف تقیہ کی بناء پر ہے جس پر ان کے ایمان کا مدار ہے، جیسا کہ تقیہ کے بیان میں ان کا مذہب لکھا جا چکا ہے کہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا ایمان نہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے "حق" میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ وہ بسا اوقات اہلِ باطل اور دشمنوں کی زبان پر بھی بولتا ہے۔ دنیا میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض و عناد سے کتب شیعہ بھری پڑی ہیں، ان نفوس مقدسہ کے حق میں ایسی فحش گالیاں بکتے ہیں کہ جس مسلمان کے قلب میں

ایمان کی ذراسی بھی رمق ہو وہ کسی مردود سے ایسی بکواس سن کر اسے جہنم رسید کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

فضائلِ متعہ

(۱) قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ما من رجل تمتع ثم اغتسل الا خلق اللہ من کل قطرۃ تقطر منہ سبعین ملکا یستغفرون لہ الی یوم القیامۃ

(برہان المتعہ ص۵ مؤلفہ سید ابوالقاسم والد سید علی حائری)

جعفر صادق کہتے ہیں کہ متعہ کے بعد غسلِ جنابت سے گرنے والے پانی کے ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ستّر فرشتے پیدا کرتے ہیں جو اس متعہ کرنے والے (منحوس) کے لئے قیامت تک مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔

(۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرۃ امن سخط اللہ الجبار ومن تمتع مرتین حشر مع الابرار ومن تمتع ثلاث مرات صاحبنی فی الجنان

(منہج الصادقین ص۳۵۶)

نبی علیہ السلام نے فرمایا جو ایک مرتبہ متعہ کرے خدا کے قہر سے نجات پائے، جو دو مرتبہ متعہ کرنے اس کا حشر نیک لوگوں کے ساتھ ہو، اور جو تین مرتبہ متعہ (اپنا روسیاہ) کرے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اعوذ باللہ من سخط الجبار ومن الکذب علی سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ الاطہار۔

(۳) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرۃ واحدۃ عتق ثلثہ من النار ومن تمتع مرتین عتق ثلثاہ من النار ومن تمتع ثلاث مرات عتق کلہ من النار۔ (منہج الصادقین ص۲۵۶)

نبی علیہ السلام نے فرمایا جو ایک مرتبہ متعہ کرلے اس کا تیسرا حصہ آگ سے نجات پا جاتا ہے، جو دو دفعہ کرے اس کا دو تہائی اور جو تین دفعہ (منہ کالا) کرے اسکا تمام بدن آتش دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ من شرور انفسنا)

(۴) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرۃ درجتہ کدرجۃ الحسن ومن تمتع مرتین درجتہ کدرجۃ الحسین ومن تمتع ثلث مرات درجتہ کدرجۃ علی ومن تمتع اربع مرات درجتہ کدرجتی

(تفسیر منہج الصادقین ص۲۵۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ایک مرتبہ متعہ کرے اسے حضرت حسن کا درجہ مل جاتا ہے جو دو مرتبہ متعہ کرے، حضرت حسین کا درجہ، اور جو تین مرتبہ متعہ کرے وہ حضرت علی کا درجہ اور جو (العیاذ باللہ) چار مرتبہ متعہ کر کے (منہ کالا کرے) وہ میرے درجہ کو پالیتا ہے۔

(۵) قال ابو جعفر علیہ السلام ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما اسری بہ الی السماء قال لحقنی جبرئیل علیہ السلام فقال یا محمد ان اللہ تبارک وتعالیٰ یقول انی قد غفرت للمتمتعین من امتک من النساء (من لا یحضرہ الفقیہ جزء ۳ صفحہ ۱۵۰)	ابو جعفر فرماتے ہیں معراج کی رات جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں تک تشریف لے گئے تو فرمایا کہ جبرئیل مجھ سے ملے اور فرمایا کہ اے محمد! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے تیری اُمت میں سے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے والوں کو بخش دیا۔

اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ اہلِ تشیع کے نزدیک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے تشریف لائے تو بجائے نماز کے تحفہ کے ان کے لئے بے شرمی اور حیا سوزی کا سامان لائے۔ اور العیاذ باللہ انہیں یہ بشارت دی گئی کہ اسی میں تمہاری نجات اخروی کا راز پوشیدہ ہے۔

(۶) روی بکر بن محمد عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال سألتہ عن المتعۃ فقال انی لاکرہ للرجل المؤمن ان یخرج عن الدنیا وقد بقیت علیہ خلۃ من خلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم یقضھا (من لا یحضرہ الفقیہ جزء ۳ صفحہ ۱۵۰)	جعفر صادق سے متعہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، میں کسی مومن کے لئے یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ وہ دُنیا سے اس حالت میں چلا جائے کہ اس کے ذمہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی محبوب سنتوں میں سے کوئی سنت باقی ہو (یعنی متعہ کر کے منہ کالا نہ کیا ہو)

(۷) جو شخص متعہ کرے عمر میں ایک مرتبہ، وہ اہلِ بہشت سے ہے (تحفۃ العوام صفحہ ۲۷۱ ج ۲)

(۸) عذاب نہ کیا جائے گا وہ مرد اور وہ عورت کہ متعہ کرے (تحفۃ العوام صفحہ ۲۷۱ ج ۲)

دیوثی و بے غیرتی کے مظاہرہ اور نفسِ امارہ کی تسکین کے لئے متعہ جیسا "ہم خرما وہم ثواب" نسخہ بھی کافی نہ ہوا تو اس سے بھی آسان ترکیب "تحلیل" نکالکر بے غیرتی کو بھی شرما دیا، ابن بابویہ کتاب اعتقادات میں لکھتا ہے، اسباب حل المرأۃ عندنا اربعۃ النکاح و ملک الیمین والمتعۃ والتحلیل، تحلیل کی تفسیر کتبِ شیعہ میں تلاش کرنے کا موقع نہیں ملا، ایک مجتہد نے دریافت کرنے پر بتایا کہ اس سے اعارۂ فرج مراد ہے۔ دُنیا کا بدترین سے بدترین جانور بھی حضرتِ انسان کی اس شرافت کے سامنے شرم کے مارے سرنگوں ہے۔

شیعہ لوگوں کو سوچنا چاہیئے کہ ایک صدیق کی صداقت کے انکار سے ان پر کیا کیا آفتیں ٹوٹ پڑی ہیں، جن سے مذہب وروایات کی بندشوں سے تو وہ آزاد ہو ہی چکے، اخلاق وانسانیت بھی شیعہ معاشرے سے رخصت ہوگئی، فقط واللہ العاصم

۱۹ رذی قعدہ ۱۳۸۱ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیعہ کو اہم مشورہ
خالص شیعہ بن جاؤ تو سارے جھگڑے ختم

(اقتباس از تقریر حضرت الشیخ دامت برکاتہم ۶ محرم سنہ ۹۶ھ ۱۲ آسیا آبادی)

شیعہ کا مذہب بالاتفاق یہ ہے کہ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے اس کا ایک حرف بھی صحیح نہیں[1]، ان کے مذہب کی بنیاد اسی پر قائم ہے، اگرچہ بعض شیعہ قرآن کو دیکھتے اور تلاوت کرتے ہوں، انکی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ مسئلہ ان کے ہاں متواترات میں سے ہے، متواتر اسے کہتے ہیں کہ کسی چیز کے خبر دینے والے اسقدر ہوں کہ دُنیا کی کوئی طاقت اسکے خلاف کو باور نہ کرا سکے۔ جیسا کہ مکہ کا وجود اس شخص کے لئے بھی یقینی ہے کہ جس نے مکّہ نہ دیکھا ہو۔ اسی طرح ان کے نزدیک قرآن کا ایک حرف صحیح نہ ہونا اتنا یقینی ہے کہ اسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا، حالانکہ اہلِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کے ایک لفظ کا انکار کر دینے والا بھی کافر ہے۔

ایک اعتراض اور اسکا حل

شاید آپ یہ کہیں کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں قرآن ہمارے گھروں میں رکھا ہوا ہے ہم پر یہ الزام غلط اور بلا وجہ ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جب ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور وہ ان کتابوں کو صحیح سمجھتے ہیں ان کو چومتے ہیں، سینوں سے لگاتے ہیں اپنے گھروں میں رکھتے ہیں تو آخر یہ کتابیں اگر ان کے عقیدہ کے خلاف ہیں تو ان کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہے؟ میں نے ان کی کتابیں خوب دیکھی بھالی ہیں، ان کو خوب کھنگال کر دیکھا ہے، جو کھونگا کسی کی مجال نہیں کہ اس کا ایک حرف بھی جھٹلا سکے، چاہیں، تو کتاب نکال کر دکھاؤں گا، ان کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مجلس میں ایک مجتہد صاحب سے کسی نے پوچھا کہ قرآن کیسا ہے؟ تو جواب دیا کہ صحیح ہے، بعد میں انکے کسی شاگرد نے کہا کہ آپ ہم کو تو رات دن یہ پڑھاتے اور سکھاتے رہتے ہیں کہ یہ قرآن غلط ہے اور آج آپ نے یہ نئی بات کہی، تو مجتہد صاحب کہنے لگے، قلتہ تقیّۃ میں نے تقیّہ کیا تھا۔

تقیّہ کی حقیقت

تقیّہ ان کے دین کا جُز ہے، تقیّہ کے معنی ہیں جھوٹ بولنا، نفاق سے کام لینا، کسی کو دھوکہ

---

[1] ان حوالجات کی تفصیل عنوان "کیا شیعہ مسلمان ہیں" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

دینا وغیرہ، ان کے مذہب میں تقیہ جائز ہی نہیں بلکہ بہت بڑا ثواب ہے، جو آدمی نفاق سے کام نہیں لیتا وہ بے دین ہے، اصولِ کافی کی روایت ہے لا دین لمن لا تقیۃ لہ[1] اور ایک روایت میں ہے لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ[2]، یعنی جو شخص لوگوں کو دھوکہ نہیں دیتا وہ بے دین اور بے ایمان ہے۔ دو چیزوں کو ملالیں۔ ایک یہ کہ ان کے ایمان میں سے یہ ہے کہ قرآن کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔ دوسری یہ کہ جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا فرض ہے بلکہ عین ایمان ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ وہ گھروں میں قرآن کیوں رکھتے ہیں ہوائے فریب دہی کے اور کیا ہوسکتا ہے جس کا نام انہوں نے تقیہ رکھا ہے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اہلِ تشیّع کا امتحان

ان منافقین کا امتحان اس طرح لو کہ تم اگر قرآن کو صحیح کہتے ہو تو یہ بتادو کہ تمہارے جن مصنفین و مجتہدین نے قرآن کو غلط کہا ہے وہ مسلمان ہیں یا کافر؟ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو قرآن کو غلط کہنے والے جتنے گزرے ہیں سب کو کافر کہو، اپنے مجتہدین کو جو یہ کہہ گئے ہیں کافر کہو اور ان کی ایسی کتابیں جلا دو تو ہم مان لیں گے کہ تم اپنے دعوے میں سچے ہو، لیکن اگر ان کتابوں کو چھاپتے ہو، ان کی تعظیم کرتے ہو، ان کے مصنفین کو اپنا امام مان کر ان کا احترام کرتے ہو تو معلوم ہوا کہ کچھ دال میں کالا ہے۔

پچھلے دنوں قادیانیوں کا بھی اسی طرح امتحان ہوا کہ جب انہوں نے یہ کہا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں، ہمارا ختمِ نبوت پر ایمان ہے تو ان سے کہا جاتا تھا کہ تم غلام احمد کو کافر کہو انکی کتابیں خاکستر کردو۔

حیدرآباد دکن کے صدیق دیندار چن بسویشور کے چند گنتی کے معتقدین ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم مجاہدینِ اسلام ہیں، ہمارا اسلام پر یقین ہے، ہم دیندار ہیں، ان سے بھی یہی کہا جاتا ہے کہ صدیق دیندار جو پہلے غلام احمد کا چیلا بنا، پھر ترقی کرکے خود نبی بن بیٹھا اور بعد میں خدائی کا دعوی کیا اسے کافر کہو، یہ عجیب بات ہے کہ غلام احمد قادیانی جو صدیق چن بسویشور کا پیر ہے وہ تو

---

[1] اصول کافی ص۴۸۳ [2] اصول کافی ص۴۸۴

صرف نبی ہوا اور اس کا مُرید صدیق دیندار خدا بن گیا۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

آخر کسی کے دعوے کے صدق و کذب کی کوئی کسوٹی اور معیار بھی تو ہوتا ہے، اس سے بہتر کوئی کسوٹی ہو تو بتا دو۔ آج اگر خدانخواستہ ہمارے پاس کوئی ایسی کتاب لے آئے جس میں لکھا ہو کہ اللہ کا وجود نہیں ہم اس کو چومیں، چاٹیں، غلاف چڑھائیں، سینوں سے لگائیں اور یہ کہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں تو کیا کوئی ایسا بے وقوف ہے جو ہمارے اس دعوے کو ماننے کے لئے تیار ہو، یہی حال ہے ان شیعہ کا کہ ان کی کسی بھی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ قرآن صحیح ہے۔

شیعہ کی اہم کتب:

شیعہ کی اہم کتابیں کافی اور صافی ہیں۔ صافی دو ہیں، ایک اصول کافی کی شرح ہے دوسری تفسیر کے فن میں ہے، ان کتابوں کے حوالے اگر دیکھنے ہوں تو میری کتاب "احسن الفتاوی" میں ان کو تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔

بہرحال اصول کافی ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کا کوئی شیعہ انکار نہیں کرسکتا، دوسری کتابوں کے بارے میں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم مجتہد ہیں اور ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کا قول حجت نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ جن مجتہدین نے قرآن تک کا انکار کر دیا ہے ان کو کافر کیوں نہیں کہتے؟ نیز ان کی کوئی بات کہنا ہو تو اصول کافی کو پکڑنا چاہیئے اس کا وہ کسی طرح انکار نہیں کرسکتے، اسکی وجہ بھی سُن لیجئے، کہتے ہیں کہ ابن یعقوب کُلینی نے اس زمانے میں یہ کتاب لکھی جبکہ امام مہدی کی غیبتِ صغریٰ کا زمانہ تھا، امام مہدی کے غار میں جا کر غائب ہونے کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ ایک زمانے تک جس غار میں وہ چھپے ہوئے ہیں ان کے خاص لوگوں کو اس کا علم تھا کہ کہاں ہیں یہ غیبتِ صغریٰ ہے اور بعد میں وہ ایسے غائب ہوگئے کہ کسی کو اس کا پتہ نہ چلا کہ اب وہ کہاں ہیں یہ غیبتِ کبریٰ ہے۔ یہ شیعہ بڑے نافرمان ہیں ان کا امام تو مسلمانوں سے ڈر کر غار میں چھپے اور یہ یہاں پھر رہے ہیں خواہ مخواہ کا فساد کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ امام مہدی شہر "سر من رآہ" میں کسی غار میں چھپے ہیں، یعنی اس شہر کو دیکھنے والا خوش ہو جاتا ہے، ابن یعقوب کلینی نے اصول کافی لکھ کر غار میں جا کر امام مہدی کو دکھائی، امام مہدی نے دیکھ کر فرمایا، ھٰذا کافٍ لشیعتنا، یہ کتاب ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے، یہی اسکی وجہ تسمیہ بھی ہے۔ اب اس کے ساتھ دو باتیں اور ملا دیں، ایک یہ کہ امام انکے نزدیک معصوم ہوتا ہے

جھوٹ نہیں بولتا، دوسری یہ کہ امام عالم الغیب ہوتا ہے اسلئے اس سے غلطی نہیں ہوتی، توجس کتاب کی تصدیق امام نے کی ہو نہ اس میں غلطی ہوسکتی ہے اور نہ اس میں جھوٹ کا احتمال ہے، اس کتاب کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ ھذا ما قال فیہ الامام الاکبر حجۃ اللّٰہ المنتظر ھذا کاف لشیعتنا، واقعی یہ شیعہ کی پٹائی کے لئے کافی ہے۔

شیعہ صرف قرآن کی تحریف ہی کے قائل نہیں بلکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن موجود کفر کے ستونوں کو مضبوط کرتا ہے۔

وتضمینہ من تلقاھم ما یقیمون بہ دعائم کفرھم (تنبیہ الحائرین)	خلفاء ثلاثہ نے قرآن میں وہ باتیں درج کیں جن سے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو قائم کرسکیں۔

شیعہ کو موجود قرآن سے اس لئے عداوت ہے کہ اس میں شیعہ کی طرفداری نہیں کی گئی۔

لولا انہ زید فی القران ما نقص ما خفی حقنا علی ذی حجی (تنبیہ الحائرین)	اگر قرآن میں کمی بیشی نہ کی جاتی تو ہمارا حق کسی عقلمند پر مخفی نہ رہتا۔

شیعہ عقیدۂ تحریفِ قرآن کو بطور تقیہ چھپانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کریں مگر پھر بھی کبھی دل کی بات زبان پر آہی جاتی ہے، چنانچہ سید محمد دہلوی اپنی کتاب "ضربتِ حیدریہ" میں لکھتے ہیں:

ایں نظم قرآنی نظم عثمانی است بر شیعان احتجاج بداں نشاید	قرآن کی موجودہ ترتیب عثمانی ہے اس لئے یہ قرآن شیعہ پر حجت نہیں ہوسکتا۔

دل کا راز معلوم کرنیکا عجیب گُر

یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ نشہ، جنون یا نیند وغیرہ کی بیہوشی میں دل کی باتیں زبان پر آجاتی ہیں بعض نفسیات سے واقف لوگ اس گُر کے ذریعہ دل کے راز معلوم کرلیتے ہیں۔ کوئی ایسی بات کہدی کہ سُننے والا طیش میں آکر ہوش کھو بیٹھے اور مخبوط الحواس ہوکر دل کی بات اُگل دے۔

جب مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی کے "النجم" نے رجوم للشیاطین بن کر دشمنانِ قرآن پر تابڑ توڑ حملے کئے اور ان پر سے تقیہ کی تلبیس کو خاکستر کرکے ان کی اصل تصویر کو عریاں کردیا تو شیعہ بلبلا اٹھے، "النجم" کے دفاع کے لئے مستقل تصانیف کے علاوہ تقریباً پچیس ۲۵ رسائل جاری کئے مگر "النجم" کے راکٹ کے سامنے وہ بیت العنکبوت سے زیادہ نہ ٹھیر سکے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد یکے بعد دیگرے سب نے دم توڑ دیا، ان رسائل میں سے ایک ہفتہ وار "دُرِّ نجف" بھی

سیالکوٹ سے جاری کیا گیا تھا اس کی یکم اپریل ۲۶ء کی اشاعت میں علماء شیعہ کے خصوصی ترجمان اعجاز حسن بدایونی کا مضمون شائع ہوا تھا۔ ہم اس مضمون کا پہلے وہ حصہ پیش کرتے ہیں، جس سے ناظرین کو یقین ہو جائے گا کہ اعجاز حسن صاحب اس وقت "النجم" کی شدید ضرب سے بوکھلا کر ہوش کھو چکے تھے اس بیہوشی کے عالم میں انھوں نے سربستہ راز کو اُگل کر رکھ دیا۔

"چشم بد دُور" "النجم" کیسا چمکیلا کوکب ہے جیسے دلّی والا فلک جرمنی کا چمکتا ستارہ بس اتنا فرق ہے کہ اس کے پرتَو سے بال کالے ہو جاتے ہیں اور اس کی خونی چمک سے قلوب عوام کالانعام کی بینائی پٹ ہو جاتی ہے۔

"النجم" خرافات و مضرّات کا طومار ہے اور وہ ایک بے ضرر چیز ہے۔ "النجم" اپنی بے ڈھنگی رفتار سے فساد پھیلاتا ہے اور وہ اپنی چال سے کبھی کبھی چکمہ دیتا ہے "النجم" کی رنگت گرگٹ کے مانند بدلتی رہتی ہے اور وہ اوّل دن سے نیلگوں شیشۂ فلک میں ضیا بار ہے۔ "النجم" کی نحوست یوم نحس مستمر سے بدرجہا زائد ہے کہ یہ روز بدسال میں ایک مرتبہ دیکھنا پڑتا ہے اور "النجم" کی خونی شعاعیں ہر ماہ میں رنگ لاتی ہیں اور مریخی اثر دکھاتی ہیں۔ "النجم" کی پیشانی پر یہ آیہ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ایسی ہے جیسے بیر بے پیر کے سر پر تاج شفاعت یا عالم بے عمل کے سر پر قبائے ہدایت یا خلیفۂ پنچایت[1] کے بدن میں قمیص خلافت یا جاہل احمق کی چندیا پر دستارِ فضیلت شیعو! عجب لطیفہ ہے کہ وہ خود گمراہ ہے لیکن ہدایت کا دم بھرتا ہے۔ اس کا مدیر سراپا تقصیر فاسق و بے دین ہے لیکن ہم پر اپنا عیب رکھتا ہے۔ خود مؤمن بالقرآن نہیں ہو سکے ہم مشرب مگر اپنا گناہ بے لذت ہماری طرف منسوب کرتا ہے۔"

آگے چل کر مدیر "النجم" کو لکھتا ہے:

"مگر تمھیں حیا نہیں آتی اور چلّو بھر پانی میں ڈوب نہیں مرتے کہ قصّہ پاک ہو"۔۔۔۔
"اپنی جھوٹی بکواس سے توبہ کرلو"۔

اب ہم اس حواس باختہ کے اُگلے ہوئے زہر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:

"رسول کی رحلت کے بعد قرآن کا مرتب ہونا دینی بدعت قرار پایا۔ بدعت پرستو

---

[1] خلیفہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں اور پنچایت سے مراد انصار و مہاجرین کا وہ تاریخی اجتماع ہے جس پر دنیائے اسلام نازاں ہے اور جس میں حضرت صدیقِ اکبر کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہ اجتماع اقوام عالم کی جمہوری زندگی میں جمہوریت کی خشتِ اوّل کا درجہ رکھتا ہے ۱۲

اگر تم سچے ہو تو قرآن کی صفاتِ موجودہ عہدِ رسول والے قرآن پر منطبق کر دینا ورنہ اپنے دعوائے باطلہ سے تائب ہو جانا پھر کبھی اس قرآن کے اصلی ہونیکا دعوی نہ کرنا۔"
——" مسٹر النجم تم کس منہ سے قرآن موجود کو پورا قرآن بتاتے ہو درآنحالیکہ اصلی قرآن میں سورۂ احزاب دو سو آیت کی تھی" ——" اس سورت میں آیۂ رجم بھی تھی" ——" اور سنو، سورۂ توبہ کا صرف ایک حصہ رہ گیا ہے، باقی تین حصے غائب ہو گئے" ——" بڑے افسوس کی بات ہے کہ قرآن کے تواتر کا دعوی کیا جاتا ہے مگر حال یہ ہے کہ قرآنی آیات بڑی مشکل سے ملتی تھیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اصحاب میں کوئی بھی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا"
——" الغرض پورا قرآن موجود نہیں ہے اور نہ اسکا دعوی صحیح ہے" ——
" قرآن سے پورا سورۂ "نورین" غائب ہو گیا" ——" قرآن موجود میں دو مکمل سورے یعنی "حفد و خلع" بالکل ندارد ہیں" ——" یہ قرآن جو تمہارے زعمِ ناقص میں مکمل ہے" ——" اگر آیۂ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے ذریعہ سے اصلی وغیر مجموع قرآن کی حفاظت کا وعدہ خدا نے فرمایا تھا تو وہ کہاں محفوظ رہا" ——" پس اگر عہدِ رسول والا قرآن غیر مخلوق ہے جو مجموع اور مجلّد نہ تھا تو اسکا وجود صفحۂ ہستی سے غائب ہے اور اگر یہ قرآن مراد ہے تو اس کے خالق جناب عثمان ہیں پھر کیسے قدیم ہو سکتا ہے"
"حضرت ابوبکر کا قرآن غلط ثابت ہوا جس کی ہر ایک آیت دو عادلوں کی گواہی سے لکھی گئی تھی۔ اسمیں فضول بھرتی ثابت ہونے سے عدل صحابہ اور ایمانِ صحابہ کے ساتھ حضرت ابوبکر کا ایمان بھی رخصت ہوا کہ یہ سب کے سب غلط قرآن پر ایمان رکھتے تھے"
——" مگر آپ نے (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایجادِ بندہ فرمائی۔ اب بتاؤ اصلی قرآن کہاں محفوظ رہا" ——" آیات کی بیڈھنگی ملاحظہ ہو" ——
"دوسری آیت بالکل بے ربط مقام میں لکھی گئی ہے جیسے آیۂ تطہیر ازواجِ نبی کے تذکرہ میں ٹھونس دی گئی ہے" ——" اور سنو بارہویں پارہ کے چوتھے رکوع میں طوفانِ نوح کا قصہ عجیب عنوان میں لکھا گیا ہے جس سے جامع قرآن کی جہالت کا طوفانِ بے تمیزی ابلتا ہے" ——" کیوں میاں عبدالشکور سچ کہنا یہی ترتیب مطابق لوحِ محفوظ ہے کیا یہی بے ڈھنگی ترتیب توقیفی ہے، کیا یہی

ادھوری ترتیب کی حفاظت کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے۔ کیا اسی ترتیب پر آپ کا اور جامع القرآن کا ایمان ہے۔"

کیا ان اقتباسات کو دیکھنے کے بعد بھی کوئی سیدھا سادہ مسلمان شیعہ کے گھر میں قرآن یا اس کے پڑھنے پڑھانیکا سلسلہ دیکھکر اس دھوکے میں آسکتا ہے کہ شیعہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا ایک شیعہ مجتہد سے مناظرہ اور مجتہد صاحب کا فرار

ایک دفعہ ایک شیعہ مجتہد نے تقریر میں عام مناظرہ کا چیلنج دیا کہ جو چاہے میرے مقابلہ میں آجائے۔ سندھ کے ایک مقام پر مجھے بلایا گیا کہ ایک شیعہ عالم بار بار پکار کر مناظرہ کا چیلنج دے رہا ہے میں نے کہا کہ مجھے تجربہ ہے کہ جب بھی میں جاتا ہوں وہ لوگ مناظرہ کو تیار نہیں ہوتے، خواہ مخواہ میرا وقت ضائع ہوگا، انہوں نے کہا کہ اس میں اہل سنت کی خفت ہے، تو میں تیار ہوگیا، کتابیں لے کر مناظرہ کے مقام پر پہنچا، لوگوں کا مجمع تھا، بات وہی نکلی جو میں نے شروع میں کہی تھی وہ شیعہ مناظرہ کو تیار نہ ہوا اور عذر یہ بیان کیا کہ اس سے فتنہ فساد پھیلتا ہے تو میں نے کہا کہ بھئی بلایا تو آپ لوگوں نے خود تھا فساد پھیلتا ہے تو آپ نے چیلنج کیوں دیا؟ لیکن جب وہ کسی طرح بھی تیار نہ ہوئے تو میں نے کہا کہ واقعی ٹھیک کہا آپ نے اس سے فتنہ فساد پھیلتا ہے مگر یہ جو صلح ہے اسے پائیدار ہونا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ آج صلح ہو اور کل کو میدان خالی دیکھ کر پھر چیلنج شروع کردیں اسلئے میں پائیدار صلح کی چند صورتیں پیش کرتا ہوں آپ ان میں سے جو صورت پسند کریں اسکا انتخاب کریں۔

صلح کا پہلا طریق:

صلح کی بنیاد اس پر رکھی جائے کہ جس کے قبضے میں مراکز ہیں اس مذہب کو لے لیا جائے خواہ مخواہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا لینا ٹھیک نہیں ہے مرکزوں کو فیصل مقرر کرنا چاہیے۔

پہلا مرکز اللہ تعالیٰ:

شیعہ کے نزدیک سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھو کہ اللہ سے غلطی ہوتی ہے ہیں ایک لفظ اپنی طرف سے نہیں کہتا، کتاب نکال کر ان کو دکھا دی، اصول کافی کی روایت ہے۔ ماعظم اللہ تعالیٰ مثل البداء (اصول کافی ص۸۵) دوسری روایت ماعبد اللہ تعالیٰ مثل البداء (اصول کافی ص۸۴) تیسری روایت سمعت الرضا علیہ السلام قال ما بعث اللہ نبیا قط الا بتحریم الخمر

ان یقر اللہ بالبداء (اصول کافی ص۸۶)

بداء کے معنی ان کے ہاں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی کام کر بیٹھتے ہیں بعد میں پچھتاتے ہیں کہ ارے غلطی ہوگئی نعوذ باللہ منہ۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر غلطی سے پاک ہے اور تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوسکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے تو یونہی سمجھ لو کہ معاذ اللہ شیعہ کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوگئی۔ بہر حال یہ مرکز مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

دوسرا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

رسول معصوم ہوتے ہیں وہ کسی سے دب کر یا ڈر کر کوئی کام نہیں کرتے یہ ہمارا عقیدہ ہے اور شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول بھی تقیہ کرتا ہے لادین لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص۴۸۲) اور لا ایمان لمن لا تقیۃ لہٗ (اصول کافی ص۴۸۴) نبی اور رسول بھی جب تک جھوٹ اور فریب سے کام نہ لے وہ ایماندار نہیں ہوسکتے، نعوذ باللہ منہ

تیسرا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد :

اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خصوصیت حاصل ہے اور حضرت حسین شیعہ کے مذہب میں العیاذ باللہ بہت بڑے منحوس ہیں۔ نقلِ کفر کفر نباشد، ورنہ زبان یہ کہنے کو تیار نہیں ہوتی۔ شیعہ کی کتابوں[۱] میں ہے کہ جبرئیل امین حضور کے پاس آئے اور حضرت حسین کی بشارت دی اور کہا کہ وہ شہید ہوگا، تو آپ نے فرمایا مجھے ایسا نواسہ نہیں چاہیئے جو شہید ہو، پھر دوسری دفعہ جبرئیل آئے اور یہی کہا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسا نواسہ نہیں چاہیئے، پھر تیسری دفعہ جبرئیل آئے اور کہا کہ انھیں اور ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ امام بنائیں گے تب آپ راضی ہوگئے پھر آپ نے حضرت فاطمہ کے پاس آدمی بھیجکر بشارت دی، اس نے کہا کہ ایسا بیٹا نہیں چاہیئے جو شہید ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام ہوگا تو بھی حضرت فاطمہ بادل نخواستہ راضی ہوئیں گویا کہ شہادت کی نحوست امامت سے بھی نہیں دُھل سکتی، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا، حالانکہ قرآن کریم کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اولاد کو ماں کا شکر گزار ہونا چاہیئے کیونکہ اس نے کتنی تکلیفیں جھیل کر اسے جنا ہے اور یہ لوگ اسے فاطمہ و حسین پر چسپاں کر رہے ہیں، پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ امام چونکہ عالم الغیب ہوتا ہے اس لئے حضرت حسین کو پتہ چل گیا کہ ان کی والدہ ان کو نہیں چاہتیں تو انھوں نے انتقام لیا اور ان کا دودھ پینے سے انکار

[۱] یہ حوالہ "کیا شیعہ مسلمان ہیں؟" کے تحت گزر چکا ہے ۱۲ منہ

کردیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں رکھتے وہ چوستے اور اس سے سیر ہوتے، دیکھئے کس طرح ماں اور بیٹے میں عداوت ظاہر کر رہے ہیں، اسی واقعہ کو شیعہ شاعر نے یوں نظم کیا ہے ؎

ہائے رے شبیر مظلومی تری	رد ہوئی تیری بشارت تین بار
گرچہ راضی ہو چکی تھیں فاطمہ	پھر بھی تھی تیری ولادت ناگوار
کرتی ہے اس رمز کو قرآں میں	امّہٗ کرھا کی آیت آشکار
تجھ کو بھی غیرت کا ایسا جوش تھا	دودھ اس ماں کا نہ چوسا زینہار

چوتھا مرکز حرمین شریفین :

یہ ہمارے قبضہ میں ہیں۔

پانچواں مرکز قرآن مجید :

یہ بھی مسلمانوں کے پاس ہے شیعہ تو اس کی صحت ہی کے قائل نہیں[1]

صلح کا دوسرا طریق

صلح کی دوسری صورت یہ ہے کہ باری کا طریقہ اختیار کیا جائے یعنی کچھ مدت کے لئے سب سُنی بن جاؤ اور کچھ عرصہ سب شیعہ، تاکہ اتفاق و اتحاد رہے، آگے اس میں اختلاف ہوگا کہ پہلے شیعہ بنیں یا سُنی، اسکا فیصلہ یوں کریں کہ جس کے پاس قانون فی الحال موجود ہے اس مذہب کو فی الحال لے لیا جائے، ہمارا قانون قرآن و حدیث موجود ہے اور شیعہ کا قرآن امام مہدی کے پاس غار میں ہے جو اونٹ کی ران کے برابر موٹا اور ستر گز لمبا ہے وہ تو یہاں موجود ہی نہیں، جس مذہب کا قانون ہی نہیں اس کو لیکر کیسے کام چلے گا اس لئے فی الحال سب شیعہ مسلمان بن جائیں جب بھی امام مہدی آپ کی کتاب لے آئیں گے ہم سب اُن کے ساتھ ہو جائیں گے، آپ ہم سے اس بارے میں معاہدہ لکھوالیں پھر اِس کو رجسٹری بھی کرالیں۔

تیسرا طریقِ کار

اگر صلح کے یہ طریقے منظور نہیں تو آسان سی بات یہ ہے کہ شیعہ اصلی شیعہ بن جائے تو سب

---

[1] اس کے حوالے عنوان "کیا شیعہ مسلمان ہیں" کے تحت گزر چکے ہیں، ۱۲ منہ

جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے، کیونکہ شیعہ مذہب میں یہ احکام ہیں۔

(۱) سیاہ لباس پہننا حرام ہے، عبارات ملاحظہ ہوں۔

(و) قال امیر المؤمنین علیہ السلام فیما علّم اصحابہ لا تلبسوا السواد فانّہ لباس فرعون کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرہ لباس السواد الا فی ثلثۃ العمامۃ والخف والکساء (من لا یحضرہ الفقیہ الجزء الاوّل ص۸۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ کالے کپڑے نہ پہنیں کیونکہ یہ فرعون کا لباس ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پگڑی، موزے اور چادر کے سوا دوسرے لباس میں سیاہ رنگ کو بُرا سمجھتے تھے۔

(ب) سئل الصادق علیہ السلام عن الصّلوۃ فی القلنسوۃ السوداء فقال لا تصل فیھا فانھا لباس اھل النار (من لا یحضرہ الفقیہ الجزء الاول ص۸۱)

جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ کالی ٹوپی میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا اس میں نماز نہ پڑھی جائے اسلئے کہ یہ جہنمیوں کا لباس ہے۔
(ایضاً)

(ج) روی اسمٰعیل بن مسلم عن الصّادق علیہ السّلام انّہ قال اوحی اللہ تعالیٰ الی نبی من انبیائہ قل للمؤمنین لا تلبسوا لباس اعدائی ولا یطعموا مطاعم اعدائی و لا یسلکوا مسالک اعدائی فیکونوا اعدائی فاما لبس السواد للتقیۃ فلا اثم فیہ (من لا یحضرہ الفقیہ ص۸۱ ج۱)

جعفر صادق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی پر وحی بھیجی کہ مومنین سے کہدو میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں، ان کے کھانے نہ کھائیں اور ان کے راستے پر نہ چلیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو میرے دشمن بن جائیں گے، ہاں البتہ تقیّہ کے طور پر سیاہ لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں۔
(ایضاً)

(د) فقد روی عن حذیفۃ بن منصور انہ قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام بالحیرۃ فاتاہ رسول ابی العباس الخلیفۃ یدعوہ فدعا بممطر احد وجھیہ اسود والاخر ابیض فلبسہ ثم قال علیہ السلام اما انی البسہ وانا اعلم انہ لباس اھل النار (من لا یحضرہ الفقیہ ص۸۲ ج۱)

حیرہ میں خلیفہ ابو العباس کا قاصد امام جعفر صادق کو بُلانے آیا آپ نے بارش سے بچاؤ کا ایک ایسا کپڑا منگوایا جس کی ایک جانب سیاہ اور دوسری سفید تھی امام جعفر نے اسے پہن کر فرمایا میں اسے یہ جان کر پہن رہا ہوں کہ یہ دوزخیوں کا لباس ہے
(ایضاً)

(۲) ماتم کرنا کافروں کا کام ہے۔

(ا) عن ابی عبداللہ قال ان الصبر و البلاء یستبقان الی المؤمن فیاتیہ البلاء وھو صبور وان الجزع والبلاء یستبقان الی الکافر فیاتیہ البلاء وھو جزوع قال قلت لہ ما الجزع قال اشد الجزع الصراخ بالویل والعویل ولطم الوجہ والصدر وجز الشعر من النواصی

(فروع کافی صـ۱۲۰ ج ۱)

جعفر صادق کہتے ہیں کہ صبر و مصیبت مومن کے پاس آتے ہیں، چنانچہ مومن پر آفت آتی ہے تو وہ صابر رہتا ہے، ایسے ہی جزع و مصیبت کافر کے پاس آتے ہیں، چنانچہ کافر کے پاس آفت آتی ہے تو وہ جزع فزع کرنے لگتا ہے امام جعفر سے جب پوچھا گیا کہ جزع کیا ہے تو فرمایا اشد ترین جزع یہ ہے کہ واویلا کیا جائے چہرہ اور سینہ (شیعہ کی طرح) پیٹا جائے اور پیشانی کے بال نوچے جائیں۔

(ب) من اقام النوحۃ فقد ترک الصبر واخذ فی غیر طریقہ

(فروع کافی صـ۲۲۵ ج ۲)

جس نے ماتم اور نوحہ کی مجلس قائم کی اس نے صبر کو چھوڑ کر غیر طریق اختیار کیا

(فروع صـ۲۲۵ ج ۲)

(۳) سُنّی امام کے پیچھے پہلی صف میں نماز پڑھنا اتنا ثواب ہے جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے میں۔

من صلی معھم فی الصف الاول کمن صلی خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(من لا یحضرہ الفقیہ باب الجماعۃ)

جس نے اہلِ سنت کے ساتھ صفِ اوّل میں نماز پڑھی وہ ایسا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔

(۴) مناظرہ کرنا حرام ہے اس لئے کہ یہ تقیّہ کے خلاف ہے اور تقیّہ نہ کرنے والے کا ایمان باقی نہیں، اس کے حوالے پہلے بتائے جا چکے ہیں۔

(۵) ڈاڑھی رکھنا اور مونچھیں کٹانا واجب ہے۔

یہ سب کام کرنے لگو تو کیا کوئی اختلاف باقی رہ سکتا ہے۔ شیعہ مذہب میں تقیّہ فرض ہے آپ تقیّہ کر کے سُنّی بن جائیں تو سب جھگڑے ختم ہو جائیں۔ شیعہ کی کتابوں میں مدحِ صحابہ کی روایات[۱] موجود ہیں اور نہج البلاغۃ میں حضرت علی کے کئی خطبے منقول ہیں جن میں انھوں نے شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مدح کی ہے اس لئے آپ بھی مدح صحابہ کے جلسے کیا کریں۔

عـ۱ ایسے حوالے عنوان "کتبِ شیعہ میں حضرات شیخین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف" میں گزر چکے ہیں۔

پھر جب آپ لوگ سب شیعہ بن جائیں گے تو امام مہدی غار سے باہر نکل آئیں گے، کیونکہ شیعہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب تین سو تیرہ ۳۱۳ [1] شیعہ روئے زمین پر ہو جائیں گے تو امام مہدی غار سے باہر آ جائیں گے۔

آپ شیعہ بنتے نہیں، امام مہدی نکلتے نہیں، ان کو ناحق آپ نے اپنے کرتوتوں سے غار میں دھکیل رکھا ہے، اپنے امام پر کتنا بڑا ظلم کر رہے ہو، نیز آپ کے خالص شیعہ نہ بننے سے کتنا بڑا فساد ہو رہا ہے، دُنیا گمراہ ہو رہی ہے۔ آپ شیعہ بن جائیں تو امام مہدی آجائیں گے اور سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے،

حاضرین سے

اور کچھ نہیں تو آپ یہاں پر کم از کم تین چار سو شیعہ موجود ہیں آپ سب یہیں پر عزم کر کے پکّے شیعہ بن جائیں تو فیصلہ ہو جائے گا امام مہدی آجائیں گے۔ اگر آپ اتنی تعداد میں ہوتے ہوئے صرف تین سو تیرہ شیعہ بھی نہیں لا سکتے تو معلوم ہوا کہ مدعی شیعیت سب منافق ہیں چنانچہ آپ کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے ائمہ شیعہ کا یہ فیصلہ [2] موجود ہے کہ ہمارے سب شیعہ منافق اور مرتد ہیں۔ شیعہ علماء نے ان اُمور کا کچھ جواب نہ دیا اور مجلسِ مناظرہ برخواست ہوگئی، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھیں آمین۔

(اِس رسالہ کا ضمیمہ "احسن الفتاویٰ" کے تتمہ میں ہے)



---

[1] اگر عدد ایشاں (شیعہ) بسہ صد و سیزدہ (۳۱۳) کسی ہیئتِ اجتماعی رسد امام ظاہر شود (صافی باب۵ ص۳۶ ج۲)

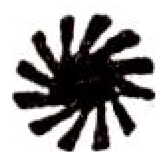
[2] یہ حوالے عنوان "کیا شیعہ مسلمان ہیں" کے تحت گزر چکے ہیں، ۱۲ منہ



وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ







کتبۂ فاروق

حجیّۃ الحدیث پر مبسوط بحث

سوال - آج کل انکارِ حدیث کا فتنہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس کا قلع قمع کرنا اور عوام کو ایسے فتنوں سے محفوظ رکھنا علمائے وقت ہی کا فریضہ ہے۔ لہٰذا استدعا ہے کہ حجیّۃ الحدیث سے متعلق سیر حاصل بحث فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں گے واللہ لا یضیع اجر المحسنین ط

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

عبد اللہ چکڑالوی نے سب سے پہلے انکارِ حدیث کا فتنہ برپا کر کے مسلمانانِ عالم کے قلوب کو مجروح کیا۔ مگر یہ فتنہ چند روز میں اپنی موت خود مر گیا۔ حافظ اسلم جیراج پوری نے دوبارہ اس دبے ہوئے فتنہ کو ہوا دی اور بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ جلا کر عاشقانِ شمعِ رسالت کے جروح پر نمک پاشی کی اور اب غلام احمد پرویز بٹالوی نگراں رسالہ "طلوعِ اسلام" اس آتش کدہ کی تولیت قبول کر کے رسول دشمنی پر کمربستہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ قادیان اور بٹالہ دونوں ایک ہی ضلع میں واقع ہیں۔ بلکہ بٹالہ بوجہ تحصیل ہونے کے قادیاں پر ایک قسم کی مرکزی فوقیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر غلام احمد بٹالوی غلام احمد قادیانی سے رسول دشمنی میں ایک دو درجے اوپر چڑھ جائے تو کوئی بعید نہیں۔ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نام نہاد غلاموں نے بموجب مقولۂ مشہورہ "برعکس نہند نامِ زنگی کافور" سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دنیا میں بغاوت کا علَم بلند کیا۔ رسول دشمنی پرویز (علیہ ما علیہ) کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور یہ امتیازی شان اس کے منحوس نام کا اثر ہے وہ سیاہ بخت کسریٰ جس نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو بہت پیچ و تاب کھا کر پھاڑ ڈالا تھا وہ بھی پرویز کہلواتا تھا پرویز (علیہ ما علیہ) کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسریٰ پرویز کا رسول دشمنی جیسے ناقابلِ معافی جرم میں نہ صرف تاج و تخت کھو یا گیا بلکہ سارا خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ تو دنیا کا معاملہ ہے جو دارِ جزا نہیں وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَکْبَرُ ط وہ دن دور نہیں جس کے متعلق ارشاد ہے۔

وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ جس روز ظالم (غایتِ حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا

يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا (۲۵-۲۷) اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ چلتا۔

چودھویں صدی کے پرویز کو بھی اپنی سیاہ کاریوں کے تلخ ثمرات سے خائف رہنا چاہئے فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (خسر الدنیا والاٰخرۃ)

پروفیسر امین الدین صاحب روزنامہ تسنیم لاہور، ۲۰ مارچ ۵۸ء میں تحریر فرماتے ہیں: "یہ نیا فتنہ لاہور کے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے زیر اہتمام سرکاری امداد کے بل بوتے پر پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ یہ وہی ادارہ ہے جس کا ذکر گذشتہ دنوں قومی اسمبلی میں ہمارے ملک کے وزیر تعلیم نے فرمایا تھا اور اس کے بعد مغربی پاکستان کے بجٹ میں اس کے لئے پچیس ہزار روپے کی گرانقدر امداد کا انتظام بھی فرمایا گیا ہے"۔

مُفسد کون ہے؟

موجودہ فضا میں جو شخص بھی کسی ایسے ضروری اور اہم مضمون پر قلم اٹھاتا ہے جو خواہشات نفسانیہ کے خلاف ہو یا اس میں کسی ناپاک فتنے کو دبانے کی کوشش کی گئی ہو اور کسی دشمنِ اسلام کی بدعنوانیوں کی صدائے بازگشت ہو تو بلا امتیازِ حق و باطل اسے مُفسد اور مُفتن کہا جاتا ہے۔ قابلِ غور یہ امر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چودہ سو سالہ مشہورِ عالم ادارہ کی رکنیت قبول کرے۔ اس ادارہ کے ارکان سابقہ علم و فراست، عملی جدّ و جہد اور اخلاص میں یکتا ہوں جن کی محیّر العقول مساعی اور شبانہ روز انتھک تگ و دو سے اس ادارہ کا نام اچار سو آفاقِ عالم میں چمکنے لگا ہو اب یہ جدید رکن کہے کہ ادارہ کے سابقہ ارکان سب کے سب جاہل اور قوانین سے ناواقف تھے یا ان میں اخلاص نہیں تھا۔ یا سب کے سب خائن تھے یا ان میں عملی اقدام نہ تھا۔ وہ سب قوانین جن پر چودہ سو سال تک عمل ہوتا رہا سراسر غلط ہیں میں انہیں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ادارہ میں قانون وہ جاری ہو جو میں بناؤں اور اس کی فلاح اسی میں ہے جو میں کہوں، فکرِ صائب صرف وہی ہے جو میرے دماغ میں آئے اور نظریہ صرف وہی درست ہے جو میں پیش کروں تو کیا ایسا رکن ادارہ کا خیر خواہ ہے یا بدخواہ؟ اور مصلح ہے یا مفسد؟ ادارہ کے ارکان سابقہ میں سے اگر کوئی رکن اس جدید روشن خیال کو سمجھائے اور اس کے خرافات کا جواب دے تو کیا اس کے فعل کو فتنہ اور فساد سے تعبیر کیا جائے گا۔ یا کہ امن اور اصلاح سے؟ بعینہ یہی مثال غلام احمد پرویز کی ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک دین کا مدار دو ہی چیزیں رہی ہیں، کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دو ستونوں پر دین کی عمارت ٹھیری ہوئی ہے۔ خلفائے راشدین، دیگر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام، محدثین

فقہاء صوفیہ اور تمام عالم اسلام کے علماء سنتِ نبویہ کو دین میں حجت مانتے آئے ہیں۔ مگر غلام احمد پرویز کا خیال ہے کہ اب امتِ مسلمہ کو قرآن کی وہ تفسیر او تعبیر قبول کرنی چاہئے جس پر میرے نام کی چھاپ لگی ہوئی ہو۔ میری تفسیر، تعبیر، تشریح کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ملاازم ہے عجمی سازش ہے۔ جہل اور نادانی ہے۔ اب تک قرآن کو ٹھیک طور پر سمجھا کہاں گیا ہے۔ بڑے بڑے علماء حدیث اور فقہ میں الجھے رہے بلکہ قرآن کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یہ عجمی سازشی قتادہ، حسن، مجاہد اور عکرمہ جیسے مفسرین کی قرآن میں سند قبول کرتے تھے اور میں نے ان تمام مفسرین کے علی الرغم عبداللہ چکڑالوی۔ سرسید احمد خان اور اسلم جیراج پوری سے فیض حاصل کیا ہے۔ لہٰذا قرآن کی تفسیر وہ معتبر ہے جو میں کرتا ہوں۔ قرآن کو ان عجمی سازشوں سے نجات دلانے اور مظلومیت سے چھڑانے والو آؤ، بھاگتے ہوئے آؤ اور میرے ارد گرد جمع ہو جاؤ۔ پرخچے اڑا دو تفسیر ابن کثیر کے پارہ پارہ کر دو۔ بیضاوی، ابن جریر اور اتقان کو۔ معارف القرآن پڑھو۔ اللہ کی آیات کا صحیح مفہوم اسی میں مل سکتا ہے۔

پرویز لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور احادیث دین میں حجت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو رواج دے کر جو دین میں حجت ٹھہرایا گیا ہے یہ دراصل قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔ پرویز خاک بدہن گستاخ نے جن نفوسِ قدسیہ کی طرف عجمی سازش کو منسوب کیا ہے یہ وہ پاک روحیں ہیں جن کو بڑے سے بڑے جابر اور ظالم حاکموں کا ظلم و استبداد کلمۂ حق سے روک نہ سکا جنہوں نے کوڑے کھائے، مصیبتیں جھیلیں۔ دار کے تختوں پر لٹکے تیغوں کے سایوں میں اور توپوں کی گرجوں میں اعلائے حق کی خاطر جانیں قربان کر دیں۔ کوئی خوف انہیں مرعوب نہ کر سکا، اور نہ ہی کوئی بڑی سے بڑی طمع اور دنیا کا لالچ انہیں رام کر سکا ؎

ٹل نہ سکتے تھے جو میدان میں اڑ جاتے تھے ——— پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے ——— تیغ تو کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقشِ توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

یہ ایسے نفوسِ قدسیہ تھے جن کی عبادت پر فرشتوں کو رشک تھا جن کے دامن ملائکہ کے لئے مصلّے بن سکتے تھے۔ جن کی پاکبازی کی قسم کھائی جا سکتی ہے جن کے جسم رات بھر بستروں سے علیحدہ رہتے تھے جنہوں نے برسوں عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی اور خشیتِ الٰہیہ نے جن کے لئے دنیا کی تمام لذتوں کو یکسر بے کیف کر ڈالا تھا۔ جو شخص خاک بدہن گستاخ ان سعید روحوں کو قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والا کہتا ہے۔ اگر

اس کی تحریروں کی وجہ سے عالمِ اسلام اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت جوش میں آجائے تو فتنہ و فساد اور بدامنی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟

ناپاک عزائم

دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف انکارِ حدیث تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ (علیہم ما علیہم) اسلام کے سارے نظام کو مخدوش کر کے ہر امر و نہی سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ نمازوں کے اوقاتِ خمسہ، تعدادِ رکعات، فرائض اور واجبات کی تفاصیل۔ صوم و صلوٰۃ کے مفصل احکام حج کے مناسک، قربانی۔ بیع و شراء، امورِ خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین۔ ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے۔ قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔ پرویز (علیہ ما علیہ) ان سب تفصیلات اور پورے نظام کو یکسر بدل ڈالنا چاہتا ہے۔ باقی رہا قرآن سو اس میں بھی من مانی تفسیر کر کے حقیقی مطالب اور مرادِ الٰہی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ یہ لوگ اہلِ قرآن کہلواتے ہیں اور بظاہر قرآن کی تائید میں مضامین بھی لکھتے ہیں لیکن حقیقت میں انہوں نے مارِ آستین بن کر قرآن کے مفہوم کو فنا کر دیا ہے یہی نہیں بلکہ قرآن کی حقانیت کو مخدوش کر رہے ہیں، صحابہ، تابعین، محدثین اور فقہاء بقولِ پرویز خاک بدہن گستاخ قرآن کے خلاف سازشیں کرنے والے اور قرآن کے دشمن تھے تو انہی اسلاف کے ہاتھوں سے ہم تک پہنچے ہوئے قرآن کی صداقت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

گندگی چھپی نہیں رہتی

مشہور ہے کہ گندگی چھپی نہیں رہتی۔ کیوں کہ اس کی بدبو ہی اس کی غمازی کرتی ہے منکرینِ حدیث کی تحریروں کے چند جملے ملاحظہ ہوں:۔

① منکرینِ حدیث ایک جدید اسلام کے بانی ہیں (رسالہ طلوعِ اسلام ص ۱۶، اگست و ستمبر ۱۹۵۲ء)

② بالکل واضح ہے کہ اللہ اور رسول سے مراد "مرکزِ حکومت" ہے (معارف القرآن ص ۶۵۴ ج ۴)

③ دین نے قیامِ صلوٰۃ کا حکم دیا تھا۔ مذہب میں یہ چیز نماز پڑھنے کے مرادف بن گئی (پرویز طلوعِ اسلام ص ۴۶ جون ۱۹۵۰ء)

④ مرکزِ ملت کو ان میں (جزئیاتِ نماز میں) تغیر و تبدل کا حق ہوگا (پرویز، طلوعِ اسلام ص ۴۷، جون ۱۹۵۰ء)

⑤ میرا دعویٰ تو صرف اتنا ہے کہ فرض صرف دو نمازیں ہیں جن کے اوقات بھی دو ہیں۔ باقی سب نوافل، (عباد اللہ اختر۔ طلوعِ اسلام ص ۵۸ اگست ۱۹۵۰ء)

⑥ پھر آج کل مسلمان دو نمازیں پڑھ کر کیوں مسلمان نہیں رہ سکتا (لاہوتی۔ طلوعِ اسلام ص ۱۲ اگست ۱۹۵۰ء)

⑦ مذہب میں نماز، روزہ، صدقہ، خیرات اسی خوشامدانہ مسلک (یعنی منافقانہ زندگی کے خوشامدانہ مسلک) کے مظاہر بن جاتے ہیں (پرویز۔ طلوعِ اسلام جنوری، فروری ص ۱۰۸، ۱۹۵۰ء)

⑧ حج ایک بین الملی کانفرنس ہے اور حج کی قربانی کا مقصد بین الملی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کیلئے خورد ونوش کا سامان فراہم کرنا ہے۔ مکۂ معظمہ میں حج کی قربانی کے سوا اضحیہ (عید کی قربانی) کا کوئی ثبوت نہیں وغیرہ

(رسالہ قربانی از ادارہ طلوع اسلام)

⑨ عید کے دن بارہ بجے تک دس کروڑ روپے کا قومی سرمایہ ضائع ہوجاتا ہے اور یہ دس کروڑ ہر سال ضائع ہوتے ہیں۔ (رسالہ قربانی)

⑩ عید کی صبح بارہ بجے تک قوم کا کس قدر روپیہ نالیوں میں بہ جاتا ہے (ادارہ طلوع اسلام ص ۱ ستمبر ۱۹۵۰ء)

⑪ روایات (احادیث نبویہ) محض تاریخ ہیں (پرویز۔ طلوع اسلام جولائی ص ۴۹۔ جولائی ۱۹۵۰ء)

⑫ الغرض حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ وغیرہ کا ہے۔ اس سے تاریخی فائدے حاصل کئے جاسکتے ہیں لیکن دینی حجت کے طور پر نہیں پیش کی جاسکتی (اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام ص ۴۳، نومبر ۱۹۵۰ء)

⑬ حدیثیں ظنی ہیں (مقدمۂ اول) ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے (مقدمۂ دوم) نتیجۂ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے (اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام ص ۵۷۔ جولائی ۱۹۵۰ء)

⑭ بخلاف اس کے نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے؛

(اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام ص ۱۱، دسمبر ۱۹۵۰ء)

⑮ حدیث کا پورا سلسلہ ایک عجمی سازش تھی اور جس کو شریعت کہا جاتا ہے وہ بادشاہوں کی پیدا کردہ ہے، (پرویز۔ طلوع اسلام ص ۷، اکتوبر ۱۹۵۲ء)

⑯ صرف مردار، بہتا خون، خنزیر اور غیر اللہ کے نام کی طرف منسوب چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں بلکہ محمد صبیح ایڈوکیٹ لکھتا ہے کہ مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے کھانے سے انکار کر دینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے (طلوع اسلام جون ۱۹۵۲ء)

یعنی کتا، گدھا، گیدڑ، بلی، چوہا حتی کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کا کھانا فرض ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ منکرینِ حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے فرض اور ثواب سمجھ کر شبانہ روز مذکورہ چیزیں مزے لے لے کر کھاتے ہوں گے۔ سوّد اللہ تعالیٰ وجوھہم،

دامنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھڑانے والا پنجہ مروڑ دیا جائیگا

اکتوبر ۱۹۵۲ء کے رسالہ طلوع اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پرویز (علیہ ما علیہ) کی پنشن

لہ اس کا جواب آپ کو آئندہ صفحات میں ملیگا ۱۲ منہ

کا زمانہ قریب ہے اور اس کو اتنی پنشن مل سکتی ہے کہ وہ معاش کی طرف سے بے فکر ہو جائے اب اس کو چند رازداں بھی ہاتھ آگئے ہیں۔ لہٰذا پرویز (علیہ ما علیہ) اب اس مشن (انکارِ حدیث) کو پوری تنظیم کے ساتھ چلانے کا ارادہ کر رہا ہے۔

لہٰذا ہم پرویز (علیہ ما علیہ) کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر تمہارے یہی عزائم اور حوصلے ہیں تو بسم اللہ۔ ہم اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کے فدائی سرورِ کائنات کی سنت اور اسوۂ حسنہ کے شیدائی اللہ کے فضل سے ابھی زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ ہمارے ہاتھوں سے دامنِ رسول چھڑانے کیلئے آگے بڑھنے والا پنجہ مروڑ دیا جائے گا۔ طریقِ رسالت میں اٹکنے والا روڑا بوٹ کی نوک سے ٹھکرا دیا جائے گا۔ رسول دشمنی کا حوصلہ رکھنے والے گروہ کے پرخچے اڑا دئے جائیں گے اور راہِ رسول میں کانٹے بچھانے والے چودھویں صدی کے ابولہب کو اپنی سیہ کاریوں کا نتیجہ دنیا ہی میں بھگتنا پڑے گا۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے قرار داد مقاصد میں کتاب اللہ کے ساتھ جو سنت کا لفظ بھی شریک کر دیا ہے۔ اس پر پرویز (علیہ ما علیہ) بہت خفا ہے۔ متواتر چیخ چیخ کر پکار رہا ہے اور دہائی دے رہا ہے کہ قرار دادِ مقاصد سے سنتِ نبوی کو حذف کر کے صرف کتاب اللہ کو باقی رکھا جائے۔ یہ دریدہ دہن پاکستان میں بہت بڑے فتنہ کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے اور حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ دین کے اصل الاصول اور مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ کو یکسر ٹھکرا دیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کے اربابِ حل و عقد کے سامنے ایسی مفسدانہ آوازیں صدا بصحرا ثابت ہوں گی۔ اگر بفرضِ محال دستور ساز اسمبلی نے قرار داد مقاصد سے سنتِ نبویہ کو حذف کر ڈالا تو جس دن (خدا نہ کرے) یہ اعلان ہوگا۔ وہ دن پاکستان کی تاریخ میں شدید ترین کشمکش کا دن ہوگا۔ یہ باتیں اس مملکت میں نہیں چل سکتیں جو کتاب و سنت کے نام پر وجود میں آئی ہو۔ مسلمان اس متاعِ بے بہا کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمارے اندازِ تحریر سے کسی صاحب کو درشتی کا شکوہ نہ ہو کیوں کہ یہ منکرینِ حدیث حقیقت میں منکرینِ اسلام ہیں۔ یہ کفر اور ایمان کا سوال ہے ہم ان پر ذرہ برابر بھی نرمی کرنا روا نہیں سمجھتے۔ ہماری ان سے جنگ ہے اور اس کی ابتدا ہم نے نہیں کی۔ انہوں نے کی ہے، انہوں نے ہی پہلے فتنہ کی آگ کو بھڑکایا ہے۔ پس ہم بھی اس فتنہ کو کچلنے کے لئے اپنی تمام تر قوتیں صرف کر دیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حیات ہماری جان اور ایمان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کر دینا ہم انتہائی سعادت سمجھتے ہیں ؎

فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

حق تو یہ ہے کہ اس قسم کے ملحدوں کو تہ تیغ کر کے انہیں ان کے کردار کا مزہ چکھا دیا جائے مگر شریعت

غزا، کی حفاظت اور راحتِ مسلمہ کے امن کی خاطر بموجب قانونِ الٰہی کسی ملحد کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کے وجودِ نا مسعود سے دنیا کو پاک کر دینا تو درکنار یہاں تو اس قسم کے ملحدین کے متعلق لب کشائی کرنا اور صدائے احتجاج بلند کرنا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے ۔

یہ دستورِ زباں بندی عجب ہے تیری محفل میں	یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

دنیا میں بڑے سے بڑا احمق پڑا ہوا ہے

پرزیہ علیہ ما علیہ اپنے عقیدتمندوں پر اترائے ، عقیدتمندوں کا جمع ہو جانا حقانیت کی دلیل نہیں۔ اس دنیائے خیر و شر میں کوئی ایسا پلیٹ فارم نہیں جس پر اجتماع نہ ہوا ہو ہر آواز پر کچھ نہ کچھ لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ ہم نے دیوانوں اور پاگلوں کے پیچھے عقیدت مندوں کی ٹولیوں کو ہاتھ باندھے ہوئے دیکھا ہے۔ ہماری ہی بستی میں ایک شخص ایک ہندو کا اس لئے عقیدت مند ہے کہ وہ ہندو پاگل ہے ۔ جب قادیانی مجنوں (جو مراق کا خود اقرار کرتا ہے) کے پیچھے ہزاروں حمقاء جمع ہو سکتے ہیں تو بٹالوی منکرِ اسلام کے جھنڈے کے نیچے اگر چند بے وقوف اکٹھے ہو جائیں تو کیا تعجب ہے؟ دنیا میں بے وقوفوں کی کمی نہیں یہاں بڑے سے بڑا احمق پڑا ہوا ہے۔

خوفناک فتنہ کے مقابلہ میں کھڑے ہو جاؤ

ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں کہ چودھویں صدی کا ابولہب رسول دشمنی کے منصوبے کو جماعتی تنظیم کے ساتھ چلانا چاہتا ہے، لہٰذا اے شمعِ رسالت کے پروانو، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ، محبوب دو عالَم کی محبت اور عشق کے دعویدارو، شفیع المذنبین کی شفاعت کے طلب گارو، اٹھو دشمنانِ رسول کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ بے غیرت ہے وہ شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی آواز سنے اور اس کی حمیت بے چین نہ ہو بے ایمان ہے وہ سیاہ بخت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کے منصوبے آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور اس کے دل پر چوٹ نہ لگے۔ ملعون ہے وہ مسلمان کہلوانے والا جس کے روبرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور اسوۂ حیات کو مٹایا جا رہا ہو، مگر اس کی رگوں میں خون نہ گرمائے اور جسم کے رونگٹے کھڑے نہ ہوں۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اس شجرِ خبیثہ کی بیخ کنی کے لئے مستعد اور کمر بستہ ہو جائے ۔ اس فتنہ کو نرمی اور ملایمت سے رام نہیں کیا جا سکتا۔ اسے دبانے کے لئے پوری قوت اور شدت سے کام لینا پڑے گا۔ وہ اہلِ ایمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو عین ایمان جانتے ہیں ان کا فرض ہے کہ تقریروں، تحریروں، عام

محفلوں اور نجی صحبتوں میں اس فتنہ پر ملامت کریں اور ناواقف مسلمانوں کو اس بے دینی کے سیلاب سے بچائیں۔ یہ اختلاف مسلمانوں کے مختلف مسالک کے درمیان فروعی اختلافات جیسا نہیں یہ ایمان اور کفر کا اختلاف ہے۔ لہٰذا تمام تر جزئی اختلافات کو چھوڑ کر متحد محاذ قائم کرنا اور مسلمانوں کی جمیع جماعتوں کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرنا فرض ہے۔

اس کے بعد ہم حجیتِ حدیث پر مختصراً چند دلائل پیش کرتے ہیں۔ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دشمنانِ رسول کے مقابلہ میں کھڑے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے قل وجبریل معك اس لئے میں دشمنانِ رسول کے مقابلہ میں مضمون لکھتے وقت ہر لمحہ کو انتہائی سعادت اور خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کا مذکورہ بالا ارشادِ گرامی جب آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو دل میں وہی سُرور موجزن ہونے لگتا ہے جو حضرت حسّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں ہوتا ہوگا۔ اس لطف اور سُرور کے سامنے دنیا بھر کی لذتیں بے کیف اور بڑے سے بڑے مصائب اور رنج و غم کافور ہو جاتے ہیں۔ یہی اور صرف یہی ایک خدمت ہے جسے میں اوثق الاعمال اور ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں اور یہی ہدیہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔

آیاتِ بیّنات

① ـــــ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا وحی کو ارسالِ رسول کے مقابلہ میں ذکر کرنا دال ہے کہ بغیر ارسال کے بھی وحی ہوتی ہے۔ یہی حدیث ہے۔

② ـــــ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَا سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف استقبال حکمِ الٰہی تھا حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم مذکور نہیں۔

③ ـــــ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ سے معلوم ہوا کہ پہلے رمضان کی رات میں بھی جماع کرنا حرام تھا۔ یہ حرمت حدیث ہی سے تھی۔ قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔

④ ـــــ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی جس میں مذکور ہے کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے انزالِ ملائکہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن میں موقعِ بدر پر اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ انزالِ ملائکہ کا وعدہ وحی غیر متلو سے تھا جو حدیث ہے۔

⑤ ـــــ قرآن کریم میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث مذکور ہیں جو حجیتِ حدیث پر واضح دلیل ہے۔ جب انبیاء سابقین کی احادیث کا ان کی امتوں پر واجب الاتباع ہونا قرآن سے ثابت ہے تو ہمارے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہم پر کیوں واجب العمل نہیں ؟

(۶) قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے جس میں صریح دلیل ہے کہ نبی کا خواب حجت اور واجب العمل ہے، حالانکہ خواب وحی متلو نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہزار تمناؤں کے بعد آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے فرزند عزیز عطا فرمایا۔ پھر حالتِ رضاع ہی سے برسوں تک اکلوتے بیٹے کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر فراق کے صدمے برداشت کئے۔ مگر خلیل علیہ السلام کے مقام تسلیم و رضا و خلّت کے امتحان کی ایک شدید ترین گھاٹی تاحال باقی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب کو حکم الٰہی یقین کرتے ہوئے بغیر کسی قسم کے تردد کے تعمیل حکم کے لئے نہ صرف آمادہ ہوجاتے ہیں بلکہ لختِ جگر کو قربان کرنے کا عمل بھی نہایت مستعدی کے ساتھ شروع کردیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزیز ترین اکلوتے بیٹے کے ذبح کا اقدام کرنا اور اسمٰعیل علیہ السلام کا " اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ " کی بجائے مَا تُؤْمَرُ کہنا اور اللہ تعالیٰ کا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا ، وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ارشاد فرمانا اور اس امتحان کو " بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ " سے تعبیر کرنا، یہ جملہ امور واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ذبح ولد کا حکم ہوا تھا اور وہ حکم واجب العمل بھی تھا۔

(۷) — قرآن کریم میں جا بجا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ارشاد ہے۔ اگر نبی کا قول و فعل قابلِ اعتبار نہیں تو اَطِیْعُوا اللّٰهَ کے ساتھ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا لفظ بار بار کیوں ذکر کیا گیا قرآن میں کئی جگہ بار بار اطاعتِ رسول کی تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر وعید سنائی گئی ہے۔

(۸) — فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (۴-۵۹) اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو۔

(۹) — لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۚ (۳-۱۶۴) تحقیق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔

(۱۰) — کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ؕ (۲-۱۵۱) جیسا کہ ہم نے تمہاری جنس سے تم میں ایسے رسول کو بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہاری صفائی کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اور فہم اور ایسے علوم کی تعلیم دیتے ہیں جن سے تم ناواقف تھے۔

(۱۱) ـــــ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (۲-۱۲۹) اے ہمارے رب ان میں ان کی جنس سے ایسے رسول کو بھیجئے جو ان کو آپ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائیں اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اور انہیں پاک کریں۔

(۱۲) ـــــ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۶۲-۲) اللہ تعالیٰ نے ناخواندہ لوگوں میں ان کی جنس سے ایسے رسول کو بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو صاف کرتے ہیں اور ان کو کتاب آسمانی اور فہم کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ آیات معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر محکم ہیں۔ ان میں صاف دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ڈاک کے ہرکارے کی طرح محض بلاغ ہی نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اور حکمت کے معلّم اور مسلمانوں کے لئے مزکّی بھی تھے۔ تعلیم الکتاب کا فرض جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگایا گیا تو آپ اس فرض کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کے طلبہ (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ سے کسی آیت کے بارے میں کچھ دریافت ہی نہ کرتے تھے؟ اور اگر کچھ دریافت کرتے تھے تو کیا آپ ان کے جواب میں قرآن ہی کی کوئی آیت پیش کر دیتے تھے؟ کیا یہ طریق تعلیم قرین قیاس ہوسکتا ہے کہ ایک معلّم کسی کتاب کی تعلیم دے تو طلبہ تلاوتِ متن اور سماع کے سوا کوئی بات دریافت ہی نہ کریں۔ اور اگر کچھ دریافت کریں تو استاد اس کے جواب میں کتاب ہی کا متن پڑھ دے، اپنی زبان سے کچھ تشریح نہ کرے۔ معلّم کا فرض ہے کہ کتاب کے مجملات کی تفسیر اور تشریح کرے اور طلبہ کے اعتراضات وخدشات کو حل کرے۔ کتاب کے مفہوم اور معنی کو واضح طور پر سمجھائے۔ پرویز کہتا ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن میں صلوٰۃ وصوم، حج وزکوٰۃ وغیرہ کی تفاصیل کا کہاں ذکر ہے۔ اور اگر قرآن کی تفسیر کرنے کا کسی کو حق نہیں تو آپ نے "معارف القرآن" لکھ کر حماقت کا ثبوت کیوں دیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تو قابل قبول نہیں اور اس گستاخ خاک بدہنش کی تفسیر قابل اعتبار ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اپنے قول وفعل سے قرآن کی تشریح فرماتے تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کا تزکیہ کرتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل قابل اعتبار نہیں تو معلّم الکتاب اور مزکّی کیسے ہوئے؟ اور پھر وَالْحِكْمَةَ کا عطف مغایرت کا مقتضی ہے، اسلئے مفسرین نے حکمت کی تفسیر حدیث سے کی ہے۔ نیز وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ میں نکرہ بعامل اس پر دال ہے کہ یہ علوم قرآن کے سوا کسی دوسری جنس کے ہیں۔ یہی حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن کی تشریح اور تفصیل فرماتے تھے وہ اپنی ذات کی طرف سے نہ تھی بلکہ وہ بھی پروردۂ وحی والہام ہوا کرتی تھی جیسا کہ آئندہ آیت سے ظاہر ہے۔

⑬ —— وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (۵۳-۳، ۴) آپ اپنی نفسانی خواہشات سے باتیں نہیں بتاتے۔ آپ کا ارشاد خالص وحی ہے۔

⑭ —— فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى (۵۳-۱۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر کچھ وحی نازل فرمائی۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ حدیث وحی ہے۔

⑮ —— فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۴-۶۵) قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے اختلافات میں آپ کو فیصل نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ سے تنگدل نہ ہوں اور خوشی سے تسلیم کرلیں۔

⑯ —— لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳۳-۲۱) تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بہترین نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام لفظوں میں بھیجے۔ اس نے خود نماز پڑھ کر زکوۃ دے کر، حج کرکے اور روزہ رکھ کر نہیں دکھایا۔ اس فریضہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا۔ اس لئے فرمایا صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ

اللہ تعالیٰ کی ذات بیوی، بال بچوں اور شریک سے منزہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک، بچوں کی تربیت، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کرکے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو برت کر ایک نمونہ قائم کر دیا —— غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قول و فعل اور زبان و عمل سے قرآن کی مفسّر اور معلّم تھی۔ گویا کہ آپ بولتا ہوا قرآن تھے۔ ع فاری نظر آتے تھے حقیقت میں تھے قرآن۔

⑰ —— قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (۱۲-۱۰۸) آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اس طور پر کہ میں اور میرے متبعین دلیل پر قائم ہیں۔

⑱ —— قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳-۳۱) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔

⑲ —— وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴-۶۴) ہم نے ہر رسول اس لئے بھیجا تاکہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

⑳ —— فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (۳-۵۰) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(۲۱) ــــ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴-۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۲۲) ــــ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (۲۴-۵۴) اگر رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

(۲۳) ــــ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ (۲۰-۹۰) میرا اتباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

(۲۴) ــــ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۳۳-۳۳) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو

(۲۵) ــــ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا (۴۹-۱۴) اگر تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہ کریں گے۔

(۲۶) ــــ اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ (۸-۲۴) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

(۲۷) ــــ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (۳-۵۳) اے ہمارے رب ہم تیرے نازل کئے ہوئے احکام پر ایمان لائے اور ہم نے رسول کا اتباع کیا

(۲۸) ــــ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۷-۱۵۸) آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔

(۲۹) ــــ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (۲۱-۱۰۷) ہم نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

(۳۰) ــــ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۴-۲۸) ہم نے آپ کو ساری دنیا کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔

(۳۱) ــــ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ○ (۳۳-۴۰) آپ رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں۔

ان چاروں آیتوں میں واضح دلیل ہے کہ قیامت تک کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجت ہے۔ رحمت اور بشیر و نذیر تب ہی ہو سکتے ہیں کہ آپ مزکی ہوں اور آپ کا قول و فعل حجت ہو۔

(۳۲) ــــ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○ (۲۶-۱۹۵) قرآن آپ پر اس لئے نازل کیا گیا تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔

(۳۳) ــــ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ط (۴-۱۶۵) رسولوں کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا۔

(۳۴) ــــ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○ (۳۳-۴۶) ہم نے آپ کو شاہد، بشیر اور نذیر، اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

(۳۵) —— یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (۴-۱۷۴) اے لوگو، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل اور ظاہر نور آچکا ہے۔

(۳۶) —— قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ (۵-۱۵) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ظاہر کتاب آچکی ہے۔

(۳۷) —— وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا (۳۳-۳۶) مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کو رد کرسکیں جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی وہ ظاہر گمراہی میں ہے۔

(۳۸) —— وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (۴۴/۱۶) ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس کی تشریح فرمائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تبیین اور تشریح ہے۔ ذکر سے مراد قرآن۔ بیان سے حدیث اور تفکر سے مراد اجتہاد و استنباط ہے۔

(۳۹) —— فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَکَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ (۴۴/۱۴) قیامت کے دن کفار کہیں گے کہ اے رب ہمیں کچھ مہلت ملے تو ہم آپ کی اور رسولوں کی اطاعت کریں۔

(۴۰) —— فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۶۳/۲۴) رسولوں کے نافرمانوں کو دنیوی اور اخروی عذاب سے ڈرنا چاہئے۔

(۴۱) —— وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا (۲۵-۲۷) جس روز ظالم حسرت سے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا کہ کاش میں رسول کا اتباع کرلیتا۔

(۴۲) —— یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ (۴-۴۲) قیامت کے دن رسول کے نافرمان تمنا کریں گے کہ کاش مٹی ہوجائیں۔

(۴۳) —— یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا (۳۳-۶۶) دوزخی کہیں گے کہ کاش ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرلیتے۔

ہم پرویز کو بطور خیرخواہی کے مشورہ دیتے ہیں کہ اس عذاب اور رسوائی سے پہلے رسول دشمنی سے تائب ہوکر دائرۂ اسلام میں داخل ہوجائے۔

(۴۴) —— قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (۲۹/۹)

ایسے لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ و رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے۔

اس آیت کے حکم کے بموجب حکومت اسلامیہ پر فرض ہے کہ بذریعہ قتال پرویز کی بیخ کنی کرے۔

(۴۵) يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (۷-۱۵۷) رسول پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

(۴۶) وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (۹-۵۹) اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دے ہوئے پر راضی رہتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

(۴۷) وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ (۴-۱۵۰) کفار اللہ اور رسول کی اطاعت میں فرق کرنا چاہتے ہیں۔

(۴۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ (۴۹-۲) اگر تم رسول کی آواز پر اپنی آواز بلند کرو گے تو تمہارے اعمال ضائع جائیں گے۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز کا بلند کرنا جب اعمال کی بربادی کا باعث ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے کو مقدم رکھنا اعمال کی تباہی کا سبب کیوں نہ ہوگا؟

(۴۹) النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (۳۳-۶) نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتا ہے۔

(۵۰) إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (۴-۱۰۵) ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لئے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں میں حکم الٰہی سے فیصلہ کریں۔

(۵۱) مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (۵۹-۷) رسول کے حکم کی اطاعت کرو اور جس چیز سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم روکیں اس سے باز رہو۔

اسلم جیراجپوری کہتا ہے، مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ الخ مال غنیمت کے ساتھ خاص ہے رسول اللہ کی احادیث اور ہدایات اس میں شامل نہیں اور دلیل میں ایک مضحکہ انگیز بات کہتا ہے کہ حدیثیں چونکہ اقوال ہیں اس لئے ان پر ایتاء کا لفظ اطلاق نہیں ہوسکتا۔ یہ نتیجہ ہے رسول دشمنی کا کہ خود قرآن میں تحریف کرنے لگے۔ قرآن مجید میں کتاب، حکمت، علم، فضل، رحمت، عذاب وغیرہ

پر ایتاء کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ۔ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ۔ فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۔ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ۔ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔

رسول دشمنی کے جرم میں عقل اور فہم تو مسخ ہو ہی چکی تھی۔ اب حافظہ کا بھی دیوالہ نکل گیا۔ بلکہ آنکھیں بھی چندھیا گئیں۔ قرآن میں کوئی دس یا بیس مرتبہ نہیں بلکہ بار بار کئی جگہ کتاب علم اور حکمت کے متعلق ایتاء کا لفظ وارد ہوا ہے۔ مگر مہارتِ قرآنی کے مدّعیوں کی بصیرت کے ساتھ ساتھ بصارت بھی مسخ ہو چکی ہے۔ اور وہ دن بھی دور نہیں جب کہ دشمنانِ رسول کی زبان پر رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا (اے اللہ مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں دنیا میں اندھا نہ تھا) کا ورد ہوگا۔ بفرضِ محال اگر مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ کا مالِ غنیمت کے ساتھ مخصوص ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ جب مالِ غنیمت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل تم بھی حجت مانتے ہو تو دیگر امور میں آپ کا اسوۂ حسنہ کیوں قابلِ اعتبار نہیں؟ مابہ الفرق کیا چیز ہے۔

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حجیّتِ حدیث کا اثبات خود حدیث سے نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مندرجہ ذیل احادیث مؤیّدات کے باب میں سے ہیں۔

منکرینِ حدیث تاریخ سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث تو بوجہ تنقید و تنقیح اسناد وغیرہ کے تاریخ سے بدرجہا قوی ہے۔ اثباتِ حجیّتِ حدیث کے لئے تین قسم کے دلائل قطعی ہیں جن میں سے آیاتِ قرآنیہ اوپر گذر چکیں اور اجماع وعقلِ سلیم کا بیان احادیث کے بعد آئے گا۔

① عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یُؤْمِنُ احدکم حتّٰی اکون احبّ الیہ من ولدہ ووالدہ والنّاس اجمعین۔ (رواہ الشیخان)	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو میرے ساتھ اپنی اولاد اور اپنے والد اور سب لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو جائے

محبت مستلزم ہے محبوب کی اطاعت کو ۔

تعصی الرّسول وانت تظہر حبّہ ہذا لعمری فی الفعال بدیعٌ
لو کان حبّک صادقاً لاطعتہ ان المحبّ لمن یحبّ مطیعٌ

(۲) عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فی خطبۃ یوم حجّۃ الوداع، ایّھا النّاس انہ لا نبیّ بعدی ولا امّۃ بعدکم فاعبدوا ربّکم وصلّوا خمسکم وصوموا شہرکم وادّوا زکوٰۃ اموالکم طیبۃ بہا انفسکم واطیعوا ولاۃ امورکم تدخلوا جنّۃ ربّکم

(مسند امام احمد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، تم اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچ وقت کی نمازیں، رمضان کا روزہ اور کشادہ دلی سے زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور مسلمان حکّام کی اطاعت کرتے رہو تو تمہارے لئے جنت ہے۔

(۳) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کلّ امّتی یدخلون الجنّۃ الا من ابیٰ قالوا یارسول اللہ ومن یابیٰ قال من اطاعنی دخل الجنّۃ ومن عصانی فقد ابیٰ۔

(رواہ البخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جو انکار کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ انکار کون کرے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

(۴) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یابنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غشّ لاحد فافعل ثم قال یابنی وذلک من سنّتی ومن احبّ سنّتی فقد احبّنی ومن احبّنی کان معی فی الجنّۃ (رواہ الترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ حتی الامکان کسی کے ساتھ بغض نہ رکھو پھر فرمایا کہ یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

⑤ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعًا لما جئت بہ (شرح السنۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے بتلائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہوجائیں۔

⑥ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے اور خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو۔

⑦ ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم (مسند احمد بن حنبل و دارمی)

اگر نبی کا راستہ چھوڑوگے تو گمراہ ہوجاؤگے۔

⑧ وجوب اتباع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما لم یوح الیہ من القرآن (مسند احمد بحوالہ مفتاح)

جو حکم قرآن میں مذکور نہ ہو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرض ہے۔

⑨ ملازمۃ الرجل للکتاب والسنۃ (موطا امام مالک بحوالہ مفتاح)

قرآن و حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔

⑩ اثم الحائد عن السنۃ (دارمی بحوالہ مفتاح)

حدیث سے اعراض کرنے والا سخت گنہگار ہے۔

⑪ کان جبریل ینزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسنۃ کما ینزل علیہ بالقرآن (دارمی بحوالہ مفتاح)

حضور پر جس طرح جبرئیل قرآن نازل کیا کرتے تھے اسی طرح حدیث بھی اللہ کی طرف سے نازل کیا کرتے تھے۔

⑫ السنۃ قاضیۃ علی القرآن (دارمی بحوالہ مفتاح)

حدیث قرآن کی تفسیر اور تشریح ہے۔

⑬ ملعون التارک لسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی بحوالہ مفتاح)

حدیث کو چھوڑنے والا ملعون ہے۔

⑭ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید (بیہقی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس شخص نے فتنہ کے زمانہ میں میری سنت کو مضبوط پکڑا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

⑮ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکل طیبا وعمل فی سنۃ دخل الجنۃ الخ (ترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کھانے والا اور حدیث پر عمل کرنے والا جنت میں جائے گا۔

(۱۶) عن ابی رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ (ابوداؤد وترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ ایسے بھی پیدا ہوں گے جو مال و دولت کے نشہ میں مغرور ہوں گے ان کے سامنے اگر کوئی حدیث بیان کی جائے گی تو حدیث کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو صرف قرآن کو ماننے والے ہیں۔

(۱۷) الا وان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھو مثل ما حرم اللہ (دارمی بحوالہ مفتاح کنوز السنۃ)

جن چیزوں کو حدیث میں حرام کیا گیا ہے ویسے ہی حرام ہیں جیسے وہ چیزیں جن کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔

(۱۸) عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ الا لا یحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع الخ

(رواہ ابوداود والدارمی وابن ماجۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام نازل کئے گئے ہیں. بعض لوگ مال و دولت کے غرور میں ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم قرآن کے سوا حدیث کو تسلیم نہیں کرتے. حالانکہ رسول نے جن چیزوں کی حرمت کو حدیث میں بیان فرمایا ہے ویسی ہی حرام ہیں جس طرح وہ چیزیں جن کی حرمت قرآن میں مذکور ہے گدھا اور ہر درندہ حرام ہے۔

(حالانکہ ان کی حرمت کا قرآن میں ذکر نہیں)

(۱۹) عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیئا الا ما فی ھذا القرآن الا وانی واللہ قد امرت ووعظت ونھیت عن اشیاء انھا لمثل القرآن او اکثر الخ

(رواہ ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ مال و دولت سے مغرور ہو کر کہیں گے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں جن کی حرمت قرآن میں بیان کی گئی ہے آپ نے فرمایا، خبردار خدا کی قسم بلا شبہ میں نے بہت سے ایسے اوامر و نواہی کی تبلیغ کی ہے جو قرآن جتنے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔

یہ آخری دو حدیثیں چونکہ انکار حدیث کے شجر خبیث کی جڑیں کاٹ رہی تھیں۔ اس لئے دشمنانِ

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ حدیثیں موضوع ہیں اور دلیل یہ بیان کی کہ قرآن تو معجز ہے اور اس کی مثال لانے سے جن وانس وغیرہ عاجز ہیں تو احادیث قرآن کی مثل یعنی ہم پایہ کیسے ہوسکتی ہیں۔ قرآن کے خلاف عجمی سازش کے ماتحت احادیث کو وضع کرکے قرآن کی مثل ٹھہرایا گیا ہے۔

جواب (۱) حدیث میں مثل سے فضل فصاحت وبلاغت اور اعجاز میں مماثلت مراد نہیں بلکہ واجب الاتباع ہونے میں مثل فرمایا گیا ہے۔ یعنی کتاب وسنت دونوں کا ماننا ضروری ہے۔ اور ان پر عمل کرنا واجب ہے

(۲) مثل سے مراد مثل فی الکمیت ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں او اکثر کا لفظ اس پر واضح دلیل ہے۔ لغت میں شدت وضعف کا لفظ کیفیت کے لئے اور کثرت وقلت کمیت کے لئے موضوع ہے عرف اور اصطلاح میں بھی یونہی استعمال ہے۔ قرآن مجید میں ہے اَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا (۲۸-۷۸) قوت کے ساتھ اشد اور جمعا کے ساتھ اکثر کا لفظ ہے۔ غرضیکہ لغت، عرف واصطلاح شریعت میں ہر لحاظ سے کثرت کا لفظ کیفیت میں نہیں کمیت میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر رسول دشمنی کی وجہ سے عقل وخرد کا دیوالہ نکل چکا ہے کہ ایک ظاہر وبالکل واضح حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اسی طرح غلام جیلانی برق لکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی حیض کی حالت میں نماز پڑھا کرتی تھیں اور خون نیچے گرتا تھا۔ برق یہ حدیث بیان کرکے اس پر اعتراض کرتا ہے کہ حائضہ کیسے نماز ادا کرسکتی ہے۔ یہ بھی برق کی جہالت اور نادانی پر واضح دلیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بیوی جسے برق نے حائضہ لکھا ہے یہ حائضہ نہ تھیں بلکہ استحاضہ کا خون گرتا تھا اور استحاضہ کی حالت میں نماز معاف نہیں۔ یہ تو بطور مثال کے ہم نے بیان کردیا۔ ورنہ ان دشمنانِ رسول واسلام کے جتنے بھی اعتراض حدیثوں پر ہیں سب کے سب اسی طرح جہالت اور کج فہمی پر مبنی ہیں۔

اجماعِ امت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ ہر معاملہ میں حدیث کو حجت سمجھتی رہی ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، خلفائے اربعہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء، ائمہ، محدثین، صوفیاء اور علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ سمجھتے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے استدلال لیتے رہے اس کی تفصیل ہم " تدوینِ حدیث " کے ضمن میں لکھیں گے۔

عقلِ سلیم

(۱) اگر احادیث کے راوی قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والے تھے اس لئے حدیث قابلِ قبول نہیں تو قرآن بھی ان ہی وسائط سے ہم تک پہنچا ہے۔ پس قرآن کیسے قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے؟ اگر کہا جائے کہ قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) تو ہم کہتے ہیں کہ خود اس آیت کی صداقت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ کیوں کہ یہ بھی تو انہی لوگوں کی وساطت سے ہم تک پہنچی جو کہ حدیثیں وسائط ہیں۔

(۲) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین و من بعدہم جمیع امتِ مسلمہ جو حدیث کو حجت تسلیم کرتی رہی ہے کیا اس میں ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے، یا کہ جان بوجھ کر ایسا کرتے رہے؟ اگر اجتہادی غلطی ہوئی ہے یعنی حقیقت میں حدیث قابلِ اعتبار نہ تھی مگر اسلاف سے غلطی ہو گئی کہ وہ اسے قابلِ عمل سمجھتے رہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ ساری امت کے متقدمین او رمتأخرین علماء اور صلحاء تمام تر اسلاف اسی اجتہادی غلطی ہی میں صدیوں تک مبتلا رہے ہے؟ کسی ایک فرد نے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کیا؟ اور اگر اسلاف حدیث کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود جان بوجھ کر حدیثیں بیان کر کے قرآن کے خلاف سازشیں کرتے آئے ہیں تو اس امت میں سے مومن کون باقی رہا؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، محدثین اور جمیع سلف صالحین رحمہم اللہ تو نعوذ باللہ خاک بدہنِ گستاخ قرآن کے مخالف تھے، کیا مذہب اسلام کی چودہ صد سالہ زندگی میں پہلا مؤمن صرف پرویز (علیہ ما علیہ) ہی ہے؟ جو دین چودہ سو سال تک صرف مخالفین اور دشمنوں کے قبضہ میں رہا ہو اتنی طویل مدت تک اس کا کوئی محافظ اور اسے قبول کرنے والا پیدا ہی نہ ہوا ہو تو ایسے دین پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

(۳) یہ امر دریافت طلب ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں کو رسول کے واسطہ سے کیوں اتارا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہر فرد بشر کے پاس لکھی لکھائی کتاب بلاواسطہ رسول کے بھیج دیتے تو یہ صریح معجزہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مؤثر ہوتا۔ کفار خود اس کے طالب تھے کہ لکھی لکھائی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہو۔ سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو منہ مانگا معجزہ ہونے کے باعث زیادہ سببِ ہدایت ہوتا۔ مگر پھر بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ رسولوں کی معرفت کتابیں نازل فرمائیں۔ اور رسول بھی صرف انسانوں سے منتخب فرمائے۔ کفار کہتے تھے کہ پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کیوں نہیں بھیجے، تاکہ

ہمیں ان احکام کے منزّل من اللہ ہونے کا یقین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (۶-۹) اگر ہم فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو انسانی صورت ہی میں بھیجتے۔

لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (۱۷-۹۵) اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو ہم رسول بھی فرشتہ ہی بھیجتے۔

غرضیکہ سوال یہ ہے کہ تنزیل کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے بالخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب خود کلام اللہ میں موجود ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (۴-۶۴) یعنی خدا نے جتنے رسول بھیجے ان کی بعثت کا مقصد صرف یہ رہا کہ وہ فرامینِ خداوندی کے مطابق حکم دیں اور خود قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کریں اور نازل شدہ احکام کو برت کر امت کے لئے ایک نمونہ قائم کریں تاکہ امت ان کا اتباع کرے۔ اگر بلا واسطۂ رسول احکام نازل کر دئے جاتے اور ان کی تفصیل و تشریح کرنے والا اور عملی جامہ پہنانے والا کوئی نہ آتا تو لوگ آیات کے مفہوم اور معانی میں اختلاف کرتے اور منشأ الٰہی سمجھنے میں غلطی کرتے۔ ان کو سمجھانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو تو کسی حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے۔ مگر ان کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے کہ فرشتے تو قوتِ شہوانیہ غضبیہ سے منزہ ہیں اور انسانی حوائج و ضروریات سے مستغنی ہیں۔ اس لئے تقویٰ اور طہارت و پاکیزگی کے احکام میں انسان فرشتے کی تقلید نہیں کر سکتا۔ انسان پیٹ رکھتا ہے، کھانے پینے، پیشاب، پاخانہ کا محتاج ہے۔ شہوت و غضب کی قوت رکھتا ہے۔ جذبات و داعیات اور امراض و عوارض کا شکار رہتا ہے۔ بیوی، بچوں کے جنجال میں جکڑا رہتا ہے۔ اس لئے فرشتے کا اتباع انسان کے بس کا کام نہیں۔ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے فرشتے کی متقیانہ زندگی کی تقلید کیسے کریں؟ اس لئے ضروری تھا کہ ایک انسان ان ہی جذبات و عوارضِ انسانیہ کے ساتھ زمین پر آتا، اسے بھی وہ تمام معاملات پیش آتے جو ایک عام انسان کو پیش آتے ہیں تاکہ وہ قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کر کے دکھاتا کہ کس طرح انسان خدا کے نازل کردہ قوانین پر عمل کرے۔ قدم قدم پر لوگوں کو اپنے قول اور عمل سے ہدایات دیتا اور انھیں سمجھاتا کہ انسان زندگی کی پیچیدہ راہوں سے کس طرح بچ کر راہِ مستقیم پر چل سکتا ہے۔ غرضیکہ لفظوں میں نازل شدہ احکام کو عملی جامہ پہنا کر امت کے لئے اسوۂ حیات قائم کر دیتا۔

بس یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے صرف کتاب کو کافی نہ سمجھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ ہم پر لازم کر دیا۔

اس کے بعد ہم دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خرافات کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض:۔ دشمنانِ رسول کہتے ہیں کہ حدیث بالاتفاق ظنی ہے اور ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۱۰-۳۶) قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (۶-۱۴۸) وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (۶-۱۱۶) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (۱۷-۳۶)

نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔

جواب: لفظ ظن تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) اٹکل یعنی بلا دلیل محض گمان اور تخمین (۲) شواہد و قرائن سے ظنِ غالب (۳) ظن بمعنی نظری و استدلالی علم یقینی جو دلیل و برہانِ قطعی سے حاصل ہوا ہو۔ مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ میں لفظ ظن اسی علم یقینی کے معنی میں ہے۔ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (۲-۴۶) قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ (۲-۲۴۹) وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (۳۸-۲۴) كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ (۷۵-۲۸) أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ (۸۳-۵)

قرآن نے ظن بمعنی محض اٹکل و تخمین کی پیروی سے منع کیا ہے۔ احادیث کا سلسلہ نعوذ باللہ محض اٹکل اور تخمین نہیں ہے۔ پس احادیث کو ظن کے معنی ثانی (ظن غالب) اور معنی ثالث (علم یقینی استدلالی) کے لحاظ سے ظنی کہا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث علم یقینی استدلالی کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ متوفی ۸۵۴ھ شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں۔

وقد یقع فیہا ای فی اخبار الاحاد المنقسمۃ الی مشہور وعزیز وغریب ما یفید العلم النظری بالقرائن علی المختار (شرح نخبۃ الفکر)

علم یقینی استدلالی تو ظاہر ہے کہ واجب الاتباع ہے۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو ظنِ غالب کا فائدہ دیتی ہیں۔ سو شریعتِ مطہرہ نے ظنِ غالب کو یقین کا حکم دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے

شرعی یقین کے لئے ثقہ عادل کی شہادت (کہیں ایک کی، کہیں دو کی اور کہیں زیادہ کی) کافی ہے۔ سو وہ احادیث میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے احادیث سب یقینی ہیں۔ ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مفید علم یقینی استدلالی ہیں یا اس لئے کہ اکثر احادیث میں عقلاً احتمال خطا موجود ہے شرعاً نہیں۔ غرضیکہ احادیث کو شرعاً ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ بعض احادیث مفید علم یقینی عقلی استدلالی ہیں اور اکثر احادیث مفید ظن غالب ہیں اور دنیا میں ظنِ غالب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم رات دن اپنے جمیع معاملات میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں۔ دوا پیتے وقت شفا کا یقین نہیں ہوتا بلکہ زیادہ مضرت کا احتمال موجود ہے۔ موٹر، ریل، طیارہ اور بحری جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے وقت ہمیں ان کی مشینری کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ مشینری کے پرزہ جات کی درستی کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ راستہ کے حوادث سے محفوظ رہنے کا یقین نہیں، طیارہ کے گرنے، ریل کے پٹڑی سے اترجانے، بحری جہاز کے غرق ہوجانے کا احتمال موجود ہے۔ معہٰذا ہم دن رات ان ذریعوں سے سفر کرتے ہیں۔ بازار سے گوشت خریدتے وقت اس کی حلّت کا، دودھ، گھی، اناج، شکر وغیرہ کی پاکیزگی کا اور پانی پینے اور غسل کرتے وقت اس کی طہارت کا ہرگز ہرگز کامل یقین نہیں ہوتا اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔ عمر بھر ہر معاملہ میں ظنِ غالب کی پیروی پر مجبور ہیں۔ ظنِ غالب کی پیروی کو چھوڑ دیا جائے تو انسان دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ سانپ کے پاس جانے سے ہمیں اس کے کاٹنے کا یقین نہیں اور کاٹنے کے بعد مرنے کا یقین نہیں اسی طرح زہر پینے سے موت یقینی نہیں۔ معہٰذا ہم زہر پینے سے بچتے ہیں اور سانپ سے پرہیز کرتے ہیں۔ جب ہم شب و روز ہر معاملہ میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حدیث کو ظنی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔ قرآن یقینی ہے اور حدیث ظنی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کو محض اٹکل اور تخمین سمجھ کر بالکل ناقابلِ عمل قرار دیا جائے۔ قرآن کے یقینی اور حدیث کے ظنی ہونے کا یہ مطلب ہے، کہ قرآن کا ہر ہر لفظ تواتر سے ثابت ہونے کی وجہ سے یقینی بدیہی عقلی ہے۔ حدیث میں چونکہ روایت بالمعنی جائز ہے اس لئے اس کے ہر لفظ کے متعلق قرآن جیسا یقین نہیں ہوسکتا لہٰذا حدیث یقینی استدلالی یا یقینی شرعی ہے جیسا کہ ماں کا علم یقینی ہے اور باپ کا ظنی کیونکہ ماں کے متعلق قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ فلاں شخص کی ماں ہے مگر باپ کے بارے میں اس یقین کے ساتھ حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ معہٰذا باپ کا علم یقینی شرعی ہے۔

دوسرا اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث سے منع فرما دیا تھا۔

(لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه (مسلم) کتابت سے منع کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ حدیث حجت نہیں۔ اس کے بعد تیسری صدی کے آخر میں محدثین نے حدیثیں جمع کیں۔ ان محدثین

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عموماً پانچ اور کبھی اس سے بھی زیادہ وسائط ہیں۔ یہ محدثین روایت در روایت، در روایت، در روایت در روایت کرتے ہیں۔ جو چیز اتنے وسائط سے ہم تک پہنچی اس پر کیسے اعتماد ہوسکتا ہے؟ اس کے بعد عام لوگوں میں آباًعن جدٍ حدیثیں بیان کرنے اور ان پر عمل کرنے کی رسم پیدا ہوگئی۔ جس کی تردید قرآن نے بار بار ایں الفاظ کی ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (۳۱ - ۲۱) "جب ان کو قرآن کی پیروی کے متعلق کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے۔"

جواب:۔ اس اعتراض کے جواب کے لئے تاریخ تدوینِ حدیث کے بیان کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہم مختصراً بقدرِ ضرورت اس مضمون پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

تدوینِ حدیث

شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ قرآن سے التباس ہوجائے کیوں کہ اس وقت میں کتابتِ قرآن کا عام دستور تھا اور عوام قرآنی اسالیب اور اس کے معجزانہ انداز سے بھی زیادہ مانوس نہ تھے۔ کتابتِ حدیث سے منع کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ حدیث قابلِ اعتبار نہیں۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ حدیث کے بیان کرنے سے بھی روک دیتے۔ حالانکہ مسلم شریف کی جس روایت میں کتابتِ حدیث سے نہی ہے اسی روایت کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے "وحدثوا عني ولا حرج" منکرینِ حدیث کی بددیانتی کا یہ عالم ہے کہ جس حدیث سے استدلال لیتے ہیں اسی کے آخر کا وہ جملہ جو ان کی اہوائے باطلہ کے خلاف ہے اسے بالکل حذف کردیتے ہیں اور پھر تعجب یہ کہ انکارِ حدیث کے لئے خود حدیث سے استدلال کر رہے ہیں جب حدیث قابلِ اعتماد نہیں تو لا تکتبوا الخ پر کیسے اعتماد کیا گیا؟ حدیث کی اشاعت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فليبلغ الشاهد منكم الغائب حاضر غائب کو پہنچا دے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد زمانۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حدیثیں بیان کرنے کا عام رواج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خدمت پر بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کیا کروگے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ پہلے قرآن پر نظر کروں گا۔ پھر آپ کے قول وعمل سے استدلال کروں گا۔ پھر اجتہاد سے کام لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار فرما کر حجیّتِ حدیث کی تصدیق فرمادی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

بھی ارشاد ہے تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم (ابوداؤد کتاب العلم) منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ تیسری صدی کے آخر میں حدیث کی تدوین ہوئی ہے سراسر غلط ہے۔ تدوین کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے شروع ہوچکا تھا اگرچہ عوام کو اختلاط بالقرآن کے خوف سے کتابتِ حدیث کی اجازت نہ تھی تاہم خاص خاص لوگوں کو کتابت کی اجازت تھی۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں، مگر عبداللہ بن عمرو بن العاص لکھا کرتے تھے میں نہ لکھتا تھا انّہ کان یکتب ولا اکتب (بخاری)

مستدرک حاکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ موجود تھا چنانچہ حسن بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حدیث سنائی تو آپ نے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو میری کتابوں میں موجود ہوگی۔ چنانچہ آپ نے اپنی کتابوں میں تلاش کی تو یہ حدیث مل گئی۔ اس مقام پر منکرین حدیث نے دو اعتراض کئے ہیں (۱) بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے عبداللہ بن عمرو کو علم حدیث زیادہ تھا۔ حالانکہ روایات کا ذخیرہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ منقول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں استثناء منقطع ہے اس لئے اس کا سابقہ جملہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ نیز کثرت علم کثرت روایت کو مستلزم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عبداللہ بن عمرو زیادہ تر شام میں رہے ہیں اور ابوہریرہ کا قیام مدینہ ہی میں رہا ہے۔ چونکہ دورِ اول میں علم کا مرکز مدینہ ہی تھا۔ لوگ تحقیق مسائل میں مدینہ ہی کے علماء کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو روایات بیان کرنے کا زیادہ موقع ملا۔

(۲) مستدرک حاکم میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں اور بخاری میں ہے "لا اکتب" اس کا جواب یہ ہے کہ ابوہریرہ خود لکھنا نہ جانتے تھے ان کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ دوسروں سے لکھوایا گیا تھا۔ (فتح الباری ص۱۸۴ ج ۱)

طبقات ابن سعد میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے خدمتِ نبوی میں عرض کیا کہ جو حدیثیں میں نے آپ سے بالمشافہہ سنی ہیں ان کے لکھنے کی اجازت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی پھر عبداللہ نے دریافت کیا کہ صرف حالتِ نشاط کی حدیثیں لکھوں یا حالتِ غضب کی بھی۔ آپ نے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں

نکلتا. چنانچہ انہوں نے احادیث کو جمع کیا اور اس کا نام "الصادقہ" رکھا۔ یہی واقعہ ابو داؤد کتاب العلم میں بھی ہے۔

جب لوگ قرآن کے معجزانہ اسلوب سے بخوبی واقف ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کتابت حدیث کی اجازت دی بلکہ لکھنے کا حکم دیا اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دینی مسائل اور پیغمبرانہ ہدایات خود لکھوائیں۔

کان رجل من الانصار یجلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث فیعجبہ ولا یحفظہ فشکی ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی لاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعن بیمینک واوما بیدہ للخط (رواہ الترمذی)

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور ابو شاہ یمنی کی درخواست پر وہ خطبہ لکھوا کر ان کو دیا، اکتبوا لابی شاہ (مفتاح السنۃ مصری ص۱۲ وبخاری)

عمرو بن حزم کو یمن بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفصل تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں صدقات، دیات، فرائض وغیرہ کے احکام تھے۔ (مفتاح السنۃ ص۱۸)

مسلم بن الحارث کے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شخص سے بشارت لکھوا کر دی (ابوداؤد)

طائف کے ایک شخص نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کی ایک کتاب سنائی تھی (ترمذی کتاب العلل) خطیب کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا مجموعہ تھا حضرت انس اپنی اولاد کو کتابت حدیث کا حکم دیا کرتے تھے (دارمی ص۶۸)

ابن عبد البر نے جامع میں عبد الرحمن بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب دکھا کر قسم کھائی اور کہا کہ یہ عبد اللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

عبد اللہ بن مسعود اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض احادیث کو لکھ کر صحیفہ کی صورت میں اپنے پاس رکھا (بخاری) بعض کثیر الروایات صحابہ مثلاً ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ، براء بن عازب اور انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مرویات کو ان کے شاگرد ان کے روبرو بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔

(دارمی ص ۶۸-۶۹، تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۱۹۸۔ کتاب العلل للترمذی)

حضرت عمر نے عمال حکومت کے لئے صدقۃ المواشیہ کے احکام لکھ رکھے تھے۔

(موطا مصری صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۵۲ پر اس قسم کی مثالیں ملاحظہ ہوں)

مگر اس زمانہ میں حفظ صدور پر زیادہ زور تھا عرب کے لوگ حافظہ میں مشہور تھے۔ طویل وعریض قصیدے مختلف مضامین کے انہیں یاد ہوتے تھے اور اونٹوں گھوڑوں کے نسب نامے حفظ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ان لوگوں نے خصوصیت سے وحی الٰہی سمجھ کر حفظ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو واجب الاتباع جان کر اس کی حفاظت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا تھا وہ دور و دراز سے سفر کر کے صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرتے تھے اور انہیں محفوظ رکھتے تھے۔ خود صحابہ نے دوسرے ممالک میں پہنچ کر حدیث کی تبلیغ کی۔

دارمی نے میمون بن مہران سے روایت کیا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو ابو بکر پہلے قرآن میں تلاش کرتے اگر قرآن سے فیصلہ نہ ملتا تو اپنی معلومات احادیث میں غور کرتے۔ اگر اس میں بھی قاصر رہتے تو صحابہ میں عام طور پر اعلان کرواتے کہ ہمارے یہاں اس قسم کا مسئلہ پیش آیا ہے کیا آپ صاحبوں میں سے کسی کو اس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگ آکر آپ سے علم نبوی بیان کرتے اور اسے سن کر آپ اللہ کا شکر کرتے کہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو یاد رکھنے والے موجود ہیں اور اگر اس پر بھی فیصلہ نہ ہوتا تو صحابہ سے مشورہ لے کر اتفاق رائے سے فیصلہ کر دیتے۔ اگر کوئی شخص ایسی بات کہتا جو صحابہ کرام میں مشہور و متعارف نہ ہوتی تو اس سے اس کے متعلق شہادت طلب کی جاتی خواہ وہ کیسا ہی معتبر کیوں نہ ہوتا۔

مغیرۃ بن شعبہ نے ابو بکر صدیق کے دریافت کرنے پر جب بتایا کہ جدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سدس دیا کرتے تھے تو آپ نے پوچھا هل معك احد؟ کیا کوئی تیرا گواہ ہے اس پر محمد بن مسلمہ نے بھی گواہی دی تب صدیق نے جدہ کو سدس دیا (بخاری ومسلم)

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا اور اس میں تکبیر جنازہ جزیۂ مجوس۔ طاعون۔ خبر الضحاك بن سفيان فی توریث المرأة من دیة زوجها۔ اور خبر سعد بن ابی وقاص فی المسح علی الخفین وغیرہ مسائل کا فیصلہ احادیث ہی کو..... حجت بنا کر کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے بیان کرنے پر شہادت طلب کی کہ جب کوئی مسلمان (باہر سے) تین مرتبہ سلام کہنے پر (اندر سے) جواب نہ پائے (اسے اندر آنے کی اجازت نہ ملے) تو واپس چلا جائے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق وشہادت پر ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پریشانی

رفع ہوتی (مفتاح السنۃ ص۱۹، ۲۰، حاکم، بخاری، مسلم)

ان واقعات سے ثابت ہوا کہ محدثین نے روایاتِ حدیث کی پوری چھان بین کی ہے۔ اسی وجہ سے اسماء الرجال اور اصولِ جرح و تعدیل کو مستقل فنون کی صورت میں مدون فرمایا۔ اور صرف انہی احادیث کو ٹھوس علمی شہادت کی بنا پر صحیح قرار دیا جو اصول روایت و درایت کے بلند معیار پر پوری اتریں اور تعارض کی حالت میں ان میں کوئی معقول صورت تطبیق کی دریافت ہو سکی اور قرآن کے خلاف کسی حدیث کو بھی قبول نہیں کیا۔

ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

"فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسیار از امہات فن حدیث روایت کردہ است و در دست مردم تاہنوز باقی است بعد ازان فاروق اعظم علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم را باقلیم دار الاسلام روان ساخت و امر کرد باقامت شہرہا و بروایت حدیث در آنجا"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایتِ حدیث کا اس قدر شغف تھا اور حدیث کی تبلیغ و اشاعت اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ فرماتے ہیں:-

"اگر تم میرے قتل کے لئے میری گردن پر تلوار رکھدو اور مجھے یہ امید ہو کہ مرنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کلمہ بھی جو میں نے سنا ہے پہنچا سکوں تو میں ضرور کہہ دوں گا" (بخاری)

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب احادیث بیان کرتے تو سننے والوں کے ذوق و شوق کی یہ حالت ہوتی تھی کہ آدمیوں کی دیوار آپ کے سامنے کھڑی ہو جاتی۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لوگوں کی کثرت اور ہجوم کے سبب مکانوں کی چھت پر چڑھ کر روایت بیان کرتے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما زمانہ نبوی میں کم سن تھے، آپ زیادہ عمر کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دروازوں پر صبح کے وقت سے لیکر دوپہر تک صرف اس لئے بیٹھے رہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات وہ بیان کریں تو اسے لکھ لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بہت سے اجلّہ صحابہ مثلاً معاذ بن جبل، عمرو بن حزم، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، زید بن ثابت، ابو الدرداء، ابو ذر، ابو موسیٰ اشعری وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم مکہ، مدینہ کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن وغیرہ بلاد مملکتِ اسلامیہ میں پھیل گئے اور ہر جگہ انہوں نے کتاب و سنت کی تعلیم دی۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ آیا۔ انہوں نے دنیائے اسلام کے بعید سے بعید گوشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کمالِ حفاظت کے ساتھ پہنچایا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اگرچہ ذاتی یادداشتیں لکھی ہوئی تھیں۔ مگر حدیث کی کوئی مرتب کتاب نہ تھی پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبدالعزیز متوفی ۱۰۱ھ نے مدینہ منورہ کے والی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا:-

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذہاب العلماء — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھ لو۔ مجھے حدیث کے مٹ جانے کا خوف ہے۔

(مفتاح السنۃ ص ۲۱)

اور اسے یہ بھی لکھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (متوفاۃ ۹۸ھ) اور القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (متوفی ۱۲۰ھ) کی احادیث کے جو مجموعے ہیں وہ لکھ کر ان کے پاس بھیجے۔

اسی طرح دوسرے بڑے شہروں مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور یمن وغیرہ میں اپنے عمال کو تدوین حدیث کے لئے لکھا۔ امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن الشہاب الزہری المدنی (المتوفی ۱۲۴ھ) بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو تدوین حدیث کے متعلق لکھا گیا تھا (مفتاح السنۃ)

خلیفہ عادل کی اس ہدایت نے محدثین کی حوصلہ افزائی کی اور انہوں نے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیا اور احادیث کی تدوین کا کام بڑے پیمانہ پر شروع ہوگیا۔ اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت محمد بن مسلم زہری کی ہے۔ ان کی پیدائش ۵۰ھ میں ہوئی۔ سنن و آثار نبوی کے قصر کے یہ چھ ستون فن حدیث میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ امام زہری (مدینہ میں) عمرو بن دینار (مکہ میں) قتادہ و یحییٰ بن کثیر (بصرہ میں) ابواسحٰق وسلیمان اعمش (کوفہ میں)۔

امام زہری تابعین کے طبقہ اولیٰ کے محدثین میں سے ہیں جنہوں نے احادیث کو قلمبند کیا۔ بعد میں اسی دوسری صدی میں جو طبقہ ثانیہ آیا اس میں تدوین کا کام عام اور شائع ہوگیا۔ چنانچہ ابن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں احادیث کو بصورتِ کتابت جمع کیا (مدینہ منورہ میں) ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ (بصرہ میں) ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ (کوفہ میں) سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ (شام میں) اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ (یمن میں) معمر متوفی ۱۵۳ھ اور خراسان میں ابن المبارک متوفی ۱۸۱ھ وغیرہ نے احادیث کو لکھ کر مدون کیا۔ جس میں اقوال صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ بھی مختلط تھے۔ اسی دور ہی میں سفیان بن عیینہ مکہ میں۔ حماد بن سلمہ وسعید بن ابی عروبہ بصرہ میں۔ ہشیم بن بشیر واسط میں۔ وکیع بن الجراح شام میں۔ عبدالرزاق یمن میں۔ جریر بن عبداللہ ری میں وغیرہم ایسے جلیل القدر محدثین گذرے ہیں جن کے کارنامے حیات ابدی پا چکے ہیں۔ دوسری صدی کی چند مستند کتابیں یہ ہیں:-

(۱) مصنف اللیث بن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) (۲) موطا امام مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ)

(۳) مصنف سفیان بن عیینہ (متوفی ۱۹۸ھ) (۴) مسند الامام الشافعی (متوفی ۲۰۴ھ)

اس کے بعد تیسری صدی ہجری خدمت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیل القدر زمانہ ہے۔ اس میں صحاح ستہ وغیرہا مستند کتب کی تدوین ہوئی اور آج تک علوم نبوت کے یہ نورانی منابع بکمالہا ضوء افگن ہیں۔

صحاح ستہ یہ ہیں:۔

(۱) صحیح البخاری (متوفی ۲۵۶ھ) (۲) صحیح مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) (۳) سنن ابی داؤد (متوفی ۲۷۵ھ) (۴) سنن الترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) (۵) سنن النسائی (متوفی ۳۰۳ھ) (۶) سنن ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب بھی اسی تیسری صدی میں مدون ہوئیں۔

(۷) مسند احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) (۸) مسند اسحٰق بن راہویہ (متوفی ۲۳۷ھ) (۹) مسند عبد بن حمید (متوفی ۲۴۹ھ) (۱۰) مسند الدارمی (متوفی ۲۵۵ھ) (۱۱) المسند الکبیر للقرطبی (متوفی ۲۷۶ھ) (۱۲) مسند ابی یعلی الموصلی (متوفی ۳۰۷ھ) (۱۳) تہذیب الآثار للامام محمد بن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) وغیرہا

محدثین کے علاوہ ائمہ فقہ نے بھی حدیث کی روایت کی اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ان کے احکام اور فتاوی کی بنیاد ہوتی تھی۔

امام ابوحنیفہ۔ ولادت ۸۰ھ۔ وفات ۱۵۰ھ۔ امام مالک، ولادت ۹۳ھ وفات ۱۷۹ھ۔ امام شافعی ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ۔ امام احمد ولادت ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ۔ امام ابو یوسف ولادت ۱۱۳ھ وفات ۱۸۲ھ۔ امام محمد بن حسن ولادت ۱۳۵ھ وفات ۱۸۹ھ

غرضیکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک تبلیغ اور حفاظت اکمل طریقہ سے چلی آئی ہے اور جمیع امت اس سے استدلال کرتی آئی تو آج اسے ناقابل اعتبار قرار دینا صریح ضلالت اور گمراہی ہے۔ آیات قرآنیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ امت پر واجب الاتباع ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ پس اگر احادیث کے ہم تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ قابل وثوق ہی نہیں تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے ایسا لغو اور فضول حکم کیوں دیا جس پر عمل کرنا ہمارے لئے ممکن ہی نہ ہو۔

محدثین نے حفاظت حدیث کا ہر ممکن طریقہ اختیار فرمایا۔ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے دور و دراز ممالک کے پاپیادہ سفر کئے، بے پناہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں۔ پھر حاصل کرنے کے بعد تبلیغ میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا چنانچہ امام بخاری نے علم حدیث کی خاطر مکہ، مدینہ، شام، بخارا، مرو، ہرات، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، بلخ نیشاپور اور دیگر بہت سے جزائر کا ایسے زمانہ میں سفر کیا جب کہ ریل، موٹر وغیرہ سواری کا کوئی بندوبست

نہ تھا جہاں حدیث کا پتہ چلتا پاپیادہ وہاں پہنچ جاتے۔ ایک ہزار اسی شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور امام بخاری سے روبرو بلاواسطہ علم حدیث حاصل کرنے والے شاگردوں کی تعداد نوّے ہزار ہے۔

یہ تو تحصیل حدیث اور تبلیغ کی حالت تھی۔ پھر صحیح اور موضوع حدیث کو پرکھنے کے لئے محدثین نے اسماء الرجال کا فن لکھا۔ اسناد کی پوری تنقیح اور تنقید کی، حدیث کی صحت و سقم کو پرکھنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا۔ جس حدیث میں ذرا بھی ضعف معلوم ہوا یا شک پیدا ہوا اس حدیث کو کتاب میں درج ہی نہیں کیا اگر کسی محدث نے درج کیا بھی تو اس کے ضعف کو واضح کر دیا۔ ان محدثین کے تقوی اور پرہیزگاری کی حالت اگر بیان کی جائے تو اس کے لئے دفاتر بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کا التزام فرماتے تھے۔ پھر اسناد میں یہاں تک احتیاط کی کہ راوی اور مروی عنہ اگر ایک ہی زمانہ میں گزرے ہوں۔ اُن کا آپس میں لقاء بھی ممکن ہو۔ مگر جب تک ان کا لقاء ثابت نہ ہو جاتے امام بخاری اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے، اگرچہ یہ راوی کتنا ہی عادل اور ثقہ کیوں نہ ہو۔

دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباعِ حدیث کو بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (۲-۱۷۰) میں داخل کرنا انتہائی بد طینتی اور کج روی ہے۔ اتباعِ آباء ضلالت اور گمراہی میں ممنوع ہے نہ کہ رُشد و ہدایت میں۔ قرآن مجید میں بنو یعقوب علیہ السلام کا قول منقول ہے:۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰـهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲-۱۳۳)

ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق کے واحد معبود کی عبادت کرتے رہیں گے۔

دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود رسول دشمنی میں تاریخ سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ تاریخ کی صحت کے لئے کوئی سند نہیں۔ تاریخ میں سکندر اور دارا وغیرہ کے مفصل قصے مذکور ہیں مگر کوئی شخص اگر سکندر یا دارا کے وجود ہی کا انکار کر دے یا کسی واقعہ کو تسلیم نہ کرے تو اس کے اثبات کے لئے کیا دلیل اور سند ہو سکتی ہے؟ بخلاف حدیث کے کہ اس کی ہر جزئی سند اور دلیل سے ثابت ہے پھر سند کی بھی پوری تنقیح و تنقید اور ہر ممکن ذریعہ سے جانچ پڑتال کی گئی ہے اور ٹھوس علمی شہادت کے بعد قبول کی گئی ہے۔

تیسرا اعتراض:۔ بہت سی حدیثیں بالاتفاق موضوع ہیں اور بہت سے راوی خود حدیثیں بنایا کرتے تھے۔ لہٰذا اب کیسے معلوم ہو سکے کہ صحیح حدیث کونسی ہے اور موضوع کونسی؟

جواب:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے دشمنانِ دین خود حدیثیں بنا کر اسلام کو نقصان

پہنچانا چاہتے تھے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی حفاظت تاقیامت منظور ہے۔ کیونکہ اس پر عمل کرنے کا حکم جمیع امت کو دے چکے ہیں۔ اس لئے محدثین نے صحیح اور موضوع حدیث پر کھنے کے لئے ایسے اصول اور معیار قائم کر دیئے اور ان اصولوں کی وضاحت کے لئے مستقل فنون مدوّن کئے جن سے کھوٹی اور کھری میں امتیاز قائم ہو جائے کسی حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا علم ہو جانا یہ خود حجیتِ حدیث پر دلیل ہے۔ کیوں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محدثین نے موضوع حدیثوں کو چن چن کر ذخیرۂ حدیث سے باہر کر دیا ہے۔

چوتھا اعتراض:- دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ قرآنی اصول قیامت تک کیلئے مؤبّد ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ضروری مسائل بیان فرمائے وہ قیامت تک کے لئے نہیں بلکہ اس زمانہ کے لحاظ سے اسی وقت کے ساتھ خاص تھے اور ہر زمانہ کے مطابق ان جزئیات میں تغیر و تبدّل کیا جا سکتا ہے اگر یہ جزئیات بھی مؤبّد ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اصول کی طرح ان کو بھی قرآن میں کیوں بیان نہیں کیا؟

جواب:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ جزئیات بھی تاقیامت مؤبّد ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے جمیع امت کو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ہم آیاتِ قرآنیہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ باقی یہ سوال رہا کہ پھر ان جزئیات کو قرآن میں کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ سو ہم کہتے ہیں کہ جزئیات کو قرآن نے اگرچہ تفصیلاً بیان نہیں کیا مگر اطیعوا الرّسول کی کلّی کے ضمن میں سب جزئیات کا حکم قرآن سے ثابت ہو جاتا ہے۔ نیز وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (۵۳-۴) سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ جزئیات بھی وحی الٰہی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار ممبر پر چڑھ کر مسلمانوں کو مخاطب کیا

ایھا الناس ان الرأی انما کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبا ان اللہ کان یریہ وانما ھو منا الظن والتکلف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتی تھی، اس لئے یقیناً صحیح ہوتی تھی اور ہماری رائے ظنی ہوتی ہے

منکرینِ حدیث کا تذبذب

منکرینِ حدیث تاحال اپنا دعویٰ متعین نہیں کر سکے۔

(۱) کبھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل مطلقاً حجت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے، وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے۔ ہر زمانہ کے لحاظ سے

ان احکام میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔

(پرویز معارف جلد۴ ص۱۹۲)

(طلوع اسلام جون ۵۰ء ص۴۷)

(۲) اور کبھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجت تو ہے۔ مگر چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچا اس لئے ظنی ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں رہا۔ (پرویز۔ طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۰ء ص۴۹)

(اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام نومبر ۱۹۵۰ء ص۴۳)

(۳) اور کسی وقت یوں کہتے ہیں کہ روایاتِ حدیث کا سلسلہ قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حدیث کو تاریخی درجہ بھی حاصل نہیں۔

(پرویز۔ طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۲ء ص۸)

منکرینِ حدیث کے اس تذبذب سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی جملہ مساعی کا مقصد صرف یہ ہے کہ حدیث کا کسی نہ کسی طریقہ سے انکار کر کے آزادانہ زندگی بسر کریں اس مقصد کے لئے وہ جہاں کہیں جیسا موقع پاتے ہیں ویسی ہی بات منہ سے نکال دیتے ہیں۔ اس امر کی کچھ پروا نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ آخر میں ہم منکرینِ حدیث کو بطور نصیحت کہتے ہیں کہ ؎

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ ○

رشید احمد

۱۶ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ

ضمیمہ

ایک مستقل سوال کے جواب میں رسالہ "فتنہ انکار حدیث" کا خلاصہ لکھا گیا تھا جو درج ذیل ہے۔

منکرینِ حدیث کے متضاد نظریات پر ایک نظر

سوال: کتب حدیث میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لا تکتبوا عنی غیر القرآن" اور "ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ" موجود ہے؟ اگر ہے تو اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس قسم کے سوالات کا منشأ فتنۂ انکار حدیث ہے۔ جو آجکل نہایت آب و تاب سے پھل پھول رہا ہے حدیث کے بارے میں منکرینِ حدیث کی طرف سے تین قسم کے متضاد خیالات اشاعت میں آرہے ہیں۔

① قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے۔

(پرویز۔ طلوع اسلام)

روایاتِ حدیث کا پورا سلسلہ قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے۔ (پرویز طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۲ء ص ۲)

مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تشریح کی قطعًا حاجت نہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر بھی واجب الاتباع نہ تھا۔

② حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے۔ ہر زمانہ کے لحاظ سے ان احکام میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔

(پرویز۔ معارف جلد ۴ ص ۲۹۲، اور طلوع اسلام جون ۱۹۵۰ء ص ۴)

یعنی آپ کا فرمان آپ کے زمانہ میں حجت تھا۔ ہم پر حجت نہیں۔

③ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجت تو ہے مگر چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچا اس لئے ظنی ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں رہا۔

(پرویز طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۰ء ص ۴۹۔ اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام نومبر ۱۹۵۰ء ص ۳۰)

اگر منکرین حدیث کے مختلف گروہوں کے یہ مختلف خیالات ہوتے تو کوئی تعجب نہ ہوتا۔ عجیب امر ہے کہ ایک ہی گروہ بلکہ ایک ہی شخص مختلف آراء اور متضاد خیالات کا اظہار کر رہا ہے۔ جسے دیکھ کر دو شقوں میں سے ایک کا تسلیم کرنا ناگزیر ہوجاتا ہے۔ یعنی یا تو ان کو مجنون سمجھ کر معذور خیال کیا جائے اور یا یوں کہا جائے کہ ان کا کوئی نصب العین اور نظریہ متعین نہیں ہے۔ بلکہ اس ساری تگ و دو سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے ہر طرح سے آزادانہ زندگی بسر کریں۔ اس لئے جس قسم کا موقع

پاتے ہیں ویسی ہی بات منہ سے نکال دیتے ہیں، اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ ہم قبل ازیں ان کا پول کھولنے کے لئے مختلف مضامین بذریعہ اخبارات و رسائل شائع کر چکے ہیں۔ اس وقت ہم ان تین قسم کے مختلف نظریات پر بالاختصار بحث کرنا چاہتے ہیں۔

ابطالِ نظریۂ اُولیٰ

① وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا (۴۲-۵۱)

اس آیت میں وحی کو ارسالِ رسول کے مقابلہ میں ذکر کرنا دال ہے کہ بغیر ارسالِ رسول کے بھی وحی ہوتی ہے۔ یہی حدیث ہے۔

② وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا الخ (۲-۱۴۳) سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف استقبال حکم الٰہی تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم مذکور نہیں۔

③ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ (۲-۱۸۷) سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں رمضان شریف کی رات میں بھی جماع کرنا حرام تھا۔ یہ حرمت حدیث ہی سے تھی قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں۔

④ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ الخ (۳-۱۲۳) اُحد کے موقع پر نازل ہوئی جس میں مذکور ہے کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے انزالِ ملائکہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن میں موقعہ بدر پر اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ انزالِ ملائکہ کا وعدہ وحی غیر متلو سے تھا جو حدیث ہے۔

⑤ قرآن میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث مذکور ہیں جو حجیتِ حدیث پر واضح دلیل ہے۔ جب انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث کا ان کی امتوں پر واجب الاتباع ہونا قرآن سے ثابت ہے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہم پر کیوں واجب العمل نہ ہوگی؟

⑥ قرآن کریم میں جا بجا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ارشاد ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل قابلِ اعتبار نہیں تو أَطِيعُوا اللَّهَ کے ساتھ أَطِيعُوا الرَّسُولَ کا لفظ بار بار کیوں ذکر کیا گیا؟ قرآن میں کئی جگہ پر بار بار اطاعتِ رسول کی تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر وعید شدید سنائی گئی ہے۔

⑦ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۳-۱۶۴) یہ آیت معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر محکم ہے۔ اس میں صاف دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا کام ڈاک کے ہرکارے کی طرح

محض بلاغ ہی نہ تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اور حکمت کے معلّم اور مسلمانوں کے لئے مزکّی بھی تھے۔ تعلیم الکتاب کا فرض جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگایا گیا تو آپ اس فرض کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کے طلبہ (صحابہ) آپ سے کسی آیت کے بارے میں دریافت ہی نہ کرتے تھے؟ اور اگر کچھ دریافت کرتے تو کیا آپ ان کے جواب میں قرآن ہی کی کوئی آیت پیش فرما دیتے تھے؟ کیا یہ طریق تعلیم قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک معلّم کسی کتاب کی تعلیم دے تو طلبہ تلاوتِ متن اور سماع کے سوا کوئی بات دریافت ہی نہ کریں اور اگر کچھ دریافت کریں تو اُستاد اس کے جواب میں کتاب ہی کا متن پڑھ دے۔ اپنی زبان سے کچھ تشریح نہ کرے۔ مُعلّم کا فرض ہے کہ کتاب کے مجملات کی تفسیر اور تشریح کرے طلبہ کے اعتراضات اور خدشات کو حل کرے۔ کتاب کے مفہوم اور معنی کو واضح طور پر سمجھائے۔ اگر قرآن مجید کے لئے حدیث کی ضرورت ہی نہیں، ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے تو پرویز (علیہ ما علیہ) نے "معارف القرآن" لکھکر حماقت کا ثبوت کیوں دیا؟ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تو قابلِ قبول نہ ہو، اور اس گستاخ (خاک بدہنش) کی تفسیر قبول ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اپنے قول اور فعل سے قرآن کی تشریح فرماتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا تزکیہ کرتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل قابلِ اعتبار نہیں تو معلّم الکتاب اور مزکّی کیسے ہوئے؟

⑧ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے جس میں صریح دلیل ہے کہ نبی کا خواب بھی حجّت اور واجب العمل ہے۔ حالانکہ خواب وحی متلو نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہزار تمناؤں کے بعد آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے فرزند عزیز عطا فرمایا۔ پھر حالت رضاع ہی سے برسوں تک اکلوتے بیٹے کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر فراق کے صدمے برداشت کئے مگر خلیل علیہ السلام کے مقام تسلیم و رضا کے امتحان کی ایک شدید ترین گھاٹی ناحال باقی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب کو وحی الٰہی یقین فرما کر بغیر کسی قسم کے تردّد کے تعمیلِ حکم کے لئے نہ صرف آمادہ ہو جاتے ہیں بلکہ لختِ جگر کو قربان کرنے کا عمل بھی نہایت مستعدی سے شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزیز ترین اکلوتے بیٹے کے ذبح کا اقدام کرنا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فافعل ما تریٰ کے بجائے "فَافْعَلْ مَا تُؤْمَرُ" کہنا، اور اللہ تعالیٰ کا "قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا" اور "وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ" ارشاد فرمانا اور اس امتحان کو "بلاء مُبین" سے تعبیر فرمانا، یہ جملہ امور واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ذبح ولد کا حکم ہوا تھا اور وہ حکم واجب العمل بھی تھا۔

⑨ كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ الخ میں تصریح فرمائی جا رہی ہے کہ منافقین کو غزوۂ خیبر میں شرکت کی اجازت نہ دینے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کر دیا ہے حالانکہ اس آیت کے سوا اس فیصلہ کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ وحی غیر متلو سے ہوا تھا۔

(۱۰) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱۶-۴۴) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تبیین وتشریح ہے۔

(۱۱) ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (۷۵-۱۹) سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بیان کا ذمہ لیا ہے اب غور طلب یہ امر ہے کہ اگر قرآن کا بیان خود قرآن ہی کی آیت سے کیا تو اس آیت کے لئے بھی بیان کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ بیانہ کی ضمیر کا مرجع کل قرآن ہے پس ہر جزء قرآن محتاج بیان ہوا۔ اب اگر ایک آیت کا بیان دوسری آیت سے ہوا تو اس دوسری آیت کا بیان کسی تیسری سے ہوگا، پھر وہ تیسری آیت بھی محتاج بیان، تو اس کے لئے چوتھی آیت ضروری ہوئی۔ پس تسلسل یا دور لازم آئے گا اور یہ دونوں امر باطل ہیں اور باطل کو مستلزم امر خود باطل ہوتا ہے معلوم ہوا کہ قرآن کا بیان خود قرآن سے باطل ہے۔ پس قرآن کا بیان غیر قرآن سے ہوگا جو حدیث ہے۔

منکرین حدیث کا وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر) سے استدلال باطل ہے۔ اس لئے کہ قرآن کے مضامین دو قسم کے ہیں ایک احکام، دوسرے توحید و رسالت کے دلائل اور انذار وتخویف کے مضامین اور تذکیر کے لئے امم سابقہ میں سے منکرین کے قصص۔ سو تیسیر قرآن باعتبار تذکیر کے ہے نہ باعتبار استنباط احکام کے، اس پر چند دلائل ہیں۔ (۱) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا کو لِلذِّكْرِ سے مقید کرنا (۲) فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ کا ترتب تیسیر پر (۳) قصص انذار وتخویف کے ساتھ بار بار اس آیت تیسیر کا اعادہ (۴) اگر تیسیر کو عام لیا جائے تو یہ آیت معارض ہوگی آیات مذکورۃ الصدر سے جن سے معلم القرآن اور اس کی تبیین وتشریح کی ضرورت ثابت ہوئی۔ پس وجہ توفیق یہی ہوگی کہ تیسیر قرآن محض بحسب تذکیر ہے اور استنباط احکام میں قرآن معلم کی تبیین وتشریح کا محتاج ہے اس کے باوجود وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ سے تفکر وتدبر کی حاجت ظاہر فرمادی۔

(۱۲) وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ (الی قولہ) نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (۶۶-۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک راز کے اخفاء کی تاکید کے باوجود جب ایک بی بی نے اس کا افشاء کردیا تو اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی جو وحی غیر متلو سے تھی۔ کیونکہ قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔

(۱۳) لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (۲-۱۸۵) میں فرمایا کہ احکام حج اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ طریق کے مطابق ادا کرو۔ حالانکہ قرآن میں احکام حج کی تفصیل مذکور نہیں۔ سو اس آیت میں حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں احکام کی پوری تفصیل ہے۔

(۱۴) بہت سے انبیاء علیہم السلام کتاب کے بغیر مبعوث ہوئے ہیں۔ پس اگر قول رسول حجت نہیں تو

ایسے انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے کیا فائدہ ؟

دلائل عقلیہ

(۱) قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔ نمازوں کے اوقات خمسہ تعداد رکعات، فرائض اور واجبات کی تفاصیل۔ صوم وزکوٰۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، قربانی وغیرہ، بیع وشراء، امور خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین۔ ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے۔ پس حدیث کا انکار سارے نظام اسلامی سے یکسر ہاتھ دھو بیٹھنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح بول وبراز، کتے، گیدڑ وغیرہ کی حرمت کا قرآن میں ذکر نہیں۔ چنانچہ اسی اعتراض سے بچنے کے لئے منکرین حدیث ان جملہ اشیاء خبیثہ کی حلت کے قائل ہیں۔ بلکہ محمد صبیح ایڈوکیٹ لکھتا ہے کہ قرآن میں مذکورہ چار چیزوں کے سوا باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے کھانے سے انکار کر دینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے۔

(طلوع اسلام جون ۵۲ء)

یعنی کتا، گدھا، گیدڑ، بلی، چوہا حتی کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کا کھانا فرض ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ منکرین حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے فرض اور ثواب سمجھ کر مذکورہ چیزیں بشاشہ روز مزے لے لے کر کھاتے ہوں گے (سوّد اللہ تعالیٰ وجوہہم)

(۲) اگر احادیث کے راوی قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والے تھے اس لئے حدیث قابل قبول نہیں تو قرآن بھی تو انہی وسائط سے ہم تک پہنچا ہے۔ پس قرآن پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اگر کہا جائے کہ قرآن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵-۹) تو ہم کہتے ہیں کہ خود اس آیت کی صداقت پر کیسے اعتماد ہوگا؟ یہ بھی تو انہی لوگوں کی وساطت ہی سے ہم تک پہنچی ہے جو حدیث میں وسائط ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کا اعجاز فی البلاغہ اس کی صداقت پر دال ہے کیونکہ اولاً تو قرآن کا معجز من حیث البلاغہ ہونا مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اعجاز من حیث الاخبار عن المغیبات وغیرہ کا قول کیا ہے جس کی تصدیق مذکورہ وسائط ہی کے ذریعہ سے منقول ہے۔ ثانیاً قلیل تغیر اور بعض مواقع پر ترتیب کی تبدیلی سے اعجاز فی البلاغہ میں بظاہر کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ جیسا کہ "اَلَمْ اَعْهَدْ" پر مختصر المعانی میں بحث کی گئی ہے۔ ثالثاً اعجاز فی البلاغہ معیار صداقت تب ہوگا کہ تحدّی ثابت ہو اور آیات تحدّی مذکورہ وسائط ہی سے منقول ہیں۔ رابعاً تحدّی من حیث البلاغہ زمانۂ موجودہ میں تو معیار صداقت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تحدّی ایسی چیز کی مفید ہوگی

جس کا دنیا میں بہت زور و چرچا ہو۔ ظاہر ہے کہ دورِ حاضر میں علم البلاغہ کی بنسبت سائنس کا بہت زیادہ چرچا ہے۔ پس بلاغت کے لحاظ سے تحدی صرف زمانۂ تنزیل کے ساتھ مخصوص ہوگی اور اُس وقت میں اہلِ بلاغت کا قرآن کے مثل سے عاجز ہو جانا قیامِ قیامت تک کے لیے صداقتِ قرآن پر دلیل ہوگا یعنی زمانہ حاضرہ میں صداقتِ قرآن پر یہ دلیل نہیں کہ ہم اس کے مثل سے عاجز ہیں بلکہ دلیل یہ ہے کہ بلاغت کے مشہور دور میں بڑے بڑے بلغاء اس کے مثل سے عاجز رہے اور یہ جملہ امور یعنی یہ کہ زمانۂ تنزیل دورِ بلاغت تھا اور یہ کہ اس زمانہ میں قرآن نے تحدّی من حیث البلاغہ کی تھی اور یہ کہ مشاہیر بلغاء قرآن کے مثل سے عاجز رہے تھے، انہی کے واسطہ سے منقول ہیں جن کو قرآن کے خلاف عجمی سازشی کہا جا رہا ہے۔

(۳) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ و من بعدہم جمیع امتِ مسلمہ جو حدیث کو حجت تسلیم کرتی آئی ہے کیا اس میں ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ یا جان بوجھ کر ایسا کرتے رہے؟ اگر اجتہادی غلطی ہوئی یعنی حقیقت میں حدیث قابلِ اعتبار نہ تھی مگر اسلاف سے غلطی ہوگئی کہ وہ اسے قابلِ عمل سمجھتے رہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ ساری امت کے متقدمین اور متأخرین علماء و صلحاء تمام تر اسلاف اسی اجتہادی غلطی ہی میں صدیوں تک مبتلا رہے؟ کسی ایک فرد نے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کیا؟ اور اگر اسلاف حدیث کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے تھے اس کے باوجود جان بوجھ کر حدیثیں بیان کر کے قرآن کے خلاف سازشیں کرتے آئے ہیں تو اس امت میں سے مؤمن کون باقی رہا؟ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، محدثین اور جمیع سلف صالحین تو نعوذ باللہ خاک بدہن گستاخ قرآن کے مخالف تھے کیا مذہبِ اسلام کی چودہ صد سالہ زندگی میں پہلا مومن صرف پرویز (علیہ ما علیہ) ہی ہے؟ جو دین چودہ سو سال تک صرف مخالفین اور دشمنوں کے قبضہ میں رہا ہو اتنی طویل مدت تک اس کا کوئی محافظ اور اسے قبول کرنے والا پیدا ہی نہ ہوا ہو، ایسے دین پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

(۴) یہ امر دریافت طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں کو رسول کے واسطہ سے کیوں اتارا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہر فردِ بشر کے پاس لکھی لکھائی کتاب بلا واسطہ رسول کے بھیج دیتے تو یہ صریح معجزہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مؤثر ہوتا۔ کفار خود اس کے طالب بھی تھے کہ لکھی لکھائی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہو سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو منہ مانگا معجزہ ہونے کے باعث زیادہ سببِ ہدایت ہوتا۔ مگر پھر بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ رسولوں کی معرفت کتابیں نازل فرمائیں اور رسول بھی صرف انسانوں میں سے منتخب فرمائے۔ کفار کہتے تھے کہ پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کیوں نہیں بھیجے تاکہ ہمیں احکام کے منزّل من اللہ ہونے کا یقین ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (۶-۹) وَلَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (۱۷-۹۵) غرضیکہ سوال یہ ہے کہ تنزیل کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے بالخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب خود کلام اللہ میں موجود ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء ۹) یعنی خدا نے جتنے رسول بھیجے ان کی بعثت کا مقصد صرف یہ رہا کہ وہ قوانینِ خداوندی کے مطابق حکم دیں اور خود قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کریں اور نازل شدہ احکام کو برت کر امت کے لئے ایک نمونہ قائم کر دیں تاکہ امت ان کا اتباع کرے اگر بلا واسطہ رسول کے احکام نازل کر دیئے جاتے اور ان کی تفصیل و تشریح کرنے والا اور عملی جامہ پہنانے والا کوئی نہ آتا تو لوگ آیات کے مفہوم اور معانی میں اختلاف کرتے اور منشأ الٰہی سمجھنے میں غلطی کرتے ان کو سمجھانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو تو کسی حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے۔ مگر ان کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے کہ فرشتے تو قوتِ شہوانیہ اور غضبیہ سے منزہ ہیں اور انسانی حوائج وضروریات سے مستغنی ہیں اس لئے تقویٰ اور طہارت و پاکیزگی کے احکام میں انسان فرشتے کی تقلید نہیں کر سکتا۔ انسان پیٹ رکھتا ہے، کھانے، پینے، پیشاب، پاخانہ کا محتاج ہے۔ شہوت اور غضب کی قوت رکھتا ہے۔ جذبات و داعیات اور امراض وعوارض کا شکار رہتا ہے۔ بیوی بچوں کے جنجال میں جکڑا رہتا ہے۔ اس لئے فرشتے کا اتباع انسان کے بس کا کام نہیں۔ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے فرشتے کی متقیانہ زندگی کی تقلید کیسے کریں؟ اس لئے ضروری تھا کہ رسول انہی جذبات وعوارضِ انسانیہ کے ساتھ زمین پر آتا۔ اسے بھی وہ تمام معاملات پیش آتے جو ایک عام انسان کو پیش آتے ہیں۔ تاکہ وہ قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کر کے دکھاتا کہ کس طرح انسان خدا کے نازل کردہ قوانین پر عمل کرے۔ قدم قدم پر لوگوں کو اپنے قول اور عمل سے ہدایات دیتا اور انہیں سمجھاتا کہ انسان زندگی کی پیچیدہ راہوں سے کس طرح بچ کر صراطِ مستقیم پر چل سکتا ہے۔ غرضیکہ لفظوں میں نازل کردہ احکام کو عملی جامہ پہنا کر امت کے لئے اسوۂ حیات قائم کر دیتا۔ بس یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب کو ہمارے لئے کافی نہ سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ ہم پر لازم کر دیا۔

ابطالِ نظریۂ ثانیہ

اگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات صرف آپ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھیں بعد میں حجت

نہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیام قیامت تک کے لئے عام نہیں۔ حالانکہ مندرجہ ذیل آیات اس کی تردید کر رہی ہیں۔

(۱) اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ حکم قرآنی عام اور قیام قیامت تک کے لئے ثابت رہیگا اگر ہم پر قرآن حجت ہے تو قرآن کا یہ جملہ کیوں کر حجت نہ ہوگا؟

(۲) یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (۷-۱۵۸)

(۳) وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ (۲۱-۱۰۷)

(۴) وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۳۴-۲۸)

(۵) تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ○ (۲۵-۱)

(۶) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ○ (۳۳-۳۸)

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے معلم کی ضرورت ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی جدید معلم (رسول) نہیں آسکتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہیں۔

(۷) رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (۴-۱۶۵)
اگر حدیث ہم پر حجت نہیں تو ہم پر اتمام حجت کیسے ہوا؟ جو کہ بعثت سے مقصود ہے۔

دلائلِ عقلیہ

(۱) کتاب اللہ کے سمجھنے کے لئے معلم الکتاب کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو رسول کیوں مبعوث فرمایا گیا اور حضور کے اہل زمانہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کیوں واجب الاتباع قرار دیا گیا؟ اور اگر معلم کی ضرورت ہے تو ہم ان تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ ہم تو خود بخود کتاب اللہ کو سمجھ سکیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے معلم کی ضرورت پڑے۔ ما بہ الفرق کیا چیز ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل لسان تھے، محاورات سے واقف تھے۔ ان کو مواقع تنزیل کا مشاہدہ اور شان نزول کا علم تھا۔ خطاب الٰہی کے مخاطبین اولین تھے اس کے باوجود ان کے لئے تو معلم الکتاب کی ضرورت ہو اور ہمارے لئے کوئی ضرورت نہ ہو؟

(۲) وہ دلیل جو نظریہ اولیٰ کی تردید میں دلائل عقلیہ کے تحت نمبر ۳ میں گذری۔ یعنی جمیع امت

جو حدیث کو آج تک قبول کرتی آئی ہے ان سے اجتہادی خطا ہوئی ہے یا کہ جان بوجھ کر قرآن کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں۔ دونوں شقیں خلافِ عقل اور مردود ہیں۔

ابطالِ نظریۂ ثالثہ

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حدیث ظنی ہے اور ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ منکرین حدیث کا یہ استدلال محض دجل اور تلبیس ہے۔ لفظِ ظن تین معنوں میں مستعمل ہے۔

(۱) اٹکل یعنی بلا دلیل محض گمان اور تخمین۔

(۲) شواہد و قرائن سے ظنِ غالب۔

(۳) علم یقینی نظری واستدلالی جو دلیل و برہان سے قطعی طور پر حاصل ہوا ہو۔ مندرجۂ ذیل آیاتِ قرآنیہ میں لفظ ظن اسی علم یقینی کے معنی میں مذکور ہے

(۱) يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ (۲ - ۴۶)

(۲) قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُوا اللَّهِ (۲-۲۴۹)

(۳) وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (۳۸-۲۴)

(۴) كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ (۷۵ - ۲۸)

(۵) أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (۸۳ - ۵)

قرآن نے ظن بمعنی محض اٹکل وتخمین کی پیروی سے منع کیا ہے۔ احادیث کا سلسلہ محض اٹکل اور تخمین نہیں ہے پس احادیث کو ظن کے معنی ثانی (ظن غالب) اور معنی ثالث (علم یقینی استدلالی) کے لحاظ سے ظنی کہا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث علم یقینی استدلالی کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔ حافظ ابن حجر شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں وقد یقع فیہا ای فی اخبار الآحاد المنقسمۃ الی مشہور وعزیز وغریب ما یفید العلم النظری بالقرائن علی المختار خلافاً لمن ابی ذلک والخلاف فی التحقیق لفظی لان من جوز اطلاق العلم قیدہ بکونہ نظریا وھو الحاصل من الاستدلال ومن ابی الاطلاق خص لفظ العلم بالمتواتر وما عداہ عندہ ظنی۔ پھر حافظ نے خبر محتف بالقرائن موجب علم یقینی استدلالی کی چند انواع ذکر کی ہیں۔

(۱) ما اخرجہ الشیخان فی صحیحیہما مما لم یبلغ حد التواتر ومالم ینتقدہ احد من الحفاظ ولم یقع التخالف بین مدلولیہ۔

۲ المشهور اذا كانت له طرق متباينة سالمة من ضعف الرواة والعلل ۔

۳ المسلسل بالائمة الحفاظ المتقنين حيث لا يكون غريبًا ۔

پس علم یقینی استدلالی تو ظاہر ہے کہ واجب الاتباع ہے۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو ظنِّ غالب کا فائدہ دیتی ہیں، سو شریعتِ مطہرہ نے ظنِّ غالب کو یقین کا حکم دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ شرعی یقین کے لئے ثقہ عادل کی شہادت (کہیں ایک کی کہیں دو کی اور کہیں زیادہ کی) کافی ہے۔ سو وہ احادیث میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے سب احادیث یقینی ہیں۔ ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مفید علم یقینی استدلالی ہیں۔ یا اس لئے کہ اکثر احادیث میں عقلاً احتمالِ خطا موجود ہے۔ شرعاً نہیں۔ غرضیکہ احادیث کو شرعاً ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ جمیع احادیث مفید علم یقینی عقلی استدلالی ہیں اور اکثر احادیث موجب ظنِّ غالب ہیں۔ اور دنیا میں ظنِّ غالب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم رات دن اپنے جمیع معاملات میں ظنِّ غالب ہی پر عمل کرتے ہیں۔ دوا پیتے وقت شفا کا یقین نہیں ہوتا بلکہ زیادہ مضرت کا احتمال موجود ہے۔ ریل، کار، طیارہ اور بحری جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے وقت ہمیں ان کی مشینری کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ مشینری کے تمام پرزہ جات کی درستی کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ راستہ کے حوادث سے محفوظ رہنے کا یقین نہیں۔ طیارہ کے گرنے، ریل کے پٹڑی سے اتر جانے بحری جہاز کے غرق ہو جانے کا احتمال موجود ہے۔ معہٰذا ہم دن رات ان ذریعوں سے سفر کرتے ہیں۔ بازار سے گوشت خریدتے وقت اس کی حلت کا، دودھ، گھی، اناج، شکر وغیرہ کی پاکیزگی کا، پانی پیتے وقت، غسل اور وضو کرتے وقت اس کی طہارت کا ہرگز کامل یقین نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ عمر بھر ہر معاملہ میں قدم قدم پر ظنِّ غالب کی پیروی پر مجبور ہیں۔ ظن غالب کی پیروی کو چھوڑ دیا جائے تو انسان دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ سانپ کے پاس جانے سے ہمیں اس کے کاٹنے کا یقین نہیں اور کاٹنے کے بعد مرنے کا یقین نہیں، اسی طرح زہر پی لینے سے موت یقینی نہیں۔ معہٰذا ہم زہر پینے سے بچتے ہیں اور سانپ سے پرہیز کرتے ہیں۔ جب ہم شب و روز ہر معاملہ میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حدیث کو ظنی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔ قرآن یقینی ہے اور حدیث ظنّی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کو محض اٹکل اور تخمین سمجھ کر ناقابلِ عمل قرار دے دیا جائے۔ قرآن کے یقینی اور حدیث کے ظنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ہر ہر لفظ تواتر سے ثابت ہونے کی وجہ سے یقینی بدیہی ہے۔ حدیث میں چونکہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے اس لئے اس کے ہر لفظ کے متعلق قرآن جیسا یقین نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا حدیث یقینی استدلالی یا یقینی شرعی ہے۔ جیسا کہ ماں کا علم یقینی ہے اور باپ کا ظنی۔ کیونکہ ماں کے متعلق قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ فلاں کی ماں ہے مگر باپ کے بارے میں اس یقین کے ساتھ حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

معہذا باپ کا علم یقینی شرعی ہے۔

دلیلِ عقلی

جب یہ تسلیم کرلیا گیا کہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہے۔ مگر حدیث کا موجودہ ذخیرہ حجت اس لئے نہیں کہ ظنی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب تعلیماتِ رسول کو ہم پر قیامِ قیامت تک کے لئے واجب الاتباع قرار دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان تعلیمات کی حفاظت کے اسباب کیوں نہ پیدا فرمائے؟ کیا یہ تکلیف مالا یطاق اور امت پر ظلم نہ ہوگا؟ کہ ان اقوال کا اتباع ہم پر لازم کردیا گیا جن کے علم کی تحصیل ہمارے لئے ناممکن ہے۔ غرضیکہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے لئے واجب الاتباع تسلیم کرلینے کے باوجود اسے ظنی ہونے کی وجہ سے حجت نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنے کے مترادف ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ حدیث تیسری صدی کے آخر میں لکھی گئی ہے۔ صاف دھوکہ دہی ہے، کیونکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں حدیث کی کتابت شروع ہو چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کتابتِ حدیث سے منع فرمانا ابتدائی دور میں اس لئے تھا کہ قرآن سے التباس نہ ہو جائے۔ اس وقت میں کتابتِ قرآن کا عام دستور تھا اور عوام قرآنی اسالیب سے اور اس کے معجزانہ انداز سے ابھی پورے مانوس نہ تھے کتابتِ حدیث سے منع کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ حدیث قابلِ اعتبار نہیں۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث کے بیان کرنے سے بھی روک دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا فلیبلغ الشاھد منکم الغائب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں احادیث بیان کرنے کا عام رواج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خدمت پر بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کروگے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ پہلے قرآن پر نظر کرونگا۔ پھر آپ کے قول وعمل سے استدلال کروں گا۔ پھر اجتہاد سے کام لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار فرما کر حجیتِ حدیث کی تصدیق فرمادی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے "تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم" (ابوداؤد۔ کتاب العلم) شروع میں اگرچہ عوام کو اختلاط بالقرآن کے خوف کی وجہ سے کتابتِ حدیث کی اجازت نہ تھی۔ تاہم خاص خاص لوگوں کو کتابت کی اجازت تھی۔ طبقات ابن سعد میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ مذکور ہے کہ آپ نے خدمتِ نبوی میں عرض کیا کہ جو حدیثیں میں نے آپ سے بالمشافہہ سنی ہیں ان کے لکھنے کی اجازت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ پھر عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ صرف

حالتِ نشاط کی حدیثیں لکھوں یا کہ حالتِ غضب کی بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس منہ سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ چنانچہ انہوں نے احادیثِ نبویہ کو جمع کیا اور اس کا نام "الصادقہ" رکھا۔ یہی واقعہ ابوداؤد کتاب العلم میں بھی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں، مگر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا "انہ کان یکتب ولا اکتب" (بخاری) مستدرک حاکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ موجود تھا۔ چنانچہ حسن بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حدیث سنائی تو آپ نے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ اگر تم نے مجھ سے یہ حدیث سنی ہے تو میری کتابوں میں موجود ہوگی چنانچہ آپ نے اپنی کتابوں میں تلاش کی تو یہ حدیث مل گئی۔ اس مقام پر منکرینِ حدیث نے دو اعتراض کئے ہیں۔ (۱) بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم حدیث زیادہ تھا۔ حالانکہ روایات کا ذخیرہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ منقول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں استثناء منقطع ہے۔ اس لئے اس کا سابقہ جملہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ نیز کثرتِ علم کثرتِ روایت کو مستلزم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عبداللہ بن عمرو زیادہ تر شام میں رہے ہیں۔ اور ابوہریرہ کا قیام مدینہ منورہ ہی میں رہا ہے۔ چونکہ دورِ اول میں علم کا مرکز مدینہ ہی میں تھا۔ لوگ تحقیقِ مسائل میں مدینہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لئے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایات بیان کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ (۲) مستدرک حاکم میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں اور بخاری میں ہے "لا اکتب" اس کا جواب یہ ہے کہ ابوہریرہ خود لکھنا نہ جانتے تھے۔ ان کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ دوسروں سے لکھوایا گیا تھا۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۴)

جب لوگ قرآن کے معجزانہ اسلوب سے بخوبی واقف ہو گئے تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کتابتِ حدیث کی اجازت دی بلکہ لکھنے کا حکم دیا۔ اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دینی مسائل اور پیغمبرانہ ہدایات خود لکھوائیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور ابوشاہ یمنی کی درخواست پر وہ خطبہ لکھوا کر انکو دیا۔ (مفتاح السنۃ و بخاری)

عمرو بن حزم کو یمن بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفصل تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں صدقات، دیات، فرائض وغیرہ کے احکام تھے (مفتاح السنۃ مصری ص۱۱)

مسلم بن الحارث کے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت لکھوا کر دی (ابوداؤد) طائف کے ایک شخص نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی ایک کتاب سنائی تھی۔ (ترمذی کتاب العلل) خطیب کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا مجموعہ تھا حضرت انس اپنی اولاد کو کتابتِ حدیث کا حکم دیا کرتے تھے (دارمی ص۶۸) ابن عبد البر نے جامع میں عبدالرحمٰن بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب دکھا کر قسم کھائی اور کہا کہ یہ عبداللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض احادیث کو صحیفہ کی صورت میں اپنے پاس رکھا (بخاری)

بعض کثیر الروایات صحابہ مثلاً ابوہریرہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، براء بن عازب اور انس بن مالک وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی مرویات کو ان کے شاگردان کے روبرو بیٹھ کر لکھا کرتے تھے (دارمی ص۶۸ و ۶۹، تہذیب التہذیب ج۴ ص ۱۹۸ کتاب العلل للترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمالِ حکومت کے لئے صدقۃ الماشیہ کے احکام لکھ رکھے تھے۔ موطا مصری صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶ و ۱۵۱ و ۱۵۲ پر اس قسم کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اگرچہ کتابتِ حدیث ثابت ہے۔ مگر اس زمانہ میں حفظ صدر پر زیادہ زور تھا۔ عرب کے لوگ حافظہ میں مشہور تھے۔ طویل وعریض قصیدے، مختلف مضامین کے انہیں یاد ہوتے تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب نامے حفظ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ان لوگوں نے خصوصیت سے وحی الٰہی سمجھ کر حفظ کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو واجب الاتباع جان کر اس کی حفاظت کی صحابہ کے بعد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا زمانہ آیا انہوں نے دنیائے اسلام کے بعید سے بعید گوشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کمالِ حفاظت کے ساتھ پہنچایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اگرچہ ذاتی یادداشتیں لکھی ہوئی تھیں۔ مگر حدیث کی کوئی مرتب کتاب نہ تھی۔ پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبد العزیز المتوفی سنہ ۱۰۱ھ نے مدینہ منورہ کے والی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا۔ انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء (مفتاح السنۃ ص۲۱)

اور ان کو یہ بھی لکھا کہ عمرۃ بنت عبد الرحمٰن انصاریہ (متوفاۃ سنہ ۹۸ھ) اور القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (متوفی سنہ ۱۲۰ھ) کی احادیث کے جو مجموعے ہیں وہ لکھ کر ان کے پاس بھیجے۔ اسی طرح دوسرے بڑے شہروں مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور یمن وغیرہ میں بھی اپنے عمال کو تدوینِ حدیث کے لئے لکھا۔ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن الشہاب الزہری المدنی (متوفی سنہ ۱۲۴ھ) بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو تدوینِ حدیث کے متعلق لکھا گیا تھا۔ (مفتاح السنۃ)

خلیفہ عادل کی اس ہدایت نے محدثین کی حوصلہ افزائی کی۔ اور انہوں نے اپنی کوششوں کو تیز کر دیا اور احادیث کی تدوین کا کام بڑے پیمانہ پر شروع ہو گیا۔ اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت محمد بن مسلم زہری کی ہے۔ ان کی پیدائش سنہ ۵۰ھ میں ہوئی۔ سنن و آثار نبویہ کے قصر کے یہ چھ ستون فن حدیث میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ امام زہری (مدینہ میں) عمرو بن دینار (مکہ میں) قتادہ و یحییٰ بن کثیر (بصرہ میں) ابو اسحٰق و سلیمان اعمش (کوفہ میں)۔ امام زہری تابعین کے طبقۂ اولیٰ کے محدثین میں سے ہیں جنہوں نے احادیث کو قلمبند کیا۔ بعدہٗ اسی دوسری صدی میں جو طبقۂ ثانیہ آیا اس میں تدوین کا کام عام اور شائع ہو گیا۔ چنانچہ ابن جریج متوفی سنہ ۱۵۰ھ نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں احادیث کو بصورتِ کتابت جمع کیا (مدینہ منورہ میں) ابن اسحٰق متوفی سنہ ۱۶۱ھ اور امام مالک متوفی سنہ ۱۷۹ھ (بصرہ میں) ربیع بن صبیح متوفی سنہ ۱۶۰ھ (کوفہ میں) سفیان ثوری متوفی سنہ ۱۶۱ھ (شام میں) اوزاعی متوفی سنہ ۱۵۶ھ (یمن میں) معمر متوفی سنہ ۱۵۳ھ اور خراسان میں ابن المبارک متوفی سنہ ۱۸۱ھ وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے احادیث کو لکھکر مدوّن کیا۔ دوسری صدی کی چند مستند کتابیں یہ ہیں (۱) موطا امام مالک بن انس متوفی سنہ ۱۷۹ھ (۲) مصنف اللیث بن سعد متوفی سنہ ۱۷۵ھ (۳) مصنف سفیان بن عیینہ متوفی سنہ ۱۹۸ھ (۴) مسند الامام الشافعی متوفی سنہ ۲۰۴ھ۔

اس کے بعد تیسری صدی ہجری خدمت سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیل القدر زمانہ ہے اس میں صحاح ستہ وغیرہ مستند کتب کی تدوین ہوئی اور آج تک علوم نبوت کے یہ نورانی منابع بجمالہا ضوافگن ہیں۔ صحاح ستہ یہ ہیں:-

(۱) صحیح البخاری۔ متوفی سنہ ۲۵۶ھ (۲) صحیح مسلم متوفی سنہ ۲۶۱ھ (۳) سنن ابی داؤد متوفی سنہ ۲۷۵ھ (۴) سنن الترمذی متوفی سنہ ۲۷۹ھ (۵) سنن النسائی متوفی سنہ ۳۰۳ھ (۶) سنن ابن ماجۃ متوفی سنہ ۲۷۳ھ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب بھی اسی تیسری صدی میں مدوّن ہوئیں۔

(۷) مسند احمد بن حنبل متوفی سنہ ۲۴۱ھ (۸) مسند اسحٰق بن راھویہ متوفی سنہ ۳۷۳ھ (۹) مسند عبد بن حمید متوفی سنہ ۲۴۹ھ (۱۰) مسند الدّارمی متوفی سنہ ۲۵۵ھ (۱۱) المسند الکبیر للقرطبی متوفی سنہ ۲۷۶ھ (۱۲) مسند ابی یعلی الموصلی متوفی سنہ ۳۰۷ھ (۱۳) تہذیب الآثار للامام محمد بن جریر الطبری متوفی سنہ ۳۱۰ھ وغیرہا

فقط۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ○

رشید احمد

۳ ذیقعدہ سنہ ۷۳ھ، یوم الجمعۃ

بسم الله الرحمن الرحيم

ولكل جعلنا موالي مما ترك الوالدان والأقربون

ارغام العنید فی میراث الحفید

- پوتے کی میراث
- اصولِ وراثت پر منکرینِ حدیث کے اعتراضات کے جوابات

پوتے کی میراث

سوال - بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ آجکل پنجاب اسمبلی میں زیر غور ہے اس لئے اخبارات میں مختلف لوگ اس مسئلہ پر اپنی آراء ظاہر کر رہے ہیں۔ چنانچہ اخبار آثار (زمیندار) ۳۱ دسمبر ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں ایک مضمون بعنوان اجماع امت شائع ہوا ہے جس میں شریعت مطہرہ کے قانون کے خلاف پوتے کی وراثت کی پرزور تائید کی ہے۔ لہذا جناب سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔ اخبار آثار کا پرچہ ارسال ہے۔

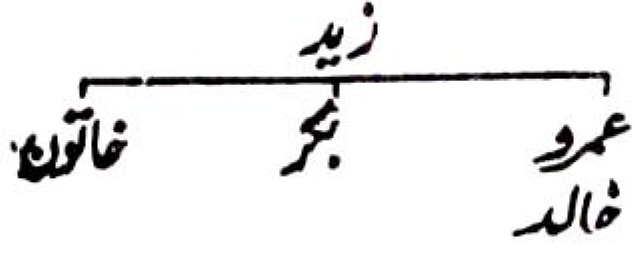
الجواب ومنہ الصدق والصواب

منکرین حدیث کا اصل مقصد قرآن کریم کے قطعی فیصلے کے خلاف بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے کی وراثت کو ثابت کرنا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ فاضل مضمون نگار نے بے ضرورت بحث (منکر اجماع کافر نہیں) کو تو کافی طول دیا۔ مگر جب اصل مقصد پر پہنچے تو صرف ایک مجمل جملہ لکھ کر اس کی قدرے تشریح کرنے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد علم فرائض کے بعض مسائل پیش کر کے ان پر وہ دیرینہ اعتراض دہرائے ہیں جو دشمنان رسول منکرین حدیث کے قائد اسلم جیراجپوری اور ان کے ہمنواؤں کی طرف سے طلوع اسلام وغیرہ کے صفحات پر بارہا شائع ہو چکے ہیں اور ہر دفعہ علمائے حق کی طرف سے ان کا مسکت جواب دیا جا چکا ہے۔ غرضیکہ مضمون نگار نے اصل مقصد پر صرف ایک مجمل جملہ ہی لکھ دینا کافی سمجھا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں "قرآن میں اصول وراثت کا بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ قریب کے رشتہ دار کو بعید کے رشتہ دار سے پہلے ورثہ ملے گا، لیکن علماء اپنے بنائے ہوئے اصول کی لاج رکھنے کی خاطر اس کا مفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ قریب کا رشتہ دار دور کے رشتہ دار کو محروم کر دیتا ہے اسے حجب حرمان کہتے ہیں۔"

آپ نے یہ تو لکھدیا کہ قرآنی اصول کے بموجب قریب کے رشتہ دار کو بعید کے رشتہ دار سے پہلے ورثہ ملے گا مگر پہلے ورثہ ملنے کے مفہوم کی تشریح و تفصیل سے بالکل پہلو تہی کی ہے جو دیانت کے قطعاً خلاف ہے میں اس وقت صرف "پہلے ورثہ ملنے" کا مفہوم معین کرنا چاہتا ہوں۔ غالباً مضمون نگار کو بھی اس سے اتفاق ہوگا کہ "پہلے ورثہ ملنے" کا مفہوم یہ نہیں کہ قریب کا حصہ اسے صبح کے وقت ملے اور بعید کو شام کے وقت۔ بلکہ اس کا مفہوم صرف یہی ہو سکتا ہے کہ قریب کا حق بعید سے زیادہ ہے اور یہ الاقرب فالاقرب کا قانون آیۂ کریمہ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا سے مستنبط ہے۔ پس قرآن کریم کا یہی اٹل قانون (جسے خود مضمون نگار نے بھی تسلیم کیا ہے) جملہ وارثوں ذوی الفروض و عصبات میں جاری ہوگا۔ احکم الحاکمین نے ذوی الفروض کے حصے معین کرتے ہیں اسی قانون کو ملحوظ رکھا ہے۔ قریب کا حصہ بعید

سے زیادہ رکھا گیا ہے۔ ممکن تھا کہ عقل انسانی کسی خاص صورت کو اس قانون قدرت کے خلاف سمجھنے لگے۔ لہٰذا اس کی تسکین کے لئے ارشاد فرمایا آبَآءُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا۔ جس طرح ذوی الفروض کے سہام معیّن کرنے میں اس قانون کا لحاظ ہے ایسے ہی عصبات کی توریث میں بھی یہی قانون معمول بہ ہے فرق صرف یہ ہے کہ ذوی الفروض کے سہام چونکہ معیّن ہیں اس لئے قریب کا سہم بعید سے زیادہ کرکے قریب کو ترجیح دے دی گئی۔ اس کے برعکس عصبات کے سہام معین نہ ہونے کی وجہ سے ان میں اس قسم کی ترجیح ناممکن ہے۔ کیوں کہ ان کا کوئی حصہ مقرر نہیں کہ بعض کا حصہ بعض سے زیادہ رکھ دیا جاتا بلکہ قرآن کریم میں صاف ارشاد ہے کہ ذوی الفروض سے جو کچھ بچے وہ عصبات میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ تقسیم کر دیا جائے۔ لہٰذا ان میں قریب کو مقدم رکھنے کی صرف یہی صورت ممکن ہے کہ بعید کو بالکل محروم کر دیا جائے۔ اس بیان سے واضح ہوگیا کہ عصبات کے بارہ میں فقہاء کا مقرر کردہ قانون (قریب کی موجودگی میں بعید محروم) قرآنی قانون سے مخالف نہیں بلکہ عین وہی قانون ہے جو قرآن میں ہے۔ یعنی قریب کا بعید سے زیادہ حق ہو مگر عصبات میں اس قانون کے اجراء کی صرف وہی صورت ممکن ہے جو فقہاء بیان کرتے ہیں۔ عصبات میں اس قانون کے اجراء کی صورت کو اگرچہ قرآن ہی نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے تاہم معلم الکتاب والحکمۃ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صاف الفاظ میں اس کی تشریح فرما دی ہے، ملاحظہ ہو عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ (بخاری کتاب الفرائض) یعنی ذوی الفروض کو ان کے سہام دینے کے بعد جو کچھ بچے، وہ سب کا سب عصبات میں سے اس شخص کا حق ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ بخاری ہی میں ایک جلیل القدر صحابی کاتب الوحی حضرت زید بن ثابت کا یہ قول بھی منقول ہے قَالَ زَيْدٌ وَلَدُ الْاِبْنِ بِمَنْزِلَةِ الولد اذا لم یکن دونهم ولد (الی قوله) ولا یرث ولد الابن مع الابن۔ یعنی بیٹے کی اولاد میت کی اولاد کے قائم مقام اس شرط سے ہو سکتی ہے کہ میت کی اولاد میں سے کوئی فرد بھی نہ ہو اور فرمایا کہ کسی بیٹے کی موجودگی میں کوئی پوتا وارث نہیں ہو سکتا۔ اگر ذوی الفروض کی طرح عصبات میں بھی قریب کو زیادہ اور بعید کو کم دینے کے اصول پر عمل کیا جائے تو اس کمی بیشی کا معیار کیا ہوگا؟ اگر اپنے خیال اور اٹکل ہی سے بیٹے کے لئے ۲/۳ اور پوتے کے لئے ۱/۳ معین کر دیا جائے تو کیا اس کا واضح مطلب یہ نہ ہوگا کہ آج تک نعوذ باللہ قرآن ناقص تھا جس کی تکمیل جیراجپوری اور اس کے متبعین نے کی ہے۔ اور اگر بیٹے اور پوتے کو مساوی حصہ دینا چاہتے ہیں تو یہ آپ ہی کے بیان کردہ قرآنی قانون (قریب کو بعید سے پہلے ورثہ ملے گا) کے خلاف ہے۔ میں فاضل مضمون نگار سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ آپ اپنے ہی بیان کردہ قرآنی قانون کے مطابق بیٹے اور پوتے یا دوسرے عصبات میں تقسیم ترکہ کے متعلق فقہاء کی بیان کردہ صورت کے علاوہ کوئی دوسری

صورت پیش کریں۔ امید ہے کہ جواب سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ پوتے کی وراثت کے بارہ میں یہ سوچنا ضروری ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی زندگی میں اس کی وراثت کا مالک یا حق کا دعویدار ہے یا نہیں؟ اگر بالفرض ہے تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس بیٹے کا بیٹا (پوتا) حق دار ہے یا نہیں؟ مگر ایسا نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے یعنی بیٹا اپنے باپ کی زندگی میں بالکل اس شخص کی مانند ہے جس کو صاحب جائداد کہا ہی نہیں جا سکتا تو ایسی صورت میں اس بیٹے کے بیٹے (پوتے) کے حقوق کا سوال ہی فضول ہے۔



منقوشہ بالا صورت میں زید کی موجودگی میں عمرو اس کے کسی مال کا حقدار ہی نہیں۔ جب عمرو حقدار نہیں تو خالد کے حقدار ہونے کا سوال ہی باطل ہے جس چیز کو عمرو اپنی زندگی میں حاصل نہیں کر سکا اس کے لئے اس کا بیٹا کیسے دعویٰ کر سکتا ہے؟ معترضین نے لفظ ولد میں وسعت پیدا کر کے اس سے بیٹا، پوتا اور پڑپوتا مراد لیا ہے اور بیٹی کو سرے سے چھوڑ دیا ہے حالانکہ ایسا کرنے کے بعد کسی قاعدہ کی رو سے جب لفظ ولد سے بیٹی کو نکال دیا جائے تو پوتا کسی صورت ولد کے ضمن میں نہیں آسکتا۔ دوسری جگہ لفظ قرب پر جس خیال کا اظہار کیا گیا ہے وہ بھی عجب ہے۔ ذرا خیال فرمائیں کہ زید کی موت کے بعد صرف خاتون (لڑکی) اور بکر (لڑکا) زندہ ہیں۔ عمرو اس کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا۔ اگر عمرو کو اس کی موت کے بعد بھی "قریب" میں شامل کیا جا سکتا ہے تو زید کی اپنی ذات اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ لہٰذا اگر ایسا کر لیا جائے تو نظام دنیا جو نظام حیات پر مبنی ہے درہم برہم ہو جاتا ہے اس لئے عمرو کو کسی حالت میں بھی قریب میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس کے بیٹے خالد کا قرب میں شامل ہونا ہی بے بنیاد ہے۔ صرف بکر اور خاتون ہی قرب میں شامل ہونے کے صحیح حقدار ہیں۔

اس کے بعد لفظ "قائم مقام" پر اس طریق سے بحث کی گئی ہے جو سیدھے لوگوں کی گمراہی کا موجب بن سکتی ہے۔ حالانکہ قائم مقام اور وراثت میں جو فرق ہے اس کو ہر تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے۔ مثلاً اب حال ہی میں جسٹس رشید صاحب غلام محمد گورنر جنرل کے قائم مقام تھے۔ مگر وارث نہیں تھے۔ لیکن ان کا لڑکا وارث تھا مگر قائم مقام نہیں حالانکہ وہ قائم مقام ہو سکتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ وارث قائم مقام ہو سکتا ہے، مگر ہر قائم مقام وارث نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا یتیم پوتے کی پرورش کا سوال تو شریعت کو اپنے مال سے ⅓ حصہ کی حد تک وصیت کرنے کی اجازت ہے۔ پس دادا بطور وصیت کے اپنے پوتے کی پرورش کا انتظام کر سکتا ہے بلکہ خود اپنی زندگی ہی میں مناسب ملکیت پوتے کو دے کر اس کو معاشی مشکلات سے بچا سکتا ہے۔ اگر بالفرض دادا نے پوتے کو کچھ نہ دیا اور نہ ہی وصیت

کی تو چچا اس یتیم کا ولی ہے اور اس کی پرورش کے جملہ مصارف چچا پر شرعاً لازم ہیں۔ فقط واللہ الهادی الی سبیل الرشاد

۳ ر جنوری ۱۹۵۴ء

سوال۔ آج کل پنجاب قانون ساز اسمبلی میں یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ پیش ہونے کی وجہ سے اس موضوع پر عام اخباروں، پمفلٹوں اور رسالوں میں مختلف قسم کے مضامین تردیداً و تائیداً متواتر شائع ہو رہے ہیں۔ آنجناب کی نظرِ نقاد سے امید ہے کہ اس موضوع پر مدلل اور مفصل مضمون تحریر فرما کر تحقیقِ حق فرمائیں گے۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

یتیم پوتے کے متعلق قرآن، حدیث اور اجماعِ امت کے اٹل فیصلے کے خلاف جو لوگ میدان میں نظر آ رہے ہیں ان کا اصل مقصد حدیث کا انکار کر کے سارے اسلامی نظام کو درہم برہم کرنا اور ہر امر و نہی سے آزادانہ زندگی گذارنا ہے۔ یہ لوگ منکرینِ حدیث ہیں اور اصولی طور پر مسلمانوں سے ایک علیحدہ نظریہ رکھتے ہیں۔ اس لئے رات دن مسلماتِ دین میں سے ایسے مسائل کریدتے رہتے ہیں کہ جن پر تلبیس کر کے کچھ نمک مرچ لگا کر ہمدردانہ لہجہ اور جذباتی تحریروں و لفاظی کا ملمع کر کے سادہ لوح عوام کے سامنے سُنّتِ نبوی اور چودہ سو سالہ نظامِ شریعت و اجماعِ امّت کا تمسخر اڑایا جا سکے۔ یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کے ساتھ کسی خاص جزئی میں گفتگو کرنا فضول ہے اگر ایک جزئی کا فیصلہ ہو بھی گیا تو دوسرا مسئلہ شروع ہو جائے گا۔ اس لئے ان کا مقابلہ اصولی طور پر ضروری ہے۔ چنانچہ حجیّت الحدیث کے بارہ میں ہم ایک مدلّل و مبسوط رسالہ "فتنۂ انکارِ حدیث" شائع کر چکے ہیں۔

سنتِ نبویہ اور نظام فقہ و قانون اسلامی کے بارہ میں دین کے دشمنوں اور منکرینِ حدیث و ملحدوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے کہ یہ سادہ لوح مسجد نشین چند ملّاؤں کے ڈھکوسلے ہیں جو پرانی کتب میں لکھے چلے آ رہے ہیں اور بعد کے لوگ ان کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر مکھی پر مکھی مارتے جا رہے ہیں۔ سو طبعِ سلیم رکھنے والے حضرات پر مخفی نہیں کہ منکرینِ حدیث کا یہ تصوّر محض بازاری خرافات کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نظامِ اسلامی اور قانونِ فقہ جو ہماری درسگاہوں کے نصاب سے خارج اور ہماری لائبریریوں و حدودِ مطالعہ سے باہر ہو چکا ہے کچھ عرصہ قبل یہی قانونِ فقہ اسی طرح نافذ تھا جس طرح آج ہمارے ہاں انگلو سیکسن نظامِ قانون رائج ہے۔ یہ قانونِ فقہ باقاعدہ اسلامی ملکوں کی اسمبلی اور پارلیمنٹ میں زیرِ غور و فکر آ کر مرتب ہوا ہے۔ فاضل ججوں اور قانونِ اسلامی کے ماہروں نے اس کے اصولوں کو عدالتوں میں روزمرّہ پیش آنے والے مقدمات پر منطبق

کرکر کے اور ہر قسم کے نو پیدا حوادث کو ان قوانین سے حل کر کے اس قانون کا بار ہا امتحان کرنے کے بعد اسے انسانی زندگی کا کامل معیار سمجھ کر ایک خاص وسعت تک پہنچایا ہے، یہ مسجد کے حجروں میں نہیں بلکہ حکومت کے ایوانوں میں، یونیورسٹیوں، تحقیقی اداروں اور عدالتوں کے گہواروں میں ٹھیک اسی شان سے پلا ہے جس طرح آج کسی حکومت کا قانون پروان چڑھتا ہے۔ ایک ایک شعبہ میں اس کے اصول متعین کئے گئے ہیں، حکمتیں اور مصلحتیں سامنے لائی گئی ہیں۔ ہر بحث میں مصلحت و مضرت کا ہر پہلو مدّ نظر رکھا گیا ہے۔ اور منافع و مفاسد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماہرینِ قانون نے وسیع سرمایہ نظر و فکر کا ڈھانچہ تیار کیا ہے جسے مدّتوں تک پیش آنے والے واقعات پر پرکھ کر مدوّن کیا گیا ہے اور اس کے لئے خاص نئی اصطلاحات وضع کی گئی ہیں۔ پھر یہ نہیں کہ ہر قانون دان لکیر کا فقیر بن کر مکھی پر مکھی مارتا چلا گیا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ماہرینِ قانون فقہاء کے درمیان بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں۔ متفقہ اصولوں پر اجماع کے باوجود تفاصیل میں اختلافِ آراء پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چار بڑے بڑے منابعِ فکر ہماری فقہ میں پیدا ہو گئے پھر خود ائمہ میں بھی داخلی طور پر اجتہادی اختلاف نمایاں رہے۔

بعد میں جب یہ نظامِ فقہ متروک ہو گیا تو اس کا نشو ونما اسی طرح رک گیا جس طرح کسی بھی حکومت کا کوئی قانون عملی زندگی سے برطرف کر دینے کے بعد فطری نشو ونما سے رک جاتا ہے۔ لیکن آج بھی اس کے سرچشموں کی روانی، اسکے اصولوں کی مضبوطی اور اس کے قابلِ نشو ونما ہونے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔

کسی بھی حکومت میں فارمولوں اور کلّیات کو جب ایک مرتبہ پورے غور وخوض کے بعد اختیار کیا جاتا ہے تو پھر وہ قانون کے پورے نظام پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کو کوئی بھی رائے قائم کرنے، فیصلہ دینے، اجتہاد کرنے یا کسی مقدمہ میں کوئی نظیر پیش کرنے میں پوری طرح مدّ نظر رکھا جاتا ہے۔ پھر کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کلیات اور فارمولے کہیں نہ کہیں تفاصیل میں جا کر جب باہم گر متأثر ہوتے ہیں تو کچھ نہ کچھ پیچیدگیاں ہر فارمولے اور کلیے کو پیش آتی ہیں لیکن دنیا کے کسی بھی نظام میں یہ حماقت نہیں کی جاتی کہ جہاں کوئی پیچیدگی کسی کلیے کی وجہ سے پیش آئی تو اسے چھوڑ کر فوراً کوئی متضاد جدید کلیہ گھڑ لیا۔ بلکہ کلیات اور فارمولوں کے بنیادی ڈھانچے کو برقرار رکھ کر اسی کے اندر رہتے ہوئے پیچیدگیوں کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ بعینہ اسیطرح اجماع کا انسٹی ٹیوشن اسلامی نظامِ قانون کو ایک مستقل ڈھانچہ فراہم کرنے کے لئے نصوص ہی سے اخذ کردہ متفق علیہ کلّیات اور فارمولے سامنے لاتا ہے۔ ان فارمولوں کے تعامل سے تفاصیل میں جا کر کہیں کہیں پیچیدگیاں بھی نمودار ہوتی ہیں لیکن ان پیچیدگیوں کی وجہ سے نہ اس قانون کو ملّائی ڈھکوسلے کا نشانہ بنانا کوئی معقول حرکت ہو سکتی ہے اور نہ ان جزئی چیزوں کی خاطر قانون کے مجموعی ڈھانچہ کو

توڑپھوڑ کرنت بنا ڈھانچہ بنانے میں لگ جانا حقِ اجتہاد استعمال کرنے کی کوئی صحیح صورت ہے۔ ان جزئی پیچیدگیوں کو بہرحال اسلامی نظامِ فقہ و قانون کے مجموعی فریم میں رکھ کر اجماعی کلیات اور فارمولوں کے تحت ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ درحقیقت ایسے مواقع پر جب کہ بیک وقت دو یا تین کلیوں کا عمل جمع ہوجاتا ہے سوچنا یہ ہوتا ہے کہ مسئلہ پر کس کلیے کا عائد کرنا اہم تر ہے اور کس کو کم اہمیت کی وجہ سے چھوڑا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایسے مواقع پر اختلاف بھی ناگزیر ہوجاتا ہے اور اس طرح کے پیچیدہ مسائل میں ہمارے مدارسِ فقہ کا پہلے سے اختلاف موجود ہے اور آئندہ بھی موجود رہے گا۔ مگر نہ پہلے کبھی تفاصیل کے فنی اشکالات اور پیدا ہونے والے اختلافات کی وجہ سے کسی نے ان کلیات کی صحت و اہمیت سے انکار کیا ہے اور نہ آج ایسا کرنا صحیح ہے۔ دنیا کے ہر نظامِ قانون میں بلکہ ہر شعبۂ زندگی کے علوم و فنون میں کلیات کو تفصیلی و جزئی امور پر منطبق کرتے ہوئے یہی صورت پیش آتی ہے۔ لیکن کبھی اہلِ فہم بنیادی مسلمات کو جزئی اشکالات کی بنا پر مضحکہ انگیز قرار نہیں دیتے۔ لیکن منکرینِ حدیث کا یہ شیوہ ہے کہ ہمارے علماء قانون کی کتابوں سے چھانٹ چھانٹ کر وہ حصے نکال لاتے ہیں جن پر اعتراضات اور اشکالات زورِ بیان کے ساتھ سامنے لائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ ماہرینِ قانون نے اعتراضات کے جو جواب دئے ہیں اور اشکالات کو جس طرح حل کیا ہے ان حصوں کا یا تو بلیک آؤٹ کر دیا جاتا ہے اور یا ان کو حد درجہ کمزور کرکے پیش کیا جاتا ہے اس طرح فقہ اور حدیث کے خلاف انتشار پیدا کرنے میں بھی کامیابی ہوتی ہے اور علمیت و تفکر کی دھونس بھی قائم ہوجاتی ہے۔

غرضیکہ منکرینِ حدیث چونکہ کلیات اور بنیادی اصولوں ہی میں مسلمانوں سے ایک علیحدہ جماعت ہے اس لئے مسئلہ زیرِ بحث میں ان سے خطاب کرنا تو بالکل بے معنی ہے۔ البتہ سیدھے سادے مسلمانوں کے اطمینان کے لئے اس مسئلہ کی وضاحت اور تفصیل ضروری ہے۔ پس ہم فنِ میراث سے متعلق نظامِ اسلامی کے چند اجتماعی اصول ذکر کرتے ہیں اور صرف ایسے اصول کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا جن کا مسئلہ زیرِ بحث کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

اصلِ اول۔ اسلام بلکہ ہر مذہب و ملت میں میراث کی تقسیم کا معیار ضرورت و حاجت، اور خدمت یا لیاقت یا قائم مقامی یا یتیم اور قابلِ رحم ہونے پر نہیں بلکہ یہ حق جس بنیاد پر قائم ہوتا ہے وہ قرابت ہے ورنہ اگر ضرورت و حاجت پر مدار ہوتا تو ہر شخص کے مرنے کے بعد اس کے مالدار بیٹے، پوتے، باپ، دادا، بیوی، بھائی، بہن وغیرہ سب محروم رہتے اور بستی کے فقراء و مساکین اور یتیم وارث بنتے۔ نیز وصی بھی قائم مقام ہونے کی وجہ سے وارث ہوتا۔ یہ اصل مسلماتِ عقلیہ میں داخل اور اجماعی و جملہ مذاہب میں

متفق علیہ ہونے کے ساتھ قرآن مجید کی نصوصِ صریحہ سے بھی ثابت ہے "مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُوْنَ" اور دوسری تمام متعلقہ آیات میں اس کی تصریح ہے ۔

اصل دوم ۔ جب وراثت کا مدار رشتہ وقرابت پر ہے تو ساری دنیا اولادِ آدم ہونے کی وجہ سے آپس میں رشتہ وقرابت کا تعلق رکھتی ہے ۔ حالانکہ ساری دنیا کو حق وراثت کا دلانا نہ ہی عقلاً ممکن ہے اور نہ کسی مذہب میں اسے قابلِ عمل سمجھا گیا ہے ، لہٰذا "الاقرب فالاقرب" کا قانون سامنے آتا ہے ۔ یعنی درجۂ قرابت میں جو لوگ مقدم ہیں وہ مؤخرین کو کُلّاً یا جزءً محروم کردیں گے ۔ جو لوگ اصولاً وارث ہوتے ہیں ان میں درجۂ قرابت کے تفاوت کی وجہ سے سہام متفاوت ہوں گے ۔ استحقاقِ ارث میں قرب وبعد کا تفاوت مندرجۂ ذیل دلائل سے ثابت ہے ۔

① یہ تفاوت مسلّمات جملہ مذاہب میں سے ہے ۔ عقلی طریق سے اس کا واجب العمل ہونا اوپر بیان ہو چکا ہے ۔

② مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُوْنَ میں "اقربون" کا لفظ ۔

③ علاقۂ بنوت میں زیادہ قرب ہونے کی وجہ سے والدین کو خاص طور پر اقربون سے جدا ذکر کرنا ۔

④ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۔

⑤ اجماعِ امّت ۔

پھر قرب وبعد کے لحاظ کی دو صورتیں ہیں ۔

(الف) حجب نقصان یعنی قریب کو زیادہ اور بعید کو کم حصہ ملے ۔

(ب) حجب حرمان یعنی قریب کی موجودگی میں بعید بالکل محروم رہ جائے ۔ ذوی الفروض میں یہ دونوں صورتیں موجود ہیں ۔ احکم الحاکمین نے ذوی الفروض کے سہام متعین کرتے وقت اپنی حکمت سے قریب کی موجودگی میں بعید کو کلّاً یا جزءً محروم کردیا ہے ۔ چنانچہ قرب و بعد کے لحاظ سے وارثوں کو تین مراتب پر تقسیم کردیا گیا ہے ۔

(۱) ذوی الفروض ـــــ (۲) عصبات ـــــ (۳) ذوی الارحام

اور پھر ہر مرتبہ میں قرب وبعد کے لحاظ سے تین درجات ہیں

(۱) جزء میّت ـــــ (۲) اصل میت ـــــ (۳) جزء اصل میت

عصبات اور ذوی الارحام کے متعلق یہ تقسیم مشہور اور کتب متداولہ میں مذکور ہے ۔ لہٰذا ہم یہاں صرف ذوی الفروض کو تین درجات پر تقسیم کرتے ہیں ۔

پہلا درجہ (جزء میت) اس میں بیٹی ، پوتی ، خاوند اور بیوی ہیں ۔ کیونکہ زوجین میں ولد کی وجہ سے علاقۂ جزئیت پیدا ہو جاتا ہے ۔

دوسرا درجہ (اصل میت) ماں ، باپ ، دادا ، دادی اور نانی پر شامل ہے ۔

تیسرا درجہ۔ (جزء اصل میت) بہن اور بھائی خیفی، بہن عینی اور علّی پر حاوی ہے۔ دوسرے درجہ میں سے ماں کا حصہ ⅓ پہلے درجہ میں سے بیوی کا حصہ ¼ سے زائد رکھنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ بیوی میں علاقہ جزئیت من کل الوجوہ نہیں ہے۔ نیز ماں کا حق پرورش ملحوظ ہے۔ اور درجہ سوم میں سے اگرچہ بہن عینی اور علّی کا حصہ ½ درجہ دوم میں سے ماں کے حصہ ⅓ اور جدّہ کے حصہ ⅙ سے زیادہ ہے مگر یہاں ماں اور جدّہ کے قرب کا اس طرح لحاظ رکھا گیا ہے کہ بہت سے وارث بہنوں کو بالکل محروم کردیتے ہیں۔ ماں اور جدّہ کو محروم نہیں کرتے۔ ماں کسی حالت میں بھی محروم نہیں، نانی صرف ماں کی موجودگی میں اور دادی ماں یا باپ کی موجودگی میں محروم ہوتی ہے۔ اس صورت کے سوا دوسری کسی حالت میں بھی جدّہ محروم نہیں۔ علاوہ ازیں ماں کا حصہ ⅙ سے کبھی بھی کم نہیں ہوتا۔ اور اخوات جب زیادہ ہوں تو ہر ایک کا حصہ ⅙ سے کم بھی ہوسکتا ہے۔ نیز ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ کسی خاص جزئی میں کوئی پیچیدگی پیدا ہوجانے کی وجہ سے قانون کو چھوڑ دینا نادانی ہے۔ غرضیکہ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان تینوں درجات میں اور اسی طرح ہر ایک درجہ کے وارثوں میں قدرت نے قرب وبعد کا لحاظ رکھا ہے۔ ممکن تھا کہ انسان کی نظر قاصر کسی خاص صورت کو اس کے خلاف سمجھنے لگے۔ لہٰذا ارشاد ہوا اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ لَاتَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا۔ حاصل یہ کہ ذوی الفروض میں سے قریب بعید کو کلاً یا جزءً محروم کردیتا ہے۔ اول کو حجب حرمان اور دوم کو حجب نقصان کہا جاتا ہے۔ عصبات میں صرف حجب حرمان ہوتا ہے، حجب نقصان ممکن نہیں۔ کیونکہ عصبات کا کوئی حصہ معین نہیں کہ قریب کی وجہ سے بعید کا حصہ ناقص ہوجائے۔ عصبات کا حصہ معین نہ ہونے پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں:۔

① قرآن یا حدیث میں کوئی حصہ معینہ مذکور نہیں۔ حالانکہ قرآن میں ذوی الفروض کے حصص نہایت وضاحت اور بسط کے ساتھ مفصل بیان کئے گئے ہیں۔

② یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔

③ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَہٗٓ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ میں باپ کا حصہ معین نہ کرنا۔

④ وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ۔

حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہاں موالی سے عصبات مراد ہیں۔

(احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۲۲۳)

⑤ حدیث مَنْ مَاتَ وَتَرَکَ مَالاً فَمَالُہٗ لِلْمَوَالِی الْعَصَبَۃِ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۲۴)

⑥ عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر (بخاری، کتاب الفرائض)

⑦ ما احرز الولد اوالوالد فهو لعصبته من کان (مسند احمد، ابوداود)

⑧ فایما مومن ترک مالا فلیرثه عصبته من کانوا (بخاری، کتاب التفسیر)

⑨ واجعلوا الاخوات مع البنات عصبة (بخاری)

⑩ اجماع امت۔

غرضیکہ عصبات میں قرب و بعد کا لحاظ صرف اس طرح ہوسکتا ہے کہ قریب کی موجودگی میں بعید بالکل محروم رہے۔ بخاری کی روایت مذکورہ "الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر" بھی صراحۃً اس کی مثبت ہے حقیقی عصبہ صرف مرد ہی ہیں۔ بہن اپنے بھائی کے ساتھ ضمناً عصبہ بن جاتی ہے لقولہ تعالیٰ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ اور بیٹی کے ساتھ بہن کا عصبہ ہونا صرف حدیث پر مبنی ہے۔

عصبات کی طرح ذوی الارحام کا بھی کوئی حصہ معین نہیں۔ بلکہ ذیل کے دلائل سے بلحاظ قرب و بعد مطلقاً استحقاق ثابت ہے۔

① وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ۔

② لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ لفظ اقربون میں قرابت کا ہر درجہ داخل ہے خصوصاً لفظ للنساء سے ذوی الارحام کے استحقاق کی زیادہ وضاحت ہوگئی۔

③ الخال وارث من لا وارث لہ (بخاری)

④ التمسوا لہ وارثا او ذا رحم (ابوداود)

اصل سوم کوئی شخص کسی شخص کی زندگی میں اس کا وارث نہیں ہوسکتا بلکہ مرنے کے بعد استحقاق وراثت ہوتا ہے۔ یہ اصل مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہے۔

① عقل سلیم، چنانچہ جملہ ادیان کا اس اصل پر اتفاق ہے۔

② قانون وراثت سے متعلق نصوص قرآنیہ میں مما ترک، مما ترکن، مما ترکتم کے الفاظ بار بار وارد ہیں یعنی قانون وراثت کی بحث کا موضوع ہی تقسیم ترکہ ہے۔ نہ کوئی مال کسی کی زندگی میں ترکہ ہوسکتا ہے اور نہ اس مال میں بحیثیت وارث کسی کا حق پیدا ہوسکتا ہے۔

③ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ (۴-۱۷۶)

اس میں پوری وضاحت ہے کہ اقرباء کے استحقاق وراثت کا سوال مورث کے مرنے ہی پر پیدا ہوتا ہے زندگی میں نہیں۔ غرضیکہ یہ اصل بھی قطعی ہے کہ کسی کی زندگی میں کوئی دوسرا اس کا وارث قرار نہیں پاسکتا۔ بلکہ اس کے

مرنے کے بعد وراثت کا حق پیدا ہوتا ہے۔ برطانوی قانون وراثت میں بھی یہ اصول اسی طرح زیر عمل ہے۔

اصل چہارم ترکہ میں حق وراثت صرف زندہ وارثوں کا ہوتا ہے۔ مورث سے پہلے مرجانے والے ورثاء کو سرے سے محجوب ہی نہیں کیا جاتا۔ غور کیجئے کہ قانون میراث سے متعلق آیات میں یہ الفاظ ہیں لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ۔ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ ۔ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ۔ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ۔ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً۔ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ۔ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ۔ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ۔ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ۔ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ۔ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَإِن كَانُوٓا أَكْثَرَ مِن ذٰلِكَ۔ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ۔ إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ۔ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ۔ وَإِن كَانُوٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَآءً ۔ کیا یہ الفاظ مردہ اور زندہ سب لوگوں کو شامل ہیں؟ کیا یہ بات صرف زندہ وارثوں کی ہے یا کہ مُردوں کی بھی؟ مذکورہ آیات کے ٹکڑوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیجئے کہ "اگر فلاں رشتہ دار ہو" سے یہ مدعا نکالا جا سکتا ہے کہ کبھی پہلے موجود رہا ہو، یا "فلاں رشتہ دار نہ ہو" سے یہ مفہوم بھی پیدا کیا جا سکتا ہے کہ اس قسم کا رشتہ دار سرے سے پیدا ہی نہ ہوا ہو؟ اگر کوئی اس کا مدعی ہو تو ہم اسے عربی زبان وادب سیکھنے پر توجہ دلائیں گے۔ آج تک کوئی ایک فرد بھی دور نبوی سے لے کر ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے اس انوکھے اجتہادی مفہوم کی گنجائش کہیں سے ڈھونڈ نکالی ہو۔ اگر اس پر بھی نشہ اجتہاد نہ اترے تو ہم ذیل کی نصوص سامنے رکھ کر پوچھیں گے کہ ان پر آپ کا مفہوم کس طرح منطبق ہو سکے گا۔

(۱) وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ۔ "کلالہ" اسے کہتے ہیں جس کا نہ باپ زندہ ہو نہ بیٹا۔ تو کیا یہاں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص بے باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح پیدا ہوا ہو۔ ظاہر ہے کہ باپ تھا اور مر گیا۔ لہٰذا اس کے وارث ہونے کا سوال خارج از بحث ہے۔

(۲) وَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ، کیا والدین مردہ ہونے کی صورت میں بھی وارث ہوں گے اور مردہ ماں بھی ⅓ حصہ حاصل کرے گی؟

(۳) حدیث "اَلْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ" (ابوداود) میں کیا "من لا وارث له" سے یہ مراد ہے کہ سرے سے اس کا کوئی وارث پیدا ہی نہ ہوا ہو یا کہ یہ مطلب ہے کہ ماموں کے سوا کوئی دوسرا وارث زندہ نہ ہو؟ نیز کیا خال سے مراد ایسا خال بھی لیا جا سکتا ہے جو مورث سے پہلے فوت ہو گیا ہو۔

(۴) عن بریدة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم جعل للجدة السدس اذا لم تکن دونها ام (ابوداود) کیا "اذا لم تکن دونها ام" سے یہ مراد لیا جا سکتا ہے کہ سرے سے ماں ہی نہیں؟ یا کہ صاف صاف یہ مطلب ہو گا کہ ماں تو تھی لیکن مورث سے پہلے

مر گئی۔

⑤ اگر قریبی رشتہ دار کو مرنے کے بعد بھی مستحق وراثت سمجھا جائے تو چاہیے کہ دنیا میں کوئی شخص بھی کسی کا وارث نہ ہو کیونکہ مرنے کے بعد مورث کا نفس اس کی طرف سب سے زیادہ اقرب ہے۔ لہٰذا مورث خود اپنے مال کا مستحق ہوگا۔

پس اس معاملہ میں پوری امت متفق ہے کہ وراثت کے حق کی بحث کا تعلق صرف ان ورثاء سے ہے جو مورث کی موت کے وقت زندہ ہوں۔ مورث سے پہلے مرنے والوں کا کسی قسم کا استحقاق شریعت اسلامی کے نظام قانون میں نہیں پایا جاتا۔ اس طرح کے غیر عقلی استحقاق کی مثال صرف ہندوانہ رواجی قانون میں ہے۔ اب اگر کسی کو یہ ہندوانہ قانون پسند ہو تو سرے سے شریعت کو چھوڑ کر اسے اختیار کر سکتا ہے لیکن اس ہندوانہ رواجی قانون کے اجزاء کو لا کر شریعت کے قانون میں پیوند نہیں دے سکتا۔

مندرجہ بالا اصول دلائل عقلیہ، نصوص قرآنیہ، احادیث صریحہ اور اجماع امت سے ثابت ہونے کی وجہ قطعی ٹھوس و اٹل ہیں کہ ان میں ذرہ برابر بھی اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا ہر ایسا اجتہاد جو مذکورہ اصول میں سے کسی اصل سے ٹکراتا ہو باطل اور ناجائز ہے۔ پس اب ہم ان صورتوں کا تجزیہ کرتے ہیں جو یتیم پوتے کو حصہ دلوانے کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

صورتِ اوّل۔ پوتا زیادہ صاحب ضرورت اور حاجت مند و قابل رحم ہے اور بعض دفعہ چچا کی بہ نسبت زیادہ خدمت گزار یا لائق ہوتا ہے۔ یہ صورت اصل اول سے ٹکراتی ہے یعنی وراثت کا استحقاق ضرورت، حاجت اور قابل رحم ہونے یا خدمت ولیاقت پر مبنی نہیں۔ بلکہ اس کا معیار قرابت و رشتہ داری پر ہے۔ منکرین حدیث شاذ و نادر کسی خاص صورت میں جذبۂ رحم کی وجہ سے قرآن کے قطعی اصل کو ٹھکرا دینا چاہتے ہیں تفصیلی جزئیات میں بہت سے مواقع رحم پائے جاتے ہیں۔ مثلاً زوجۂ مفقود، عدۃ ممتدۃ الطہر، منکوحۂ صغیرہ، مطلقہ ثلاث وغیرہ صورتوں میں بعض دفعہ عورت غریب و مسکین ہوتی ہے اور اس کا کوئی رشتہ دار یا کفیل بھی موجود نہیں ہوتا۔ خود میراث میں بھی اس کی کئی مثالیں موجود ہیں جن کی وجہ سے اگر معاذ اللہ حدیث اور اجماع کا انکار بھی کر دیا جائے تو قرآنی قانون میں بھی ایسی صورتوں سے نجات نہیں مثلاً ولاد ذریۃ (خواہ پوتا ہی ہو) کی وجہ سے بہن علینیہ محروم ہو جاتی ہے خصوصاً جب کہ یہ بہن بیوہ ہو، عیال رکھتی ہو، اس کے خاوند نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا ہو ایسے ہی وہ نواسی جس کی والدہ اپنے والد کی زندگی میں فوت ہو گئی ہو، ایسی صورتوں میں بھی آپ کا جذبۂ رحم ابھرآئیگا اور آپ کہیں گے کہ خدا کا قانون ایسا بے مہر نہیں ہو سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیواؤں اور رانڈوں کے ملجا و ماویٰ تھے۔ غرضیکہ نہ صرف میراث میں بلکہ نکاح، طلاق، رضاعت، کفالت وغیرہ میں بھی آپ کو کئی جزئیات مواقع رحم نظر آئیں گی۔ پس اگر آپ کے جذبۂ رحم کو کھلی اجازت دیدی جائے تو یہ جذبہ قطعی اصول کو توڑ پھوڑ کر سارے نظام اسلامی کو درہم برہم اور قانون

ارغام العنید ۔۔۔ ۱۲

کے ڈھانچہ کو پاش پاش کردے گا۔ منکرینِ حدیث یہ نہیں سوچتے کہ اولاً یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ فی صدی کتنی صورتوں میں پیش آتا ہے اور پھر کتنی صورتوں میں پوتا خود بالغ اور کاروبار میں مستقل آمدنی کا مالک ہوتا ہے یا اپنے والد سے ملا ہوا کافی ترکہ رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں دادا اپنی زندگی میں جس قدر چاہے یتیم پوتے کو دے سکتا ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث نے جابجا اس کی ترغیب دی ہے اور ساتھ ہی خاندانی قرابت کے جذبات بھی اس کے مؤید ہوتے ہیں۔ اگر زندگی میں نہ دے سکا تو ثلث مال تک وصیت کرسکتا ہے۔ پھر تعجب اس پر ہے کہ ان لوگوں کی نظر رحم صرف یتیم پوتے ہی پر مرکوز ہے۔ اس طرف قطعاً توجہ نہیں جاتی کہ انتقالِ اراضی کے وقت بھائی اپنی بہنوں سے اور بیٹے اپنی والدہ تک سے دستبرداری کے بیان دلا دیتے ہیں اور رشوت خور افسر موقع غنیمت سمجھ کر سب کچھ کر گذرتے ہیں۔ اگر آپ میں ایسا ہی جذبۂ رحم موجزن ہے تو ایسا ہی بیچاری ماؤں اور بہنوں کے متعلق کیوں قانون پاس نہیں کرواتے؟ حالانکہ مستورات کے حقوق کی حفاظت کے متعلق ارشاد ہے وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ قرآن کریم میں ہر جگہ مردوں کے احکام میں ہی ضمناً عورتوں کو بھی داخل کردیا گیا ہے۔ مگر یہاں اہتمام کے لئے عورتوں کا حکم مستقل بیان فرمایا اور پھر مزید تاکید کے لئے نَصِيبٌ مِّنْهُ کی بجائے نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ کو مکرر لایا گیا۔ پھر نَصِيبًا مَّفْرُوضًا سے واضح کردیا کہ مستحق کو اس کا حصہ معینہ بکمالہا دینا فرض ہے۔ نیز اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ وارث اگر اپنا حصہ نہ لے یا بری کردے تب بھی اس کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ مذکورہ آیت کی علی الاعلان خلاف ورزی کی جاتی ہے مگر اس کے متعلق جناب کی رگِ حمیت نہیں پھڑکتی۔ حالانکہ ان کی گودوں میں بسا اوقات یتیم ہوتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۔ خود یتیم پوتے کی بھی ہمدردی یہ ہے کہ قرآن کے ٹھوس اور اٹل قانون کو ٹھکرانے کے بجائے مستورات کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ یتیم پوتے کی والدہ کو جب کئی طرف سے حصہ ملے گا تو وہ خوشحال ہوگا اور کسی کا دست نگر نہ رہے گا۔ علاوہ ازیں اگر یتیم پوتا محتاج ہو تو جب تک وہ نابالغ ہے یا اپاہج ہو تو اس کے مصارف شرعاً اس کے چچا پر واجب ہیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی صورت بھی نہ ہوسکے تو بیت المال جملہ مساکین اور محتاجوں کے مصارف کا کفیل ہوگا۔ اسلامی قانون کو مکمل طور پر جاری نہ کرنے کی وجہ سے اگر ملک کے یتیم بچے آفت میں مبتلا ہوں تو ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری قانون اسلامی کی بجائے اس قانون ساز مجلس پر ہے جس کے ہاتھ میں اس کا نفاذ ہے۔ پس آپ کو اگر واقعی یتیم پوتے پر شفقت ہے تو اسلامی قانون پاس کروالیئے۔

مندرجہ بالا صورتوں سے معلوم ہوگیا کہ منکرینِ حدیث کا یہ سوال کہ یتیم پوتے کی معاش کی کیا صورت ہوگی؟ بالکل باطل ہے۔ قانونِ وراثت یا وصیت تمام انسانوں کے گذارہ کا ذمہ دار نہ عقلاً ہوسکتا ہے نہ شرعاً اگر لوگوں کے معاش کا مدار وراثت ہی پر رکھا جائے تو کروڑوں انسان ایسے ہیں جن کے مورث کچھ بھی ترکہ نہیں چھوڑتے

سو جو انتظام ان کی معاش کا ہوگا وہی یتیم پوتوں کی معاش کا بھی ہو جائے گا۔

صورتِ دوم ۔شریعت کے قانونِ میراث میں تقدم وتاخر کا ضابطہ ہی ختم کر دیا جائے تو یتیم پوتا بیٹوں کے ساتھ شامل ہو کر میراث پالے گا۔ یہ صورت اصل دوم یعنی "الاقرب فالاقرب" کے قانون سے ٹکراتی ہے۔ ہمارے اس اجتہادی اقدام کا اثر سارے ہی نظام قانون کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔ یعنی اب ایک میت کے مرنے سے اس کے تمام زندہ رشتہ دار بیک دم وارث ہوں گے، خواہ درجہ قرابت میں کتنا ہی تفاوت ہو اس صورت کے اختیار کرنے میں اجماع تو کیا خود نصوص پر پانی پھر جائے گا۔

صورتِ سوم ۔"یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ" لفظ اولاد کے تحت بیٹوں، پوتوں، پڑپوتوں سب کو جمع کر دیا جائے اور سب کو ایک ہی درجہ میں لاکر ان پر علی السویہ تقسیم کی جائے۔ یہ اجتہادی تجویز بھی اصل دوم یعنی "الاقرب فالاقرب" کے قاعدۂ کلیہ پر ہاتھ صاف کر دیتی ہے۔ لفظ اولاد عربی لغت اور محاورہ میں حقیقۃً بلا واسطہ اولاد کے لئے بولا جاتا ہے۔ اگرچہ کبھی توسعاً اولاد کی اولاد پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ میں لفظ ولد عام ہے (روح المعانی) یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ میں لفظ اولاد کو عام لینا نہ اصولی طور پر معقول ہے کہ قریب و بعید کو یکساں حصہ ملے اور نہ ہی عہدِ رسالت اور خلفائے راشدین وما بعد میں کہیں ایسا عمل ہوا اور نہ پوری امتِ محمدیہ میں کوئی اس کا قائل ہے۔ آپ جب یہ اصول تسلیم کرتے ہیں کہ والد کی موجودگی میں پوتا اپنے دادا کا وارث نہیں ہے کیونکہ اقرب الی المیت اس پوتے کا والد ہے لہٰذا وہی اصل وارث ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ پوتے کو ولد کے وسیع مفہوم میں داخل کرنا مجاز ہے اور حقیقت کی موجودگی میں مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔ اگر ولد کے مفہوم میں پوتا حقیقۃً داخل ہے تو باپ کی موجودگی میں بھی پوتے کو ضرور حصہ ملنا چاہئے۔

صورتِ چہارم ذوی الفروض کی طرح بیٹے اور پوتے میں بھی قرب وبعد کا لحاظ رکھتے ہوئے بیٹے کو زیادہ حصہ دیا جائے اور پوتے کو کم۔ یہ صورت بھی اصل دوم سے ٹکراتی ہے۔ اصل دوم میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ عصبات میں حجب نقصان ممکن نہیں بلکہ ان کا حصہ معین نہ ہونے کی وجہ سے انمیں "الاقرب فالاقرب" کا قانون جاری کرنے کی صرف یہ صورت ہے کہ قریب کی موجودگی میں بعید بالکل محروم رہے۔ اگر آپ بلحاظ قرب وبعد کے بیٹے اور پوتے کو کم وبیش حصہ دینا چاہتے ہیں تو اس کی بیشی کا معیار کیا ہوگا؟ اگر اپنی طرف سے کوئی معیار مقرر کیا جائے مثلاً بیٹے کو ⅔ اور پوتے کو ⅓ دیا جائے تو کیا یہ قرآن پر زیادتی نہ ہوگی؟ کیا نشۂ اجتہاد میں عصبات کے متعلق "لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ" میں بیان کردہ غیر معین حصص کو معین کرنے اور قرآن کے اٹل قانون کی مخالفت کرنے کی گنجائش ہے؟ پھر ہم یتیم پوتے کو ظلم سے بچانے کے مدعیوں سے پوچھتے ہیں کہ بعید کو اگر قریب کے حصہ میں شریک کر دیا جائے تو کیا اس میں قریب پر ظلم نہیں کہ یتیم پوتے کو تو حصہ دیا گیا مگر

زندہ بیٹے کی اولاد کو محروم کر دیا گیا جو درجہ میں یتیم پوتے کے مساوی ہے اور ان کے باپ کو جو کچھ ملا ہے وہ حقیقت میں ان کو نہیں ملا اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ آئندہ بھی وہ ان کو نہ ملے اور ملا بھی تو اپنے والد کے ترکہ کی حیثیت سے ملے گا جس سے یتیم پوتا بھی محروم نہیں۔ الغرض یتیم پوتے پر رحم کھا کر قانون شرعی میں ترمیم کرنا بہت سے لوگوں پر بے رحمی کا سبب بنے گا اور سب سے بڑا ظلم اپنے نفس پر ہو گا کہ احکم الحاکمین اور اس کے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹل قانون میں دست اندازی کرتے ہیں۔

صورت پنجم۔ نظریہ قائم مقامی یعنی جو تعلق بالواسطہ ہونے کی وجہ سے مرتبہ ثانی پر ہوتا ہے وہ واسطے کے بیچ میں سے ہٹ جانے پر مرتبہ اول پر آجاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فقہاء متقدمین نے خود قائم مقامی کا نظریہ اختیار کیا ہے جیسے حضرت ابوبکر و ابن عباس کے قول "الجد اب" کے تحت باپ کا حصہ دادا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جب باپ کی خالی جگہ کو دادا پُر کر سکتا ہے تو بیٹے کی خالی جگہ کو پوتا کیوں پُر نہیں کر سکتا۔ یہ صورت بھی اصل دوم سے ٹکراتی ہے اور پوتے کو دادا پر قیاس کرنا باطل ہے۔ چچا کی موجودگی میں پوتے کو بیٹے کا قائم مقام کر کے چچا کے برابر کر دینے سے "الاقرب فالاقرب" کا قانون ٹوٹ جاتا ہے اور دادا کو باپ کے قائم مقام کرنا اس قانون کے مطابق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص کے بیٹے متعدد ہو سکتے ہیں۔ مگر باپ متعدد نہیں ہو سکتے، تاکہ یہ سوال پیدا ہوتا کہ متعدد باپوں میں سے ایک باپ کے مرنے پر اس کا باپ اس کا قائم مقام ہو کر دوسرے باپوں کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ "الاقرب فالاقرب" کے قانون کا حاصل یہ ہے کہ درجہ اول میں سے جب تک کوئی فرد بھی موجود ہو درجہ دوم کا کوئی شخص بھی وارث نہ ہو گا۔ درجہ اول میں سے اگر کوئی موجود نہیں تو درجہ دوم کے افراد درجہ اول کے قائم مقام ہوں گے۔ یہی قانون اصول اور فروع میں دونوں طرف جاری ہوتا ہے۔ لہٰذا جب تک کوئی بیٹا موجود ہو گا پوتا وارث نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ اصول میں بھی جب دادی فوت ہو گئی ہو اور اس کی ماں زندہ ہو اور نانی بھی موجود ہو تو دادی کی ماں کو دادی کے قائم مقام کر کے نانی کے ساتھ سدس میں شریک نہیں کیا جاتا اور باپ چونکہ ایک ہی ہو سکتا ہے اس لئے اس کی عدم موجودگی میں درجہ اول خالی ہونے کی وجہ سے درجہ دوم میں سے دادا کو اس کا قائم مقام کر کے میراث دلائی جاتی ہے۔ غرضیکہ باپ کے مرنے پر دادا کو اس کا قائم مقام اس لئے کیا جاتا ہے کہ درجہ اول خالی ہے اور چچا کی موجودگی میں پوتے کو بیٹے کا قائم مقام اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ درجہ اول خالی نہیں بلکہ اس میں چچا (میت کا بیٹا) موجود ہے۔ اگر چچا نہ ہو تو پوتا بھی بیٹے کا قائم مقام ہو گا۔ منکرین حدیث نے یہ عجیب ضابطہ ایجاد کیا ہے کہ وہ ابعد وارث جو میت کی طرف بالواسطہ منسوب ہو، واسطہ کے فوت ہو جانے پر اصل واسطہ کے قائم مقام ہو کر میت کا اقرب بن جاتا ہے ؎ بریں عقل و دانش بباید گریست

تمام اہل عقل کے نزدیک جس رشتہ دار کی قرابت میت سے بلاواسطہ ہو وہ اقرب کہلاتا ہے اور جس کا تعلق کسی واسطہ سے ہو وہ ابعد۔ خواہ یہ واسطہ زندہ ہو یا مردہ۔ کیونکہ واسطہ کی زندگی اور موت کا رشتہ کی نوعیت اور اس کے قرب و بعد سے کوئی تعلق نہیں۔ جو شخص میت سے قرابت بالواسطہ رکھنے کی وجہ سے ابعد ہے وہ جس طرح واسطہ کی زندگی میں ابعد ہے اسی طرح واسطہ کے مرجانے کے بعد بھی ابعد ہی رہتا ہے اس کے رشتہ و قرابت کی نوعیت نہیں بدل جاتی وہ اب بھی ابعد ہی ہے۔ ہاں اقرب کے موجود نہ ہونے پر ابعد ہونے کے باوجود اس کو وارث تسلیم کیا جاتا ہے اور پھر تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ چچا کی موجودگی میں پوتے کو یتیم ہونے کے باعث میراث دلاتے ہیں۔ پس جب پوتے کو یتیم کہا جاتا ہے تو یہ دعویٰ باطل ہو گیا کہ بیٹے کے مرنے پر وہ یتیم بیٹے کے قائم مقام ہو گیا اور اسے ابن ہونے کا درجہ مل گیا۔ جب پوتے کو بیٹا سمجھا جاتا ہے تو اسے یتیم کیوں کہتے ہیں؟ غرضیکہ اہل عقل کا اجماع ہے کہ واسطہ مرجانے سے ابعد اقرب نہیں ہوتا۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس اور باقی ہمشیرہ کو دیا جائے (بخاری ص ۹۹۸) اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی اور پوتی برابر نہیں۔ اس حدیث سے پوتے کی وراثت پر اس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ جب بیٹی کی موجودگی میں پوتی وارث ہے تو بیٹے کی موجودگی میں پوتا کیوں نہ وارث ہوگا؟ یہ قیاس چند وجوہ سے باطل ہے۔

① —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کو ½ اور پوتی کو ⅙ حصہ دلایا اور آپ بیٹے اور پوتے کو برابر رکھتے ہیں۔

② —— اگر بیٹے کو بیٹی پر قیاس کیا جائے تو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کی موجودگی میں بہن کو بھی وارث بنایا اسی طرح آپ کو چاہئے کہ بیٹے کی موجودگی میں بھی بہن کو محروم نہ کریں۔

③ —— مؤنث اولاد کا کل حصہ ⅔ ہے۔ ایک بیٹی چونکہ ½ کی مستحق ہے لہٰذا باقی ⅙ پوتی کو مل جاتا ہے تاکہ ⅔ حصہ پورا ہو جائے۔ جب زیادہ بیٹیاں ہوں تو چونکہ کل ⅔ ان میں تقسیم ہو جاتا ہے اس لئے پوتی محروم رہ جاتی ہے۔ بیٹا چونکہ کل مال کا مستحق ہے اس لئے اس سے کچھ بچتا ہی نہیں تاکہ باقی پوتے کو دیا جائے۔

④ —— ایک بیٹا دو بیٹیوں کی بجائے ہے۔ پس جب دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتی وارث نہیں ہوتی حالانکہ بیٹیاں کل مال کی مستحق نہیں تو بیٹا جو کل مال کا مستحق ہے بطریق اولیٰ پوتے کو محروم کر دے گا۔

⑤ —— بیٹی اور پوتی ذوی الفروض میں سے ہیں اس لئے ان میں حجب نقصان جاری ہو سکتا ہے۔ بیٹا اور پوتا عصبات میں سے ہیں۔ ان میں "الاقرب فالاقرب" کا قانون صرف حجب حرمان کی صورت ہی میں جاری ہوتا ہے۔ حجب نقصان ممکن نہیں۔

صورتِ ششم ۔ منکرین حدیث کے نظریہ قائم مقامی کا وہ دوسرا تصور اختیار کیا جائے جو ہندو رواجی قانون سے مأخوذ ہے اور جو اخباری بحثوں میں زیادہ زیرِ بحث کیا جا رہا ہے۔ نیز جس پر محمد اقبال جیمہ کا ترمیمی مسودہ قانون مبنی ہے جو انہوں نے پنجاب اسمبلی میں پیش کیا ہے۔ یعنی یہ تصور کہ یتیم پوتا اگرچہ بذات خود وارث نہیں ہے لیکن وہ اپنے باپ کا حصہ دادا سے لینے کا حق دار ہے۔ یہ صورت اصل سوم اور اصل چہارم سے ٹکراتی ہے۔ یعنی اس تصور کو قبول کرنے کیلئے ہمیں شریعت کا یہ بنیادی اصول ختم کرنا پڑے گا کہ کسی شخص کی زندگی میں اس کے مال پر کسی کا حق میراث نہیں لگ سکتا اور یہ اصول بھی ختم کرنا ہوگا کہ تقسیم ترکہ کے وقت زندہ وارثوں کے ساتھ کسی مردہ وارث کو مستحق نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر ان دو اصولوں سے آزاد ہو کر قانون سازی کی جائے تو صرف پوتے کیلئے ہی اس کے مردہ باپ کو زندہ نہ رکھنا ہوگا بلکہ ہر ترکہ تقسیم کرتے وقت جملہ ممکن وارثوں کو زندہ فرض کرنا پڑیگا اور اس طریق سے جو رشتہ دار بھی فوت ہو گیا ہو ہر ایک کو حصہ دینا ہوگا۔ قرآن اور حدیث و اجماع اور عقل سلیم کے خلاف اگر اس اجتہاد کو زیر عمل لایا جائے تو تقسیم ترکہ ممکن ہی نہیں۔ جملہ وارثوں پر تقسیم کرنا تو درکنار صرف دو رشتہ داروں کا مال آپس میں تا قیامت تک تقسیم نہ ہو سکے گا۔ فرض کیجئے کہ زید کا بیٹا بکر جو صاحبِ اولاد ہے زید سے پہلے فوت ہو گیا۔ اس لئے بکر کے مال سے ⅙ زید کو دیا گیا۔ پھر زید فوت ہوا تو یہی مال اس کے مردہ بیٹے بکر کو ملے گا۔ پھر بکر کا ترکہ تقسیم کرتے وقت اس سے ⅙ بکر کے مردہ باپ زید کو دیا جائیگا اور زید سے پھر مردہ بیٹے بکر کو اسی طرح اوپر سے نیچے کو اور نیچے سے اوپر کو، یہ تسلسل ختم ہی نہ ہوگا اور مال تقسیم ہوتے ہوتے اجزائے لا تتجزی اور ایٹموں تک پہنچ جائے گا۔ آخر یہ دور ایٹم کے کرشموں کا دور ہے پھر تو تمام دنیا میں اس اجتہاد کے ڈنکے بج جائیں گے۔ اسلامی قانون کی بڑی قدر و قیمت ہو گی اور ملاؤں کی حماقتوں کی اصلاح کرنے والے مسٹروں کے دماغوں کو سونے میں تولا جائے گا۔

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ یتیم پوتے کی وراثت کے متعلق جو بھی صورتیں اختیار کی جا رہی ہیں سب کی سب نظامِ اسلامی کے کلیات کے خلاف ہیں۔ اور قرآن، حدیث، اجماع اور عقل سے ثابت شدہ قطعی اصول کے ڈھانچہ کو پاش پاش کر دیتی ہیں۔ لہٰذا ان صورتوں میں سے کسی صورت کو اختیار کرنا نظامِ اسلامی کو یکسر ٹھکرا دینا ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک پونے چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں کوئی ایک جزئی بھی منکرین حدیث اپنے نظریہ کی تائید میں پیش نہیں کر سکتے حالانکہ اس مدتِ مدیدہ میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں صورتیں اس قسم کی علمائے مجتہدین کے سامنے آئی ہوں گی اس کے برعکس بیٹے کی موجودگی میں پوتے کے وارث نہ ہونے پر بالاختصار ذیل کے دلائل لکھے جاتے ہیں۔

(۱) ــــــ عقل اور قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت شدہ قانون "الاقرب فالاقرب"

جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے ۔

(۲)—— الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر (بخاری ومسلم)

(۳)—— عن علی مرفوعًا الرجل یرث اخاہ لامہ وابیہ دون اخیہ لابیہ ۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی (مشکوۃ) جب سگے بھائی کی موجودگی میں علّی وارث نہیں تو بھتیجا بطریق اولیٰ وارث نہ ہوگا حالانکہ منکرین حدیث اس پر بھی مصر ہیں ۔

(۴)—— قال زید ولد الابناء بمنزلۃ الولد ان لم یکن دونھم ولد ذکرھم کذکرھم وانثاھم کانثاھم یرثون کما یرثون ویحجبون کما یحجبون ولا یرث ولد الابن مع الابن (بخاری) یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے جو اعلم بالفرائض ہیں (طبقات ابن سعد، مسند احمد)

اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کاتبِ وحی اور عہد صدیقی میں جامع القرآن و عہد عثمان میں ناسخ مصحف ہیں (بخاری)

چودھویں صدی کے مجدّدین نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے ۔ یعنی "لا یرث ولد الابن مع الابن" میں ولد الابن سے صرف وہ پوتا مراد ہے جس کا باپ زندہ ہو اور اس پر اصول فقہ کی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ الابن جو معرفہ کی صورت میں مکرر لایا گیا ہے حسب اصول حنفیہ اس سے عین اول مراد ہے ۔ مگر انہیں کیا خبر کہ فقہاء نے اسے قاعدہ کلیہ قرار نہیں دیا ۔ پھر تعجب یہ کہ جس اصول فقہ پر استہزاء اور تمسخر کرنے کے لئے یہ نیا اسلام طلوع ہو رہا ہے اسی سے استدلال بھی کر رہے ہیں ۔ ان لوگوں کی بددیانتی حیرت انگیز ہے کہ صرف "لا یرث ولد الابن مع الابن" کا لفظ لے کر تاویل کر رہے ہیں ۔ حالانکہ اس کے شروع میں "اذا لم یکن دونھم ولد" میں ولد نکرہ آیا ہوا ہے ۔ اور پھر بخاری کا ترجمۃ الباب بھی عام ہے اور ما قبل میں مرفوع حدیث بھی عام ہے ۔ یہ لوگ گویا مطمئن تھے کہ کون زحمت گوارا کر کے بخاری اٹھائیگا اور ان کی چوری اور بددیانتی ظاہر کرے گا ۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اگر یہی مراد ہوتی جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں تو اس کے لئے سیدھی عبارت یوں ہوتی لا یرث الابن مع ابیہ ۔

(۵)—— عینی شرح بخاری اور موطا میں ابن کی موجودگی میں ابن الابن کے محروم رہنے پر اجماع منقول ہے ، موطا کی عبارت یہ ہے الامر المجتمع علیہ عندنا (الی قولہ) فان اجتمع الولد للصلب و ولد الابن فکان فی الولد للصلب ذکر فانہ لا میراث معہ لاحد من ولد الابن فان لم یکن فی الولد للصلب ذکر و کانتا اثنتین فاکثر من ذلک من البنات للصلب فانہ لا میراث لبنات الابن معھن الا ان یکون مع بنات الابن ذکر الخ (موطا مالک)

ارغام العنید —— ۱۸

(۶) —— لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ اور "اِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ" سے صاف ظاہر ہے کہ میت کی جب صرف ایک لڑکی ہو تو وہ صرف نصف کی حقدار ہوگی، اور اگر اس کے ساتھ پوتا بھی ہو تو باقی نصف وہ لے جائے گا۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ رکھا ہے اور تنہا لڑکی کے لئے آدھا رکھا تو تنہا لڑکے کے لئے آدھے کا دوگنا ہونا چاہئے جو کل ہے، جب تن تنہا بیٹا کل مال کا مستحق ہوگیا تو پوتے پوتیاں محروم رہیں گے۔

(۷) —— حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس اور بہن کو باقی ملیگا (بخاری) اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی اور پوتی کی طرح بیٹے اور پوتے میں بھی مساوات نہیں۔ اس حدیث سے منکرین حدیث کے استدلال کا جواب گزر چکا ہے۔

کبھی یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ آخر یتیم پوتے کے لئے صورتِ معاش کیا ہوگی۔ اس کا جواب اور معاش کی صورتوں کی تفصیل صورتِ اول کے تحت گذر چکی ہے۔ اگر کہا جائے کہ بیت المال آج کل موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کا گذارہ مشکل ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا حل یہ نہیں ہوسکتا کہ رہے سہے اسلامی قوانین کو بھی ختم کردیا جائے۔ بلکہ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ایسی ترمیمیں پیش کرنے کی بجائے ان قوانینِ شرعیہ کو نافذ کروائیں جن کے ذریعہ یتیموں اور غریبوں کی کفالت ہوسکے اور پنجاب قانون ساز اسمبلی کو بھی ہمارا مشورہ ہے کہ وہ اس قانون شریعت میں جو باجماعِ امت ثابت ہے ترمیم کا خطرناک اقدام ہرگز نہ کرے۔ اس مسئلہ میں مسلمانوں کی تمام جماعتیں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہل حدیث وغیرہ سب متفق ہیں اس میں اختلاف کرنے والے صرف ایسے چند لوگ ہیں جو قرآن کو تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ کرکے اپنی اہواء کا تابع بنانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ کوئی تعداد ہے اور نہ ہی کوئی علمی یا عملی حیثیت رکھتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے اس قسم کا خطرناک اقدام اس کی اسلامی حیثیت کے منافی ہے۔

اصولِ وراثت پر منکرینِ حدیث کے اعتراضات کے جوابات

پہلا اعتراض: قرآن نے وصیت کا پورا پورا حق دیا ہے اور کہیں یہ نہیں لکھا کہ وصیت صرف ⅓ حصہ مال ہی میں ہوسکتی ہے۔ اللہ نے وصیت کے حکم میں کہیں یہ نہیں کہا کہ وصیت صرف ⅓ حصہ میں ہوسکتی ہے لیکن ملا کہتا ہے کہ نہیں تم وصیت صرف ⅓ حصہ تک کرسکتے ہو۔ یعنی (معاذ اللہ) خدا کو اتنی بات بھی کہنی نہیں آتی تھی کہ وصیت ⅓ حصہ ہی کی جاسکتی۔ وہ اس کے لئے بھی روایات کا محتاج ہوگیا۔ یہ ہے ملا کا

روایاتی مذہب (طلوع اسلام جون ۵۲ء ص۲)

جواب: وصیت کا حکم کل مال میں جاری نہ ہونے کو روایاتی مذہب قرار دینا یا ملّا کا ڈھکوسلا کہنا محض حماقت ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا. میں صاف ارشاد ہوا اور نہایت تاکید کی گئی ہے کہ میت کے ترکہ میں بہرحال وارثوں کا حق ثابت ہے جس سے ظاہر ہے کہ کُل مال کی وصیت ہرگز نافذ نہ ہوگی ـــــ اور پھر وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا میں بھی کُل مال کی وصیت سے صراحۃً منع کیا گیا ہے ۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ میں لفظ بالمعروف سے معلوم ہوا کہ کُل مال کی وصیت جائز نہیں۔ تعجب ہے کہ قرآن دانی کے مدعیوں کی آنکھیں ان آیات سے چندھیا جاتی ہیں جو ان کے اوہام کے خلاف ہوں۔ احادیث میں ⅓ حصہ کی تصریح موجود ہے، ملاحظہ ہو۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مرضت بمکۃ مرضًا اشفیت منہ علی الموت فاتانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعود فقلت یا رسول اللہ ان لی مالاً کثیرًا ولیس یرثنی الا ابنتی افاتصدق بثلثی مالی فقال لا، قال فالشطر قال لا قلت فالثلث قال الثلث کثیر انک ان ترکت ولدک اغنیاء خیر من ان تترکھم عالۃ یتکففون الناس وانک لن تنفق نفقۃ الا اجرت علیھا حتی اللقمۃ ترفعھا الی فی امرأتک الخ (بخاری)

وصیت کا ⅓ حصہ میں منحصر ہونا احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے (احکام القرآن للجصاص ص۱۸۱ ج ۲) اور اس پر امت کا اجماع ہے ۔ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۹) حدیث مذکور سے ذیل کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔

(۱) ⅓ سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں ۔

(۲) مستحب یہ ہے کہ ⅓ سے بھی کم کی وصیت کی جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث کو کثیر فرمایا ہے ۔

(۳) جب مال کم ہو اور ورثا بھی محتاج ہیں تو افضل یہ ہے کہ بالکل وصیت نہ کرے ۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم انک ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس۔

(۴) جب کوئی وارث نہ ہو تو جمیع مال کی وصیت درست ہے ۔ کیونکہ زیادہ کی وصیت صرف ورثا کے

حق کی وجہ سے ناجائز ہے۔

⑤ صدقہ فی مرض الموت بھی وصیت کے حکم میں ہے۔ کیونکہ حضرت سعد کا سوال صدقہ کے بارہ میں تھا۔ بعض روایات میں وصیت کا لفظ ہے۔ تطبیق یہ ہے کہ پہلے وصیت بجمیع المال کی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو کل مال کے تصدق کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ بھی بحکم وصیت ہے۔

معلّم الکتاب والحکمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی ثابت بالتواتر سے انحراف کرنا اور اجماع امّت کو ٹھکرانا اور قرآن کریم میں اپنی اہواء کے مطابق تحریف کرنا منکرین حدیث کے مبارک اسلام کا طلوع ہے اسی لئے ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ان کا اختلاف مسلمانوں سے اصولی اختلاف ہے۔ جب تک یہ لوگ اسلام کے اصول کو قبول نہیں کرتے اس وقت تک ان سے کسی جزئی مسئلہ پر بحث کرنا فضول ہے۔

دوسرا اعتراض ۔ اور سب سے بڑی افسوس ناک صورت یہ کہ اس قانون کی رو سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ (معاذ اللہ) خدا چوتھی جماعت کے بچوں جتنا بھی حساب نہیں جانتا اس اصول کو ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ جب کسی چیز کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جائے تو تمام حصوں کی حاصل جمع ایک (۱) آنی چاہئے۔ اگر حاصل جمع ایک نہیں آتی تو ریاضی کے ابتدائی قاعدہ کی رو سے یہ تقسیم غلط ہے مثلاً ($\frac{1}{2} + \frac{1}{4} + \frac{1}{4} = 1$) یہ تقسیم درست ہے لیکن ($\frac{2}{3} + \frac{1}{6} + \frac{1}{6} + \frac{1}{8} = \frac{9}{8}$) یہ تقسیم غلط ہے کیوں کہ ان حصوں کا مجموعہ ایک نہیں بلکہ ($1\frac{1}{8}$) ہے (طلوع اسلام جون ۵۲ء صفحہ ۲۳)

جواب ۔ منکرین حدیث کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حدیث کے علم اور ان پر عمل سے تو محروم رکھا ہی ہے مگر اب ظاہر ہوا کہ انکار حدیث اور رسول دشمنی جیسے جرم کا نتیجہ یہ ہے کہ حساب کے ابتدائی قواعد سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ حساب کی تفاصیل میں کئی جگہ ایسی صورتیں پیش آتی ہیں کہ سہام کا مجموعہ مخرج سے بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے مواقع پر سہام کو اندازہ کے مطابق گھٹا کر مخرج کامل کرنے کے لئے اہل حساب نے مختلف قوانین اور طریقے لکھے ہیں۔ اگر حساب میں ایسی صورتیں ممکن نہیں یا وقوع میں نہیں آتیں تو ان قواعد اور طرق کے وضع کرنے کی کیا حاجت تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ تفصیلی اور جزئی صورتوں میں مستحقین کی کمی یا بیشی کی وجہ سے اگر سہام میں کچھ فرق پڑ جائے تو اس کی وجہ سے سہام کے کلیات پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا غور کیجئے اگر میّت پر ایک شخص کا ہزار روپے قرض ہو اور دوسرے کا پچاس روپیہ، یا میّت نے ایک شخص کے لئے ہزار روپے کی وصیت کی ہو اور دوسرے کے لئے پچاس کی، حالانکہ میّت کا کل ترکہ صرف ہزار روپے ہو تو ان صورتوں میں آپ طریق عول کے سوا کوئی دوسرا طریق اختیار کر سکتے ہیں؟ نیز رد کی صورتوں میں بھی (نعوذ باللہ) آپ اللہ تعالیٰ پر جہالت

کا حکم لگادیں گے ـ مثلاً لڑکی کا حصہ قرآن مجید میں ½ ہے اور ماں کا ⅓ مگر جب کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو آپ کہیں گے کہ واہ خدا نے تقسیم ترکہ کا خوب طریقہ ایجاد کیا اور ایسی غلطی کی کہ چوتھی جماعت والے بچے بھی اسے جانتے ہیں۔ یعنی کسور کی جمع پوری ایک نہیں ($\frac{1}{2} + \frac{1}{3} = \frac{5}{6}$) یہ تقسیم غلط ہے اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو زیادہ تعجب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کُل ترکہ کو یوں تقسیم کر رہے ہیں کہ لڑکی کو ½ دیدو اور بس۔ معاذ اللہ خدا نے کل چیز میں صرف ایک کسر (½) سمجھی ہے گویا خدا کے ہاں (½) اور (۱) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسکول کی ابتدائی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قضاء کا ایک واقعہ درج ہے کہ تین شخصوں نے تقسیم کا مطالبہ کیا جو کہ سترہ اونٹوں میں اس طرح شریک تھے کہ ایک کا ½ دوسرے کا ⅓ تیسرے کا ⅑ حضرت علی نے ایک اونٹ بیت المال میں سے ملا کر اٹھارہ اونٹوں میں سے ½ والے کو ۹ اور ⅓ والے کو ۶ اور ⅑ والے کو ۲ دے دئے۔ اس طرح پورے اونٹ تقسیم ہو گئے اور اٹھارواں اونٹ بیت المال میں واپس کر دیا۔ ہر شریک کو اونٹ بھی پورے بلا کسر مل گئے اور ہر ایک کو حصہ بھی زیادہ مل گیا۔ پھر بیت المال کا اونٹ بھی بچ گیا۔ اسکول کے بچے اس مسئلے کی اصل حقیقت اور طریق تخریج سے ناواقف ہوتے ہیں وہ اس کی حقیقت ہی اس ظاہری صورت کو سمجھتے ہیں جو سادہ لوح لوگوں کو سمجھانے اور مطمئن کرنے کے لئے اختیار کی گئی تھی۔

خیال ہے کہ پرویز (خاک بدہنش) بھی معاذ اللہ خدا کو جہالت سے بچانے کے لئے ایسے مواقع پر یہی صورت اور حیلہ اختیار کرتا ہوگا۔ حالانکہ اسے کیا معلوم کہ اس مسئلہ کی ظاہری صورت بدل دینے کے بعد بھی حقیقت وہی ہے جو رد اور عول کی۔

یہ قرآن دانی کے مدعی اگر ذرا قرآن ہی میں غور کر لیتے تو یہ اعتراض پیدا نہ ہوتا مگر انہیں کیا معلوم کہ یہ عول کا طریقہ خود قرآن میں بھی موجود ہے۔ یعنی لڑکی جب اکیلی ہو تو اس کا حصہ ½ ہے اور لڑکا اکیلا ہو تو کُل مال کا مستحق ہے۔ مگر دونوں جمع ہو جائیں تو لڑکی کو ⅓ اور لڑکے کو ⅔ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ملے گا۔ کیا فقہاء کا اختیار کردہ طریق عول اس کے سوا کوئی دوسری نوعیت رکھتا ہے؟

پھر ہم پوچھتے ہیں اگر طریق عول زیر عمل نہ لایا جائے تو لامحالہ بعض وارثوں کو بالکل محروم کرنا پڑے گا کیا یہ ان پر ظلم نہ ہوگا؟ اور سب سے بڑا ظلم تو اپنے نفس پر ہوگا کہ جن وارثوں کو اللہ تعالیٰ نے محروم قرار نہیں دیا بلکہ نصوص قطعیہ سے ان کے سہام متعین ہیں ان کو صرف اپنے خیال سے محروم کر دیا گیا۔

یہ لوگ عینی بھائیوں کی وراثت کے بارے میں حضرت عمر کا قول پیش کرتے ہیں اور عول سے متعلق حضرت عمر کے فیصلہ کو ٹھکرا دیتے ہیں شاید کہ مسئلہ عول میں منکرین حدیث کا مطمح نظر ابن عباس کا قول ہے۔ ابن عباس کی یہ رائے تھی کہ ایسی صورتوں میں عول سے بچنے کے لئے ان ذوی الفروض کو محروم کر دیتے تھے

جو کسی وقت عصبہ بالغیر یا مع الغیر ہو جاتے ہیں۔ جو ذوی الفروض کسی حالت میں بھی عصبہ نہیں ہوتے انہیں مقدم سمجھتے تھے۔ اگر واقعی ان لوگوں کے خیال کی بنیاد اسی پر ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ عول کی صورت میں اخت خیفیہ کی موجودگی میں اخت عینیہ محروم رہے مگر یہ لوگ اس کے برعکس بنوالاعیان کو محرومی سے بچانے کے لئے بار بار حضرت عمر کا قول پیش کرتے ہیں۔ غرضیکہ ان کی چول نہ اس طرف لگتی ہے نہ اس طرف۔ منکرین حدیث کے ہاں اگرچہ اخت خیفیہ اور عینیہ میں کوئی فرق نہیں۔ اخت خیفیہ بھی اخ خیفی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بھی ان کا وہم محض اور جہالت ہے جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔ عول کے بارے میں ابن عباس کا مذہب قرآن کے خلاف ہے۔ نیز اس سے پہلے حضرت عباس کی تحریک سے حضرت عمر کے سامنے طریق عول پر صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا۔ اس لئے امت میں سے کسی نے بھی ابن عباس کا قول قبول نہیں کیا۔

تیسرا اعتراض: قرآن نے کہا ہے کہ تمہارے اقرب جو چھوڑ کر مریں اس کی تقسیم یوں ہوگی یعنی دیکھنا یہ ہوگا کہ مرنے والا اپنے زندہ رشتہ داروں میں سے کس کس کا اقرب ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ زندہ رشتہ داروں میں سے جو میت کا سب سے قریبی ہو اس کو حصہ ملے گا۔

(طلوع اسلام جون ۵۲ء ص۲۵)

جواب:۔ اس انوکھی تحقیق سے منکرین حدیث کو کچھ فائدہ تو کیا پہنچ سکتا تھا بلکہ الٹا بہت سی مصیبتیں ان کے لئے بلائے جان بن گئی ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص نے پھوپھی اور بھتیجا وارث چھوڑے تو چاہئے کہ پھوپھی کل مال کی مستحق ہو اور بھتیجا محروم رہ جاتے۔ کیونکہ میت پھوپھی کا بھتیجا ہے اور بھتیجے کا چچا۔ اس لئے میت پھوپھی کا اقرب ہے۔ اسی طرح باپ کی موجودگی میں میت کا بیٹا محروم ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ میت کا اپنے باپ سے بنوت کا تعلق ہے اور بیٹے سے ابوت کا اور بنوت کا رشتہ زیادہ قریب ہے غرضیکہ یہ اجتہاد خود مجتہد کے لئے باعث ننگ ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ جب پرویز پر یہ اعتراض کیا گیا تو جواب دیا کہ اس کا جواب حافظ اسلم جیراج پوری سے طلب کیا جائے۔ تعجب ہے کہ ایک شخص اجتہاد کرے اور جواب دوسرے سے طلب کیا جائے۔ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں لو خود ہی اپنے دام میں صیاد آگیا

اب پرویز حسرت سے کہہ رہا ہوگا، ع

جواب معلوم ہے کاش ان دنوں معلوم ہو جاتا

اور پھر جب حافظ اسلم جیراج پوری سے یہ سوال کیا گیا تو ارشاد ہوا کہ باپ اور بیٹے کی وراثت کے متعلق جو بات آپ نے لکھی ہے اور قیاس لگایا ہے اس کی کیا ضرورت پڑی۔ آگے کی آیت یُوصِیکُمُ اللّٰہُ 12

ہیں اللہ نے ماں باپ اور بیٹا بیٹی کی وراثت مفصل بیان کر دی ہے اس کو کیوں نہیں دیکھتے اور غلط قیاس کیوں بیچ میں لاتے ہیں۔

لیجئے اب تو حیلے کے اجتہاد کو خود گروہی نے خاک میں ملا دیا ع
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حقیقت یہ ہے کہ ترك الوالدان والاقربون میں اقرب بمعنی قریب ہے اس سے فقہاء نے "الاقرب فالاقرب" کا قانون اس طرح استنباط کیا ہے کہ قرآن نے وراثت کا مدار قرابت پر رکھا ہے پس جس مستحق میں بہ سبب وراثت قوی ہوگا اور جو وارث زیادہ قریب ہوگا وہ مقدم ہوگا عقل کا بھی یہی مقتضیٰ ہے۔ یہ قرب وبعد میت کی طرف سے نہیں بلکہ مستحقین کی طرف سے ملحوظ ہوگا۔ کیونکہ اس سے کچھ بحث نہیں کہ دینے والا یا مال چھوڑنے والا کون ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ لینے والے یا مستحقین کون کون ہیں۔ خود قرآن مجید میں ترك الوالدان کا لفظ اس پر بیّن دلیل ہے کہ قرب وبعد وارث کی طرف سے ملحوظ ہے نہ کہ مورث کی طرف سے والدین کو جملہ اقربین سے جداگانہ ذکر کرنے سے اقرب ترین وارث (اولاد) کے استحقاق کی اہمیت مقصود ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں جتنے بھی مفصل سہام مذکور ہیں ان میں غور کرنے سے ظاہر ہے کہ مورث کی طرف سے قرب وبعد کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ وارث کے قرب وبعد پر سہام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

معلّم الکتاب والحکمۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی "فما بقی فهو لاولی رجل ذکر" کے ارشاد سے اس کی پوری وضاحت فرما دی۔ شاہ عبد القادر صاحب نے اقربون کا ترجمہ قریب تر رشتہ دار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اقربون کا عطف للرجال کے محل پر ہو یا اقربون کا رفع والدان کے جوار کی وجہ سے ہو۔" فقہ اللغۃ للثعالبی قسم ثانی میں عطف علی اللفظ کی مستقل فصل ہے۔

چوتھا اعتراض۔ اگر یہ قاعدہ "الاقرب فالاقرب" اپنے ظاہری معنوں میں رکھا جائے یعنی یہ کہ مطلقاً درجہ کے لحاظ سے جو قریب ہو وہ بعید کو محروم کر دے تو وراثت کے بہت سے مسلّمہ اور اجماعی مسائل ٹوٹ جائیں گے۔ اس کے بعد چند مثالیں پیش کر کے ان پر اعتراض کیا ہے۔

(طلوع۔ جون ۵۲ء ص ۳۱)

جواب۔ اس اعتراض کا منشا یہ ہے کہ "الاقرب فالاقرب" کے قانون کو حجب حرمان میں منحصر کر دیا ہے حالانکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ذوی الفروض میں اس قانون کے اجراء کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) اقرب کو ابعد سے زیادہ حصہ ملے۔

(۲) اقرب کی وجہ سے ابعد بالکل محروم ہوجاتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے قرب وبعد کے لحاظ سے ذوی الفروض کے حصے کم وبیش معین کردیتے ہیں اور ان میں حجب حرمان کا اصول یہ ہے کہ واسطہ کی موجودگی میں ذی الواسطہ محروم ہوگا بشرطیکہ سبب وراثت متحد ہو یا واسطہ کل مال کا مستحق ہو۔ اس قاعدہ پر جو طلوع اسلام میں اعتراض کیا گیا ہے اور دو مثالیں پیش کی ہیں، وہ بیّن البطلان ہیں کیوں کہ بیٹی پوتی کے لئے اور حقیقی بہن علاتی بہن کیلئے واسطہ نہیں۔ علاوہ ازیں پوتی اور علاتی بہن کو صرف تکملۃ للثلثین حصہ دیا گیا ہے۔

پانچواں اعتراض ۔ حجب حرمان کا پہلا قاعدہ یہ چاہتا تھا کہ دونوں مادری بھائی جو ماں کے واسطہ سے رشتہ رکھتے ہیں اس کی موجودگی میں محروم ہوں۔ لیکن نہیں ہوئے۔ دوسرا قاعدہ بھی یہی چاہتا تھا کہ ماں جو قریبی رشتہ دار ہے مادری بھائیوں کو محروم کردے لیکن نہیں کرسکی۔

(طلوع۔ جون ۵۲ء ص ۳۲)

جواب ۔ اعتراض ۲ کے جواب میں گذر چکا ہے کہ ذوی الفروض میں ابعد کا محروم ہونا لازم نہیں۔ باقی یہ کہ بھائیوں کا حصہ ماں سے کیوں کم نہیں۔ اس کا جواب اصل دوم میں مفصل گذر چکا ہے اور یہاں واسطہ کی وجہ سے ذی واسطہ اس لئے محروم نہیں کہ سبب وراثت مختلف ہے اور واسطہ کل مال کا مستحق نہیں۔

چھٹا اعتراض ۔ تعجب پر تعجب ہے کہ ماں جو کمزور ہے وہ تو دادی کو محروم کردیتی ہے اور باپ جو قوی وارث ہے نانی کو نہیں محروم کرسکتا۔ (حوالہ بالا)

جواب ۔ واقعی جس چیز کی حکمت سمجھ میں نہ آئے اس پر تعجب ہوتا ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دادی اور نانی کا استحقاق ہی اس لئے ہے کہ یہ حکماً ماں ہیں پس حقیقی ماں کی موجودگی میں حکمی ماں محروم رہیگی اس سے نظریہ قائم مقامی کا شبہہ نہ کیا جائے کیونکہ دادی اور نانی ماں کی عدم موجودگی میں اپنے درجہ میں رہتی ہوئی باوجود بعید ہونے کے اپنی ذاتی قرابت کی وجہ سے وارث ہوتی ہے۔ باپ کا حصہ نانی کی طرف منتقل نہیں ہوتا اس لئے وہ نانی کو محروم نہیں کرتا۔ بلکہ صرف دادی کو محروم کرتا ہے اس لئے کہ باپ کا واسطہ ہے اور وہ کل مال کا مستحق ہے۔

ساتواں اعتراض ۔ دنیا میں کون شخص ہے جو کہہ سکتا ہے کہ حقیقی بھائیوں کو محروم کرکے اخیافی بھائیوں کو حصہ دیدینا جو زیادہ تر اپنے کنبہ کے بھی نہیں ہوتے کسی معقول اصول وراثت پر مبنی ہے۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ جس رشتہ سے اخیافی وارث بنائے گئے حقیقیوں میں اگر باپ کے رشتہ کا نہ بھی خیال کیا جائے تو کم از کم

وہ رشتہ تو ضرور موجود ہے۔ پھر ان کو محروم کرنے کے کیا معنی۔ چنانچہ امام مزنی کی کتاب "المختصر" میں ہے کہ اس صورت میں حضرت عمر حقیقیوں کو محروم نہیں کرتے تھے (طلوع۔ جون ۵۲ئ ص ۳۲، ۳۳)

جواب ۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بعید کا حرمان ضروری نہیں بلکہ یہ ضروری ہو کہ قریب سے بعید کا حصہ کم ہو۔ چنانچہ اخت عینیہ وعلّیہ سے خیفیہ کا سہم افل ہے۔ عینی وعلی بھائیوں کا درجہ بھی خیفی بھائیوں سے قوت قرابت کے لحاظ سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ اسی لئے ان کو بیٹے کی طرح عصبہ کیا گیا اور حقیقی وارث عصبہ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر حالات میں حقیقیوں کا حصہ خیفیوں سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں خیفی بھائی بنت کی وجہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ علی وعینی محروم نہیں ہوتے۔ غرضیکہ عینی بھائیوں کا درجہ اور استحقاق خیفیوں سے بہت زیادہ ہے۔ پیش کردہ مثال میں بھی حقیقیوں کو محروم کہنا صحیح نہیں بلکہ شاذونادر ایک جزئی صورت میں ان کے لئے باقی کچھ نہیں بچا۔ کسی جزئی صورت میں کبھی شاذونادر کوئی پیچیدگی پیدا ہو جانے سے قانون کلی کو توڑنا بہت بڑی حماقت ہے۔ باقی رہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال سو اس کی علت بھی یہی ہے کہ عینی بھائی بھی ماں کے رشتہ میں شریک ہیں اس لئے ان کا حصہ خیفی بھائیوں سے کم نہ ہونا چاہئے۔ مگر حضرت عمر کا یہ قول خود انہی کی بیان کردہ علت کے خلاف ہے چنانچہ جب ایک خیفی اور متعدد عینی بھائی ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سدس خیفی کو دلاتے تھے اور ایک سدس عینی بھائیوں پر تقسیم کرتے تھے۔ (بدایۃ المجتہد جلد دوم ص ۳۴۵)

اس صورت میں حقیقیوں کا حصہ خیفی سے بہت کم ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ حضرت عمر کا خیال چونکہ اپنی ہی بیان کردہ دلیل کے خلاف ہے اس لئے امت نے بالاتفاق یہ خیال غیر قابل قبول سمجھ کر چھوڑ دیا۔
تعجب یہ ہے کہ منکرین حدیث اس صورت میں حقیقیوں کو حصہ دلانے کے لئے حضرت عمر کے قول سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر خیفیوں اور حقیقیوں کے درمیان طریق تقسیم کے بارے میں حضرت عمر کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا اجتہاد ہر مسئلہ میں انوکھی ہی نوعیت رکھتا ہے۔

طلوع اسلام جون ۵۲ئ ص ۳۲، ۳۳ کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منکرین حدیث خیفی بھائیوں کو عصبہ قرار دیتے ہیں۔ اور سورۂ نساء کے آخر میں کلالہ والی آیت کو عینی، علی، خیفی جملہ اقسام کے بھائی بہنوں کے لئے عام کہتے ہیں۔ اور آیت وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں لَهُ کی ضمیر کا مرجع "کلالہ" ہے اور لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا میں تثنیہ کی ضمیر رَجُلٌ اِمْرَأَةٌ کی طرف راجع ہے نہ کہ اخ واخت کی طرف۔ یورث باب افعال سے ہے مجرد سے نہیں پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی مرد

کسی کلالہ کا وارث بنایا جائے یا کوئی عورت بحالیکہ اس کلالہ کا کوئی بھائی یا بہن ہو تو اس مرد یا عورت میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا۔ اس آیت میں بھائی اور بہن کا حصہ قطعاً نہیں بیان کیا گیا بلکہ عہدی رشتہ داروں کا ہے جو وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ــــــ میں مذکور ہیں۔ بھائی اور بہن کا ذکر صرف اس وجہ سے آگیا ہے کہ یہ والدین اور اولاد کی طرح عہدی رشتہ داروں کو محروم نہیں کرتے بلکہ ان کی موجودگی میں وارث ہو سکتے ہیں۔ اس دعوی کے اثبات کے لئے لکھتے ہیں کہ فقہاء اور مفسرین "لہ" کی واحد مذکر غائب کی ضمیر کو رجل اور امرأۃ دونوں کی طرف راجع کرتے ہیں جن میں امرأۃ مؤنث حقیقی ہے وہ کبھی اس کا مرجع ہو ہی نہیں سکتی۔ اس صورت میں لہما یا لکلّ واحدٍ منہما ہونا چاہئے تھا۔ نیز اس آیت میں "لام" کا لفظ اور توریث کلالہ والی آیت میں جو آخر سورہ میں ہے "لاپ وامّ" یا "لاب" بڑھانے کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

منکرین حدیث نشۂ اجتہاد میں اس حد تک مست ہو گئے ہیں کہ قرآن کی صریح نصوص میں بھی تحریف کرنے لگے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا حماقت ہو سکتی ہے کہ خیفی بھائیوں کو عصبہ کہا جائے۔ عصبہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو نسب میں شریک ہو اور نسب صرف باپ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لئے خیفی بھائی ہرگز عصبہ نہیں ہو سکتے۔ اس آیت میں خیفی بھائی اور بہنوں ہی کا حصہ معیّن کرنا مقصود ہے اور اس پر دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) خیفیوں کا حصہ قرآن مجید میں کسی دوسری جگہ قطعاً نہیں ہے۔ سورۂ نساء کے آخر کی آیت میں بالاجماع صرف عینی اور علّی کا بیان ہے۔ اس پر اجماع امت کے علاوہ یہ قرینہ بھی ہے کہ اس میں اخت اور اخ کے اجتماع کے وقت لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ تقسیم کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ خیفی بھائی اور بہن عصبہ نہیں ہو سکتے۔

(۲) اخت اور اخ کا حصہ $\frac{1}{6}$ اور $\frac{1}{3}$ بیان کیا گیا ہے اور اس کے ماقبل میں ماں کا حصہ بھی $\frac{1}{6}$ اور $\frac{1}{3}$ بیان ہو چکا ہے۔ اس مناسبت سے معلوم ہوا کہ یہ حصہ مادری بھائی اور بہنوں کا ہے۔ ان قرائن کی وجہ سے اس جگہ "لامّ" اور دوسری آیت میں "لامّ واب" کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا۔

(۳) حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابیّ بن کعب کی قراءت میں "لامّ" کا لفظ بھی موجود ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ لفظ انہوں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تفسیر کے سنا ہو گا۔ منکرین حدیث (معاذ اللہ) حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ قرآن دانی کے مدّعی ہیں (فعلیہم ما علیہم)

(۴) اس آیت میں خیفیوں کا حصہ مذکور ہونے پر جملہ امّت کا اجماع ہے۔

باقی رہا "لہ" کی ضمیر کا سوال سو اس کی چند وجوہ ہیں۔

ارغام العنید ــــــ ۲۷

(۱) عرب کا قاعدہ ہے کہ جب دو اسم حکم میں متحد ہوں تو دونوں میں سے ایک کی طرف ضمیر کو کافی سمجھتے ہیں جیسا کہ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ میں ہے۔ قال الفراء اذا جاء حرفان بمعنی واحد جاز اسناد التفسیر الی ایھما ارید ویجوز اسنادہ الیھما ایضًا (خازن)

(۲) "لہ" کی ضمیر رجل اور امرأۃ ہر ایک کی طرف ہے مگر مذکر کو غلبہ دیکر ضمیر مذکر لائی گئی ہے جیسا کہ "وَاِنْ کَانُوْٓا اِخْوَۃً رِّجَالًا وَّنِسَآءً" میں "کَانُوْا" اور "اخوۃ" مذکر ہیں۔

(۳) ضمیر صرف رجل کی طرف ہے۔ عورت کا حکم بالتبع خود بخود معلوم ہو جائے گا۔

(۴) ضمیر لفظ "احدہما" کی طرف ہے جو مذکر ہے اور حرف "او" سے مفہوم ہے۔

(۵) مورو ث منہ کی طرف راجع ہے۔

(۶) میّت کی طرف ہے۔

(۷) اگر ضمیر "لہ" کو کلالہ کی طرف کہا جائے تو بھی مقصود کے خلاف نہیں۔

(۸) آپ نے ضمیر "لہ" کی اصلاح کے لئے تو آیت کی تحریف معنوی کر دی مگر یہ نہیں سوچا کہ اس تحریف کے بعد بھی آپ اسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ آپ کی تحریف کے مطابق بھی "او" عاطفہ کی وجہ سے عبارت یوں ہو گئی "اِنْ کَانَ امْرَاَۃٌ یُّوْرَثُ" اس میں "کَانَ" اور "یُوْرَثُ" مذکر ہیں۔

آپ کی بیان کردہ تفسیر مندرجہ ذیل وجوہ سے محض تحریف اور باطل ہے۔

(۱) یہاں عہدی رشتہ دار مراد لینے پر کوئی قرینہ نہیں۔

(۲) "اُمرأۃ" کا عامل "کان" اور ضمیر "یورث" مذکر ہے جو آپ کے خیال میں درست نہیں۔

(۳) حال ذو الحال کے عامل کے لئے قید ہوتا ہے۔ پس جملہ حالیہ وَلَہٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ استحقاق سدس کے لئے قید ہوگا۔ آپ نے خود اس کا ترجمہ "بحالیکہ" کیا ہے اور یہ آپ کے مقصود کے خلاف ہے آپ کے نظریہ پر "ان" وصلیہ کے ساتھ وَاِنْ کَانَ لَہٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ ہونا چاہئے تھا۔

(۴) قرآن کریم میں اس آیت کے سباق و سیاق میں وارثوں کے لئے فعل مجرد سے صیغہ معلوم استعمال کیا گیا ہے "وَوَرِثَہٗٓ اَبَوٰہُ" "وَھُوَ یَرِثُھَا" وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ "یورث" بھی مجرد سے صیغہ مجہول ہے اور رجل سے مراد موروث منہ ہے نہ کہ وارث۔

(۵) آپ کی تحریف پر لازم آتا ہے کہ اخیافیوں کا حصہ قرآن میں مذکور نہ ہو، یا اخیافی بھائی بھی عصبہ ہوں اور یہ دونوں امور باطل ہیں۔

(۶) یہ تحریف حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے خلاف ہے جو سعد بن ابی وقاص اور ابی بن کعب

سے منقول ہے ۔

⑦ یہ تحریف اجماع امت کے خلاف ہے ۔ یہ قرارت صرف ابی بن کعب کی نہیں بلکہ ابن مسعود، سعد ابن ابی وقاص اور سعید بن ابی وقاص سے بھی منقول ہے (فتح الباری ج ۱۲ ص۳۱) واخرج غیر واحد عن سعید بن ابی وقاص (روح المعانی ج ۴ ص۲۰) ابی بن کعب کی قرارت میں معوذتین کا قرآن سے خارج ہونا محتاج نقل ہے، عبداللہ بن مسعود کی طرف یہ نقل منسوب ہے جس کی محققین نے تردید کی ہے اور کہا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود پر یہ بہتان ہے ۔ ملاحظہ ہو المحلی لابن حزم کا شروع، شرح تہذیب للنووی، ابن ہمام کی کتاب التحریر کی شرح ج ۱۰ ص۹ ۔ شفاء للقاضی عیاض المالکی کی شرح لملاعلی القاری ج ۲ ص۵۵ ۔ اگر بالفرض ابی بن کعب کی قرارت پر معوذتین قرآن سے خارج ہیں تو کیا کسی صحابی کا ایک قول غیر مقبول ہونے کی وجہ سے اس کا ہر قول رد کیا جا سکتا ہے خصوصاً جبکہ حضرت ابی بن کعب سید القراء ہیں ۔ کما فی تقریب التہذیب، ایسے ہی بیہقی میں بعض روایات ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کی جمیع روایات کو رد کر دینا کوئی معقول چیز نہیں خصوصاً جبکہ فتح الباری اور روح المعانی میں بھی دیگر صحابہ سے یہ قرارت منقول ہے اور اس پر اجماع بھی ہے ۔

آٹھواں اعتراض ۔ اقرب وہ رشتہ دار ہے جو بلا واسطہ مورث سے رشتہ رکھتا ہو یا بالواسطہ لیکن بروقت وفات مورث کے وہ واسطہ موجود نہ ہو۔ جس طرح کہ میت کے مرنے کے وقت اگر اس کا باپ موجود نہیں ہے تو دادا بجائے باپ کے رکھا جاتا ہے ۔ اس لئے کہ بیچ میں جو واسطہ تھا یعنی باپ جس کی وجہ سے دادا محجوب ہو جاتا تھا وہ نہیں ہے ۔ لہذا دادا اس واسطہ کی عدم موجودگی سے خود اقرب ہو گیا ۔ اور اب کوئی اقرب خواہ وہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو دادا کو محجوب نہیں کر سکتا ۔ (طلوع ۵۲ء ص۳۵)

جواب ۔ اس کا مفصل جواب اور پوری تحقیق صورت پنجم میں گذر چکی ہے ۔

نواں اعتراض ۔ اگر عصبات میں "اولیٰ رجل ذکر" آپ بطور قانون کلی کے قرار دیتے ہیں تو خود کیوں اس کو جا بجا توڑتے ہیں ۔ مثلاً

بیٹیاں	بہن	بھتیجا
۲	۱	محروم

اس مثال میں بیٹیاں ذوی الفروض ہیں ان کو ۲ ثلث دینے کے بعد جو کچھ بچا تھا وہ اس قاعدہ کی رو سے بھتیجے کو جو اقرب ترین مرد تر ہے ملنا چاہئے تھا ۔ لیکن وہ محروم کر دیا گیا اور بہن جو زن مادہ ہے بقیہ کی وارث ہو گئی (طلوع جون ۵۲ء ص۳۷)

جواب ۔ اس حدیث میں عصبہ بنفسہ کا حکم مذکور ہے کیونکہ حقیقی عصبہ صرف یہی ہیں "رجل ذکر" کی قید سے عمہ، بنت العم اور بنت الاخ وغیرہ کا اخراج مقصود ہے عصبہ بالغیر کا استحقاق قرآن مجید سے اور عصبہ مع الغیر کا حدیث "اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ" سے ثابت ہے ۔ یہ حدیث آیت کلالہ کے خلاف

نہیں ہے۔ کیونکہ اخت کے صاحب فرض ہونے کے لئے میّت کا کلالہ ہونا شرط ہے اور حدیث میں بنت کی موجودگی میں اخت کو صاحب فرض قرار نہیں دیا گیا۔

دسواں اعتراض ۔ یتیم اولاد کے محجوب کرنے میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ محجوب اولاد کے دلوں میں محرومی کی وجہ سے رنجش پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص فرشتہ تو نہیں ہے کہ مادی جذبات سے بالاتر ہو۔ انسان کی فطرت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ میرے ہی بزرگوں کی کمائی سے جن کا خون میری رگوں میں گردش کر رہا ہے میرے چچا زاد بھائی تو عیش وعشرت کریں اور میں بلا کسی قصور کے اس سے بالکل محروم ہوں تو اس کو صبر نہیں آتا الخ دوسری خرابی یہ ہے کہ جب لائق بیٹوں کو" جو باپ کے خدمت گذار ہیں اور اس کی ملکیت کے انتظام و ترقی میں دن رات محنت اور کوشش کرتے ہیں" یہ یقین ہو جائے گا کہ اگر اتفاقاً وہ اپنے باپ سے پہلے مر گئے تو ان کی اولاد محجوب ہو جائے گی تو وہ باپ کی خدمت اور اس کے کاروبار سے پہلو تہی کرنے لگیں گے اور اپنی کمائی اور کوشش سے اپنی جداگانہ ملکیت پیدا کرنے کی فکر میں پڑ جائیں گے الخ۔ تیسری خرابی ایک مثال سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک دولت مند کے دو بیٹے ہیں۔ جن میں سے ایک بیٹے کے چار بیٹے اور ایک کا صرف ایک ہی بیٹا ہے۔ اب اگر چار بیٹوں کا باپ خود اپنے باپ کی زندگی ہی میں مر جائے تو اس کے چاروں بیٹے محجوب الارث کے قانون کی رو سے سمجھ لیں گے کہ جو کچھ خاندانی ملکیت ہے وہ دادا کے مرنے پر چچا کو اور پھر اس سے منتقل ہو کر چچا زاد بھائی کو ملے گی۔ ہم چاروں بھائی تو ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو گئے۔ اس لئے ان میں سے اگر کوئی محرومی کے خیال سے غیظ وغضب میں آکر اپنے بھائیوں کی خاطر بلا ان کے مشورہ کے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دادا کی زندگی میں چچا کو کسی حیلہ سے مار ڈالے تو بالکل قرین قیاس ہے الخ۔

(طلوع اسلام جون ۵۲ء ص۴۱)

جواب ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہواء باطلہ اور نفس پرستی کے نشہ میں ہر محمود چیز معیوب اور ہر معیوب چیز محمود نظر آنے لگتی ہے۔ چنانچہ مسلم صاحب نے نشۂ اجتہاد میں آکر پوتے کو محجوب کرنے کی خرابیاں تو لکھ دیں۔ مگر اس کے برعکس محجوب نہ کرنے میں بعینہٖ یہی خرابیاں بلکہ ان سے بھی زیادہ مضرتیں ہونے کے باوجود چشم کور سے مخفی ہیں۔ غور کیجیے کہ بھتیجے کو چچا کا مد مقابل اور رقیب بنا دینے سے چچا کے دل میں رنج پیدا نہ ہو گا؟ خصوصاً جب چچا کے متعدد لڑکے ہوں۔ فرض کیجیے کہ یتیم پوتا ایک ہے اور چچا کے پانچ لڑکے ہیں تو کل مال میں سے ½ صرف پوتا لے جائے گا اور چچا کے لڑکے فی الحال محروم ہیں اور ان کے والد کے مرنے پر بھی یقین نہیں کہ وہ ان کے لئے کچھ ملکیت چھوڑ جائے گا۔ پھر اگر ملا بھی تو وہ دادا کی ملکیت سے نہیں بلکہ ان کے والد کی ملکیت سے ملیگا اور وہ بھی اس قدر قلیل کہ یتیم پوتے سے پانچ گنا کم۔ کیا یہ چیز چچا اور چچا زاد بھائیوں سے عداوت اور

خاندانی بربادی کا باعث نہیں۔ اور جب چچا کو یقین ہو جائے گا کہ یتیم پوتے کو میرے لڑکوں سے پانچ گنا زیادہ حصہ ملیگا۔ بلکہ خود میرا رقیب بن جائے گا حالانکہ میرے لڑکے دادا کی وراثت سے بالکل محروم ہیں تو کیا اس صورت میں چچا اپنے باپ کے کاروبار اور اس کی خدمت سے پہلوتہی کر کے اپنی جداگانہ ملکیت پیدا کرنے کی فکر میں نہ پڑ جائے گا؟ اور اگر چچا بھتیجے کو اپنا ہم درجہ اور مساوی شریک دیکھ کر اور اپنے لڑکوں سے مقدم فی الاستحقاق سمجھ کر غیظ میں آکر اسے قتل کر ڈالے یا چچا کے لڑکے" اس صدمہ میں کہ ہم تو دادا کی میراث سے محروم ہیں اور یہ ہمارے باپ کا شریک ہو رہا ہے۔ پھر اگر کسی وقت میں ہماری طرف یہ ملکیت منتقل ہو بھی گئی تب بھی اس کا حصہ ہم سے پانچ گنا زیادہ ہے یہ عیش و عشرت میں زندگی گذاریگا اور ہم تنگدستی میں" یتیم پوتے کو قتل کر ڈالیں تو کیا یہ قرین قیاس نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ خاندان میں اتفاق اور محبت تب ہی باقی رہ سکتی ہے کہ یتیم پوتے کو چچا کے لڑکوں کا درجہ دیا جائے۔ جیسے وہ دادا کے وارث نہیں اسی طرح یتیم پوتا بھی وارث نہ ہو۔ اس صورت میں چچا اور اس کے لڑکوں کے دل میں عداوت کا کوئی باعث نہ ہوگا بلکہ یتیم ہونے کی وجہ سے فطری شفقت موجزن ہو گی اور جس طرح چچا کے لڑکے اس لئے اس کے فرمانبردار رہتے ہیں کہ یہ خود کسی چیز کے مالک ہی نہیں اپنے باپ کے محتاج ہیں اسی طرح یتیم پوتا بھی اپنے چچا کا مطیع رہے گا۔ اس کے برعکس اگر اسے چچا کا ہم درجہ بنا دیا جائے تو یہ چچا کی اطاعت نہ کریگا بلکہ اس کا مدمقابل اور ہر معاملہ میں اس کا رقیب ہوگا جس سے خاندانی بربادی ظاہر ہے۔

یہاں طلوع اسلام کے مضمون سے صرف ان امور کا جواب دیا گیا ہے جو موجب شبہ ہو سکتے تھے جو چیزیں وہم محض اور بیّن البطلان ہیں ان کے جواب کی ضرورت نہیں۔ منکرین حدیث نے وراثت سے متعلق نظام اسلامی کے پورے ڈھانچہ کو پاش پاش کر دیا ہے۔ پس ان پر لازم ہے کہ اصول وراثت کا کوئی جدید ڈھانچہ تیار کر کے پیش کریں۔ یتیم پوتے کا مسئلہ جس پر محدثین، ائمہ، علماء، صوفیاء، فقہاء، حنفیہ، مالکیہ شافعیہ، حنبلیہ، شیعہ، غیر مقلد، اہل بدعت وغیرہم ساری امت کا اجماع ہے اس کا انکار کرنے سے منکرین حدیث کا مقصد قرآن کی حقانیت کو مخدوش کرنا ہے جبکہ پونے چودہ سو سال تک کوئی ایک فرد بھی یہ مسئلہ نہ سمجھ سکا بلکہ ساری امت گمراہی میں مبتلا رہی تو ان اسلاف کے ہاتھوں سے ہم تک پہنچے ہوئے قرآن اور سارے اسلامی نظام پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

میں آخر میں منکرین حدیث سے پھر وہی سوال کرتا ہوں جو روزنامہ زمیندار بابت ۱۱ جنوری ۵۴ء میں پیش کر کے پرزور الفاظ میں اس کے جواب کا مطالبہ کر چکا ہوں۔ مگر آج تک منکرین حدیث کے منہ پر مہر سکوت لگی ہوئی ہے۔

ارعام العنید ۔۔۔ ۳۱؍

اخبار زمیندار ۳۱ دسمبر ۵۳ء کی اشاعت میں منکرین حدیث نے یہ اعتراض کیا تھا کہ قرآن میں اصول وراثت کا بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ قریب کے رشتہ دار کو بعید کے رشتہ دار سے پہلے حصہ ملیگا. لیکن علماء اپنے اصولِ وراثت کی لاج کی خاطر اس کا مفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ قریب کا رشتہ دار بعید کے رشتہ دار کو محروم کر دیتا ہے اسے حجب حرمان کہتے ہیں۔

اس کا جواب جو میری طرف سے ۱۱ جنوری کی اشاعت میں دیا گیا تھا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ذوی الفروض کی طرح عصبات میں بھی قریب کو زیادہ اور بعید کو کم حصہ دینے کے اصول پر عمل کیا جائے تو اس کی بیشی کا معیار کیا ہوگا ؟ اور اگر بیٹے اور پوتے کو مساوی حصہ دینا چاہتے ہیں تو یہ آپ ہی کے بیان کردہ قرآنی قانون "قریب کو بعید سے پہلے ورثہ ملیگا" کے خلاف ہے. کیونکہ پہلے ورثہ ملنے کا یہ مفہوم تو نہیں ہو سکتا کہ قریب کو صبح کے وقت حصہ دیا جائے اور بعید کو شام کے وقت. اور یہ بھی آپ تسلیم نہیں کرتے کہ قریب کی وجہ سے بعید محروم ہے. تو پہلے ورثہ ملنے کا آپ کے ہاں صرف یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ قریب کو زیادہ اور بعید کو کم حصہ ملے تو اس کمی بیشی کا معیار کیا ہے ؟ میں نے اس وقت بھی اس کے جواب کا پُرزور مطالبہ کیا تھا اور اب پھر چیلنج کرتا ہوں کہ خود مضمون نگار یا اس کا کوئی غیور طرفدار میدان میں آئے. وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ منکرین حدیث میں اگر کچھ سکت باقی ہے تو صرف اس ایک سوال کا جواب دیں۔ غیرت کا تقاضا ہے کہ اس گلوگیر اعتراض سے جان بچانے کی کوشش کریں ودونہ خرط القتاد ایک چیز دنیا میں پیش کر کے اس کے منہ توڑ جواب کی تاب نہ لاکر زاویۂ خمول میں جا گرنا بہت بڑی ذلت اور انتہائی بزدلی ہے۔

فی الحال اسی قدر مضمون پر اکتفاء کرتا ہوں جو اہل عقل کے لئے کافی اور وافی ہے۔ ؎

اب تو جاتے ہیں میکدہ سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا !

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

رشید احمد

۱۵ شعبان ۱۳۷۳ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ

الرُّجُوم الشِّهَابِيَّة

على

الفرقة الذِّكريَّة والإباضيَّة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکری فرقہ

سوال:- بلوچستان اور خاص طور سے ضلع مکران میں ایک مہدوی فرقہ بنام "ذکری" مشہور و معروف ہے، یہ دراصل مہدویوں کی ایک شاخ ہے جو عرصہ تین چار سو سال سے ہے، ان کے سلسلے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات درکار ہیں۔

① ان سے رشتہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے بعض جہلاء ان سے رشتہ لیتے اور دیتے بھی ہیں۔

② اگر نکاح کر لیا ہو تو اب مسئلہ معلوم ہونے کے بعد کیا کرے؟

③ بصورتِ افتراق اس نکاح سے جو بچے پیدا ہوئے ہیں وہ کس کے ہیں،

④ کیا یہ لوگ اہل کتاب شمار کئے جا سکتے ہیں؟ جبکہ یہ قرآن کو مانتے اور پڑھتے بھی ہیں اور مُنزّل من اللہ سمجھتے ہیں۔

⑤ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کیسا ہے؟ جبکہ ذبح کے وقت کلمہ اور اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سوالات کا جواب دینے سے قبل مناسب ہے کہ ذکری مذہب پر ایک سرسری نگاہ ڈال لی جائے۔

آپ کو یہ سنکر شاید تعجب ہوگا کہ "ذکری مذہب" ایک ایسا مذہب ہے جس کا کوئی ضابطہ حیات نہیں ہے بلکہ وقتی طور پر اس کے پیشوا جن کو ملّائی کہا جاتا ہے وہ جو کچھ حکم دیدیں وہی ان کا دین ہے، ان کے مذہب پر اگر کوئی کتاب اصولی طور پر ان کے مذہب کے بانی یا اور کسی پیشوا نے لکھی بھی ہے، تو اول تو وہ قلمی ہے اور ایک دو نسخہ سے زائد نہیں۔ مزید یہ کہ بہائیوں کی کتاب اقدس کی طرح وہ فضا ساز گار ہونے تک برسرِ عام نہیں لائی جاتی، بلکہ وہ ایک دو نسخے ابا عن جدٍ ان کے مذہبی پیشواؤں کے پاس منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔

تاہم ان کے مذہبی عقائد جس حد تک ہمیں معلوم ہو سکے ان میں سے چند اصولی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ سوالات کے جوابات تحریر کئے جائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

مہدوی فرقہ

ذکریوں کے عقائد ذکر کرنے سے قبل یہ بتا دینا ضروری ہے کہ "ذکری مذہب" حقیقت میں فرقہ مہدویہ

کی ایک شاخ ہے، مہدوی فرقہ میراں سید محمد جونپوری کی طرف منسوب ہے، مختلف جگہوں میں اس کے مختلف نام ہیں، کہیں یہ لوگ " مہدوی" کہلاتے ہیں، کہیں " دائرہ والے" کہیں " مصدق" کہیں " ذکری" کہیں " داعی" اور کہیں " طائی" کا نام رکھتے ہیں۔ (مہدوی تحریک ص۵)

مہدی جونپوری

میراں سید محمد جونپوری، جمادی الاولیٰ بروز پیر ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء جونپور (دوآبہ) ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ (مہدوی تحریک ص۳۵) والد کا نام سید عبداللہ ہے بارہویں پشت میں موسیٰ کاظم تک سلسلہ نسب جا پہنچتا ہے۔ والدہ کا نام آمنہ خاتون اور عرف آغا ملک ہے (مہدوی تحریک ص۳۵)

سندھ کے عوام سید محمد جونپوری کو " میراں سائیں" اور مکران وفلات وایران کے ذکری " نور پاک" کے لقب سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں، جمادی الاولیٰ ۸۸۷ھ میں جونپور کو چھوڑ کر مختلف علاقوں میں گشت کرتے رہے، یہاں تک کہ ۹۰۰ھ میں احمد نگر پہنچے اور ۹۰۱ھ میں حج کے لئے چلے گئے، نو ماہ مکہ معظمہ میں قیام رہا اور " رکن" اور " مقام ابراہیم" کے درمیان کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ میری ذات وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور انبیاء سابق نے جس کی آمد کی خبر دی تھی اور یہ کہا کہ مہدی آخر زمانی میری ذات ہے (تحریک مہدویت ص۴۴)

شیخ محمد اکرم نے " رود کوثر" میں اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ :-

" ۹۰۱ھ میں انہوں نے حج کیا اور مکہ معظمہ میں بھی مہدویت کا دعویٰ کیا"

اس کے بعد واپس ہندوستان آئے۔ سب سے پہلے احمد آباد (گجرات) میں داخل ہوئے، چنانچہ ۹۰۵ھ میں وہ موجودہ پاکستان کے علاقہ ٹھٹھہ میں آئے اور یہاں تقریباً چھ ماہ قیام کیا۔ ٹھٹھہ میں ان کی جائے قیام آج تک زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔

ٹھٹھہ سے چل کر بلوچستان کے غیر آباد اور دشوار گذار راستوں سے ہو کر آپ اپنی کثیر جماعت کو ساتھ لے کر قندھار پہنچے، قندھار سے فراہ (جو اس زمانے میں ایران میں داخل تھا، اب افغانستان میں شامل ہے) آئے، اور فراہ میں ۱۹ ذیقعدہ ۹۱۰ھ میں روز دوشنبہ انتقال کر گئے۔

(مہدوی تحریک مختصراً ص۴۶)

مہدی ہونے کا دعوی اور سلاطین کو دعوت نامہ

ذیل میں ہم ان کا ایک دعوت نامہ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے مختلف امراء و سلاطین کو لکھا ہے۔ یہ خط شمس الدین مصطفائی نے اپنی کتاب "مہدوی تحریک" میں "قول المجموع" کے حوالے سے نقل کیا ہے یہ خط مقام بڑلی (گجرات) سے ۹۰۵ھ میں مختلف امراء و سلاطین اور خوانین کے نام جاری کیا گیا ؛

"اے لوگو! اس امر کو سمجھ لو کہ میں محمد بن عبد اللہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہم نام ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ولایتِ محمدیہ کا خاتم اور اپنے نبی کی بزرگ امت پر خلیفہ بنایا ہے۔ میں وہی شخص ہوں، جس کے آخری زمانے میں مبعوث ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور میں وہی ہوں جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ میں وہی ہوں جس کا سابقہ پیغمبروں کے صحیفوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ میں وہی ہوں جس کی اگلے اور پچھلے گروہوں نے توصیف کی ہے۔ میں وہی ہوں جس کو رحمانی خلافت دی گئی ہے۔ میں اللہ کی طرف بصیرت پر مخلوق کو اللہ کے حکم سے بلاتا ہوں، میں اس دعوی کے وقت نشے کی حالت میں نہیں ہوں، بلکہ باہوش ہوں۔ ہوش میں لائے جانے اور بیدار کئے جانے کا محتاج نہیں ہوں، اللہ کی طرف سے مجھے پاک رزق ملتا ہے اور مجھے سوائے اللہ کے اور کسی شے کی احتیاج نہیں، میں ملک و حکومت کا طالب نہیں ہوں اور نہ مجھے ریاست و سلطنت قائم کرنے کی خواہش ہے۔ میں امارت، ملک اور ریاست کو نجس خیال کرتا ہوں۔ دنیا کی محبت سے چھڑانا میرا کام ہے۔

میری اس دعوت کا باعث یہی ہے کہ میں اللہ کی جانب سے اس دعوت پر مامور ہوں تاکید اور تہدید سے میں اپنی دعوت تم تک پہنچاتا ہوں۔ اللہ نے مجھے مفترض الطاعۃ بنایا ہے (یعنی میری اطاعت فرض ہے) میں تمام انس و جن کی طرف اپنی اس دعوت کو پہنچا رہا ہوں، اس مضمون سے کہ میں ولایتِ محمدیہ کا خاتم ہوں، میں اللہ کا خلیفہ ہوں جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے روگردانی کی گویا اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے روگردانی کی۔ اے لوگو! مجھ پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو چھٹکارا نصیب ہو۔ میری بات سنو اور میری پیروی کرنے میں جلدی کرو تاکہ تم

فلاح پاسکو جو کوئی میرا انکار کرے گا اور میرے احکام سے سرتابی کرے گا اس کو اللہ اپنی شدید پکڑ میں پکڑیگا اے لوگو! اس دن کے عذاب سے بچو جس دن پہاڑ باریک ریت کی طرح پیس دئے جائیں گے۔ تم اس دنیا سے اس حالت میں سفرت کرو کہ ہلاکت میں گرفتار ہو جس ثواب آخرت اختیار کرو۔ اس ثواب آخرت کو کھوٹے داموں کے عوض نہ بیچو تم سمجھدار ہو، اگر تم سمجھتے ہو کہ میں بناوٹی ہوں اور میں اللہ تعالیٰ پر افترا کر رہا ہوں تو تمہارا فرض ہے کہ تحقیق کرو اور اس بات کے لئے جدوجہد کرو، اگر تم نے میری بات پر توجہ نہ دی تو تمہارا جھٹلانا ثابت ہوگا تم حق بات کی تحقیق پر قادر ہو اور اگر تم نے مجھے جھوٹ پر چھوڑ رکھا تو لازماً تم ماخوذ ہو گے۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں اور اللہ شہادت کے لئے کافی ہے کہ میں امت محمدیہ کا دافع ہلاکت ہوں اور گمراہی سے بچانے والا ہوں۔ تم پر لازم ہے کہ دھوکے میں نہ رہو بلکہ میرے اقوال، افعال اور احوال کو قرآن پاک سے ملاؤ اور غور کرو، اگر میرا ہر کام اور میرا ہر حال قرآن کے مطابق ہے تو میرا کہا مانو، ورنہ مجھے قتل کر دو۔ یہی تمہاری نجات کا ذریعہ ہے۔ اللہ سے ڈرو اور قلب عاجز سے اس کی جانب متوجہ ہو جاؤ کیونکہ وہ مہربان اور متوجہ ہونے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ یہ بات نصیحت ہے اس کے لئے جس نے قلب حاضر اور گوش وا سے اس کو سنا،، اھ (مہدوی تحریک ص۴۲ تا ص۴۴ بحوالہ قول المحمود)

زینۂ مہدویت

سید محمد جونپوری کے والد کا نام عبداللہ نہ تھا، اور نہ ہی والدہ کا نام آمنہ، بلکہ جب سید محمد نے مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال گذرا کہ حدیث میں مہدی کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ آیا ہے اسلئے اپنے والدین کے نام تبدیل کر کے حدیث کی ان پیشگوئیوں سے مطابقت اختیار کر لی جائے، چنانچہ اپنے والدین کے نام تبدیل کرا دئے، جب وہ ان ناموں سے مشہور ہو گئے تو مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے ہمعصر مصنفین میں سے کوئی بھی والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ نہیں لکھتا، بعض محققین کی عبارات درج ذیل ہیں:-

الجونپوری:- سید محمد الکاظمی الحسینی ابن سید خان المعروف بڈھ اویسی اور والدہ آقا ملک، مہدی ہونے کا مدعی۔ جونپور میں بروز یکشنبہ ۱۴ جمادی الاولیٰ ۸۴۷ھ، ۱۰ ستمبر ۱۴۴۳ء کو پیدا ہوا۔ ہمعصر مآخذ میں سے کوئی بھی اس کے والدین کا نام عبداللہ اور آمنہ نہیں بتاتا جیسا کہ مہدوی مآخذ مثلاً سراج الابصار میں دعویٰ کیا گیا ہے۔ بظاہر اس کا مقصد یہ ہے کہ ان ناموں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ناموں جیسا بنا دیا جائے تاکہ حدیث کی بعض پیشگوئیاں جونپوری پر ٹھیک آسکیں۔ علی شیر قانع کی تحفۃ الکرام اور خیر الدین الہ آبادی کے جونپور نامہ میں ان ناموں کا ذکر ہے۔ یہ بعد کی تالیفات ہیں اس لئے معتبر نہیں۔"

(دائرہ معارف اسلامیہ اردو ص۵۲۱ ج۷۔ دانشگاہ پنجاب لاہور)

علامہ عبدالحی بن فخر الدین الحسینی اپنی مشہور کتاب "نزہۃ الخواطر" کے سلسلہ ۴۸۶ میں لکھتے ہیں :۔

الشیخ الکبیر محمد بن یوسف الحسینی الجونپوری المتمھدی المشہور بالھند، ولد سنۃ سبع واربعین وثمان مائۃ بمدینۃ جونپور (نزہۃ الخواطر ص ۳۲۲ ج ۴) اسی کتاب میں آگے چل کر اس کی مزید نقاب کشائی کرتے ہیں ، " قال ابو رجاء الشاھجھانپوری فی الھدیۃ المھدویۃ ان الجونپوری لم یمنع اصحابہ عن ذلک (ای عن نسبتہ الی المھدی الموعود ۱۲ مؤلف) وبدل اسم ابیہ بعبداللہ واسم امہ بآمنۃ واشاعھا فی الناس وصنف کتابا فی اصول ذلک المذھب ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۳۲۲ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

ملا عبدالقادر بدایونی کی فارسی تاریخ "منتخب التواریخ" کے مترجم محمود احمد فاروقی نے حاشیہ میں لکھا ہے "سید محمد جونپور کے رہنے والے تھے، انکے والد کا نام یوسف تھا، ایک مجذوب شیخ دانیال کے مرید و خلیفہ ہوئے۔" (ترجمہ منتخب التواریخ ص ۲۱)

بہر حال سید محمد جونپوری کے والد کا نام یوسف ہو یا سید خان یا سید محمد یوسف خان، لیکن اتنی بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ والد کا نام عبداللہ مہدویت کے شوق کے بعد رکھا گیا ہے۔ ایسے ہی والدہ کا اصل نام آغا ملک تھا جسے ہوس مہدویت نے آمنہ سے بدل دیا اور آغا ملک (آغا ملک) کو عرفی نام تجویز کر دیا۔ اس سے قارئین حضرات بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سید محمد جونپوری نے جس طرح والدین کے نام بعد میں نقلی تجویز کر ڈالے ایسے ہی دعوائے مہدویت بھی نقل ہے جسے بالفاظ دیگر مصنوعی مہدی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ذکری مذہب

یہاں تک یہ بات ثابت ہو گئی کہ سید محمد جونپوری نے مہدی آخر الزمان ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اب ہم مذہب ذکری کے متعلق کچھ مختصراً عرض کریں گے۔

یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ سید محمد جونپوری مہدی آخر الزمان ہیں۔ نیز اس کو رسول بھی مانتے ہیں، چنانچہ ان کا کلمہ اہل اسلام کے کلمہ کے برعکس یہ ہے لا الٰہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی مراد اللہ

(بلوچستان گزیٹر جلد ۷، آرہیوز بلر ۱۹۰۷ء مکران ص ۱۱۶)

نیز یہ کبھی اپنا کلمہ یوں بھی پڑھتے ہیں لا الٰہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ (ملت بیضا ص ۱)

یہ لوگ اپنے پیغمبر کو عام طور پر محمد مہدی اٹکی کہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ ان کا پیغمبر محمد مہدی، اٹک (پنجاب) سے مکران آیا تھا، وہ ایک نور تھا جو ظاہر ہو کر ان کے بزرگوں کو دین کا راستہ بتا کر روپوش ہو گیا۔

ان کا خیال ہے کہ اس واقعہ کو چار پانچ سو برس گذر چکے ہیں، اور ان کے تفصیلی حالات (مہدی نامہ) میں لکھے ہیں مگر وہ یہ کتاب کسی کو نہیں دکھاتے، یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ (ماخوذ از ملت بیضا ص ۲۵)

لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے، یہ محمد اٹکی، سید محمد جونپوری ہی کو کہتے ہیں، اور ہم پیچھے بتا چکے ہیں کہ سید محمد جونپوری مکران کے علاقے میں گئے ہی نہیں بلکہ جب پنجاب (ہند) سے نکلے تو بلوچستان کے اس راستے سے گئے جو قندھار جاتا ہے، پہلے قندھار اور پھر "فراہ" چلے گئے اور "فراہ" ہی میں انتقال ہوا اس لئے مکران میں ان کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ابو سعید بلیدی جو سید محمد جونپوری کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے انکے ہاتھوں مکران میں یہ فتنہ آیا، یہ وہ زمانہ ہے جبکہ اس علاقے میں بلیدیوں کی حکومت تھی، یہ پندرھویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں ایران پر صفوی خاندان کا شاہ اسمعیل صفوی جو غالی شیعہ تھا فرمانروا تھا اور ترکی میں سلطان سلیم اول کی حکمرانی تھی۔ پرتگیز، ولندیز اور انگریز اسی زمانے میں بحیرۂ عرب سے ہندوستان میں تجارت اور سیاسی قسمت آزمائی کرنے میں مصروف تھے، ان کی وجہ سے ہندوستان کے عازمین حج کو کافی دقت اٹھانی پڑی۔ یہ تفصیلات مہدوی تحریک سے متعلق تقریباً سب ہی کتب میں لکھی ہیں۔

ذکریوں کے عقائد

مہدوی اور ذکری فرقہ کے تاریخی حالات پیش کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے، چند باتیں بطور پس منظر و اظہارِ حقیقت ذکر کر دی گئیں، اب ذیل میں ان کے چند عقائد ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) ذکریوں کا کلمہ الگ ہے ذکریوں کے کلمہ سے متعلق کچھ حوالے ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں، مزید حوالے ملاحظہ ہوں:۔

"اول آنکہ فرقۂ داعیان کلمہ طیبہ را بدین طریق میگویند لا الٰہ الا اللہ محمد مہدی رسول اللہ" (عدۃ الوسائل ص۱۱)

ان کے جدید کلمہ میں نور پاک کا اضافہ بھی ہے (میں ذکری ہوں ص۳۶ ج ۱)

نیز ذکری اور داعی لوگ "رسول اللہ" کی جگہ بسا اوقات "امر اللہ" یا "مراد اللہ" بھی کہتے ہیں۔

ان کا ایک کلمہ وہ ہے جسے وہ اپنی پنجگانہ تسبیحات میں پڑھتے ہیں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الملکُ الحقُّ المبین نور محمد مہدی رسول اللہ صادق الوعد الامین (ترجمہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے، برحق ہے، ظاہر ہے۔ نورِ محمد مہدی اللہ کے رسول ہیں، جو وعدے کا سچّا اور امانت دار ہے۔

(ذکر توحید ص۱۴۷، ۱۴۹، ۱۶ و مہدوی تحریک ص۴۷)

(۲) نماز کے منکر ہیں یہ لوگ نماز کے منکر ہیں اور نماز کی بجائے پانچ وقت ذکر کرتے ہیں۔ ۱۴
(میں ذکری ہوں ص۵)

دوم آنکہ داعیان دراداء نماز پنجگانہ براہ انکار واعراض آمدہ اند و می گویند نماز یکشا مردمان میخوانید در پنج وقت علی التعیین فرض فجر و ظہر و عصر و مغرب و عشا ثبوتی ندارد و خداوند تعالیٰ حکم عدم قرب نماز دادہ است بمقتضای آیت یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ (ترجمہ) اے مومنان نزدیک مشوید بنماز را (عمدۃ الوسائل از مولانا محمد موسیٰ صاحب ص۲)

(مکران تاریخ کے آئینہ میں ص۱۰) وغیرہ

(۳) روزہ رمضان کے منکر ہیں

سوم آنکہ مذہب والا داعیان در ماہ صیام رمضان المبارک روزہ نمی دانند، در تمام ماہ رحمٰن و شہر سبحان بشوق و ذوق در خوردن و چریدن مشغول اند. از فرضیت صیام منکر اند و میگویند کہ خداوند تعالیٰ گفتہ است بخورید و بنوشید خطاب بما داعیان کردہ است. قَالَ اللہُ تَعَالیٰ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا آہ گفت خداوند بخورید و بنوشید. ہر آن عمل کہ خداوند بجا آوردہ در ماہ رمضان خور و نوش داریم (عمدۃ الوسائل ص۲۸)

نیز ذکریوں کی اپنی کتاب "میں ذکری ہوں" میں لکھا ہے کہ وہ رمضان کے بجائے دوسرے دنوں میں تین ماہ آٹھ دن روزوں کے قائل ہیں، وہ اس طرح کہ ہر دوشنبہ، ایام بیض اور ذی الحجہ کے آٹھ، یہ کل تین ماہ آٹھ دن ہو گئے" (میں ذکری ہوں ص۳ ج۱ و ص۳۷، ۳۸، ۳۹ ج۱)

(۴) حج بیت اللہ کے منکر ہیں

یہ لوگ (ذکری اور داعی) حج بیت اللہ کے منکر ہیں اور خانہ کعبہ کو قبلہ تصور نہیں کرتے، حج بیت اللہ کے بجائے "کوہِ مراد" میں جا کر حج کرتے ہیں، جو تربت (ضلع مکران) کے قریب ایک میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ ہے۔

(ماخوذ از مہدوی تحریک ص۸)

مولانا محمد موسیٰ صاحب دشتی لکھتے ہیں :-

"چہارم آنکہ منکر بیت اللہ خانہ کعبہ شریف بقصد زیارت ہستند (الیٰ قولہ) و کوہ مراد را کہ ذکر آن گذشتہ بود قبلہ خود مقرر کردہ اند (الیٰ قولہ) برای زیارت و طواف کوہ مراد فراہم و جمع می شوند" (عمدۃ الوسائل ص۲۹، ۳۰)

یہ لوگ ۲۷ رمضان اور نہم و دہم ذی الحجہ کو زیارت کے بہانے حج کرتے ہیں۔

(مہدوی تحریک ص۸، سپاسنامہ آل پاکستان مسلم ذکری انجمن ص۱۱)

(۵) کعبۃ اللہ کے قبلہ ہونے کے قائل نہیں

مولانا محمد موسیٰ عمدۃ الوسائل میں لکھتے ہیں :-

"ایضاً پنجم آنکہ از توجہ بطرف کعبہ ضرورت عبادت

نداند، میگویند ملائیان فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ پس ہر جا کہ روی آرید پس آنجا خدای تعالیٰ
ہست، لہذا توجہ کعبہ قبلہ ضرورت ندارد (عمدۃ الوسائل ص۳۱)

دین یا مذہب

عام لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے دین ومذہب کی عجیب تقسیم کرکے لکھتے ہیں:۔
ہم مسلمانوں کا دین ایک اسلام ہے لیکن مذہب الگ الگ ہیں، جیسا حنفی، حنبلی، مالکی، شافعی، جعفری، شش امامی، ذکری اور اہل حدیث وغیرہ وغیرہ۔ ہمارا اور ان سب کا دین اسلام ہے اور جو اسلام سے خارج ہے وہ کافر ہے (میں ذکری ہوں ص۶ ج ۱)
یہ عجیب اتحاد اسلام ہے کہ کلمہ مسلمانوں سے الگ ہے، نماز، روزہ، حج جیسے اصول اسلام کے منکر ہیں مگر مسلمان ہیں۔

عبادات کا ذکری تخیّل

"کتاب" میں ذکری ہوں" کا مصنّف عبادات کے بارے میں اپنا نظریہ یوں لکھتا ہے:۔
" میری عبادت یہ ہے، ذکر خداوندی پانچ وقت، رکوع اور سجدے تین وقت اور روزہ ہم سب مذہبوں سے زیادہ رکھتے ہیں، یعنی سال میں تین ماہ آٹھ دن اور زکوٰۃ چالیس پر ایک اور عشرہ یعنی دسواں حصہ ہر آبادی پر، پائی پائی پر اور یہ ہم فرض جانتے ہیں (میں ذکری ہوں ص۸)

ان کے علاوہ " ذکری" غسل بعد جماع واحتلام کے قائل نہیں (عمدہ ص۳۲)
میت کے لئے نماز جنازہ کے قائل نہیں، صرف دعا کرتے ہیں جو ذکر خانہ میں ہوتی ہے (میں ذکری ہوں ص۲۵ ج ۱)
ان کے علاوہ اور بھی کئی خرافات ہیں، جن کا تحریر میں لانا مناسب نہیں۔

چوگان یا مذہبی رقص

اس سے قبل کہ ہم استفتاء میں مندرجہ سوالات کا جواب دیں، ذکری مذہب کے ایک سماجی رقص کا تذکرہ کرتے ہیں:۔

چوگان | یہ ایک قسم کا سماجی رقص ہے جسے مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے، یہ چوگان چاند نی راتوں اور مقدس راتوں میں بالعموم کھلے میدانوں میں ہوتا ہے۔ جوان، بچے اور بوڑھے سب اس میں بڑے انہماک سے حصہ لیتے ہیں۔ چوگان میں شریک ہونے والے ایک دائرے میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور وسط میں کوئی خوش گلو مرد یا عورت جو چوگان کے قدموں اور حرکتوں سے کماحقہ واقف ہوتا یا ہوتی ہے، کھڑے ہوکر صفت مہدی اور حمد خدا کے اشعار پڑھنا شروع کرتے ہیں اور تمام شرکاء جنہیں جوابی کہا جاتا ہے شاعر کے منہ سے نکلنے والے الفاظ پر حرکت میں آجاتے ہیں اور شعر کا آخری مصرعہ بہ یک زبان دہراتے ہیں۔ چوگان میں کسی قسم کا آلہ موسیقی استعمال نہیں کیا جاتا۔

چوگان کے بول تین طرح کے ہوتے ہیں، دو چاپی، سہ چاپی اور چار چاپی۔ مثلاً "ھادیاً مہدیا، نازنین مہدیا۔ اللہ یک، مہدی برحق۔ یاراں مہدیّا بلوٹیت۔ مہدی منی دلِ مراد" وغیرہ

(مہدوی تحریک ص۷۸)

اس چوگان (سماجی رقص) میں یہ لوگ دائرے کی شکل میں کھڑے ہوتے ہیں، جب چوگان کے بول بولے جاتے ہیں تو رقص کی طرح وہ اوپر نیچے ہوجاتے ہیں اور آگے پیچھے اس طرح سے ہٹتے جاتے ہیں کہ دائرہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے۔ ذکری مذہب میں یہ رقص بہت بڑا ثواب ہے۔ اس میں شامل ہونے والوں کے ثواب کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں، اس کے تماشائی بھی بہت بڑا ثواب کماتے ہیں۔

ایک عزیز نے بتایا کہ انہوں نے دو مدعی "مہدی آخرالزماں" دیکھے ہیں......... ذکریوں کی طرح انہوں نے بھی اپنے ماننے والوں کی اصلاح کے لئے اسی سے ملتا جلتا ایک مذہبی رقص اختیار کیا ہوا ہے، جس میں حسب ضرورت عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ مذکورہ بالا دو مہدیوں میں سے ایک کا رقص اکثر و بیشتر پچھلی رات کو ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خود ناچنے اور لوگوں کو نچانے کا جو شوق ہوا تو اپنی اس ہوس اور خواہشاتِ نفسانی کو پورا کرنے کے لئے مہدویت کا جال استعمال کیا۔ ؎

دل کو بہلانے کے لئے یہ چال چلی ہے ہم نے

یہ لوگ سید محمد جونپوری کے ایک جملہ سے اپنے دائرہ یا مذہبی رقص پر استدلال کرتے ہیں، اگرچہ سیّد محمد جونپوری کا اصطلاحی دائرہ کسی اور ڈھنگ کا تھا، وہ قول یہ ہے:-

"میرے دائرے کا کتا بھی ضائع نہیں ہوگا" (مہدوی تحریک ص۷۶)

ذکری کافر ہیں

ذکری چونکہ محمد مہدی کو رسول مانتے ہیں، اس کے نام کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور اصولِ اسلام نماز،

روزہ، حج وغیرہ کے منکر ہیں، اس لئے ان کے کافر ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں۔

آمدم برسرِ مطلب

اس تفصیل کے بعد اب مختصراً مطلوبہ سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ذکریوں سے نکاح جائز نہیں ہے، قال فی الدر (و) حرم نکاح (الوثنیۃ) قال فی الشامیۃ تحت (قولہ الوثنیۃ) و یدخل فی عبدۃ الاوثان عبدۃ الشمس (الی قولہ) وفی شرح الوجیز وکل مذھب یکفر بہ معتقدہ آہ قلت و شمل ذلک الدروز والنصیریۃ والتیامنۃ فلا تحل مناکحتھم ولا توکل ذبیحتھم لانھم لیس لھم کتاب سماوی (الشامیۃ ص۳۱۴ ج ۲)

(۲) چونکہ نکاح شرع سے ہوا ہی نہیں اس لئے علیحدگی اختیار کرلی جائے اور اتنی مدت جو بلا نکاح میاں بیوی کی صورت میں ایک ساتھ رہے اس سے توبہ کرے۔

(۳) جو بچے پیدا ہوئے ہیں وہ ولد الزنا ہیں، ان کا نسب ثابت نہیں، چونکہ ان کا باپ نہیں اس لئے ماں کی کفالت میں رہیں گے، باپ کے ساتھ ان کی وراثت کا کوئی تعلق نہیں۔

(۴) اہل کتاب وہ ہیں جو کسی سچے رسول کی طرف منسوب ہوں اور ذکری مذہب والے محمد مہدی کو رسول مانتے ہیں جو ان کے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نور پاک محمّد مہدی رسول اللہ سے صاف ظاہر ہے، حالانکہ سید محمد جونپوری نبی نہیں اس لئے یہ لوگ اہل کتاب نہیں۔

(۵) ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہیں ہے عبارت سوال ۱ کے جواب میں ملاحظہ ہو، ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے صرف کلمہ اور اللہ اکبر کہنا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے مسلمان یا اہل کتاب ہونا لازم ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ربیع الآخر ۱۳۹۶ھ

اباضی فرقہ

سوال۔ سلطنت عمان میں اکثر و بیشتر اباضی فرقہ (جو کہ خوارج کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے) کے لوگ رہتے ہیں اور اہل السنت والجماعت کے لوگ بھی کثیر تعداد میں وہاں پر زندگی گذارتے ہیں، بلکہ عمانی افواج میں اکثر لوگ سنی ہوتے ہیں۔ اب وہاں پر فوجی کیمپوں میں اباضی مستقل پیش امام ہیں اور وہی نماز پڑھاتے ہیں

کیا ان کے پیچھے اہل السنت والجماعت کی نماز ہوجاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مسقط میں جو اباضی فرقہ ہے، ان کے صحیح عقائد کیا ہیں؟ اس کی ہمیں تحقیق نہیں، ان کے متعلق صحیح فیصلہ جب ہوسکے گا جب کہ ان کے عقائد بھی ذکر کئے جائیں۔ البتہ عبداللہ بن اباض کی جانب منسوب جو فرقہ اباضیہ ہے اور جو خوارج ہی کی شاخ ہے، ان کے عقائد کتابوں میں ملتے ہیں۔ اگر یہ فرقہ بعینہ وہی ہے یا ان کے عقائد ان کے مطابق ہیں تو ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اس لئے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

سلف کی کتابوں میں ان کے متعلق مندرجہ ذیل عقائد ہمیں ملے ہیں:

قال العلامة الشیخ محمد کامل بن مصطفی بن محمود الطرابلسی الحنفی سئلت عن اهالی جبل طرابلس الغرب الذین لایتمذهبون بمذهب من المذاهب الاربعة ما مذهبهم ومن هو امامهم؟ فالجواب انهم یتمذهبون بمذهب عبد الله بن اباض وهم اباضیة وهم من جملة الخوارج وقد قسم فی المواقف الخوارج الی سبع فرق احدیها الاباضیة، قال انهم قالوا مخالفونا من اهل القبلة کفار غیر مشرکین تجوز مناکحتهم وغنیمة اموالهم من سلاحهم وکراعهم حلال عند الحرب دون غیره ودارهم دار اسلام الا معسکر سلطانهم وقالوا لاتقبل شهادة مخالفیهم ومرتکب الکبیرة موحد غیر مؤمن بناء علی ان الاعمال داخلة فی الایمان والاستطاعة قبل الفعل وفعل العبد مخلوق لله تعالیٰ ومرتکب الکبیرة کافر وکفر نعمة لا ملة وتوقفوا فی تکفیر اولاد الکفار وتعذیبهم وتوقفوا فی النفاق اهو شرک ام لا وفی جواز بعثة رسول بلا دلیل ومعجزة وتکلیف اتباعه فیما یوحی الیه ای ترددوا فی ان ذلک جائز ام لا وکفروا علیا واکثر اصحابه وافترقوا فرقا اربعا انظرهم فی المواقف والله تعالیٰ اعلم (فتاویٰ کاملیة ص ۳، طبع قندهار، افغانستان)

فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۹ ذی الحجہ ۹۵ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ

ازالة الرّيب
عن
مَسْأَلةِ علم الغيب

○ مسئلہ علم غیب پر مفصّل تحقیق

○ حکم عقیدہ علم غیب کُلّی

اِزالۃ الرّیب

اشاریہ

مسئلۂ علمِ غیب پر مفصّل تحقیق

سوال : آیۂ کریمہ فی خمس لا یعلمھن الا اللہ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم مختص باللہ تعالیٰ ہے۔ حالانکہ ان میں سے بہت سے اُمور کا علم غیر اللہ کو ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے پس علم مختص باللہ تعالیٰ کی تفصیل کیا ہے مدلّل تحریر فرمائیں۔

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

آیۂ کریمہ فی خمس لا یعلمھن الا اللہ الخ پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

اوّل یہ کہ ان پانچ چیزوں کے اختصاص کی کیا وجہ ؟ حالانکہ تمام انبیاء علیہم السّلام اور جمیع مخلوقات کا علم متناہی، اور باری تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اور متناہی کو غیر متناہی سے نکالنے کے بعد غیر متناہی ہو گا۔ پھر ان پانچ کو مختص کیوں کیا ؟ ان پانچ کے علاوہ بھی بہت سے علوم ہیں جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

دوم یہ کہ ان کا اختصاص بظاہر مشاہدہ کے خلاف ہے۔ ایک نہیں ہزاروں واقعات ہیں کہ بعض کو ان چیزوں کا علم ہوگیا، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی لڑکی کا اسم قبل از ولادت مقرر فرمایا تھا، شاہ عبد اللہ صاحب تعویذ دیکر یہ بھی خبر دیدیا کرتے تھے کہ تمہارے ہاں لڑکا ہوگا یا لڑکی ہوگی حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہٗ نے اپنی موت کی خبر پہلے ہی دیدی تھی۔

اوّل سوال کا جواب یہ ہے کہ کتاب النقول للسیوطی میں ہے کہ آپ سے ان پانچ چیزوں کا سوال ہوا تھا اس لئے جواب میں ان کا ذکر آیا۔

دوسرے سوال کا جواب چند مقدمات پر مبنی ہے۔

(۱) کسی علم کے اصول حاصل کئے بغیر کسی کو اس کا عالم نہیں کہا جا سکتا۔ اگر کسی کو ہزاروں نسخوں یا ہزاروں جزئیات فقہیہ کا علم ہو جائے تو وہ طبیب یا فقیہ نہیں کہلا سکتا جب تک کہ ان جزئیات کے اُصول سے واقف نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ حقیقۃً علم علمِ اصول ہے۔

(۲) علم کلیات جزئیات کے لئے مفتاح ہے

(۳) غیب عبارت ہے ان اُمورِ غیبیہ سے جن کا ادراک حواس اور دلائل عقلیہ و ریاضیات سے نہ ہو سکے۔ پس معلوم ہونا چاہیئے کہ علم غیب کے کچھ کلیات و جزئیات اور اصول و فروع ہیں۔ دنیا میں ایک ذرّہ کی حرکت بھی بغیر اصول و ضوابط کے نہیں ہوتی۔ اگر کسی کو ہزار عورتوں کے حمل

کا علم ہو جائے تو یہ جزئیات ہیں، اگر ایسے ولی سے دریافت کیا جائے تو وہ کشف ہی کا حوالہ دیگا، ایسے ہی منجم بھی ستاروں کی تاثیرات وغیرہ علامات ظنیہ سے معلوم کرتا ہے، یقینی ضوابط سے وہ بھی خالی ہاتھ ہے، کوئی طبیب یا ڈاکٹر اسکا دعویٰ کرتا ہو تو وہ آلات کے ذریعہ مشاہدہ یا دلائل طبیہ پر مبنی ہوگا، معلوم ہوا کہ مغیبات کا بلا واسطہ علم اور اسکے اصول و کلیات مختص باللہ تعالیٰ ہیں۔

یاد رہے کہ مغیبات دو قسم کے ہیں، تشریعی اور تکوینی۔ تشریعی جیسے وحی، تمام از قبیلہ غیبیہ تشریعیات میں سے کچھ کلیات بقدر ضرورت تلقین کئے جاتے ہیں، اور تکوینیات میں کلیات نہیں بتلائے جاتے۔ انہی کلیات کو مفاتیح سے تعبیر فرمایا ہے، خزانہ سے وہی کچھ نکال سکے گا جس کے پاس مفتاح ہوگی، پس ظاہر ہوا کہ علم کلیات مفاتیح جزئیات ہے چنانچہ ارشاد ہے، وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقة الا یعلمها ولا حبة فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین، خلاصہ یہ کہ کلیات تکوینیہ کا علم اور اسی طرح جملہ فروع کا اس طرح علمی احاطہ کہ کچھ بھی خارج نہ رہے خاصہ باری تعالیٰ ہے غیر کو یہ نہیں حاصل ہو سکتے۔ لہٰذا اگر کسی ایک جزئی کے علم کی بھی غیر سے نفی ثابت ہو جائے تو احاطہ کی نفی ثابت ہو جائے گی چونکہ اہل بدعت ایجاب کلی کے قائل ہیں لہٰذا ہزاروں جزئیات کے علم کا ثبوت بھی ان کے لئے مفید نہیں۔ اور اہل سنت رفع ایجاب کلی کے قائل ہیں اس لئے ایک جزئیہ منفیہ بھی ہمارے لئے دلیل ہوگا اس لئے ہم بعض ایسے دلائل[ف] پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ بعض ایسے امور بھی ہیں کہ ان کا علم حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا۔

(دلیل اول) آیات ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ علم قیامت خاصہ باری تعالیٰ ہے۔

(۱) ان الساعة اٰتیة اکاد اخفیها لتجزی کل نفس بما تسعیٰ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کی تفسیر یوں منقول ہے۔ اکاد اخفیها من نفسی وهذه کنایة عن شدة الاخفاء

(۲) یسئلونک عن الساعة ایان مرسها قل انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو ثقلت فی السموٰت والارض لا تاتیکم الا بغتة، یسئلونک کانک حفی عنها قل انما علمها عند الله ولکن اکثر الناس لا یعلمون

(۳) یسئلونک عن الساعة ایان مرسها فیم انت من ذکرها الی ربک منتهاها

(۴) وعنده علم الساعة والیه ترجعون

(۵) الیه یرد علم الساعة

ف بوارق الغیب میں اس مسئلہ پر چالیس آیات اور ایک سو پچاس احادیث پیش کی ہیں۔ ۱۲ منہ

(۶) قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا

(۷) قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون

(نزلت فی سؤالہم عن الساعۃ)

(۸) واجل مسمی عندہ ثم انتم تمترون

(۹) وان ادری اقریب ام بعید ما توعدون

(۱۰) ویقولون متیٰ ہو قل عسیٰ ان یکون قریبا

(۱۱) قل انما علمہا عند اللہ وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبا

(۱۲) ویقولون متیٰ ہٰذا الوعد ان کنتم صٰدقین ۔ قل انما العلم عند اللہ

(۱۳) ویقولون متیٰ ہٰذا الوعد ان کنتم صٰدقین قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ما شاء اللہ

(۱۴) ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث الخ

قیامت سے متعلق قرآن کریم میں جس قدر آیات ہیں ان سے واضح ہے کہ وقت قیامت کا علم خاصۂ باری تعالیٰ ہے کہیں "اکاد اخفیہا" فرمایا اور کہیں "انما" یا نفی و استثناء یا تقدم ماحقہ التاخیر سے اس کے علم کا حصر باری تعالیٰ کی ذات میں کیا گیا ہے اور کہیں بغتۃ، ان ادری اور ما یشعرون فرما کر غیر سے علم کی نفی کی گئی ہے اور کہیں علم قیامت کو علیٰ سبیل المدح ذکر فرمایا ہے اور آخری آیت میں پانچ اشیاء کے علم کا مختص باللہ ہونا مذکور ہے۔ نیز قرآن کریم میں تصریح ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو علم شعر نہیں دیا گیا۔

(دلیل دوم) قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء، تقریر استدلال سے قبل دو مقدمے سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) اس آیت میں خیر و سوء سے مراد دُنیوی خیر و سوء ہے کیونکہ آخرت میں ہر طرح کی خیر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور کسی قسم کی سوء آپ کو مس نہ کرے گی۔ معالم التنزیل وغیرہ میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق کفار کی جو گفتگو نقل کی گئی ہے وہ بھی دنیوی خیر و سوء کے متعلق ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے اُخروی خیر و سوء مراد لی ہے ان پر محققین مفسرین نے رَد کیا ہے۔

(۲) جلب نفع و دفع ضرر کے لئے علم ذاتی ہونا ضروری نہیں، عطائی بھی کافی ہے، نیز شانِ نزول میں سوال صرف علم عطائی سے تھا نہ کہ ذاتی سے (کما رواہ فی المعالم)

اس تمہید کے بعد استدلال کی تقریر یوں ہے کہ آیت مذکورہ میں دلیل کے دو مقدمے ہیں

مقدمہ اولیٰ ولو کنت اعلم الغیب الخ ہے، اس میں رفع تالی کو رفع مقدم کے لئے مستلزم قرار دیا گیا ہے، اور مقدمہ ثانیہ اس سے قبل لا املك لنفسی الخ ہے، اس میں رفع تالی کا بیان ہے تالی کے ہر دو جزء، وقت وفات تک مرتفع ہیں، آخر وقت تک آپ کے عام حالات کے علاوہ خود مرض وفات رفع تالی پر شاہد ہے بالخصوص آپ کا بار بار غسل فرما کر مسجد میں جانے کی کوشش کرنا اور ہر دفعہ میں بیہوش ہو جانا۔ اگر آپ کو اس وقت یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ ارادہ پورا نہ ہو سکے گا اور جب میں اٹھوں گا غشی طاری ہو جائے گی تو یقیناً یہ ارادہ نہ فرماتے، بہرکیف یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ آخر زمانۂ حیات تک عدم استکثار خیر اور مس سوء میں آپ کا وہی حال رہا جو پہلے سے تھا۔ پس معلوم ہوا کہ اس وقت تک بھی آپ کو ایسے غیوب کا علم نہیں دیا گیا جو استکثار خیر و اجتناب عن مس السوء میں عادۃً مؤثر ہوتے ہیں۔

(دلیل سوم) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم انی اعوذ بك من علم لا ینفع و قلب لا یخشع (مشکوٰۃ) کیا کسی کو جرأت ہے کہ اس دعا کے عدم استجابۃ کا تصور کرے، دعا کے ثانی جزء کا مقبول ہونا اظہر من الشمس ہے بلکہ اس کا انکار کفر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضوا من حولك۔ پس جملۂ اولیٰ کا مستجاب ہونا بھی متیقن ہے، نصوص بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لا ینفع ہے وہ لا ینبغی لہ بھی ہے اور ایسے علم کی نفی قرآن میں ہے، فرمایا، وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ۔ جن روایات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مضمون شعر کے وزن پر منقول ہے وہ رجز ہے۔ وقال الاخفش ان الرجز لیس بشعر (فیض الباری ص۲۳ ج ۲) بعد تسلیم وہ کلمات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جوش میں بلا قصد جاری ہوئے اور شعر کی تعریف میں قصد کی شرط ہے (کما صرح بہ علماء العروض) ورنہ بعض آیات قرآنیہ مثلاً لن تنالوا البر حتی تنفقوا، اور ثم اقررتم وانتم تشھدون، ثم انتم ھؤلاء تقتلون کا شعر ہونا لازم آئے گا حالانکہ قرآن اس سے بری ہے وما ھو بقول شاعر، اور بقصدِ شعر کچھ کہنا ثابت ہو جائے تو پھر وہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا نہیں بلکہ غیر سے نقل کیا ہے اور اگر اپنا ہی تسلیم کر لیا جائے تو آپ اسے شعری وزن پر ادا نہ کر سکے بلکہ وزن ٹوٹ گیا، جیسا کہ صاحبِ مدارک و دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب کے رجز میں آپ نے کذب کی باء کو مفتوح اور مطلب کو مجرور پڑھا تھا جس کی وجہ سے اس میں شعر کا وزن ہی باقی نہیں رہتا

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے ج ۱ صہ ۵۵۵ باب الہجرۃ میں تحت قولہ علیہ السلام ان الاجر اجر الاخرۃ الخ ابن شہاب زہری سے نقل کیا ہے۔ ولم یبلغنا فی الاحادیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمثل ببیت شعر تام غیر ہذا البیت، بہرکیف اس رجز سے نص قرآنی کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم شعر ثابت کرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ شعر کہا ہے خطرناک ضلالت ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں مشائخ حنفیہ سے ایسے شخص کی تکفیر نقل کی ہے جو یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کہا ہے (قاضیخاں کتاب الردۃ)

حاصل یہ کہ یہ قطعی چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی کمالات سے نوازنے کے باوجود شعر کا علم عطا نہیں فرمایا تھا، اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر آپ شاعر ہوتے تو دشمن کہہ سکتے تھے کہ جناب یہ تو پہلے ہی سے کامیاب شاعر ہے۔ اگر اس نے اپنے شاعرانہ کمال سے قرآن جیسی فصیح و بلیغ کتاب بنالی تو کیا عجب ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اس قسم کے شکوک کا دروازہ بند کرنے کے لئے اور آپ کی نبوت پر سب سے بڑی دلیل یعنی قرآن پر سے شکوک و شبہات کے بادل چھانٹنے کے لئے آپ کو علم شعر سے قطعاً محفوظ رکھا اور اس کی طرف سے طبیعت میں اتنا بعد پیدا کر دیا کہ آپ کبھی کسی دوسرے کا شعر بھی ٹھیک وزن پر نہیں پڑھ سکتے تھے، اور یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح حق تعالیٰ نے آپ کو اُمی رکھا۔ اگر آپ لکھے پڑھے ہوتے تو تاریک باطن دشمنوں کو یہ کہنے کی گنجائش ہوتی کہ جناب انھوں نے یہ اعلیٰ مضامین کسی کتاب سے نقل کئے ہیں۔ قرآن میں ہے۔ ما کنت تتلوا من قبلہ من کتب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون

علم غیب سے متعلق صحابہ کا عقیدہ:

(صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ) ابن سعد و ابن ابی حاتم اور مرزبانی نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی یوں پڑھا کرتے تھے کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیا۔ حالانکہ موزوں مصرع یوں ہے کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یونہی اُلٹ پلٹ کر کے پڑھتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا اشھد انک رسول اللہ ما علمک الشعر وما ینبغی لک (درمنثور و ابن کثیر) اس میں دلالت واضحہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم شعر نہیں دیا گیا تھا جو کہ ما کان وما یکون میں داخل ہے۔

(حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ) مسلم شریف ج ۱ صہ ۴۸۰ باب ان تخییرہ

امرأتة لا یکون طلاقا، میں مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے ایلاء کرکے ایک بالاخانہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر تحقیق حال کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کمرہ کے دروازے پر آپ کے غلام حضرت رباح کو پایا۔ حضرت عمر نے ان سے فرمایا کہ میرے لئے اذن حاصل کریں۔ دو تین دفعہ اذن طلب کرنے پر جب جواب نہ ملا تو حضرت عمر نے بآواز بلند عرض کیا کہ حضور کا شاید یہ ظن ہے کہ میں اپنی لڑکی حفصہ کی سفارش کے لئے آیا ہوں یہ صاف بتلاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کو عالم الغیب نہ سمجھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ:

قال لم یعم علی نبیکم الا الخمس من سرائر الغیب (درمنثور ج ۵ ص ۱۷۱) نیز حضرت علی سے طبرانی اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے سورۂ مؤمن کی آیت منھم من قصصنا علیك ومنھم من لم نقصص علیك کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا، بعث اللہ عبدا حبشیا نبیا فھو ممن لم یقصص علی محمد (درمنثور و کنز العمال ج ۲ ص ۲۶۲) اسی طرح سورۂ نساء رکوع ۲۳ کی ایک آیت کے تحت حضرت علی کا یہ قول بروایت ابن ابی حاتم منقول ہے (درمنثور ج ۲ ص ۳۱)

واضح رہے کہ حضرت علی سے پہلی روایت میں حصر حقیقی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ امور خمسہ کو نکال دینے کے بعد بھی باقی علوم غیر متناہی ہیں جن کا حصول کسی مخلوق کے لئے محال عقلی و شرعی ہے۔ حضرت علی سے روایت ثانیہ بھی اس پر قرینہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کے نزدیک علوم خمسہ کے علاوہ بھی بعض دیگر علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں کئے گئے، پس اس قسم کے الفاظ جہاں کہیں کسی صحابی سے منقول ہیں ان کا یہی مطلب ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا عقیدہ:

واذ اسر النبی الخ (سورۂ تحریم) ان آیات کا شان نزول صحیح بخاری وغیرہ میں یوں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش کے پاس جایا کرتے تو وہ شہد پیش کرتیں جو آپ کو مرغوب تھا، آپ یہ شہد نوش فرماتے تھے، بتقاضائے نسوانیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دوسری ازواج کو اس پر غیر معمولی رشک آیا تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو وہ یوں کہے کہ آپ نے مغافیر کھائی ہے (یہ ایک کریہ الرائحہ گوند ہے) چنانچہ انھوں نے ایسا کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے تو کہنے لگیں کہ شائد شہد کی مکھی نے مغافیر چوسی ہوگی، آپ نے قسم کھالی کہ میں اب سے شہد نہیں پیوں گا اور

اس خیال سے کہ زینب کی دلشکنی نہ ہو اس کے اخفار کی تاکید فرمائی مگر اس بی بی نے دوسری سے کہدیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دی گئی، آپ نے ظاہر کرنے والی بی بی سے دریافت کیا تو اس نے تعجب سے پوچھا من انبأك هٰذا، تو آپ نے فرمایا نبأنی العلیم الخبیر، یہ آپس میں مشورہ کرنے والی ازواج عائشہ اور حفصہ تھیں اور بعض روایات میں ہے کہ حفصہ شہد پلانے والی اور عائشہ، سودہ اور صفیہ مشورہ کرنے والی ہیں بعض روایات میں شان نزول کا اور طرح بھی قصہ آیا ہے۔ ممکن ہے کہ کئی واقعات ہوں اور سب کے بعد یہ آیات نازل ہوئی ہوں بہر صورت ہمارا مقصد اس قدر ہے کہ ان ازواج مطہرات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خفیہ تدبیر کرنا اور پھر دریافت کرنے پر من انبأك هٰذا کہنا، اس پر بین دلیل ہے کہ ازواج مطہرات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ما کان وما یکون کا علیم وخبیر ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتی تھیں، سورۂ نمل کی آیۂ کریمہ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ الخ کی تفسیر میں ابن کثیر بروایت ابن ابی حاتم حضرت عائشہ سے نقل فرماتے ہیں۔ قالت من زعم انہ یعلم ما یکون فی غد فقد اعظم علی اللہ الفریۃ لان اللہ تعالیٰ یقول لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ (ابن کثیر ج ۷ ص۲۳۹) اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ من حدثك انہ یعلم ما فی غد فقد کذب ثم قرأت وما تدری نفس ماذا تکسب غدا (بخاری ج ۲ ص۷۲۰)

درمنثور میں ہے، قیل لعائشۃ رضی اللہ عنہا ھل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتمثل بشیء من الشعر قالت کان ابغض الحدیث الیہ غیر انہ کان یتمثل ببیت اخی بنی قیس یجعل اولہ اٰخرہ واٰخرہ اولہ ویقول ویاتیك من لم تزود بالاخبار فقال ابوبکر لیس ھٰکذا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی واللہ ما انا بشاعر وما ینبغی لی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا عقیدہ:

تفسیر مدارک التنزیل میں ان اللہ عندہ علم الساعۃ کے تحت مذکور ہے، رأی المنصور فی منامہ صورۃ ملك الموت وسألہ عن مدۃ عمرہ فاشار الیہ باصابعہ الخمس فعبر بخمس سنوات وبخمس اشھر وبخمسۃ ایام وقال ابوحنیفۃ ھو اشارۃ الی ھٰذہ الاٰیۃ فلا یعلم ھٰذہ العلوم الخمس الا اللہ (مدارك التنزیل ج ۳ ص۲۱۹)

امام مالک رحمہ اللہ کا عقیدہ: الم یأتکم نبأ الذین من قبلکم قوم نوح وعاد وثمود الاٰیۃ

اس کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرے حتیٰ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں بھی انکا یہی مسلک ہے۔ کیونکہ درمیانی آباء و اجداد کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں (معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۸)

اور خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، انہ کان فی انتسابہ لا یتجاوز عن معد ابن عدنان (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۲۱ وسراج منیر ج ۲ ص ۱۶۹)

فقہاء کرام کا عقیدہ :

البحر الرائق و قاضی خاں وغیرہ کتب فقہ کی کتاب النکاح میں تصریح ہے کہ جو شخص بوقت نکاح یہ کہے کہ ہمارا شاہد اللہ اور رسول ہے اسکا نکاح نہیں ہوگا اور قائل بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھنے کے کافر ہو جائے گا۔

چند نکات نفیسہ :

جمیع اشیاء کا علم خواہ از قسم غیب ہوں یا شہادت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور ایسا علم محیط خدا تعالیٰ کے لئے ضروری اور صرف اسی کے لئے کمال ہے۔ بندوں کے لئے ایسا علم نہ ضروری ہے اور نہ ان کے لئے کمال ہے بلکہ ہر بندہ کے لئے انہی چیزوں کا علم موجب کمال ہے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اس لئے کہ اصطلاح شریعت میں علم کے معنی یہی ہیں۔ لغت میں تو ہر چیز کے جاننے کو علم کہتے ہیں مگر اصطلاح شریعت میں صرف ان اشیاء کے جاننے کا نام علم ہے جنکا جاننا وسیلۂ تقرب الٰہی اور ذریعہ تقرب ایزدی ہو۔ کیا ریل گاڑی کے بنانے اور اسے چلانے، ٹیلیگراف وغیرہ کے مسائل جاننے کو علم کہا جائیگا؟ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کو علماء نہیں کہا جاتا۔ علماء کا خطاب صرف علم دین کے حاملین کے ساتھ مخصوص ہے۔ حدیث "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ" میں بھی علم کے اصطلاحی معنی یعنی ضروریات دین کا معلوم کرنا مراد ہے۔ درحقیقت بندوں کے لئے حقیقی کمال رضائے مولیٰ جل و علیٰ کی تحصیل ہے اور جتنے کمالات ہیں وہ سب اسی اصل کمال کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ لہٰذا بندہ کے لئے علم بھی وہی کمال ہے جو رضائے الٰہی کا سبب بنے۔ رضا خانیوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمندر کے قطروں اور درختوں کے پتوں کا علم ہے اور ہر وقت ہر شخص کی حرکات و سکنات سے واقف ہیں، گویا کہ مثل خدائے تعالیٰ کے ہر جگہ پر حاضر و ناظر ہیں۔ یہ چیز آپ کے لئے باعث کمال نہیں بلکہ آپ کی ذات مقدس سے اس کی نفی کرنا ہی آپ کی شان کے لائق ہے۔ آپکا قلب مبارک علوم ربانیہ اور معارف الٰہیہ کا خزینہ ہے نہ کہ ما و شما کی صورتوں اور حرکات و سکنات کا آئینہ۔

(۲) علمت علم الاوّلین والآخرین کا یہی مطلب ہے کہ اوّلین و آخرین کو تقرب الیٰ و رضائے مولیٰ کے وسائل کی تعلیم جس قدر دی گئی تھی سب کا علم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اصطلاحِ شریعت میں جسے علم کہتے ہیں یعنی مقربات بارگاہِ الٰہی کا علم۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ہمسر و مساوی نہیں، نہ کوئی مَلک مقرب آپ کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔

(۳) کسی چیز کا عالم کسی کو کہنا دو صورتوں میں منحصر ہے:

اوّل یہ کہ اس علم کے جمیع مسائل کو جانتا ہو۔

دوم یہ کہ مسائل کی مقدار کثیر کو جانتا ہو۔ مثلاً فقہ کا عالم اسے کہیں گے جو فقہ کے تمام مسائل یا مقدار کثیر کو جانتا ہو۔ کسی کو وضو یا نماز کے دس بیس مسائل معلوم ہو گئے تو اسے عالم فقہ نہیں کہہ سکتے علیٰ ہٰذا القیاس۔ عالمِ طب ایسے شخص کو کہیں گے جو طب کے تمام مسائل یا مقدار کثیر کا علم رکھتا ہو صرف اسقدر جان لینے سے کہ زنجبیل حار ہے اور کافور بارد، سقمونیا مسہل ہے۔ تعفّنِ اخلاط سے بخار ہو جاتا ہے، عالم طب نہیں ہو سکتا۔

اس تمہید کے بعد غور کیجئے کہ عالم الغیب یا غیب دان کسے کہہ سکتے ہیں۔ اس میں یہی دو صورتیں ہیں۔ یعنی تمام غیوب کو جانتا ہو یا ان میں سے کثیر مقدار کا عالم ہو، غیب کے تمام اُمور کا علم تو حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ تخصیص آیاتِ قرآنیہ سے اس صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ اسکے خلاف عقیدہ رکھنے کو فقہاءِ کرام نے کفر قرار دیا ہے۔ اہلِ بدعت بھی تمام غیوب کے قائل نہیں کما سیجئی۔ اب رہا مقدار کثیر کا جاننا تو اس کے متعلق یہ خیال کرنا ہے کہ کثرت باعتبارِ کُل کے ہوتی ہے کیونکہ کثرت و قلت اضافی امر ہے۔ مثلاً کُل کی تعداد ایک سو ہے تو ساٹھ ستر کو کثیر کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر کُل کی مقدار ایک ہزار ہے تو ساٹھ ستر کو کثیر نہیں کہہ سکتے۔ پس ضروری ہوا کہ غیوب کی کُل مقدار معلوم ہو اور پھر یہ معلوم ہو کہ اس میں سے کتنی مقدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ان دونوں اُمور کے معلوم ہونے کے بعد دیکھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر امور غیبیہ کا علم دیا گیا وہ کُل غیوب کے لحاظ سے کثیر ہیں یا نہیں، حالانکہ یہ دونوں امر مجہول ہیں، کون جانتا ہے کہ کُل غیوب کتنے ہیں۔ اور کون جانتا ہے کہ کتنے امور کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ دینے والا جانے۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب یا غیب داں یا غیب کا جاننے والا کسی صورت میں بھی نہیں کہہ سکتے۔ نہ کل کے لحاظ سے نہ مقدار کثیر کے لحاظ سے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالےٰ نے

قرآن مجید میں عالم الغیب کا لفظ صرف اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے اظہار واطلاع کا لفظ فرمایا، کما قال عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسول الآیہ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔ دیکھئے ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے غیب پر اظہار اور اطلاع فرمایا ہے۔ عالم الغیب کا لفظ ان پر اطلاق نہیں فرمایا، بلکہ یہ اپنے لئے خاص رکھا۔

(۴) قرآن مجید میں جہاں بھی غیب کا لفظ آیا ہے ان سب مواضع کو سیاق وسباق سے ملا کر دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ آیاتِ قرآنیہ میں غیب کا اطلاق صرف دو چیزوں پر ہوا ہے۔ ایک وحی، دوسرا وقت قیامت۔ انبیاء علیہم السلام کو جس غیب پر اطلاع دینے کی بابت فرمایا ہے وہ وحی الٰہی ہے۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ غیب کا لفظ ازروئے لغت ان دو چیزوں کے ساتھ خاص ہے لغت میں تو تمام اشیاء غائبہ کو عام ہے۔ مگر اصطلاحِ قرآن میں صرف وحی اور وقت قیامت کے ساتھ مخصوص ہے۔

اہلِ بدعت کے دلائل کی حقیقت :

(۱) اہلِ بدعت اس مسئلہ میں اسقدر غلو کرتے ہیں کہ اپنے مخالفین کو کافر یا سنت سے خارج سمجھتے ہیں، پس مسئلہ جب اسقدر اہم ہے اور عقائد میں سے ہے تو انہیں چاہیئے کہ اس کے متعلق کوئی ایسی دلیل پیش کریں جو قطعی الدلالۃ اور بین الثبوت ہو، ایسی دلیل وہ ہرگز نہیں پیش کرسکتے نہ ہی کتب عقائد میں سے اپنی کوئی تائید حاصل کرسکتے ہیں۔

(۲) توسیع مجال کی خاطر اہلِ بدعت فقہ حنفی کو چھوڑ کر قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں اور ارخاء عنان کے لئے ہم بھی یہ طرز قبول کرلیتے ہیں۔ ورنہ مقلد کے لئے صرف قول امام ہی حجت ہوتا ہے۔ عبارات فقہیہ چونکہ ناقابلِ تاویل ہیں۔ اس لئے اہلِ بدعت اس طرف آتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ پس ان پر لازم ہے کہ یا تو فقہ حنفی کو فیصل تسلیم کریں ورنہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کا دعویٰ چھوڑ دیں اور غیر مقلد ہونے کا عام اعلان کردیں۔

(۳) یہ لوگ نزولِ قرآن کے اختتام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو محیط بجمیع ماکان ومایکون مانتے ہیں لہٰذا ان پر ضروری ہے کہ اثبات دعویٰ کے لئے قرآن کی سب سے آخری آیت پیش کریں ورنہ دعویٰ ودلیل میں انطباق نہ رہے گا۔

(۴) قرآن کریم میں جہاں کہیں غیر اللہ کو علم غیب کا اعطاء معلوم ہوتا ہے وہاں ایجاب

جزئی ہے اور جہاں نفی ہے وہاں رفع ایجاب کلّی ہے۔ اس تقریر پر قرآنی آیات میں تطبیق ہو جاتی ہے ذاتی وعطائی کی تطبیق ہر جگہ جاری نہیں ہو سکتی۔

⑤ "کُل" اور "ما" اپنے عموم پر قطعی نہیں، جو دلائل اہلِ بدعت پیش کرتے ہیں اُن میں جہاں کہیں کُل کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں استغراقِ حقیقی نہیں اور نہ ہی یہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ غیر متناہی علوم کا حصول مخلوق کے لئے محالِ عقلی وشرعی ہے۔ لہذا کل سے مراد اُمور کثیرہ ہیں۔ کُل بول کر کثیر مراد لینا عام شائع و ذائع ہے۔ قال اللہ تعالیٰ یجبیٰ الیہ ثمرات کل شیء (سورۂ قصص) ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں دُنیا کے تمام ثمرات نہیں آتے کہ کوئی بھی خارج نہ رہے، اسی طرح بلقیس سے متعلق ارشاد ہے اوتیت من کل شیء، اور ذوالقرنین کے متعلق فرمایا وآتیناہ من کلّ شیء سببا، حالانکہ موجودہ زمانہ کی ایجادات ان کے پاس نہ تھیں، ایسے ہی "وعلی کلّ ضامر یأتین من کلّ فجّ عمیق" میں استغراق نہیں۔ امام ترمذی نے لفظ کُل کے اس اطلاق کے متعلق امام الحدیث والفقہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ جائز فی کلام العرب اذا صام اکثر الشهر صام کلہ الخ (ترمذی)

خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس اطلاق کا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ اپنے فتاویٰ میں ایک جگہ پر فرماتے ہیں "کبھی کل سے مراد اکثر ہوتی ہے" (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص۳۷)

اسی طرح "من" و "ما" کے متعلق صاحب منار متن نورالانوار فرماتے ہیں من وما یحتملان العموم والخصوص۔ قرآن کریم میں بھی خصوص کے لئے مستعمل ہے چنانچہ یہود کے متعلق ارشاد ہے وعلّمتم مالم تعلموا (انعام ۱۱) ویعلّمکم مالم تکونوا تعلمون (بقرہ ۱۸)

اہلِ بدعت عموماً اس قسم کے الفاظ سے استدلال کرتے ہیں جو کہ مراد میں قطعی نہیں، اسی طرح جو حدیث پیش کریں گے وہ علاوہ ظنّی الثبوت ہونے کے ظنی الدلالۃ ہوگی لہذا نصوصِ قرآنیہ کے مقابلہ میں معتبر نہ ہوگی۔

⑥ اہلِ بدعت کی مستدل آیات میں جہاں "ما" واقع ہے اگر اسے عام لیا جائے تو خود ان کے دعوی اور دلیل میں انطباق نہیں رہتا کیونکہ ان کا دعوی خاص پیدائش عالم سے لیکر قیامت تک کے مغیبات کے علم کا ہے جمیع مغیبات کا دعوی نہیں کرتے (کما سیجیء) اور اگر "ما" کو خاص کرتے ہیں تو خاص کے بہت سے افراد ہیں، متعین مراد اس سے کیسے ثابت ہوئی؟

علم غیب کی نفی سے متعلق اہلِ بدعت کے پیشواؤں کی عبارات

(۱) فاضل بریلوی "الدولة المکیة" کی نظر ثالث میں فرماتے ہیں۔ العلم الذاتی والمطلق المحیط التفصیلی مختص باللہ تعالیٰ۔

(۲) اسی کتابِ مذکور کی نظر خامس میں ہے لانقول بمساواة علم اللہ تعالیٰ ولا بحصوله بالاستقلال ولا نثبت بعطاء اللہ الا البعض۔

(۳) نعیم الدین مرادآبادی الکلمة العلیا ص ۳ میں فرماتے ہیں، جمیع اشیاء جملہ کائنات یعنی تمام حاضرہ و غائبہ کا علم عطا فرمایا، بدء الخلق یعنی ابتداء آفرینش سے دخولِ جنت و دوزخ تک سب مثل کفِ دست ظاہر کر دکھایا۔

(۴) بحوالۂ بالا واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ ہم جمیع غیوب غیر متناہیہ کا علم ثابت کرتے ہیں نہ جملہ معلومات الٰہیہ کا۔

پس اہلِ بدعت پر لازم ہے کہ اپنے اس مخصوص دعویٰ پر کوئی ایسی دلیل پیش کریں جو اس سے منطبق ہو۔ ودونہ خرط القتاد، فقط والحمد للہ اولاً وآخراً۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

رشید احمد

حکم عقیدہ علمِ غیب کلّی :

۲۷ رمضان المبارک سنہ ۱۷۱ ھ

سوال : ماہنامہ الصدیق ملتان کا حجاج نمبر نظر سے گزرا۔ اس میں "قائل علم غیب کلّی کو کافر کہنے میں احتیاط الخ" کے عنوان سے فتوی پر نظر پڑی مستفتی نے مدرسہ امینیہ دہلی کا جو جواب نقل کیا ہے اور اسی کے قریب دارالعلوم دیوبند کا جواب بتلایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اہل بدعت علم غیب عطائی کی تاویل کرتے ہیں اور مؤول کافر نہیں۔ اور مولانا عبداللہ صاحب مفتی خیر المدارس کی طرف سے اس استفتاء کے جواب کا خلاصہ یہ ہے جو شرح فقہ اکبر سے نقل کیا ہے کہ جب تک کسی قول میں کوئی بعید سے بعید تاویل ایسی ہو سکے جو موجب کفر نہیں اسوقت تک اسکے قائل کو کافر نہ کہنا چاہیئے۔ اگرچہ قول کا ظاہر موجبِ کفر ہو۔ اس تحقیق سے متعلق آپ اپنی رائے سامی سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

احتیاط فی التکفیر کی وہی وجہ صحیح ہے جو مدرسہ امینیہ دہلی اور دارالعلوم دیوبند کے جواب میں مذکور ہے مفتی عبداللہ صاحب کی بیان فرمودہ توجیہ میں یہ اشکال ہے کہ شرح فقہ اکبر میں مذکور قاعدہ کے لئے

ضروری ہے کہ قائل خود اس احتمالِ بعید کا انکار نہ کرے۔ اگر قائل خود ظاہر پر رکھنے کی تصریح کرتا ہو اور اسی پر مصر ہو کسی دوسرے احتمال پر حمل کرنے سے روکتا ہو تو اس کے قول کو خلاف ظاہر احتمال بعید پر محمول کرنا کیسے صحیح ہوگا؟ خود ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر ص۲۳۲ پر تحریر کر دیا ہے، ثم ان کان نیۃ القائل الوجہ الذی یمنع التکفیر فھو مسلم وان کان نیتہ الوجہ الذی یوجب التکفیر لا ینفعہ فتوی المفتی الخ قول علم غیب عطائی میں کوئی محمل بعید ایسا نہیں کہ قائل علم غیب اس محمل کا بھی قائل ہو یا کم از کم اس سے ساکت ہو اور انکار نہ کرتا ہو انکے کلام کا کوئی ایسا محمل نہیں ہو سکتا جس کے یہ خود قائل ہوں اور اس کی بنا پر تکفیر سے احتراز کیا جا سکے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۷۶ھ

سوال متعلق بالا

سوال: بندہ نے عقیدہ علم غیب کلّی کے متعلق ایک استفتاء پوچھا تھا اس کے جواب میں کچھ شبہہ باقی ہے۔ اُمید ہے کہ حل فرما کر مطمئن فرمائیں گے۔ آنحضور نے احتیاط فی التکفیر کی بناء "مؤول کافر نہیں" کو قرار دینے کی تصدیق فرمائی ہے اس پر شبہہ یہ ہے کہ نصّ قطعی کے معانی بھی اگر تواتر سے قطعی طور پر ثابت ہوں تو اس معنیٰ کا انکار کرنا اور کوئی دوسری تاویل کرنا کفر ہے "لانہ انکار ما ثبت من الدّین ضرورۃ" لہٰذا "مؤول کافر نہیں" کا قاعدہ مخصوص ہوا ایسی نصوص کے ساتھ کہ ان کے الفاظ تو قطعی ہیں مگر معانی قطعی نہیں، سو ان کا انکار کر کے کوئی دوسری تاویل کرنا واقعی موجب کفر نہیں۔ قادیانی خاتم النبیین کے لفظ کے منکر نہیں بلکہ معنے کے منکر ہیں یعنی تاویل کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود کافر ہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کے وہ معنیٰ جن کا انھوں نے انکار کیا ہے قطعی ہیں، پس اب صورت زیر بحث میں یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا نصوص نافیہ علم غیب کلی کا علم عطائی کو شامل ہونا قطعی نہیں؟ اگر ان نصوص کا عموم تواتر سے ثابت نہ ہو اور معنے عام قطعی نہ ہوں تو ایسے مؤول کو کافر کہنا صحیح نہ ہوگا۔ غرضیکہ علم غیب کُلّی عطائی کا غیر اللہ سے منفی ہونا قطعی اور ثابت بالتواتر ہے یا نہیں؟ بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

وہ قطعیات کہ جن کے ثبوت اور دلالت دونوں میں ظن نہو۔ الفاظ بھی ثابت بالتواتر ہوں اور دلالت علی المعنی المراد بھی قطعی ہو ان کا انکار کفر ہوتا ہے لیکن کبھی یہ قطعیات ضروریاتِ دین سے

نہیں ہوتے اور کبھی ہوتے ہیں۔ضروریاتِ دین سے مراد یہ ہے کہ وہ مسئلہ ایسا ہو کہ ہر وہ شخص جسے کچھ بھی دین سے تعلق ہو اس کو من الدین سمجھتا ہو یعنی وہ اسلام کے اجلی بدیہیات مسائل سے ہو کوجود اللہ تعالیٰ ووحدتہ وقیام الساعۃ وحشر الاجساد وحدوث العالم والجزاء فی الدار الآخرۃ والجنۃ والنار الیٰ غیر ذٰلک۔ حضرت شاہ صاحب اکفار الملحدین میں تحریر فرماتے ہیں والمراد من الضروریات علیٰ ما اشتھر فی الکتب ما علم کونہ من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالضرورۃ بان تواتر عنہ واستفاض وعلمتہ العامۃ کالوحدانیۃ والنبوۃ وختمھا بخاتم الانبیاء وانقطاعھا بعدہ (ثم قال بعد اسطر) وکالبعث والجزاء ووجوب الصلوٰۃ والزکوٰۃ وحرمۃ الخمر ونحوھا (وقال فی الحاشیۃ) ای استفاض علمہ حتیٰ وصل الیٰ دائرۃ العوام الخ اب ان ضروریات کا انکار کرنے والا خواہ متمسک بالکتاب والسنۃ کیوں نہ ہو اور خواہ ان قطعیات ثابتۃ بالتواتر میں تاویل کیوں نہ کرے اسلام سے خارج ہوگا کمسئلۃ ختم النبوۃ۔

اور عقیدہ ثابتۃ بالتواتر المدلول علیھا قطعاً جب وہ ضروریات دین سے نہ بنا ہو بلکہ خواص کے دائرہ میں ہو جیسا کہ نفی علم الغیب عن غیر اللہ یا خالقیۃ اللہ تعالیٰ کل شیء حتی الافعال الاختیاریۃ للعباد وقدم القرآن اس کا انکار اگر عن تاویل (ولو ضعیفا ناشئا من غیر دلیل یعتد بہ) اور ان کا تمسک بھی کتاب وسنت سے ہو تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ یہ انکار کفر ہے اور یہ عقیدہ کفریہ ہے لیکن اسکا معتقد بوجہ اس تاویل ضعیف وتمسک بالدلیل الشرعی من الکتاب والسنۃ خارج از اسلام نہ ہوگا۔خلق کل شیء، خالق کل شیء، خلقکم وما تعملون جیسی نصوص قطعیہ کی موجودگی میں معتزلہ انسان کو خالقِ افعال اختیاریہ مانتے ہیں لیکن شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی نے ان کے عدم کفر کو جمہور کا قول بتلایا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ علماء ماوراء النہر نے ان کی تضلیل میں مبالغہ کیا ہے حتیٰ قالوا ان المجوس اسعد حالاً منھم حیث لم یثبتوا الا شریکا واحداً، اور یہ لا تعد ولا تحصی خالق مانتے ہیں۔بہرکیف بعض علماء اُس زمانے میں بھی تیز اور سخت اقدام کے قائل تھے، لیکن جمہور نے احتیاط سے کام لیا اور اب بھی وہی معاملہ ہے۔البتہ بشریت انبیاء علیہم السلام اور غیر اللہ کا متصرف فی الامور نہ ہونا میرے نزدیک ضروریاتِ دین سے ہے جس کا انکار (ولو عن تاویل) کفر ہے۔فقط واللہ الھادی الیٰ سبل السلام

۱۴ ربیع الاول ۷۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

میں سمجھا تھا جسے خضر رہِ دین متیں زاہد
نقاب اُلٹا تو در پردہ وہ ابلیسِ لعیں نکلا

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا
یعنی
دیندار انجمن

بندہ نے اس موضوع سے متعلق منتشر مضامین کا مجموعہ ترتیب و تحریر کے لئے ایک ایسے اہلِ قلم کے سپرد کردیا جن پر تطویلِ تحریر، تکثیرِ اشعار اور عبارت آرائی کا غلبہ ہے، جب انھوں نے رسالہ تحریر کرکے پیش کیا تو میں نے اس میں سے صفحات کے صفحات قلمزد کئے، اس کے باوجود عبارت کی تطویل اور اشعار کی تکثیر کے علاوہ اس کا طرزِ نگارش بھی بندہ کے اسلوبِ تحریر سے بہت مختلف ہی، امید ہے کہ جو حضرات بندہ کی تحریر سے مانوس ہیں وہ اس خلافِ طبع تحریر سے اخذِ مطلب کی زحمت گوارا فرمالیں گے،

رشید احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب

کسی مذہب، ملت یا مستحکم قانون کو دو طرح کے خطرات کا سامنا ہوتا ہے، جب مخالفین کسی نظریہ کو ناکام بنانا چاہتے ہیں تو وہ اپنے طور ہزاروں بلکہ لاکھوں حربے استعمال کریں مگر سب کا حاصل اندرونی سازش اور بیرونی یلغار ہے، اور بس۔ کوئی مذہب یا نظریہ یا کسی بھی مملکت کا ایسا وجود نہ آیا ہے نہ آئیگا کہ اس کے خلاف کوئی سازش میں لگا ہوا نہ ہو، اور عادۃ اللہ بھی یہی ہے کہ اسی تقابل کے میدان میں کھرے کھوٹے کا پتہ چلتا ہے۔

عام طور پر کسی نظریہ کو فیل کرنے کیلئے ابتداءً خارجی وسائل بروئے کار لائے جاتے ہیں اور جب ان سے ناامیدی ہوجاتی ہے، تواندرونی طور پر ایسے لوگ تیار کئے جاتے ہیں، جو اس تحریک کو ناکام بنادیں امتحان و آزمائش کی ان سخت گھڑیوں میں بعض مات کھا جاتے ہیں اور بعض اس آزمائش سے عہدہ برآ ہو جاتے ہیں۔

اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، فطرت انسانی کی صحیح ترجمانی اگر کہیں پائی جاتی ہے تو وہ صرف اسلام ہے، نظریۂ اسلام اور دیگر مختلف نظریات میں جہاں دوسرے فرق ہیں وہاں یہ فرق نہایت واضح ہے کہ وہ تمام قوانین و نظریات جو غیر اسلامی ہیں وہ ایک خاص طبقہ اور مکتب فکر کے جذبات کے ترجمان ہوتے ہیں اس لئے وہ خالص جذبات پر مبنی ہونے کی بنا پر اول تو مصالح بشریہ سے بالکل خالی ہوتے ہیں اور اگر ان میں کچھ مصلحت ہو بھی تو وہ مخصوص طبقہ اور مخصوص زمانے تک محدود ہوتے ہیں۔ بخلاف اسلام کے کہ وہ چونکہ خالق کائنات کا اپنی مخلوقات کیلئے بنایا ہوا ضابطہ ہے جو علیم وخبیر ہونے کی وجہ سے بندوں کے حالاتِ مابعد وماقبل سے بخوبی واقف

ہے ، اس لئے اس ضابطہ حیات میں جہاں جذبات انسانی کی رعایت رکھی گئی ہے وہاں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ انسان کی طبیعت سلیمہ اور فطرتِ عالیہ کی حقیقی ترجمانی کرتا ہو، ارشاد ربانی ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○

ویسے تو ہر فرد بشر جب اپنی ڈیڑھ اینچ کی مسجد بنالیتا ہے تو وہ اسی کو اپنی معراج اور کائنات کی نجات کا واحد ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ارشاد ہے۔

الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ○

لیکن جب واقعات اور حقائق پر نظر ڈالی جاتی ہے تو لوٹ کر بات پھر وہیں آکر رک جاتی ہے جہاں سے ہم چلے تھے کہ

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ○

لیکن ظاہر ہے کہ ایسا عالمگیر مذہب اور جذبات وفطرتِ انسانیہ پر حاوی ضابطہ حیات دشمنوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اس لئے زیر گردوں جب اسلام کا سورج چمکا تو شپرہ چشموں کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ اس کو ختم کرنے کی کس قدر مساعی لاحاصل کی گئیں مگر وہ قدم قدم پر اسلام کی ترقی کا موجب بنتی رہیں۔

آخر کار جب ان دشمنانِ اسلام نے دیکھ لیا کہ اس طرح سے ان کا داؤ نہیں چل رہا ہے تو انہوں نے دشمنی کا دوسرا روپ اختیار کرلیا، چاہیں تو اسے وہ طریقہ کہہ لیں جسے رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں شروع کیا تھا، یا ہوسِ نبوت کا وہ تخم زہر قاتل کہیں جس کی آبیاری مسیلمہ کذاب اور اس کے ہمنواؤں سجاح اور طلیحہ اسدی نے کی تھی، بہرحال ہیں یہ سب ایک ہی شجرۂ خبیثہ کے برگ و بار الکفر ملۃ واحدۃ کا قانون اٹل ہے، نام اور کام کے رنگ ڈھنگ کا فرق ہے اور بس ؎

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

اور شاعر نے ایسی ہی حالت کے مطابق کیا خوب کہا ہے۔ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

مگر یاد رہے کہ یہ تمام حربے اندرونی ہوں یا بیرونی جس طرح اب تک ان کے لئے غیر مفید رہے ہیں، اسی طرح آئندہ بھی ان کا ہر حربہ بے نقاب ہو کر انہی کے لئے ذلت و رسوائی کا موجب ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ

مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی اہمیت کو کم کرنے بلکہ انہیں بے دینی کی راہ پر لگانے کیلئے جہاں دیگر ذرائع کام میں لائے گئے انہی میں ایک فتنہ دعوائے نبوت کا بھی ہے، نبی بننے کو ایسا آسان کر دیا گیا کہ جب چاہیں نبی بن جائیں

یوں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد کتنے لوگوں نے نبی، رسول، مسیح موعود، یوسفِ موعود ہونے کا دعوی کیا، بلکہ بُروزِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے تک کے دعوے بھی ہوتے۔ لیکن مردم خیزی کا جو شرف ہند و پاک اور خصوصاً سرزمین پنجاب کو نصیب ہوا ہے وہ دنیا کے کسی اور خطے کو خواب میں بھی نصیب نہ ہوگا، اس خطۂ مقدسہ میں غلام احمد قادیانی لعنۃ اللہ علیہ وعلیٰ من حذا حذوہ نے جو کشتِ نبوت بوئی ہے، اور جس کے پودے پروان چڑھ رہے ہیں یہ شرف کسی اور دشمنِ اسلام کو کم ہی نصیب ہوگا ؏

این چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم

عجیب بات ہے کہ استاذ و پیر (غلام احمد قادیانی) تو درجۂ نبوت سے نہ بڑھ سکے اور مرید (صدیق دیندار چن بسویشور) نبوت سے ترقی کر کے مظہرِ خدا بن بیٹھے

خدا گنجے کو ناخن نہ دے ورنہ...... اکبر الٰہ آبادی مرحوم انہیں سے تو نالاں ہو کر یہ کہہ گئے ؎

صورت فانی سے آخر کیوں پہچانے گئے
مجھ کو حیرت ہے کہ یہ بُت کیوں خدا مانے گئے

واللہ! یہ اور ان کے پجاری خوب جانتے ہیں کہ خدا جس نے ساری کائنات کو بشمول ان کے پیدا فرمایا ہے وہ کوئی اور ذات ہے، صدیق دیندار چن بسویشور نہ خود خدا ہے، نہ اس کا مظہر اور نہ کوئی نیک بندہ بلکہ یہ سب گورکھ دھندا ہے،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکبرؔ کے سامنے بھی ایسا کوئی بے وقوف ہوگا، ارشاد ہے ؎

واعظا ہم بھی سمجھتے ہیں خدا ہے کوئی اور
دل لگی کے لئے ایک بت بھی لگا رکھا ہے

مگر ان بیچاروں کا قصور نہیں، ان کو ان کے دادا (انگریز) نے یہی سبق سکھایا ہے، کہ قسمت آزمائی کرتے رہو، ہو سکتا ہے قرعہ اندازی میں مرزا صاحب کی مصاحبت کی بدولت خدا بننے کیلئے

نام نکل آئے، ورنہ پیغمبروں میں تو شمار ہو ہی جاؤ گے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ ؎

عہد انگلش میں ہے ہر چیز کے اندر نمبر
کیا تعجب ہے جو نکلا پیمبر نمبر

مرزا غلام احمد قادیانی کے مریدین میں نبی تو بہت سے بنے ہیں، بلکہ ایسے بھی ہیں جو اپنے گرد سے بھی پانچ انگل آگے نکل گئے ہیں، لیکن یہ سعادت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہے جو بیک وقت یوسف موعود بھی ہو، نبی بھی ہو، عین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہو اور مظہرِ خدا بھی، مگر صدیق دیندار چن بسویشور میں یہ تمام صفات متضادہ موجود ہیں۔ ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے مرزائیش

ذیل میں ہم اسی مردِ مجاہد صدیق دیندار چن بسویشور (لعنہ اللہ) سے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، اور یہ اس سلسلہ کی آخری کڑی نہیں ہے بلکہ فتنہ مرزائیت کے بعد حکومت اور عوام کو اس کی طرف توجہ دینے کی ایک اپیل ہے۔ سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صدیق دیندار کا مختصراً تعارف کرا دیا جائے۔

صدیق دیندار چن بسویشور

انسانی تاریخ میں وہ دن کتنا منحوس تھا، جس میں صدیق دیندار نے جنم لیا، جس نے اپنے خود ساختہ دین کو دینداری کا لیبل لگا کر کفر وارتداد کی ظلمت پھیلا دی، سادہ دل بندوں کو احتیاط توسع، شوقِ جہاد اور اتفاق پسندی کے سبز باغ دکھا کر قعرِ مذلّت میں گرا دیا، بلکہ جو سادہ لوح مسلمان اس کے دامِ تزویر میں پورے طور پر نہیں آئے، ان کو بھی شیطان نے یہ فریب دے رکھا ہے کہ یہ خدمتِ اسلام کرنے والے مجاہدین کی ایک فکری غلطی ہے، حالانکہ کفر وارتداد کی طغیانی میں یہ خود تو غرق ہو چکے، اگر تمہاری یہ روش رہی تو خدا نہ کرے ایک نہ ایک دن یہ تم کو بھی بہا لے جائیں گے ؎

خود تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

اس بدبخت کا نام صدیق ہے، دیندار لقب ہے، عام طور پر اپنے نام کیساتھ "چن بسویشور" لکھا کرتا تھا، حیدرآباد دکن میں اس کی رہائش تھی۔ ۴ رمضان بروز پیر ۱۳۰۳ھ میں دکن ہی میں اپنا منحوس قدم رکھا۔ عام طور پر اپنا نام اور لقب اس طرح لکھا کرتا تھا، "صدیق دیندار چن بسویشور" آصف نگر حیدرآباد میں اس کی خانقاہ کا نام "خانقاہ سرورِ عالم" یا "جگت گرو آشرم" تھا۔

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ـــــ ؎

جس میں سیرت النبی کے جلسے بھی کراتا تھا، خود چونکہ تقریر میں زیادہ اچھا نہ تھا، اس لئے اپنے جلسوں کو رونق افروز کرنے کے لئے بعض دوسرے حضرات کو بھی بلایا کرتا تھا۔ صدیق چن بسویشور غلام احمد قادیانی کے ساتھ میل ملاپ رکھتا تھا، لیکن بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان سے جاکر بیعت کی، پھر محمد علی لاہوری مرزائی سے جاکر قادیانی تفسیر پڑھی، اس کے بعد پھر حیدرآباد دکن آکر ہندوؤں کی کتابوں اور مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشگوئیوں کو کھینچ تان کر اپنے اوپر چسپاں کرتے ہوئے ہندوؤں کا اوتار چن بسویشور ہونے کا دعوی کر دیا۔ یوسفِ موعود، مثیلِ موسیٰ، مظہرِ خدا کے دعوی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعوی کیا کہ "خانقاہ سرورِ عالم واقع آصف نگر (حیدرآباد دکن) میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبارہ بعثت ہوئی ہے، نیز اپنے کو اللہ، قیامت کا مالک اور شافع محشر بھی لکھا یہ سب باتیں انشاء اللہ انہی کی کتابوں کے حوالے سے پیش کی جائیں گی۔

چن بسویشور کی تصانیف میں اب تک "مہر نبوت" "خادم خاتم النبیین"، جامع البحرین، معراج المومنین اور "دعوت الی اللہ" کے حوالے ملتے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں جو بہائیوں کی کتاب اقدس کی طرح فضا سازگار ہونے پر میدان میں آئیں گی۔

مؤخر الذکر کتاب "دعوت الی اللہ" ان کے مذہب اور دیگر کتابوں کا سنگِ بنیاد ہے۔ ان کی باقی کتب اور مریدین کی دیگر تصانیف گویا اسی کی تعبیر و تشریح ہیں۔ کتاب کے سرورق پر یہ عبارت چھپی ہوئی ہے،

"دعوۃ الی اللہ، الداعی تقدس مآب حضرت قبلہ مولانا صدیق دیندار چن بسویشور، یوسفِ موعود، سردار آخرین۔ جو باہتمام اراکین دیندار انجمن رزاقی پریس مغل پورہ میں طبع ہو کر ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ ہجری میں حیدرآباد سے شائع ہوئی۔"

دیندار انجمن

صدیق دیندار چن بسویشور نے ۱۹۲۴ء میں اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے ایک انجمن قائم کی، جس کا نام "دیندار انجمن" رکھا، نام کی ملمع سازی نے بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈال کر گرفتارِ بلا کر دیا۔ اس انجمن کا اصول یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی باتیں ظاہر کی جائیں جو ان کی نظروں کے لئے جاذب ہوں، مثلاً جہاد کی ترغیب، اتفاق و اتحاد کی کوشش وغیرہ، اور ان کے نبی چن بسویشور کے جو اصل عقائد ان کی کتابوں میں ہیں حتی الامکان یہ کوشش رہے کہ وہ عوام کے سامنے نہ آئیں۔

آجکل اس انجمن کی تین تحریکیں تین مختلف ناموں سے چل رہی ہیں ان کی وضاحت اس لئے کرنا ضروری

ہے کہ کہیں عوام کسی دوسرے نام سے ان کے دھوکہ میں نہ آجائیں۔ پورے ہند و پاک میں ان کے مبلغین پھیلے ہوئے ہیں، ہندوستان میں یہ تحریک "حزب اللہ دیندار انجمن" کہلاتی ہے، اس کی ایک شاخ کراچی میں بھی ہے۔ کراچی ہی میں سعید بن وحید بی۔ اے (علیگ) کی امارت میں "جمعیت مجاہدین فی سبیل اللہ دیندار انجمن" کے نام سے یہ لوگ کام کر رہے ہیں۔ یہ انجمن آجکل فقراء مبلغین اسلام دیندار انجمن اور زیادہ تر صرف "دیندار انجمن" کے نام سے کام کر رہی ہے، جس کا سربراہ سعید بن وحید ہے۔ اس انجمن کا مرکزی دفتر کورنگی کراچی میں ہے "تیسری تحریک" مرکزی دیندار انجمن" کے نام سے ہے جس کے مبلغین پنجاب اور پشاور وغیرہ میں ظاہر اور پوشیدہ طریقوں سے کام کر رہے ہیں، عوام کو دھوکہ دینے کے لئے ان کے مبلغین کے دو خاص پیشے ہیں، بعض امام قوم بن کر مساجد میں امامت کرتے ہیں اور بعض پیر بن کر اپنے حلقۂ ارادت میں یہ زہر پھیلا رہے ہیں، ان کی وضع قطع مخصوص ہے اس لئے اسے بھی لکھا جاتا ہے، تاکہ ناواقف مسلمان ان کو وضع قطع سے پہچان کر ان کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔

وضع قطع

انجمن دیندار کے لوگ ہرے رنگ کے عمامے باندھتے ہیں جس کے نیچے عموماً سادہ ٹوپی ہوتی ہے، رنگے ہوئے گیروے کرتے پہنتے ہیں، سر پر لمبی لٹیں، لمبی ڈاڑھی، بال پراگندہ، فقیرانہ بھیس میں نظر آتے ہیں۔

زاہد صدیقی صاحب سابق مبلغ دیندار انجمن، جو اب تائب ہوگئے ہیں، فاران کراچی فروری ۱۹۵۷ء میں لکھتے ہیں،

"راقم الحروف نے چار سال کا عرصہ ہوا جمعیت حزب اللہ دیندار انجمن کو ایک تبلیغی ادارہ تصور کرتے ہوئے زندگی وقف کر کے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں، اس کے بعد سے مندرجہ بالا واقعہ تک میں ایک سرگرم مبلغ کی حیثیت سے مغربی پاکستان میں دورہ کرتا رہا، اور ہزارہا افراد کے مجمع میں اس جماعت کا تعارف کراتا رہا لیکن یہ کسے خبر تھی کہ جنہیں میں نے خدام الدین سمجھا ہے وہ غارتگر ایمان اور منکرین ختم نبوت ہیں، صوفیانہ حلیہ، دیندارانہ وضع قطع، فرقوں کے اتحاد کے متمنی، غرض یہ کہ انہیں آپ دیکھ کر کبھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ اس وضع قطع کے لوگ بھی دینداری کی آڑ لیکر بے دینی اور شرکانہ عقائد کی در پردہ تبلیغ کرتے ہونگے"۔

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ــــــ ۷

اقتباسات

یہاں تک اس انجمن کا اجمالی تعارف کرایا گیا ہے، اب انجمن کے بانی صدیق دیندار چن بسویشور کی تصانیف سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں، ان سے ان کے معتقدات، عزائم اور کئی دیگر خرافات آپ کو معلوم ہو جائیں گی، اور پھر اندازہ لگائیں کہ یہ لوگ (دیندار انجمن والے) حقیقت میں کیا ہیں اور کس روپ میں دکھائی دیتے ہیں، ان عقائد وعزائم کے حاملین عوام میں جہاد و اتحاد کے نام سے تبلیغ کر کے عوام کو اپنے جال میں پھنسا رہے ہیں ؎

لباسِ خضر میں یاں سینکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں
اگر دنیا میں رہنا ہے تو پھر پہچان پیدا کر

لیجئے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں

چن بسویشور اور مرزا غلام احمد قادیانی

دیندار انجمن کے بانی صدیق دیندار چن بسویشور فرماتے ہیں:

"نبیوں کے اسرار مجھ پر کھلنے کے دو اسباب ہیں، پہلا سبب یہ کہ فقیر ۱۹۰۸ء میں فتنۂ دجال سے کما حقہ واقف ہو کر جستجوئے مسیح میں تھا، ۱۹۱۴ء میں مسیح (مرزا غلام احمد) کو پایا۔ اور نہایت مخلصانہ طور پر اٹھائیس سال کی عمر میں ترک دنیا کر کے مزید حصول علم کے لئے قادیان پہنچا اور مرزا صاحب کے تحریر کردہ دس ہزار صفحات سے جن میں تین سو جگہ مسئلہ نبوت کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پورا پورا واقف ہو گیا۔ اس طرح "اسرارِ نبوت" کے کھلنے کا اس فقیر پر یہ پہلا سبب ہے"۔ (مہر نبوت ص۲۵)

اس اقتباس سے تین باتیں معلوم ہوئیں، چن بسویشور کا قادیان جانا، مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود ماننا، اور اس کی تصانیف سے استفادہ دینی اور اسرارِ نبوت کا کھلنا، قارئین حضرات یہیں سے اقتباسات کو ذہن نشین کرتے جائیں اور یہ بات نہ بھولیں کہ یہیں سے دیندار صاحب پر اسرارِ نبوتؐ

آگے کی عبارات میں اُردو زبان، اوزان شعر حتی کہ آیاتِ قرآنیہ پر جو ظلم ہوا ہے وہ سہوِ کاتب نہیں بلکہ اسی نبی کا عکس ہے جو بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ۔۔۔۔ ۸ ۱۲ منہ

کھلنے شروع ہوگئے، اس وقت اٹھائیس ۲۸ برس کی عمر ہے، آج ترک دنیا کرکے مرزا کی کتابوں سے کفریات کی خوشہ چینی میں مصروف ہیں، کل پتہ چلے گا کہ "اسرار نبوت" کھلے ہیں یا جہنم کے انگاروں سے دامن بھر لیا ہے ؎

آج جو کفر سے مصروف ہیں سرگوشی میں
ہوش آئے گا انہیں موت کی بیہوشی میں (اکبر الٰہ آبادی)

غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے اسرار نبوت خاک ملتے وہاں تو اغوار نفسانی کے غول بیابانی کمین گاہ میں شکار کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں کہیں زقوم کے کانٹوں میں بھی پھول ملا کرتے ہیں؟ اب تو جہنم رسید ہونے کے بعد حسن بسوبشیور صاحب دل ہی دل میں کہتے ہوں گے، کاش میں وہاں نہ جاتا، مگر اب تو یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آنے کا ؎

مدتوں بیٹھا ترے ہنگامۂ عشرت میں میں روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں میں
آہ وہ یوسف نہ ہاتھ آیا ترے بازار میں مدتوں ڈھونڈا کیا نظارۂ گل خار میں

دربار قادیاں سے ناامید لوٹے، تبھی تو قادیانیوں بالخصوص میاں محمود سے روٹھے اور اپنی مستقل نبوت اور مامور و موعود ہونے کے دعویدار بنے اور زبان حال سے یہ کہتے ہوئے دربار قادیاں سے لوٹے کہ ؎

چشم حیراں ڈھونڈتی اب اور نظارے کو ہے
آرزو ساحل کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے
چھوڑ کر مانند بو تیرا چمن جاتا ہوں میں
رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں

یعنی نبی بننے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہوں جو آپ کے پاس نہ ملا ؎

اے میرے خضر ختم کب ہوتی ہے مری طلب
اس کو چلا ہوں ڈھونڈنے جو ابھی ملا نہیں

یوسف موعود

صدیق دیندار حسن بسویشور نے چونکہ قادیان میں جاکر غلام احمد قادیانی کے علمی خزانے سے کافی استفادہ کیا تھا جس کی وجہ سے اسرار نبوت آپ پر منکشف ہوگئے تھے، اس لئے اب دعوائے نبوت کرنے میں کیا دیر تھی بس حیدرآباد پہنچنا تھا کہ دعوی کردیا، میں یوسف موعود ہوں، مامور من اللہ حسن بسویشور ہوں،

اور اپنے دعویٰ کی وضاحت کے لئے ایک کتاب " خادم خاتم النبیین " کے نام سے لکھ ڈالی جس میں اکثر و بیشتر مرزا غلام احمد قادیانی کے الہام و پیشگوئیوں سے اپنے دعویٰ کو مبرہن کیا ہے، آپ بھی چند اقتباسات سن کر قوتِ دلیل کا اندازہ کرلیں۔

" اب حق آگیا، اس کی طرف حضرت صاحب (مرزا غلام احمد قادیانی) نے اشارہ کیا تھا کہ جب تک کوئی روح القدس سے تائید پاکر کھڑا نہ ہو تم سب مل کر کام کرو اور اس کے بعد اس کی اتباع کرنا، اسی میں نجات ہے، اس کام کے لئے اپنی جماعت میں دن رات دعا کرتے رہنے کے لئے کہا تھا ؎

ع بہ منوائیو اے احمدیو تم سب مل کر
منتظر جس کے تھے آج وہ موعود آیا!

" گذشتہ تین سال میں میاں صاحب کے نام میں نے متعدد خطوط بھیجے اور بار بار لکھا کہ دکن کے اولیاء اللہ (ہندو سادھو وغیرہ) کی کتب پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ایک شخص شمال میں دیر بسنت (اولوالعزم محمود) نامی پیدا ہوگا۔ وشنو (غلام احمد قادیانی) کی گادی پر بیٹھے گا "

اس کے بعد اور بھی تفصیل ذکر کرکے بشیر الدین محمود کو ہندوؤں کی کتابوں سے موعود انسان ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے متعلق لکھا ہے کہ:

" اس کی اصلاح صدیقی دینداز چن بسویشور کریگا " (خادم خاتم النبیین ص۱۰، از دیندار چن بسویشور)

لیجئے یوسف موعود کا دعویٰ ذرا اور وضاحت سے فرماتے ہیں

" حضرت مرزا (غلام احمد) صاحب کی بشارت میں جتنی صفتیں یوسف موعود کی آئی ہیں وہ کُل کمال درجہ پر مجھ پر صادق آتی ہیں " (خادم خاتم النبیین ص۵۵)

اس کے بعد اسی کتاب میں ص۵۹ سے ص۶۱ تک رات کے دو بجے ایک حسین نوجوان لڑکی کا ان کے بستر میں آکر لیٹ جانے کا واقعہ ذکر کیا ہے، اور آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام پر اپنی فضیلت کی چھ وجوہ ذکر کی ہیں

یوسف موعود کے دنیا میں آکر لوگوں کی اصلاح کرنے کی روایت ہندوؤں کی کتابوں یا پھر مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات سے کوئی پیش کرے تو کرے، قرآن، حدیث وکتب شرع میں تو اس کا نام ونشان

عہ یہاں " مردود " بھی خوب چسپاں ہوتا ہے، درحقیقت مردود بھی ہے اور موعود بھی ۱۲ منہ

تک نہیں ؎

سر خدا کہ عابد و زاہد کسے نگفت !
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

مامورِ وقت

جب صدیق دیندار نے ہندوؤں میں چن بسویشور ہونے کا دعوی کیا، تو اس سلسلے میں لکھا کہ

"دکن میں ایک مامور کا انتظار تقریبًا آٹھ سو سال سے چلا آرہا ہے اور اس ..... دھوم سے کہ کرناٹک کا ہر بچہ بڑا واقف ہے، اتنا انتظار کسی مامور کا مسلمانوں میں نہیں، اس کثرت سے نشانات بیان کئے گئے ہیں کہ مہدی اور مسیح کے بھی نہیں" (خادم خاتم النبیین ص۱۱)

مزید سنئے اور چن بسویشور صاحب کی علم کلام میں مہارت کی بھی داد دیجئے،

"میری ماموریت کے انکار کی صورت میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، اگر وہ موعود میں نہیں ہوں تو دوسرا کوئی پیش کرے" (خادم خاتم النبیین ص۵۹)

ٹھیک فرمایا حضرت والا نے، کیسی دور رس نگاہ ہے، "خانۂ خالی را دیو می گیرد"، مامورِ وقت جیسا اہم عہدہ خالی پڑا رہنا زیب نہیں دیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب کی شان عالی میں شاعر کہہ گئے ہیں ؎

دل نفس کا تابع غفلت میں دنیا کی حقیقت کیا جانے
امڈے ہیں فریب امیدوں کے طوفاں ہیں بپا ارمانوں کے
تھی عقل زباں پرائے اکبرؔ اور عشق پہ رکھی ہم نے نظر
ممتاز ہے ہشیاروں میں سرخیل رہے دیوانوں کے

یوسف موعود ہونے کا دعوی ایک اور روپ میں

خدا کرے ذیل کا دعوی بھی آپ کی سمجھ میں آجائے، سنئے اور سر دھنیے،

"یوں تو جلال کے لحاظ سے موسی بھی ہوں اور داؤد علیہ السلام بھی۔ مسیح موعود کی عبارت میں ان دونوں کا نام کیوں نہیں آیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یوسف مصر کے بادشاہ تھے، وہ جس قوم پر حکومت کرتے تھے وہ عربی النسل قوم تھی، قبل ظہور اسلام دو ہزار سال کے اندر وہ تمام قوم ہندوستان کے جنوبی علاقے میں پہنچ گئی تھی، یہ بچھڑے کے پجاری اور شرک پر قائم رہے ان میں

ان میں ایک رسول کی بشارت چلی آرہی تھی جسکو شمکھ اوتار کہتے ہیں، شمکھ کے اصلی معنی نفس امارہ کا مقابلہ کرنے والے کے ہیں، درحقیقت یہ یوسف کا تعریفی نام ہے، قوم لنگایت میں شمکھ کا مجھ سے پیشتر ۲۷ دفعہ آنا مانا جاتا ہے اور یہ آخری ظہور ہے۔ آج سے آٹھ سو سال پیشتر اولیاء اللہ (ہندو سادھوؤں) نے اس کو دینداچن بسویشور کے نام سے موسوم کیا ہے" (دعوت الی اللہ ۳۳ از دینداچن بسویشور)

قارئین حضرات! کیا سمجھے؟ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں صرف ایک مرتبہ نہیں آئے بلکہ بقول چن بسویشور ان سے قبل ستائیس دفعہ وہ ہندوستان کی قوم لنگایت میں تشریف لاچکے ہیں، اب اٹھائیسویں مرتبہ ایک ہندو چن بسویشور کی روپ میں آئے نعوذ باللہ من شر ذلک۔ خدا کا پیغمبر اور ہندو کے روپ میں، العیاذ باللہ، یاد رہے کہ یہ دعاوی کی پہلی سیڑھی ہے، آگے چل کر خود حضرت یوسف علیہ السلام پر اپنی فوقیت جتلاتے ہیں، خاموشی اور انگشت بدنداں رہ جانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آئے تو کوئی عرض بھی کرے یہاں پر تو ؎

رنج آسماں میں ہے نہ راحت زمیں میں ہے
اپنے ہی حسن کا جوش ہے سب کچھ ہمیں میں ہے

اپنے قارئین دوستوں کو بس اتنا بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں اور اس سے بڑھ کر یوسف دوران کا تعارف مجھ ناچیز سے نہ کرایا جاسکتا ہے نہ ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ جس قدر آپ کے ذہن میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن مبارک ہوگا اتنا ہی چن بسویشور کی بدصورتی کا اندازہ کرلیں اور یہ حقیقت ہے مبالغہ آمیزی نہیں، اس کو جہنم رسید ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا اسے دیکھنے والے ابھی تک زندہ ہیں ؏
برعکس نہند نام زنگی کافور

مہدی آخرالزماں

جو شخص نبی بننے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کے لئے مہدی آخرالزماں بننا کیا مشکل تھا جبکہ اس سلسلہ میں ایک خواب بھی بطور تائید نظر آیا تھا، فرماتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف انگلی سے اشارہ کرکے عوام کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جب تک کوئی شخص اس میں فنا نہ ہوگا وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتا،" (خادم خاتم النبیین ص)

میرے آقا سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹا خواب نسبت کرکے آسمان سے تو پروانہ مل ہی

چکا تھا اب لوگوں کو دھوکہ دینا تو بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، ایسی صورت میں دعوائے مہدویت اور بیعتِ رضوان لینے میں کیا چیز مانع تھی؟ جس سادہ لوح مسلمان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ بشارت سنی اپنا تن من دھن قربان کر ڈالا مہدی مان کر بیعت کرلی، سنیے چن بسویشور کی اپنی زبانی :

" ہبلی میں ایک عورت میرا وعظ سن رہی تھی، روحانیت کا اتنا اثر ہوا کہ جدھر دیکھے چن بسویشور نظر آرہا ہے اور ہر ایک آواز چن بسویشور ہے، اگر مرغ بانگ دے تو چن بسویشور کہتا ہے، اور بچہ بھی روتا ہے تو چن بسویشور ہی کہتا ہے، بکھار چڑھتا ہو لے ہے تو چن بسویشور آواز آرہی ہے۔ کئی دن ایسا رہا، اس معاملہ میں وہ عورت گھبرا گئی، اپنے خاوند کو لے کر میرے پاس آئی میں نے بیعت لیکر دعا دی، اب تک وہ اچھی ہے، بہت سے لوگ ہیں جو بعد وعظوں کے پکار اٹھے کہ آپ مہدی ہیں، بعض نے مہدی مان کر بیعت کرلی "

(خادم خاتم النبیین ۴۵)

ایسے ہی اسی کتاب میں اپنی روحانیت کا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" وہ (کوئی لڑکی) بن سنور کر رات میں مجھ سے آکر لپٹ گئی "

یہ ہیں مہدی آخر الزماں کی روحانیت کے کرشمے ؏

در دا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

آپ کا کوئی قصور نہیں اصل میں اسلام کو چھوڑے ہوئے کافی زمانہ گذر گیا ہے، اب یاد نہیں رہا کہ مہدی کیا ہوتے ہیں، بس سمجھ کی غلطی ہے بیچارہ یہی سمجھا کہ مہدی آخر الزماں بھی کوئی اسی قسم کا غنڈہ ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؎

گھر کو چھوڑے ہوتے مدت ہوئی صیاد مجھے
کس چمن میں تھا نشیمن یہ نہیں یاد مجھے

تعجب ان دیوانوں پر نہیں ہوتا، اس لئے کہ ہوس آکر سب سے پہلا وار ہوش پر کرتی ہے، جب عقل و خرد ہی رخصت ہو گئی تو پھر کسی کا کیا رونا، مگر تعجب ان مسلمان بھائیوں پر ضرور ہوتا ہے جو ایسی خرافات بکنے والوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنا رہبر تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں مگر لکلّ ساقطۃ لاقطۃ کے قانون پر اس کے بغیر عمل ہی ناممکن تھا ؎

گردشِ چرخ بدل دیتی ہے دنیا کا طریق
ہو ہی جاتے ہیں سب اس شعبدہ پرداز کیساتھ

گلِ تازہ شگفت

"اگر میں احمدیوں کا مامور موعود نہیں تو دوسرا کوئی بتائے کہ جو عین وقت یعنی ۱۹۲۴ء میں آیا۔ اگر میاں (محمود) صاحب کے مامور ہونے کا انتظار ہے تو وہ بالبداہۃ غلط ہے پہلے تو اس بنا پر غلط ہے کہ مامور کبھی ایک زبردست جماعت کا خلیفہ نہیں ہوا کرتا۔ کیونکہ مامور کے ساتھ ہونے والوں کو ایمان بالغیب اور امتحانات میں سے گذرنا پڑتا ہے اور سوائے اس کے حضرت (مرزا صاحب) نے یوسف موعود کے لئے نطفہ اور علقہ لکھا ہے اور لکھا ہے کہ وہ معمولی انسان ہوگا تمہاری نظریں دھوکہ کھا جائیں گی اور یہی سنت اللہ ہے...... ایسی صورت میں نہ خواجہ کمال الدین صاحب کھڑے ہو سکتے ہیں اور نہ مولانا محمد علی صاحب اور نہ میاں (محمود) صاحب یہ کل مشہور انسان ہیں، اگر یہ لوگ اس کام کے لئے مامور ہو جائیں تو خدا کی سنت میں فرق آتا ہے، اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے اپنی سنت کے مطابق جماعت احمدیہ کے ابتلاء کے زمانہ میں صدیق کا انتخاب کیا۔ دیر آمدہ زراہ دور آمدہ، کا وعدہ پورا کیا۔ اس کا تفصیل وار ذکر آئندہ آئے گا۔

ہر لفظ پیشگوئی کا فقیر پر چسپاں ہوتا ہے، پہلے تو یہ نشان کہ وہ نطفہ علقہ کی طرح ہے، اس کو دیکھ کر لوگوں کی نظر دھوکہ کھائیگی وہ اس طرح کہ پیدائش کے لحاظ سے بھی میرا یہ حال ہے کہ میں حد درجہ کا کمزور پیدا ہوا تھا۔ رونے کی آواز تک نہیں نکلتی تھی، والد نے یہ کہا کہ یہ بچہ کیا جیتا ہے؟ کوڑے پر پھینکدو۔ (کاش کہ والد کی بات مان لی جاتی، رشید احمد) والدہ نے کہا ابھی جان ہے ذرا ٹھہرو..... اللہ جماعت احمدیہ سے کام لینا چاہتا ہے، ان میں مخلص لوگ کثرت سے ہیں..... اللہ اس جماعت کو چھوڑنا نہیں چاہتا، پھر دوبارہ فضل ہولے ہے۔ حضرت (مرزا) صاحب نے لکھا ہے کہ جبتک کوئی روح حق پاکر کھڑا نہ ہو سب مل کر کام کرو، اس روح حق والے کیطرف ہو جاؤ، اور وہ صدیقی رنگ میں ہے، نطفہ اور علقہ کی طرح ہے، حقیقت نظر آئے گا دھوکہ نہ کھانا۔ غرض اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا کے وعدے پورے ہو رہے ہیں"

(خادم خاتم النبیین ص۱۸)

ٹھیک فرمایا آنجناب نے واقعی آپ احمدیوں (قادیانیوں) کے مأمور موعود ہیں، جو شک کرے کافر ہوگا۔ اشھد انک من القادیانیین و متنبّیھم لعنۃ اللہ علیک وعلی شیخک غلام احمد وعلی من حذا حذوکم الی یوم التناد و اخذکم اللہ اخذ عزیز مقتدر ط۔

بڑا افسوس ہوا آپ کے خلیفہ وحید بن سعید کی قلمی کتاب "ختم نبوت کا قرآنی مفہوم" دیکھ کر اس نے صرف لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے آپ کو اور آپ کی جماعت کو قادیانی جماعت سے الگ بلکہ بیزار ظاہر کیا ہے۔ بیشک آپ قادیانی نہ ہونے کے الزام سے بری ہیں، بلکہ آپ پکے قادیانی ہیں۔

چن بسویشور کی روح معذب کو میرا مشورہ ہے کہ اس ناخلف خلیفہ کو جو کو زنگی ۲ ۱/۲ میں رہتے ہیں جلدی ریٹائر کر دیں ورنہ یہ تمہارے مذہب ہی کو مٹا دینے کو تیار ہے۔ ع

ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

چن بسویشور نے اپنے مأمور وقت ہونے کے دعوی کے سلسلہ میں ہندوؤں کی کتابوں سے بھی بعض پیش گوئیاں درج کی ہیں:

"شیو خود دنیا کی ایک سو ایک ذاتوں کو ایک کرنے آئے گا..... دس اوتار کے رنگ میں خود گھوڑے پر سوار ہو کر ملک ملک پھرے گا..... بسو پربھو اس کو انسان سمجھ کر انکار کر کے اس سے بات مت کرو..... دائم قائم رہنے والا پرماتما خود اترا ہے، معجزے دکھائے گا..... ایشور کے روپ والا..... دنیا میں ایشور آتا ہے کوئی دیر نہ ہوگی..... دنیا کا ایشور چن بسویشور دنیا کے کھیل اور فریب فاش کرے گا۔ شنکر زمین پر اترے گا" (دعوۃ الی اللہ ص ۱۸)

دیکھ لیا، چن بسویشور قائم دائم رہنے والا ہے یعنی ھو الحیّ القیّوم ہے، بہت خوب یہ عجیب الحیّ القیّوم ہے کہ مدت ہوئی جہنم رسید ہو گئے۔

شیو کو تو ہم پہلے سے جانتے ہیں کہ وہ غلام احمد قادیانی ہے، ایشور کی حضرت نے تشریح کر دی کہ وہ چن بسویشور ہے، مگر یہ شنکر اور پرماتما سمجھ میں نہیں آیا، کیا بلا ہیں، ویسے حسن ظن تو یہی رکھتے ہیں کہ وہ آنجہانی ہیں۔ اور دس اوتار جن کے رنگ میں ایشور صاحب کا ظہور ہوگا اور وہ ملک ملک پھریگا، اس کی تشریح ابھی رہنے دیتے ہیں۔ اس کا عقدہ کوئی اور دوست انشاء اللہ سمجھا دے گا۔

اچھا بھئی بسو پربھو جن کا یہاں ذکر ہے کہ وہ آپ کو انسان سمجھیں گے، اس نے تو واقعی بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا، ننگِ انسانیت کو انسان سمجھنا یہ تو واقعی ان کی ناسمجھی ہے، مگر نہیں پتہ چلا کہ یہ مرد مجاہد بسو پربھو ہے کون؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت

نبوت اور مامور ہونے کی تائید میں اگر غلام احمد قادیانی کے الہامات اور ہندو سادھوؤں کی پیش گوئیوں پر اکتفا کرتا تو تعجب نہ ہوتا کیونکہ وہ اسی زمرے میں شمار ہیں، مگر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اپنی تائید کی جو تہمت لگائی اس میں جھوٹ اور دیدہ دلیری کی حد کردی ہے، لکھتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تاریخ پیدائش میری بتائی ہے اور حالات بتائے ہیں وہی اولیاء دکن (سادھوؤں) نے بتائے ہیں۔ اور انہوں نے جو تاریخ پیدائش اور حالات بتائے ہیں وہی حضرت مرزا کی کتب میں نظر آتے ہیں" (خادم خاتم النبیین ص۱۶)

جھوٹ، سفید جھوٹ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہاں فرمایا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اتنی بڑی تہمت ہے کہ اس پر جو بھی بڑی سے بڑی سزا تجویز کی جائے وہ اس جرم کی بنسبت کم ہے۔ ؎

ستر خدا کہ عابد و زاہد کسے نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

غلطی سے ان کو بادہ فروش کہا، ورنہ یہ ہیں بادہ نوش۔

مثیلِ موسیٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

مسیح موعود نے بھی میری نسبت فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ ایک موسیٰ ہے، میں اس کو ظاہر کروں گا، (دعوۃ الی اللہ ص۲۱)

سچ فرماتے ہیں، میں بھی تائید کرتا ہوں کہ آپ مثیلِ موسیٰ بلکہ عین موسیٰ ہیں، لیکن پتہ ہے کونسا موسیٰ؟ وہی موسیٰ جس کے بارے میں ارشاد ہے ؏

فموسی الذی ربّاہ جبریل کافر

آپ کا کوئی قصور نہیں، مرزا کا الہام سمجھنے میں کچھ غلطی ہوئی ہے اور یہ اجتہادی غلطی ہے آپ کے شیخ الشیخ حضرت مرزا علیہ ما علیہ سے بھی ایسی ہی اجتہادی غلطی ہوئی تھی، شیطان نے دل میں وہم ڈالا تو وہ سمجھے کہ یہ وحی نازل ہو رہی ہے۔

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ــــــــ ۱۶

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

حد یہ کردی کہ ہوسِ نبوت جب بڑھی تو اپنے لئے مختلف نام تجویز فرمائے، اور ہونا بھی چاہئے، اس لئے کہ صرف جن بسویشور، یوسف موعود مثیلِ موسیٰ، مصلح موعود، مامور دنف، شنکر اور پرماتما وغیرہ کے دعووں سے کہاں اس کو تسلی ہوتی، چنانچہ اپنے الہامی ناموں کا اعلان کردیا:

"لہٰذا آج پچیس سال سے مجھ سے مکالمۂ الٰہیہ جاری ہے اور میرے اعزازی نام یہ ہیں،

"اے پیران پیر، محمد، امام الغیب، صدیق، کلیم اللہ، سپہ سالار، محبوب، تو محمد جلال ہے، مہدی آخر الزماں، دھن پتی، دیندار، محی الدین، صادق جنگ، سری پتی، اے تاج الاولیاء، فاتح ہندوستان، نور محمد، محمود صدیق، جری اللہ، اے نبی کے فرزند، سکندر اعظم، عبد القادر، عبد اللہ، موسیٰ، سلیمان، مولانا، نگہبان، اے عیسیٰ، اے پہلوان، عادل میراں صاحب، اے میرے آسمان کے تارے، بی بی فاطمہ کے لعل، اندر جیوتی، میرے صابر چراغ دہر، سلطان نصر الدولہ، کرونا تھ، یا منصور، اور بھی کئی نام ہیں، ان ناموں کے علاوہ مجھے بار بار یوسف پکارا گیا اور کھلے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے کہا یوسف ہے بابا صدیق اور کہا تو ہی جن بسویشور،" (دعوۃ الی اللہ ص۳۵)

ایک ہی شجر کے برگ و بار

خلیفہ قادیاں کے بارے میں لکھا ہے:

"اے خلیفۂ جماعت احمدیہ میں آپ کو ایک زمانہ سے جانتا ہوں کہ آپ متقی ضرور ہیں۔"

(خادم خاتم النبیین ص۳)

اسی صفحہ پر مزید تقدیس بیان کرتا ہے:

"بھلا اس وقت کیا حال ہوگا جب دیر بسنت اولو العزم دکن تشریف لائیں گے، میں میاں محمود احمد صاحب کو دکن کی بشارتوں کی بنا پر خلیفۂ جماعتِ احمدیہ مانتا ہوں، گو لاہور کی جماعت مخالف ہی کیوں نہ ہو۔"

حقیقت یہ ہے کہ صدیق دیندار کی جماعت ہو یا قادیانی یا لاہوری سب ایک ہی درخت کے

برگ و بار ہیں، چمن بسویشور اور اس کی کتابوں سے جہاں قادیانیت کو تقویت پہنچتی تھی وہاں انہی کے ذریعہ لاہوریت کا پرچار بھی رہا، چنانچہ محمد علی لاہوری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ نے ایک خط میں مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ سے ہماری جماعت کا ہر فرد خوش ہے" (حوالہ بالا)

ایک ایسا ہی خط قادیان سے آیا ہے، اسے بھی ذیل میں درج کرتے ہیں:

"مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عرض یہ ہے کہ مجلس مشورت کے بعد آئندہ سال کے پروگرام میں دکن کی طرف وفد بھیجنے کی کوشش کی جائیگی...... بہرحال آپ کام کرتے رہئے، اللہ تعالیٰ کے وعدے اپنے وقت پر پورے ہوجائیں گے، مزید براں یہ عرض ہے کہ بوجہ مالی تنگی اس علاقہ کی طرف توجہ نہ ہوسکی..... کام کی رپورٹ براہِ کرم بھیجدیا کریں، اور مشکلات اور نتائج سے آگاہ کرتے رہیں۔ والتسلیم

دستخط عبدالرحیم نیر
نائب ناظر دعوۃ وتبلیغ
قادیان"



(منقول از کتاب خادم خاتم النبیین ص)

جس کتاب سے یہ حوالے دیے جارہے ہیں، وہ خود بانیٔ انجمن چمن بسویشور کی تصنیف ہے، ان اقتباسات بالخصوص مذکور خط سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دیندار انجمن باقاعدہ ایک شاخ کی حیثیت سے اپنے مرکز قادیان میں کام کی رپورٹ اور نتائج بھجوایا کرتی تھی، اس لئے جماعت کے بعض افراد کا یہ کہنا کہ ہمارا قادیانیوں سے نہ نظریاتی کچھ تعلق ہے اور نہ ہی کسی اور قسم کا، بدیہی البطلان ہے۔

دیندار انجمن والوں کا امتحان

عوام کی دھوکہ دہی کے لئے دیندار انجمن کے مبلغین یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمارا قادیانیوں اور انکے عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور ہماری انجمن کے بانی چمن بسویشور کے وہ عقائد نہ تھے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے تھے، اور یہ کہ وہ نبوت کے مدعی نہ تھے وغیرہ، یہ سب فریب اور ملمع سازی ہے، جہاں تک ان کے مرزائیت کی دونوں جماعتوں قادیانی اور لاہوری سے تعلقات کا معاملہ ہے اس سے متعلق ہم پیچھے

خودبانی جماعت کی کتابوں سے ثابت کرچکے ہیں کہ ان کی جماعت قادیانی جماعت کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ قادیانیوں کے ساتھ جن لبوشیور کا اتفاق اور غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود وغیرہ ماننے کی تصریحات بھی پیچھے ذکر کی جاچکی ہیں اور خودبانی کے دعوائے نبوت سے متعلق بھی بعض عبارتیں پیچھے آچکی ہیں اور بعض آئندہ آرہی ہیں۔ یہ ایسے حقائق ہیں کہ ان کا انکار کسی طرح نہیں کیا جاسکتا۔ اگر واقعۃً ان مبلغین حضرات کو ان عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ خوشی کا مقام ہے، مگر صرف اتنا کہدینا کافی نہیں، بلکہ جن لوگوں نے بشمول جن لبوشیور نبوت کا دعوی کیا ہے ان سب کو علی الاعلان تقریراً وتحریراً کافر کہیں اور ان کی کتابوں کو میدان میں رکھ کر جلائیں، ان کی جماعت سے اپنی برأت کا اظہار کریں، اگر اس کے لئے تیار نہیں بلکہ بانیٔ انجمن کے نام لیواؤں میں اپنے کو شمار کرتے ہیں، ان کی تحریک کو آگے بڑھانے میں مصروف عمل رہتے ہیں، ان کی کتابوں کو چھاپتے اور ان کی اشاعت کرتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ صرف زبان سے یہ کہدینا معتبر نہیں کہ ہمارا ان کے عقائد سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ جس طرح بانیٔ جماعت جن لبوشیور اپنے عقائد کفریہ کی بنا پر دجال اور دائرۂ اسلام سے خارج شمار کیا جاتا ہے یہی حکم ان کا بھی ہوگا۔

قارئین حضرات اس کا تجربہ کریں جب بھی بھیڑ کی صورت میں کسی بھیڑئے کو دیکھیں، لمبی لٹوں اور سبز پگڑی والے کسی خضر صورت منافق سے ملاقات ہو تو اولاً تو اس کے ملعون چہرہ ہی پر اس کے دل کی ظلمت نمایاں ہوگی، مزید تجربہ کے لئے اس سے غلام احمد قادیانی اور ختم نبوت سے متعلق دریافت کریں تو وہ مرزا قادیانی سے سخت بیزاری اور ختم نبوت پر ایمان کی تقریر کریگا، مگر آپ اس سے ملعون قادیانی اور جن لبوشیور کی تکفیر کے اعلان کا مطالبہ کریں تو وہ ہرگز اس پر تیار نہ ہوگا۔

آج سے تقریباً بائیس برس قبل غالباً ۱۳۸۶ھ میں مجھے دار العلوم کورنگی میں اطلاع ملی کہ لانڈھی ماچس فیکٹری کی مسجد میں دیندار انجمن کا ایک منافق امام ہے، میں نے دار العلوم سے ایک طالب علم کو جن لبوشیور کی کتابوں کے حوالے مہیا کرکے جمعہ کے روز اس مسجد میں بھیجا انہوں نے بوقت نماز جمعہ عوام کے سامنے اس مردود امام کے نفاق کا پردہ چاک کیا لوگوں نے اس ملعون کو انتہائی ذلت کے ساتھ مسجد سے نکالا، وہ بھاگا ہوا میرے پاس پہنچا اور مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کا دیندار انجمن اور قادیانیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور وہ پکا مسلمان ہے بالآخر یہاں تک کہا کہ چلئے اگر میں پہلے مسلمان نہیں تھا تو اب آپ کے سامنے اسلام قبول کرتا ہوں اور مرزا قادیانی اور جن لبوشیور کو کافر کہتا ہوں آپ میری امامت اسی مسجد میں بحال کرادیں، میں نے کہا کہ آپ جمعہ کے روز اسی مسجد میں یہ اعلان کریں

"میں پہلے مرتد تھا اب دوبارہ میں نے اسلام قبول کیا ہے، میں غلام احمد قادیانی اور صدیق دیندار چن بسویشور اور انکی جماعت کو کافر اور مرتد سمجھتا ہوں میں آئندہ انکے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھوں گا"

نیز یہی اعلان اخبار جنگ اور انجام میں بھی شائع کریں۔ اس کے بعد آپ کو مسلمان قرار دیا جائیگا باقی رہا امامت کا مسئلہ تو آج ہی کوئی سکھ اسلام قبول کرے اور فوراً اسے امامت کا منصب بھی دیدیا جائے یہ نہ عقلاً قابلِ تسلیم ہے نہ شرعاً۔ ایک سال تک آپ کے حالات کا جائزہ لیا جائے گا اور دیندار انجمن سے قطع تعلقات کا اطمینان ہونے کے بعد آپ کو امام بنایا جا سکتا ہے،

اس منافق نے جب دیکھا کہ یہاں اس کا کوئی داؤ نہیں چلتا تو راہِ فرار اختیار کی کسی دوسری مسجد میں جا کر امامت کی صورت میں عوام کے ایمان پر غارت گری شروع کر دی ہوگی ۔

راہزن، ڈاکو، لٹیرے، خود غرض حق ناشناس
بھیڑیئے پہنے ہوئے پھرتے ہیں بھیڑوں کا لباس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانی

اپنی کتاب مہر نبوت میں لکھتا ہے:

"الحمد للہ اعلانِ نبوت منجانب احمدیاں مسیح موعود کی شہرت کا باعث بنا اور یہ شہرت قیامت کے قائم ہونے کی ایک عظیم الشان حجت تھی، یہی ایقان قیامت "بعثتِ ثانی" کے ثبوت میں بینات بن کر ہمالیہ کے پہاڑ کی طرح سر بلند اور مستحکم کھڑا ہے" (مہر نبوت ص۵۵)

اس عبارت سے تشفی نہ ہو تو مزید تشریح سنیئے:

"جب "بعثتِ ثانی" میں ان کے باپ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے ان کو چھوڑ کر احمدیوں نے ولد اللہ کی حقیقت کو قائم رکھنا چاہا جو ان کو فتنوں میں مبتلا کر دیا" (مہر نبوت ص۳۶)

میرے خیال میں قارئین حضرات نہیں سمجھے ہوں گے، یہ دفع دخل مقدر ہے، مطلب یہ کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ تو نبی برحق ہے تو یہ احمدی (قادیانی) تجھے کیوں نہیں مانتے ؟ جواب یہ دیا ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اکثر عیسائیوں نے نہیں مانا، اسی طرح مسیحِ موعود کے بعد جب دوبارہ حضور کی بعثتِ ثانی بشکل چن بسویشور ہوئی تو ان احمدیوں نے بھی

عادتِ سابقہ کی طرح نہ مانا، اگلی عبارت اس کی مزید وضاحت کر رہی ہے ملاحظہ ہو۔

"دوسرے الفاظ میں اس ولی کے وجود میں بزمانۂ قیامت حضور منبعِ انوار خود تشریف لاتے ہیں، اس حقیقت کی وجہ سے یہ بروزِ محمدؐ کہلاتا ہے اسی وجود کی نشاندہی میں مسیح ظاہر ہوتا ہے جو" اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ " کی حقیقت منکشف کرنے کے لئے بچہ کی طرح کچھ نہ کچھ کہہ دے کر عقائدی طوفان مچاتا ہے، قیامت کا علم دینے کے لئے اس کی بدنامی مقدر ہوتی ہے۔" (مہر نبوت ص۴۳)

قارئین حضرات اس عبارت میں آخری فقرہ " بدنامی مقدر ہوتی ہے"، کو دوبارہ ملاحظہ فرمالیں کیا آپ کو یہ گوارا ہے کہ خدانخواستہ آپ کی بدنامی مقدر ہو، یقیناً نہیں، تو کیا جو خدا کا نبی یا بروزِ نبی ہوگا اللہ کو یہ گوارا ہو سکتا ہے کہ اس کی بدنامی ہی مقدر ہو، ظاہر ہے کہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس "رسوا سربازار" کو امتحان و آزمائش اور بدنامی میں امتیاز نہیں، لیکن اچھا ہوا اپنے ہی قلم سے تقسیم مناصب کر دی، جو اللہ تعالیٰ کا مقرب اور نبی ہوتا ہے، بعض موقعوں پر اللہ تعالیٰ اسے آزمائش میں ڈالتے ہیں ؎

آزمائش ہے نشانِ بندگانِ محترم
جانچ ہوتی ہے انہی کی جن پہ ہوتا ہے کرم

اور جو نبی نہیں بلکہ متنبی (جھوٹے نبوت کے دعویدار) ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لئے بدنامی مقدر ہوتی ہے۔ چن بسویشور کو اپنی حقیقت کا علم تو تھا ہی اس لئے حقیقت ظاہر کر دی کہ وہ ایسا بروزِ محمد ہے کہ بدنامی اس کے لئے مقدر ہے سوّد اللہ وجہہ یوم القیٰمۃ۔

بروزِ محمد کی تشریح

پچھلی عبارت میں بروزِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریح اگرچہ آچکی ہے کہ "اس ولی کے وجود میں حضور منبعِ انوار خود آتے ہیں"، لیکن اس کی مزید تشریح اشعار میں بھی کر دی ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمالیں:

بروزِ محمد ہے نبیوں کا حاکم
ہے مظہر خدا کا قرآن کا ہے عالم ہے قاضیِ حشر، حوضِ کوثر کا قاسم
(مہر نبوت ص۴۳)

سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو قاضیِ حشر نہیں فرمایا سیّد وُلد آدم تو

فرمایا ہے لیکن حاکم الانبیاء نہیں فرمایا، اس لئے یہاں بروز محمد کی جو تشریح کی ہے وہ ایسا بروز ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قدر و منزلت میں بڑھا ہوا ہے بلکہ قاضی حشر یا مالک حشر تو صفاتِ خداوندی ہیں، اس لئے بلا مبالغہ بروز محمد کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خدا جو صفاتِ محمدیہ کے ساتھ بشکل ہندو چن بسویشور آیا ہے، وہ یہ بندۂ ناچیز ہے ؎

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

مذہب "چن بسویشوری" میں اس کے اندر کوئی استحالہ نہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک مسلمان کا درجہ نبی کے برابر ہے، اور جو جامع الانبیاء ہو وہ ظاہر ہے کہ کم از کم خدا تو ہوگا ہی، مسلمان اور نبی کا درجہ برابر ہونے کے بارے میں خود چن بسویشور کے الفاظ سن لیجئے : ع

نہیں کوئی مسلم ہے نبیوں سے کچھ کم

(مہر نبوت ص۳)

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ورنہ عام مسلمانوں کے برابر ہوتا۔

العجب ثم العجب

بسویشور کے دربار میں نبیوں کا اجتماع

ع ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو

حد ہوگئی ہوسِ جاہ کی۔ مامورِ وقت سے لے کر مہدی آخر الزماں اور یوسفِ موعود و دیگر خیالی مراتب تک پہنچنے کے بعد اب بھی ہوس پوری نہیں ہوئی تو بکنے لگا کہ تمام انبیاء میرے دربار میں حاضری دیتے ہیں، فرماتے ہیں :

"بروز محمد" سے مطلب بعثت ثانی میں آخرین منہم کے مالک اور آقا ہیں...
یہی وقت اجتماع انبیاء کا ہوگا، جب کل انبیاء جمع رہیں گے ان پر حاکم ایک امتی فنا فی الرسول ہوگا، جو بروز محمد کہلائے گا" (مہر نبوت ص۴۴)

جب خود بروز محمد ہوگئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی بشکل چن بسویشور ہوگئی، بیت المقدس کی بجائے حیدرآباد دکن میں انبیاء کرام جمع ہوگئے، حاکم بسویشور صاحب مقرر ہوگئے اب آسمان سے نزول قرآن کے خیالی تصور میں کیا دیر لگتی، اس لئے ارشاد ہے :

"علم قرآن جب خلیج عوج میں اولیاء کی بعثت کے زمانہ میں بتدریج ایک ہزار سال کے اندر آسمان پر چڑھ جائے تو دوبارہ وہ ذات بابرکت تشریف لائیں گے، ان پر ہی علم قرآن نازل ہوگا۔" (مہر نبوت ص۴۹)

عجیب، وہ قرآن جس کا نزول سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ و مدینہ میں ہونا تھا، آج ہندوؤں کے اوتار چن بسویشور پر اس کا نزول حیدرآباد دکن میں ہو۔ ع

وائے رے قرآن مظلومی تری

بہائیوں کی کتاب اقدس دنیا میں عمل کے لئے آئی تھی، فضا سازگار نہ ہونے کی وجہ سے بھاگ کر چھپ گئی، فضا سازگار ہوگی تو پھر نزول کریگی، اس دشمنِ خدا کے نزدیک قرآن بھی ایک ہزار سال تک بھاگ کر آسمان پر چھپا رہا، اب چن بسویشور کی موجودگی میں حیدرآباد کی فضا سازگار ہوئی تو یہ اتر آیا۔ ع

وائے ناکامی متاعِ عقل ہی غارت گئی

اے دشمنِ خدا! ہوش کے ناخن لے، کہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب بھاگا کرتی ہے، کتاب اللہ تو اس لئے آتی ہے کہ بے عملی کے زمانے میں لوگ اس سے عمل سیکھیں۔

دریدہ دہنی کی انتہاء کردی

پہلے مسیلمہ کذاب کی بوجہلیت سن کر داد دیں،

"یہ فقیر فنا فی الرسول اپنے اندر سے حضور منبع انوار کی قدسی طاقت کو ظاہر کر رہا ہے، جس کی وجہ سے میرے سامنے نہیں بلکہ حضور منبع انوار کے سامنے کُل انبیاء زانوئے ادب طے کئے بیٹھے ہیں۔" (مہر نبوت ص۶۲)

دیکھ لیا من توشدم تو من شدی کا عجیب وغریب مظاہرہ کہ کُل انبیاء میرے سامنے زانوئے ادب طے کر کے بیٹھے ہیں، مگر میں چونکہ بروزِ محمد ہوں اس لئے درحقیقت حضور کے سامنے انبیاء ادب سے بیٹھے ہیں، یہ عجیب منطقی جملہ ہے، نبوت بھی اپنی ایجاد اور منطق بھی،

یہ مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج نہیں تو اور کیا ہے، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ایسی توہین کہ وہ ایک ہندو کذاب کے سامنے زانوئے ادب طے کئے بیٹھے رہیں — اس انجمن کی کوئی تصنیف اس قسم کی لغویات سے خالی نہیں، ضرور ان حرکاتِ شنیعہ کے پس پردہ کوئی شقی ہاتھ

کام کر رہا ہے، مگر ؎

سنبھل کے رکھنا قدم دشتِ خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

جنت نہیں ہے کارخانہ

تصورِ آخرت، جہنم کا خوف، جنت کی طلب، یہ ایسی چیزیں ہیں جو مسلمان کو عمل کی طرف دعوت دیتی ہیں اس لئے اس دشمنِ خدا کے دل میں یہ شرارت پیدا ہوئی کہ پہلے اس تصور ہی کا خون کر دیا جائے تاکہ آگے مختلف دعاوی کر کے اپنی ہوس پوری کی جا سکے اور تصورِ آخرت دل سے مٹ جانے کے بعد مسلمان سخرۂ نفس بنکر اس کی ہوسناکیوں کو برداشت کرلیں، ارشاد ہے:

"جب دنیا میں گناہوں کا زور ہوتا ہے تو جنتی ارواح کو غیرت ہوتی ہے، اللہ کے اذن سے بصورتِ اولیاء اللہ آکر کام کرتی ہیں، ورنہ یہ خیال کیا جائے کہ جنتی لوگ ہمیشہ جنت میں پڑے رہتے ہیں، اس سے تو جنت نہ ہوئی بیکار خانہ ہوا، بیکاری انسان کی بیکاری کا باعث ہوا کرتی ہے۔ بیزار انسان جنتی نہیں کہلا سکتا۔"

(معراج المومنین ص۵۶)

برادرانِ اسلام! اس طرزِ فکر کو سمجھئے مرنے کے بعد انسانِ کامل کہاں جاتے ہیں؟ دوبارہ لوٹ کر گناہوں کی دنیا میں آجاتے ہیں؟ لوٹنے سے قبل کہاں تھے؟ بیکار خانہ جنت میں، چن بسویشور کے عقیدے کے مطابق اب ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی ہوئی لیکن اس ساڑھے تیرہ سو سال میں حضور کہاں تھے؟ کیا نعوذ باللہ بیکار خانہ میں رہے؟ اگر نہیں تو فرمائیے اس درمیانی وقفہ میں کہاں رہے؟

مسلمانو! ہوش میں آؤ، کچھ سمجھے یہ کیا کہا جا رہا ہے؟ چن بسویشور بکتا ہے، تصورِ آخرت غلط ہے، جنت بیکار خانہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیکار خانہ میں رہ نہیں سکتے، اس لئے آپ اسی دنیا میں بلباسِ دیگر تشریف لائے ہیں، جب تمہارا نبی اس بیکار خانہ میں رہنے کو پسند نہیں کرتا تو تم جنت کی فکر میں لگ کر کیا حماقت کر رہے ہو؟

یہ چوہے اسلام کی جڑیں کاٹنے میں کس قدر منہمک ہیں، اور ستم بالائے ستم یہ کہ مسلمانوں سے چندہ کر کر کے اسلام کے خلاف یہ سازشیں ہو رہی ہیں، یہ حالت دیکھ کر دل و دماغ بے قابو ہوئے جاتے

ہیں، کاش کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننے والے مسلمانوں کے ملک میں مسلم حکومت نبوت اور خدائی کے مدعیوں، اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولوں کی توہین کرنیوالوں اور انکے متبعین کو سرِ بازار موت کی عبرتناک سزا دیکر اپنے ایمان کا ثبوت دیتی اور عوام حکومت سے ایسا پر زور مطالبہ کرتے کہ ان مردودوں کے وجودِ نامسعود سے پاکستان کو پاک کئے بغیر انھیں سکون نہ آتا، مگر ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

راز کھل گیا

اسلام پر مرمٹنے والو! خوب سمجھ لو، چن بسویشور کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت نہیں کہ آپ کا بروز اور فنافی الرسول کہلا رہا ہے بلکہ یہ سازش انگریز نے سوچ سمجھ کر تیار کی ہے، جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر سے عشق کے درجہ تک محبت ہے اور اس کو کم کرنے کی اور کوئی صورت نظر نہ آئی توان کی نظر انتخاب اس پر پڑی کہ لوگوں کو پہلے یہ باور کرایا جائے کہ حضور کا بعینہٖ مع اپنی تمام صفات کے کسی دوسرے انسان میں حلول ہو جاتا ہے، اور پھر چند بداخلاق غنڈوں کو اس دعوی پر تیار کر دیا۔ تاکہ مسلمان یہ دیکھ لیں کہ ہمارا نبی جس پر ہم مرمٹنے کو تیار ہیں وہ ان اخلاق وعادات کا مالک ہے۔

لیکن اس بد دماغ کو یہ نہیں معلوم کہ جو منافق ہیں وہ اس کا ساتھ دیتے ہیں اور اسلام کو ان کی ضرورت نہیں بلکہ اچھا ہوا کہ ان کے ذریعہ کھرے کھوٹے الگ ہوگئے اور جو مسلمان ہیں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ واخلاقِ حمیدہ کا درس رب العزت نے اپنی آسمانی کتاب قرآن مجید میں دیدیا ہے

وکان خُلقه القرآن (حدیث) آپ کے اخلاق قرآن کے مطابق تھے۔

یہ سبق مسلمانوں کو اس قدر یاد ہو چکا ہے کہ بھلانے سے نہیں بھولتا، تمہاری اس سازش کا صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو منافق بشکل مسلمان اسلام کے دعویدار بنے تھے وہ الگ ہوگئے فللّٰہ الحمد علیٰ ذلک۔

مچھ اوتار

چن بسویشور کے متعلق حقیقتِ حال خود اس کی زبانی معلوم ہوگئی کہ وہ اپنے کو مسلمانوں کا پیغمبر نہیں ہندوؤں کا اوتار کہتا ہے، مہر نبوت کی عبارت ملاحظہ ہو:

"ہے کوئی دنیا میں نبی ایسا جس کے دربار میں انبیاء جمع ہوں؟ آدم سے لیکر عیسیٰ تک کل انبیاء..... اور مچھ اوتار سے لیکر گوتم بدھ اوتار تک کل انبیاء جمع ہوں" (مہر نبوت ص۶۱)

پھر وہ ایسا نبی کون ہے، اس کی خود تشریح فرماتے ہیں،

"یہ فقیر فنافی الرسول اپنے اندر سے حضور منبع انوار کی قدسی طاقت کو ظاہر کر رہا ہے، جس کی وجہ سے میرے سامنے نہیں بلکہ حضور منبع انوار کے سامنے کل انبیاءؑ زانوئے ادب طے کئے بیٹھے ہیں (مہر نبوت ص۶۲)

پیچھے کئی عبارتوں میں یہ دکھایا جا چکا ہے کہ انہوں نے ہندو سادھوؤں کو اولیاء اللہ کہا ہے، ہمیں تو اس پر تعجب ہوتا تھا کہ ہندوؤں کو اولیاء اللہ کیسے کہا، مگر جو خود کو ہندوؤں کا اوتار کہے ظاہر ہے وہ ہندوؤں کو اولیاء اللہ ہی کہے گا، ایسی تحریریں دیکھ کر بے ساختہ ان کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے مسلمانوں میں دعوت و تبلیغ کر رہے ہیں اور اپنے کو ہندوؤں کا اوتار ثابت کر رہے ہیں مگر سوائے اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ ؎

عجوبہ فقط آسماں ہی نہیں یہاں پر عجائب نظارے بہت
فلک پر ہی دُمدار تارا نہیں زمیں پر بھی دُمدار تارے بہت

نہیں کوئی مُسلم ہے نبیوں سے کچھ کم

دل پر انتہائی جبر کرکے لکھ رہا ہوں ورنہ نہ قلم ایسی عبارتیں نقل کرنے کو تیار ہے، نہ ضمیر اس کی اجازت دیتا ہے کہ ایسی بکواس کو نقل کیا جائے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ایسی توہین آمیز عبارتیں دیکھ کر جذبات قابو سے باہر ہوئے جاتے ہیں، جگر قاش قاش ہوا جاتا ہے، خدا کی قسم مسلمانوں کو ان کے مکائد سے بچانے کی خاطر یہ عبارتیں ان کے سامنے رکھ رہا ہوں ورنہ ان خرافات کا نقل کرنا تو درکنار میں ان کو دیکھنا بھی گناہ کبیرہ سمجھتا ہوں۔

چن بسویشور نے اپنے ساتھ اپنے مریدین کی بھی آخرت تباہ کر ڈالی، ان کو سبز باغ دکھا کر ان کا ضمیر موہ لیا، یہ کیسے ممکن تھا کہ پیر صاحب تو "محمد ثانی" بن بیٹھیں اور مرید بیٹھے منہ تکتے رہیں، اس لئے اپنے مریدین کو انبیاء کا معزز لقب دے کر انہیں الّو بنا دیا، قارئین حضرات کو یاد ہوگا کہ غلام احمد قادیانی نے اپنے چیلوں کو صحابی کا لقب دیا تھا لیکن یہاں تو "این خانہ ہمہ آفتاب است" والا معاملہ ہے

ارشاد ہے، ؎

بروز محمد فنا فی الرسول

ہمہ انبیاء را رفیقہا می بینم

جہاں اپنے مریدین کو خوش کرنے کے لئے انہیں نبی کا خطاب دیا، وہاں عامۂ مسلمین کی دلجوئی کے لئے عام قانون بنا دیا ہے کہ ع

نہیں کوئی مسلم ہے نبیوں سے کچھ کم

چلتے لگے ہاتھوں، چن بسویشور کی اپنی عبارت ملاحظہ فرمالیں:

"جو مسلمان پیدا ہوتا ہے، یا مسلمان ہوتا ہے وہ پہلے ہی قدم میں کسی نہ کسی نبی کا مثیل بننے کی بالقوۃ طاقت رکھتا ہے اور دوسرا تصرف حضرت منبع انوار کا مسلمانوں میں یہ چل رہا ہے کہ کسی مسلمان کو خیال تک نہیں ہوتا کہ وہ اپنے کسی بچہ کا نام کسی نبی کی غلامی میں رکھے۔ جیسے عام طور پر غلام محمد، غلام احمد، غلام علی، غلام دستگیر نام رکھتے ہیں، اس طرح غلام ابراہیم، غلام موسیٰ، غلام عیسیٰ، رکھنے کا کسی مسلمان کو خیال نہیں ہوتا کیونکہ ع

نہیں کوئی مسلم ہے نبیوں سے کچھ کم" (مہر نبوت ص۶۱، ۶۱)

اس خامہ فرسائی کو دیکھ کر ان کی عقل پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، یہ اس قابل بھی نہیں کہ اس کا رد کرنے کے لئے کاغذ ضائع کیا جائے۔ لیکن اسی کی آڑ لے کر دیندار انجمن کے موجودہ نگران اعلیٰ سعید بن وحید نے کشمیر میں سیرت النبی کے جلسہ میں کہا تھا کہ:

"جہاں سے نبوت ختم ہوتی ہے وہاں سے تو مومن کے کمال کا آغاز ہوتا ہے اور کوئی مومن اگر نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اپنے مرتبہ سے نیچی بات کا دعویٰ کرتا ہے۔"

دریدہ دہنی کی انتہا ہوگئی کہ مومن نبی سے بڑے درجے کا ہوتا ہے، نبی اگر مومن سے کم درجے کا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام مومن نہیں اور جب انبیاء کے لئے مومن ہونا ضروری نہیں تو وہ کافر ہی ہوں گے جیسا کہ چن بسویشور صاحب، عجیب منطقی چال ہے، نبوت ایسی سستی کردی کہ ایمان کی شرط بھی اڑا دی، اگر نبوت بے ایمانی اور بے غیرتی کا نام ہے تو وہ تمہیں ہی مبارک ہو ؎

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ——— ۲۷

رقیب سرٹیفکٹ دیں تو عشق ہو تسلیم
یہی ہے عشق تو اب ترک عاشقی اولیٰ (اکبر)

حقیقت کچھ اور ہے، انہیں خود بھی پتہ نہیں کہ نبی کیا ہوتے ہیں، دراصل غلام احمد قادیانی کی بدولت مسیح موعود، مہدی آخر الزماں اور نبوت کے دعوے کو کھلی چھٹی ملی، چنانچہ بیسیوں جھوٹے نبی اسی زمانے میں پیدا ہوئے، آپ کو بھی شوق ہوا کہ چلو ہم بھی انہی کے ساتھ ؎

نہیں معلوم منزل ہے کدھر کس سمت جاتے ہیں
مچا ہے قافلے میں شور ہم بھی غل مچاتے ہیں (اکبر)

چن بسویشور نے اپنی تصانیف میں بار بار مقام مسلم کو مقام نبوت سے اعلیٰ و افضل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اپنی تصنیف "مہر نبوت" کے شروع میں رقمطراز ہیں ؎

نبوت کے اسرار بے انتہا ہیں بفضل خدا اس کے درجے یہ وا ہیں
کہوں راز داری کے اسباب کیا ہیں ہیں ان کی جگہ ہوں وہ میری جگہ ہیں
کہ عیسیٰ تلک جس قدر انبیاء ہیں وہ رفقاء کارِ رسول خدا ہیں!
فنا فی الرسولِ خدا جو ہوا ہے وہ لاریب حق میں فنا ہو گیا ہے
کہ نبیوں سے دربار اس کا بھرا ہے ہیں رفقا نبی یہ عجب ماجرا ہے

نیز اسی کتاب کے شروع میں یہ بھی ہے ؏

ہے فائق ہمارا ولی ہر نبی پہ

انتہا کر دی چن بسویشور کے شاگرد مولوی غازی ابوالکلام عبدالغنی نے، پیر نے تو صرف اپنے رفقاء کی انبیاء پر فضیلت ثابت کی، مگر عبدالغنی سوّد اللہ وجہہ نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ چن بسویشور کا مبعوث ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آجانا، دوسرے انبیاء کے لئے باعثِ معراج ہے، اِنّا للہ وَاِنّا الیہ راجعون۔

لکھتے ہیں ؎

محمد کی امت میں پھر ان کا آنا
نبیوں کا گویا ہے معراج پانا (شمس الضحیٰ ص۶۲)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چن بسویشور "مہر نبوت" لکھتے وقت یہ قسم کھا کر بیٹھا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین جس قدر ہو سکے اس میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھیگا۔ لکھتا ہے :

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ——— ۲۸

"ان کا ایک وجود کئی کئی انبیاء کو اپنے اندر رکھتا تھا، اسی وسیلہ سے انبیاء اقوامِ عالم جن پر صرف سلام تھا "رحمۃ اللہ" اور "رضی اللہ" کے حقدار ہوئے"

(مہر نبوت ص۳۷)

ستم بالائے ستم

توہینِ نبوت کا جو کردار جن لسو بیشور نے ادا کیا ہے، اس کو نوکِ قلم پر لاتے ہوئے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں، لیکن ان کے مرید ابوالکلام عبدالغنی نے توہینِ نبوت کا جو بیڑا اٹھایا ہے بلاشبہ جس کے دل میں ذرا بھی ایمان ہو وہ اس بدبخت کا سر کچلنے کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے۔ ع

لرزتے تھے دلِ نازک قدم مجبورِ جنبش تھے،

اے کاش کہ میرے مسلمان بھائیوں کو ان کی خرافات کا پہلے سے علم ہوتا، تاکہ مجھے "نقل کفر" کی ضرورت پیش نہ آتی اور خدا شاہد ہے کہ "نقلِ کفر کفر نباشد" کو سامنے رکھکر یہ قدم اٹھا رہا ہوں۔ عبدالغنی مذکور کی عبارت ملاحظہ ہو:

"جماعت دینداران کو خطابات منجانب اللہ ملے ہیں، دو سو سے زیادہ مردِ میدان، اکثروں نے نبیوں کے منازل طے کئے ہیں وہ متعدد انبیاء کے ناموں سے پکارے گئے، وہ دربار بروز محمدؐ (خانقاہ سرورعالم آصف نگر دکن) میں جمع ہیں، صرف رام اور کرشن اوتار ہی ایک درجن سے زیادہ ہیں"

(شمس الضحیٰ ص۹۱)

غور فرمائیے! کیا یہ چیلا اپنے گرو سے سبقت نہیں لے گیا؟ واقعی لائقِ انعام ہے چٹکیوں میں جماعت کے درجنوں افراد کو ہندوؤں کا رام اور کرشن اوتار بنا دیا، کئی حضرات کو آنِ واحد میں نبی بنا دیا، اور جو منتظرِ نبوت ہیں ان کو خطابات منجانب اللہ تقسیم کر ڈالے،

یہاں تو قادیانیت بھی شرما رہی ہے، وہاں تو چھان بین کے بعد نبوت ملا کرتی تھی، مگر یہاں تو منازلِ نبوت بہت جلدی طے ہو جاتے ہیں ——— ادھر تو یہ ظالم عوام کالانعام کو اپنا سامانِ طرب بنا کر رقص کرا رہے ہیں، ادھر مجنونانہ بڑ میں خرافات بکی جا رہی ہیں اور وہ لوگ جن کو نبوت کا سرٹیفکٹ ملنے والا ہے انتظار میں بیٹھے بندروں کی طرح ان بدبختوں کی ڈگڈگی رقص میں مصروف ہیں

صحابہ کی گروہ بندی

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو اعزاز حاصل ہے اب چن بسویشور اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والے الوؤں کا بھی وہی مرتبہ بتا رہے ہیں۔ اس طرح صحابہ کے دو دور ہو جاتے ہیں، اس خوش کن گروہ بندی کو ذکر کر کے دو قرنوں سے متعلق لکھتا ہے :

" اب تک یہ وعدہ دو دفعہ پورا ہو چکا،

(۱) زجاجہ قرن اولیٰ (۲) زجاجہ قرن اخریٰ "

(مہر نبوت ص۳۴)

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ بیشور صاحب تو شور مچائیں اور باشور صاحب خاموش منہ تکتے رہیں اس لئے گرو کی لے میں لے ملا کر عبد الغنی باشور فرماتے ہیں ؎

عیاں قرن اولیٰ میں تھی ان کی ثلت

عیاں قرن اخریٰ میں ہے ان کی قلت (شمس الضحیٰ ص۸)

شمس الضحیٰ

اس کتاب کا مصنف ابو الکلام عبد الغنی ہے جس کی کتاب کے متعدد حوالے پیچھے گذر چکے ہیں، اس کتاب پر دیندار انجمن کے بانی چن بسویشور کی تقریظ ہے، اس تقریظ کی وجہ سے کتاب کی اہمیت اور بڑھ گئی، چن بسویشور اپنی تقریظ میں لکھتا ہے :

" مصنف کتاب ہٰذا مولوی غازی ابو الکلام عبد الغنی صاحب مصنف میثاق الانبیاء نے مضامین تبلیغ کو مسدس کی صورت میں منضبط کیا ہے، وہ کتاب میری نظر سے گذری، انتہائی معقولیت سے کام لیا ہے ہماری انجمن کے جذبات کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، درحقیقت وہ جذبات کیا ہیں قرآن کریم عمل میں ہے یہ کتاب ہر مسلم کو ہدایت کا باعث ہوگی شفاعت کا باعث ہوگی پڑھنے والوں کو صراط مستقیم پر لائے گی۔" فقط

دستخط دیندار چن بسویشور

المرقوم ۲۵ رجب ۱۳۶۵ھ

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ——— ۳۰

بقول صاحبِ تقریظ یہ کتاب مسلمانوں کی ہدایت اور صراطِ مستقیم پر لانے کی غرض سے تصنیف کی گئی ہے، وہ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ اس کتاب کی محوّلہ عبارات اور چن بسویشور کی تصانیف کی خرافات کو سامنے رکھ کر قارئین حضرات خود فیصلہ فرمائیں جن کا خلاصہ یہ ہے، توہینِ انبیاء علیہم السلام، چن بسویشور کو یوسفِ موعود، مثیلِ موسیٰ، مصلحِ موعود، مأمورِ وقت، امام الناس، مالکِ قیامت، بروزِ محمد، اور اللہ کو بشکل چن بسویشور مان لینا، نعوذ باللہ من ذلک

لتنذر قوما لدا

کہتے ہیں شیطان کی آنت بہت لمبی ہوتی ہے، ان کی لغویات کا یہی عالم ہے کہ بیان کرنے والا تھک جاتا ہے مگر ان لغویات کا عشرِ عشیر بھی نہیں کہہ پاتا لیکن لِتُنْذِرَ قَوْمًا لُّدًّا کی جو تفسیر کی ہے وہ تو دریائے معرفت ہے، خاص کر اس پر جو عبارت فِٹ کر کے اس آیت کی وضاحت کی ہے وہ تو بے نظیر ہے، جلدی سے سن لیجئے ایسی بے بہا نعمت اور کہیں سے نہیں ملنے کی:

"وہ اس خانقاہ میں کیسے آسکتے ہیں جن کے سینے میں قرآن پڑھنے کا جذبہ نہ ہو مبارک ہیں وہ جنہوں نے آسان زبان میں یعنی صدیق کی زبان سے قرآن کریم کے رموز سیکھے۔ صدیق کی زبان دراصل محمد کی زبان ہے کہ جس سے ہم پر قرآن نازل ہوا، قرآن کریم نے محمد کی زبان سے پڑھنے کی قید لگائی ہے، اِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ اور آگے ہے لِتُنْذِرَ قَوْمًا لُّدًّا، یعنی آپ آخر زمانے میں قرآن آسان کرنے کے لئے تشریف لائیں گے۔" (شمس الضحیٰ ص۴۲)

مصنف کو اختلاط کا مرض ہے، صدیق کی زبان سے جو کتاب تم پر آسان کی گئی وہ قرآن نہیں، ہندوؤں کی وید ہے، جسے تو نادانی سے قرآن سمجھا ہے، ارے جس نے قرآن دیکھا ہو، وہی بیان کرے، اپنے گرو سے پڑھ کر تو آئے وید اور تفسیر کرنے بیٹھے قرآن کی ؎

صورتِ لیلیٰ نہ دیکھی پڑھ لیا دیوانِ قیس — شاعری ان کو نہیں آئی زباں داں ہو گئے

تبلیغ و ہجرت حرام

کتاب شمس الضحیٰ کے دیباچہ میں غازی عبدالغنی لکھتا ہے :

" اب ہم صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا ماضی موعود اور بشارتوں کی بنا پر گزر گیا مستقبل بھی موعود ہے ، اور وہ بھی گذر جائے گا آئندہ اس قسم کی تبلیغ ، ہجرت اور غزوات تیرہ سو سال تک نہیں ہوں گے " (دیباچہ شمس الضحیٰ)

جہاد کی حرمت کا حکم تو ان کے گرو غلام احمد قادیانی پہلے سے کہہ چکے تھے اب چیلے نے آکر تبلیغ اور ہجرت پر بھی بندش لگادی مگر " برعکس نہند نام زنگی کافور " کے مطابق غازی کہلاتے ہیں حضرت بجا فرماتے ہیں ، جس تبلیغ کے لئے دیندار صاحب تشریف نہ لائیں کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ آکر تبلیغ شروع کردے ، یہ میراث تو انہی کو ابًا عن جدٍّ ملی ہوئی ہے اس پر دوسروں کی دست اندازی جائز نہیں ۔

گھن چکّر

مسلمانو ! کلیجہ تھام کر گھن چکر کے معنی سمجھ لو ، اور پھر دیکھو کہ چن بسویشور صاحب کس کو گھن چکر بناکر خود طوفانی دورے پر جاتے ہیں ۔

" حضور (چن بسویشور) نے فرمایا ، میرا کام ختم ہوگیا ، میں ایک طوفانی دورے پر جانے والا ہوں میں ہمیشہ آتا رہوں گا ۔ اللہ بڑا گھن چکّر ہے ۔ وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا ، اگر وہ کسی کی سمجھ میں آگیا تو وہ خدا ہی نہیں (شمس الضحیٰ ص ۱)

برادرانِ اسلام یہ باتیں عالم خواب میں نہیں کہی جارہی ہیں ، کسی مجذوب کی بڑ نہیں ہیں ، یہاں ہر بات سوچ سمجھ کر ، تصنیف کے لئے فارغ ہوکر مصنف قلم سنبھالے اپنے گرو کی باتیں تبرّک سمجھ کر لکھ رہا ہے ، کسی نے آج تک کسی بدمعاش ، شرابی اور چرسی کو نشے میں بھی ایسی باتیں بکتے نہیں دیکھا ہوگا اس پر طرّہ یہ کہ دیندار انجمن والے انہی بھول بھلیوں پر خوشی سے جھومے جاتے ہیں ۔ اور بقول خود پکے مسلمان بلکہ بمنزلہ نبی ہیں ، جن کو مسلمانوں میں یہ امتیاز ہے کہ دیندار کہلاتے ہیں ۔

سوچ لو !

اے میرے فریب خوردہ بھائیو ! اب بھی ہوش سے کام لو ، ہمارا تمہارا دین ایک ، خدا ایک ،

نبی ایک، قرآن بھی ایک، آؤ کلمۂ شہادت پڑھ کر دوبارہ انہی کی آغوشِ رحمت میں آرام کرو، ان دھوکہ بازوں کے گھن چکر میں آکر اپنا دین و ایمان، مال و آبرو برباد نہ کرو، بات سمجھ میں نہ آئے تو کسی سے پوچھ لو، خود بھی ذرا عقل سے کام لو، یہ عقل ایسے ہی مواقع پر کام میں لانے کے لئے دی گئی ہے۔ صبح کا بھولا شام کو گھر واپس لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے ؎

ظالم ابھی ہے فرصتِ توبہ دیر نہ کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

تفسیری موشگافیاں

صاحب شمس الضحیٰ سورۂ بلد کی تفسیر میں لکھتا ہے:

"اس کے علاوہ اس سورت میں ایک منقیوں کی جماعت کا بھی ذکر ہے، جو اسلام کے لئے مصائب جھیلنے والی ہے اور اپنے عمل سے صبر اور زحمت کا ثبوت پیش کرتی ہے، انہی کو اصحاب میمنہ یعنی غازیانِ اسلام کے نام سے یاد کیا گیا، ان کی مخالفت میں آنے والی قوت کو اصحابِ مشئمہ یعنی بدبخت گروہ بتایا گیا۔ ان کی انتہا یہ ہے کہ وہ ایک ایسی آگ میں دھکیل دئے جائیں گے جس کو نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ کہا گیا ہے یعنی اس آگ سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا تمام دروازے بند کر دئے جائیں گے سب سے پہلے اللہ پاک نے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ کہہ کر امّ القریٰ والے بلدِ امین کی قسم کھائی ہے اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ کہہ کر حضور کے ایک دوسرے بلد میں مزید اترنے کی بشارت دی گئی ہے جو اَنْتَ حِلٌّ سے ظاہر ہے وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ میں بلد امین کو باپ قرار دے کر بعثتِ ثانی میں دوسرے بلدہ کو اس کا بیٹا قرار دیا گیا جو روئے زمین میں حیدرآباد ہی بلدہ کے نام سے مشہور ہے، یہی اپنے بلدہ کا بیٹا ہے، جس میں بعثتِ ثانی کے لئے حضور سرورِ عالم نے بھی اس آنے والے موعود کو رَجُلٌ مِّنْ اُمَّتِیْ اور من ولدا بن ہی کہا ہے اور وہ وجود حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور کا ہے، جنہوں نے جسمانی ۵۶

اور اخلاقی ۹۶ گتنانات کے ساتھ ایک دوسرے بلدہ میں نزول فرمایا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ میں ایک ایسے انسان کو بحث پیش کی جارہی ہے جو اپنے مقصد کے حصول میں انتہائی مشقت اٹھانے سے گریز نہیں کرتا لیکن وہ لقاء اللہ سے محروم ہے، وہ دل گردہ رکھنے کے باوجود روحانیت سے بے بہرہ ہے۔ حضور سرور عالم کے بہ لباس دیگر دوسرے بلدہ میں نزول کو نہیں مانتا اور وہ وجود قاسم رضوی کا ہے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ یعنی انسان پر یہ بحث پیش کی گئی ہے کہ وہ کیوں اپنے اقتدار میں اس قدر نازاں ہے۔ کیا اسے یہ خیال نہیں ہوتا کہ شاید کسی اور کو اس پر قدرت حاصل ہو؟ یہ وہ عالم بتایا گیا ہے جبکہ سیّد قاسم رضوی پوری حیدرآباد ریاست پر حکومت واقتدار کے نشہ میں چور تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس کی سیاست اور قوت ہمیشہ رہے گی۔ حضرت صدیق دیندار اور ان کے فقراء کو نظر میں بھی نہ لاتا تھا۔ لیکن آگے بتلایا گیا ہے یَقُوْلُ اَهْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا یعنی بالآخر وہ شخص اپنے ہاتھوں اپنا بہت سامان برباد کریگا قوم کی ساری دولت کو اپنی غلط رہبری سے ہلاکت کے گڑھے میں اتار دے گا۔ (شمس الضحیٰ ص۸۵)

قرآن کریم کی ایسی دلیرانہ تحریف کہ مطالب قرآنی کو سراسر مطالبِ نفسانی کے سانچہ میں ڈھال دیا گیا ہے۔

قارئین حضرات یہ نہ بھولیں کہ قرآن چن بسویشور صاحب پر دوبارہ نازل ہوا ہے، ان پر علوم قرآنی وا ہیں، تب ہی تو قرآن کی ایسی تفسیر لکھی ہے کہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے جھوٹے ظالم نے ایسی تفسیر نہیں کی جو الف تا یاء نفسانی خواہشات پر مبنی ہو، مگر یاد رہے کہ یہ جھوٹ اور فریب آخر تابکے ؎

جھوٹ کا بازار تھوڑے روز ہے

بعد اس کے حسرتِ دل سوز ہے

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ۔۔۔۔ ۳۴

عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما در آن باشد

سورۂ بلد کی تفسیر میں قاسم رضوی کی نسل کو انتہائی ذلت آمیز الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے دریدہ دہن عبد الغنی نے لکھا ہے:

"اولیاء اللہ کی مخالفت میں دو ہی قسم کے لوگ کھڑے ہوئے ہیں ایک وہ جن کی نسل صحیح نہ ہو یا پھر وہ جو نسل کا تو اچھا ہے لیکن گنہگار ہے۔ سید قاسم رضوی نے بحیثیت صدر اتحاد المسلمین ہمارے متعلق صدر ناظم کو توالی کو حکم دیا ہے کہ دیندار چور اور ڈاکو ہیں، گداگری کرتے پھرتے ہیں، اب کمیونسٹوں کے حملہ کے موقع پر لوٹ مار شروع کر دی ہے، یہ عیسائی ہیں نہ مسلمان نہ پارسی، یہ بے دین ہیں، ان کو بہادر یار جنگ مرحوم ختم کرنا چاہتے تھے، افسوس وہ ختم نہ کر سکے، میں ان کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ میں حکم دیتا ہوں کہ ان کو ختم کر ڈالو۔ جہاں پاؤ پکڑ لو، سخت سے سخت سزا دو، یہ دو سو کے قریب ہیں، یہ ختم ہو گئے تو دوسرے نہیں" (شمس الضحیٰ ص۱۰۱)

نیز آپ پر ایک شعر قاسم رضوی کے بارے میں نازل ہوا ہے ؎

کٹی بزم میں خود ہی خرطوم تیری
گئی حیف بیکار ہڑبوم تیری (حوالہ بالا)

مصنف نے جس مقصد کے تحت یہ عبارت نقل کی ہے جس میں بہادر یار جنگ کا ان دینداروں کے بارے میں نظریہ اور قاسم رضوی کا ان کو ختم کر دینے کا ذکر کیا ہے، وہ تو مصنف ہی بہتر جانتا ہے، مگر اس عبارت سے ہمیں بہت بڑا فائدہ ہوا اور وہ یہ کہ اس متنبی سے متعلق دو ایسے حضرات کی رائے معلوم ہو گئی جو اُن کو قریب سے دیکھے ہوئے ہیں، ان کے دعووں اور دیگر نجی اور اخلاقی سب کیفیات پر واقف ہونے کے بعد انہوں نے یہ رائے قائم کی ہے۔

نزولِ قرآن

قارئین حضرات کو یاد ہوگا کہ جن بسویشور صاحب پر نزول قرآن تو بعثت ثانی میں ہو گیا تھا، لیکن اس

دعوی میں ایک کسر باقی تھی کہ نزول اول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے زمانہ میں جمع قرآن بھی ہوا لیکن نزولِ ثانی میں اس کا ذکر ہی نہیں اس لئے چن بسویشور کے چیلے نے یہ کسر بھی پوری کردی، ملاحظہ فرمائیں

"اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ" یعنی قرآن کا جمع ہونا اور اس کا پڑھنا ایک خاص وقت پر ہوتا ہے اور وہ وقت معین ہے۔ یہ عمل حضور سرور عالم کے ظہور پر ہوا پھر حضرت مولانا صدیق دیندار قدس سرہ العزیز کے وجود نے اس عمل کو پورا کیا" (شمس الضحیٰ صلے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے صدیق کے ظہورِ نامسعود تک قرآن پاک کا پہلا ظہور اور جمع و ترتیب باقی رہی یا ختم ہوگئی؟ اگر اس عرصہ میں وہی منزل قرآن مرتب موجود رہا تو نہ صدیق پر نزول کی ضرورت رہی اور نہ صدیق دیندار کے جمع و ترتیب کی حاجت، اور اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن ختم ہوگیا العیاذ باللہ، تو فرمائیے کہ اس تیرہ سو برس میں مسلمانانِ عالم جس قرآن کو قرآن مانتے آئے وہ کیا تھا؟ اس عرصے میں جب قرآن ہی نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو تھا وہ قرآن کے علاوہ تھا، اس کی تشریح دیندار انجمن والوں سے مطلوب ہے۔

دُشٹ

اب حضرت والا سچ بولنے لگے ہیں، فرماتے ہیں:

"ہم میں تقریباً تمام ہندوستان کے اوتار ہیں۔ ہم سے ہندوستان کو امن ہوگا۔ دشٹوں کے نمبر میں مت آؤ" (دیباچہ شمس الضحیٰ)

خیر کوئی بات نہیں دشٹوں کا نمبر بعد میں سہی مگر آنجناب نے بات بڑے پتے کی بتا دی، ایک اوتار کی لغویات کا تحمل بھی مشکل ہوتا ہے، جب آپ کے پیر جی میں یا خود آپ میں ہندوستان کے تمام اوتار جمع ہیں تو ایسی صورت میں نہ جانے ان خرافات و لغویات کا کتنا بڑا انبار لگا ہوگا اور بلاشبہ یہاں ایسا ہی ہے، آپ نے چند اقتباسات اس رسالہ میں بھی ملاحظہ فرمالئے ہوں گے،

قارئین حضرات! یہ نہ بھولئے کہ "اوتار" کی اصطلاح مسلمانوں میں نہیں ہے، یہ ہندو سادھوؤں کی اصطلاح ہے، ہندوؤں کا خدا کہئے یا موعود مذہبی رہنما، بہرحال اسلام کا دامن ان اوتاروں سے پاک ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصنف بیچارے کا میلان ہندوؤں کی طرف زیادہ ہے، جس کی وجہ شاید یہی ہوسکتی ہے کہ ان کی نبوت اور دیگر دعاوی کے دلائل انہی کی کتب سے ماخوذ ہیں، ایسی صورت میں اگر ان کی دلجوئی کی خاطر ان کی طرف کچھ بھی جھکاؤ

نہ رہے تو یہ نمک حرامی ہوگی، ہمیں کوئی اعتراض نہیں شوق سے ہندوؤں کا حق نمک ادا کریں، مگر اسلام کا لیبل لگا کر نہیں۔

مقامِ محمود پر ڈاکہ زنی

چن بسویشور کے چیلے عبدالغنی نے اپنی کتاب شمس الضحیٰ میں ایک شعر لکھا ہے ؎

زمانے میں قرآن مشہود ہے اب
کہ ذاتِ محمدؐ محمود ہے اب

حاشیہ میں اس شعر کی طویل تشریح کی ہے، ایسی تاویل کی ہے کہ بلاشبہ لفظ تاویل بلکہ لفظ شرم کو بھی شرم آتی ہے، لکھتا ہے:

"چونکہ سارے اولیاء حضور کی مدح میں گم تھے، لیکن کسی ولی کو "مقامِ محمود" حاصل نہیں ہوا، اس لئے کہ وہ دور آگے تھا، جیسے کہ اس آیت سے روشن ہے عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا آیت کے اس تیسرے حصہ میں حضور کی ذات کو مقامِ محمود پر لانے کی بشارت دی گئی ہے، یہ دورِ آخر ہے جو موعود ہے، حضور نے اسی مقامِ محمود والی بعثت کے لئے مسلمانوں کو بعد اذان دعا سکھائی جس کی تعمیل میں ہر مسلمان وَابۡعَثۡهُ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا کے الفاظ دہراتا ہے، ادھر نماز کے قعدہ میں شہادت کی انگلی اسی بعثتِ ثانی کی شہادت میں اٹھائی جاتی ہے جس کا انتظار مسلمانوں میں ہے وہی بعثت مقامِ محمود والی بعثت ہے جس سے ظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ ہر تیرہ سو سال کے بعد ایک امتی کی قبا پہن کر جلوہ گر ہوں گے۔ اسی لئے قعدہ میں اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہا جاتا ہے کہ جس سے حضور سے مخاطبت ہوتی ہے اَیُّهَا النَّبِیُّ کی مخاطبت غائب کی نہیں ہے بلکہ آنکھوں سے دیکھنے کی حجت پیش کرتی ہے ....

بہر صورت یہ بعثت ثانی کس رنگ میں ہوگی، بعثتِ ثانی میں وہ اپنا نام کیا پائے گی، اس کے لئے خود اللہ پاک نے قرآن میں حضور سے دعا کرنے کیلئے کہا ہے وہ یہ ہے قُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ ....

سُلْطَانًا نَّصِیْرًا حضور کے سارے کمالاتِ روحانی کا اگر کوئی وجود متحمل ہو سکتا ہے تو وہ وجود صدیق اکبر کا ہے، بعثتِ اول میں بھی صدیق تھے بعثتِ ثانی میں بھی صدیق ہی ہیں .... پس اب ظاہر ہوا کہ حضور شاہد و مشہود بھی ہیں اور روز قیامت میں محمود بھی اور اس طرح جب آپ کا **اعادہ** ہونا ہے تو موعود بھی ہیں .... حقیقت یہ ہے کہ یہ آخری بعثت ہے جس کو والبعث بعد الموت بھی کہا گیا ہے حضور کے سوا کوئی دوسرا وجود اس امت کی اصلاح کے لئے کھڑا نہ ہوگا یعنی اس امت میں ہی ایک کامل انسان بروز محمد کی شکل میں مبعوث ہوگا" (اقتباسات از کتاب شمس الضحی ص ۳۰، ۳۱)

اعادہ سے متعلق اشعار بھی سن لیجئے، فرماتے ہیں، ؎

یہ خود عود کر آئے موعود ہو کر
شہادت میں خود اپنی مشہود ہو کر (شمس الضحی ص ۱۲)

نیز ارشاد ہے ؎

ثمر بن کے قرآں کے مشہود آئے قیامت کی بعثت میں محمود آئے
اعادہ میں اپنے وہ موعود آئے غرض دور آخر کے مقصود آئے
(شمس الضحی ص ۱۵)

مسلمان کے کسی بچے سے پوچھئے وہ یہی کہے گا کہ ہم چن بسویشور کی بعثت کے لئے یہ دعا نہیں کرتے، پھر یہ کہنے کی تمہیں جرأت کیسے ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری بعثت کے لئے بعد اذان دعا سکھائی جس کی تعمیل میں ہر مسلمان وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کے الفاظ دہراتا ہے۔ چن بسویشور کو شیطان نے دھوکہ دیا ہے کہ مسلمان تیری بعثت کے لئے دعاء کر رہے ہیں۔

اف، غضب کر دیا بدبخت نے یہ کہہ کر کہ "ادھر نماز کے قعدہ میں شہادت کی انگلی اسی بعثتِ ثانی کی شہادت میں اٹھائی جاتی ہے" العیاذ باللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہندو کی شکل میں آنے کی شہادت کوئی مسلمان دے سکتا ہے؟

خدا غارت کرے، کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیرہ سو سال کے بعد کسی کی شکل میں ظاہر

ہونے کا مسلمانوں میں انتظار ہے، مسلمان تو بیچارے خواب میں بھی ایسا گمان نہیں کر سکتے، بلکہ دیندار انجمن والے جو بالاتفاق کافر اور منافق ہیں وہ بھی اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے ضمیر سے فتوی لیں کہ کیا واقعی نہیں کسی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانی کا انتظار تھا، یقیناً دل سے ہی فتوی ملے گا کہ نہیں یہ تو اس جماعت میں شامل ہونے کے بعد سے تمہارے ذہنوں میں بٹھایا ہوا جھوٹ کا پلندا ہے،

بعثتِ ثانی پر دلیلِ قاطع جو مصنف نے پیش کی ہے وہ یہ کہ قعدہ میں اَیُّھَا النَّبِیُّ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطبت ہے اور یہ مخاطبت کسی غائب کی طرف نہیں ہے، آنکھوں سے دیکھنے کی حجت پیش کرتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملے لکھتے وقت بیچارے مصنف کی عقل کا جنازہ اٹھ چکا تھا، ہوسِ نبوت کے نشے سے دماغ مفلوج ہوچکا تھا تبھی تو ذہن مبارک ایسی بھول بھلیوں کا شکار ہے ـــــــ حضور! فرمائیے کہ بعثتِ اول اور بعثتِ ثانی کے درمیان جو تیرہ سو سال آپ بھی مانتے ہیں اس میں کیا مسلمان نماز کے قعدہ میں اَیُّھَا النَّبِیُّ نہیں کہتے تھے؟ اب فرمائیے کہ اس زمانے میں مخاطبت نے آنکھوں سے دیکھنے کی کیا حجت پیش کی اور اب چن بسویشور کے جہنم رسید ہو کر طوفانی دورے پر جانے کے بعد تمہاری آنکھوں کے سامنے مخاطب کہاں موجود ہے؟ اور جس زمانے میں یہ خدا کے غضب کا مظہر چن بسویشور اپنی تمام نحوستوں سمیت آصف نگر حیدر آباد دکن میں موجود تھا اس وقت باقی دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے اَیُّھَا النَّبِیُّ نے کونسی حجت پیش کی، یہ سب سوچ کر اس سے استدلال کرتے، ایسے ابوالکلام کو اور کیا کہا جائے سوائے اس کے کہ ؎

اب اگر کچھ شرم ہے تو ڈوب کر مر جائیں وہ\
افترا پردازی و بہتان سے باز آئیں وہ

مجھے بار بار یہ خیال آتا ہے کہ یہ سادہ دل بندے ایسے بوسیدہ جال میں کس طرح پھنس گئے کہ اگر ذرا سی پھونک ماریں تو ان کے جال کے پرخچے اڑ جائیں ؎

مسلمانو! ذرا سوچو تو دل میں\
پھنسے ہو کس طرح تم آب و گِل میں

یہ میرے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنا بڑا بہتان ہے کہ آپ کی دعا رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ میں صدق سے مراد صدیق دیندار چن بسویشور ہے۔ خدارا کم از کم اپنی ہی جان پر رحم کرتے، بہتان طرازی کی ایسی مثال ہمیں تو کہیں نظر نہیں آئی، دیندار انجمن کا

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ـــــــ

کوئی بھی فرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روایت کو ثابت کر کے دکھا دے ورنہ اس دریدہ دہنی سے توبہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن میرے آقا کے سامنے مجرم کی حیثیت سے کھڑا کر دیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنا کر جہنم کے انگاروں میں جھلسنے کے لئے بھیج دیا جائے۔

من کذب علیّ متعمدًا فلیتبوّأ مقعدہ من النّار — جس نے مجھ پر عمدًا جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

ہلاکتِ قیصر وکسری

قیصر وکسری کی ہلاکت سے متعلق لکھتا ہے:

"قرنِ اولیٰ میں ہلاکت کسری والی پیشگوئی حضرت عمر سے پوری ہوئی اور ہلاکتِ قیصر والی پیشگوئی ساڑھے تیرہ سو سال بعد حضرت صدیق کے ذریعہ سے پوری ہوئی۔ وہ اس طرح کہ قوم انگریز جو قیصرِ ہند کہلاتی تھی، آپ کی حجت سے وہ اپنے مشرقی جزائر کھو بیٹھی، آج نہیں تو کل آنے والی نسلیں ضرور اس بیّن حقیقت کو تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکیں گی جیسے کہ یوم الجمعہ میں تمام انبیاء کا اجتماع حضور کے دربار میں ہوا تھا، وہی اعادہ اسلام کی صورت میں بوقت یوم الجمعہ وارث انبیاء کی جماعت کے ساتھ لوٹ آیا۔"

(شمس الضحیٰ ص۱۴)

معاف کیجئے، ابوالکلام صاحب! آپ کی نظر تاریخ سے ناواقف ہے، قیصرِ ہند اور ہے قیصرِ روم اور، یہ قیصرِ ہند آپ کی اصطلاح ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں، وہ قیصر تو چن بسویشور کے جہنم رسید ہونے سے برسوں پہلے جہنم رسید ہو چکا ہے، ذرا کسی سے تاریخ کی الف ب ت پڑھ لیں تو اچھا ہے تاکہ شیطان کے الہامات صحیح سمجھ سکیں۔

سخت ناانصافی

دیندار انجمن کے مفتری کذاب (عبد الغنی) کو چاہئے تھا کہ وہ کچھ جھوٹ اور فریب کی باتیں باقی چھوڑ جاتا تاکہ اس کے بعد جو دوسرے مدعی نبوت آئیں ان کے کام آجائیں ورنہ وہ بڑے پریشان ہوں گے ایسی ناانصافی ٹھیک نہیں۔

تصوّرِ قیامت

قیامت سے متعلق بھی ان دینداروں کی رائے سن لیجئے :

" قیامت صغریٰ مسیح محمدی (مرزا غلام احمد) کا ظہور ہے جسے نفخ اول کہا گیا ہے، نفخ ثانی قیامت کبریٰ کو مختص ہے۔ جو حضور کی ذات کو مختص کرتی ہے، اسی کو نشأۃ اخری کہا گیا ہے وَاِنَّ عَلَیۡہِ النَّشۡاَۃَ الۡاُخۡرٰی دوسری بعثت لازمی قرار دی گئی جس طرح اول میں ہوا، آخر میں ہوگا" (شمس الضحیٰ ص۱۹)

قیامت، حشر و نشر اور جزا و سزا کی اہمیت کو مسلمانوں کے دلوں سے مٹانے کے لئے اس قسم کی بکواس بکے جارہے ہیں تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ جس قیامت سے ہم ڈرتے ہیں، جس کے خوف سے کتنی معصیات سے ہم بچے رہتے ہیں وہ قیامت یہ ہے جس میں سے ہم گذر رہے ہیں، اس میں نہ جنت ہے نہ دوزخ۔

رحمۃ للعلمین

سارے خطابات پیر صاحب نے خود اپنے آپ کو دیدئے تھے لیکن وہ خود کو رحمۃ للعلمین کہلانے سے بھول گیا، اس لئے مریدنے یہ کسر بھی پوری کردی فرماتے ہیں :

" پہلی دفعہ آپ مخلوق پر رحم فرما کر رحمۃ للعلمین بن کر تشریف لائے اور مخلوق کو ہر بلا سے بچایا، اب دوبارہ آپ ہی تشریف لائے ہیں۔" (شمس الضحیٰ ص۴۷)

آپ مخلوق کے لئے رحمت کیا لائے، ہاں کفر و ضلالت، الحاد و زندقہ اور بے دینی کے امڈتے ہوئے سیلاب لاکر مخلوق خدا کو گمراہ بنانے کا شیطانی کردار ادا کر دیا۔ یہ کشتِ نامراد بو کر چلے گئے۔

شفاعت اور قیامت کا مالک

ستم ظریفی کی انتہا کردی کہ شفاعت کے ٹھیکہ دار بن گئے اور اس پر طرّہ یہ کہ یہی دھن پتی مہاراج جن بسویشور قیامت کے مالک بھی بن گئے، لکھتا ہے :

"قرآن کریم اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے روز اللہ قاضی کی حیثیت سے آئے گا اور سزا وجزا کے فیصلے سنائے گا۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ بروز حشر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی شفاعت فرمائیں گے، یہ بعثت ثانی کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام میں ختم نبوت کا مسئلہ مسلم ہے، اسلئے کوئی شخص حضور کے بعد دعوای نبوت نہیں کر سکتا۔ اس لئے امت کی شفاعت آپ ہی کریں گے، وہ بہ لباس دیگر ہوگی۔ یہی بعثت بروز محمد کہلائے گی وہ قیامت کے نشان مسیح موعود کے بعد ہوگی۔ آپ قیامت کے مالک بن کر آئیں گے۔ وہ وجود حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب کا ہے (شمس الضحیٰ ص۶۶)

شفاعت کا مسئلہ تو الگ ہے، یہاں تو یہ فرمایا جارہا ہے کہ آپ قیامت کے مالک بن کر آئیں گے۔ اس میں تو کسی مسلمان کو شک نہیں کہ قیامت کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں۔ اب اگر چن بسویشور قیامت کا مالک ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ خود خدا ہے اور اس کا چیلا عبدالغنی مصنف شمس الضحیٰ اس کو خدا ہونے کا سرٹیفکٹ دے رہا ہے، یہ مغالطہ بھی قابل غور ہے کہ اسلام میں ختم نبوت کا مسئلہ مسلّم ہے، عجیب امر ہے کہ ختم نبوت مسلّم ہے، اس لئے اب بروز نبی کی حیثیت سے آجایا کرو، یا خدا بن کر آیا کرو۔

فلاح کی راہ

چن بسویشور اپنے اندر لوگوں کے فنا ہونے کو شرط لازم قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"بعد حمد ونعت کے میں تمام بنی نوع انسان خصوصاً مسلمانوں کو جن کی گردن پر تبلیغ کا جوا ہے، وہ کسی صورت سے نکل نہیں سکتا اس کتاب (دعوۃ الی اللہ) کے ذریعہ مطلع کرتا ہوں کہ کوئی گروہ اور کوئی فرد واحد موجودہ زمانے میں اللہ تک پہنچ نہیں سکتا، جب تک وہ مجھ میں فنا نہ ہو، یہ میرے منہ کی بات نہیں ہے۔ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ لاکھ لاکھ درود اس ذات احدیت مآب پر، سولہ سال بیشتر آپ نے اس فقیر کی رؤیا میں تشریف لا کر اس فقیر کو یہ مرتبہ عطا فرمایا، سننے والوں

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ــــــ ۴۲

کو یہ بات شاق گذرتی ہوگی، خفگی اور برہمی کی کوئی بات نہیں، یہ حقیقت ہے کوئی تعلّی اور فخر نہیں، کوئی خود غرضی و خود نمائی نہیں، ایسے مقام والے وجود انسان ہی ہوتے ہیں۔" (دعوۃ الی اللہ صد۲)

خدا تک رسائی کے لئے جن لبسولیشور میں فنا ہونے کا نمبر بعد میں آئے گا، مگر ذرا یہ بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک جو نقل فرمایا ہے وہ کہاں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اندر فنا ہونے کا کیا فرماتے آپ نے تو اپنے اندر فنا ہونے کا بھی حکم نہیں دیا۔ یہی فنائیت ہے جس نے دیندار انجمن والوں کا ایمان فنا کر دیا۔ مگر اب دودمان جیل جانے پر بھی ان بے حسوں کو ہوش نہیں آ رہا۔

اللہ کا مظہر اور خدائی اختیارات

اب تک جن لبسولیشور نبوت اور اس کے آس پاس گھوم رہے تھے، مگر اب پوری خدائی پر قبضہ جمانے کے خوابوں میں مست ہیں، ارشاد ہے:

" یہ کل بے نوری اور خدا سے دوری، اس وجہ سے ہے کہ انفرادیت اور انتشار کی حالت والا تقسیم نعمت کا زمانہ ختم ہوگیا۔ وہ جامع الناس، دین کا مالک، قیامت قائم کرنے والا، حشر برپا کرنے والا، تیسری دفعہ (لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ) کہنے کے لئے یوسف کے لباس میں جیل بھگتا ہوا، بیڑیاں پکڑا ہوا، نور کے بطن سے صدیق اور عمنوائیل نام پر زمین و آسمان کے ۹۶ نشانوں کی شہادت کے ساتھ جسمانی اور اخلاقی ۵۶ نشانوں کے ساتھ غیر کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، یہ کامل متبع رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کر کے إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ کی بشارت کے ساتھ دوبارہ شانِ اسلام کو دنیا کے کناروں تک چمکانے کے لئے کامل بشارتوں کے ساتھ اللہ کا مظہر صدیق دیندار جن لبسویشور آیا ہے، اب اس کی صحبت میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔"

(دعوۃ الی اللہ صد۳)

جیل اور بیڑیوں سے اس طرف اشارہ ہے کہ بقول ان کے چونکہ بدنامی ان کے لئے

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ــــــ ۴۳

مقدر ہے، اس لئے جس طرح دنیا میں وہ سزا یافتہ ہیں، اسی طرح آخرت میں بھی وہ سزا یافتہ رہیں گے۔
چن بسویشور اللہ کا مظہر تو بنے ہیں، لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ ان کے گرو غلام احمد قادیانی اس وصف میں ان سے آگے ہیں چنانچہ وہ اپنے خلیفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کی شان میں لکھتا ہے:

"فرزند دل بند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلا کان اللہ نزل من السماء"

(تبلیغ رسالت ص۵۹ ج ۱)

چن بسویشور صاحب لاکھ اپنے پیر و مرشد کی نقل اتاریں "مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی"

العیاذ باللہ

"حدیث رؤیت اللہ میں آیا ہے کہ اللہ محشر کرنے آئیگا وہ غیر کی صورت میں رہیگا۔ اس سے مراد یہ کہ اللہ غیر مسلم کے نام ولباس سے آئے گا یعنی چن بسویشور کے نام سے آئیگا مسلمان "نعوذ باللہ منک" کہیں گے، واقعی میرے دعوی چن بسویشور پر مسلمانوں نے بدعقیدہ اور گمراہ سمجھ کر، "نعوذ باللہ منک" کہا۔ پندرہ سال کے بعد اب ان کے امام اور احمدیوں کے موعود یوسف کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہوں، اس سے خوش ہیں، اب ضرور اَنْتَ رَبُّنَا کہیں گے۔" (دعوۃ الی اللہ ص۱۱)

اس عبارت میں دو جگہ خود چن بسویشور نے اپنے غیر مسلم ہونے کا اعتراف کیا ہے، ایک یہ کہ انہوں نے مخالفین کو تقابل کی صورت میں مسلمان ذکر کیا ہے دوسرے یہ کہ اللہ غیر مسلم کی شکل میں آئے گا یعنی چن بسویشور کے نام سے آئے گا۔ اس میں اپنے غیر مسلم ہونے کی صراحت کردی۔
باقی رہا یہ مسئلہ کہ آپ قادیانیوں کے یوسفِ موعود ہیں یہ مسئلہ قادیانی صاحبان ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ ان کا یوسفِ موعود کون ہے۔

خدا بصورتِ چن بسویشور (علیہ ما علیہ)

یہ جملے آپ کو کتنے ہی ناگوار گزریں، مگر پڑھ لیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ روزِ قیامت قاضی حشر کی مغفرت سے محروم رہ جائیں، ابوالکلام عبد الغنی اپنے پیر جی چن بسویشور کا ایک خواب نقل

فرماتے ہیں :

" میں نے خواب میں دیکھا حشر بپا ہے، اللہ قاضی کی حیثیت سے آیا ہے، ایک بلند تخت پر بیٹھا ہے، جزاوسزا کے فیصلے دے رہا ہے، میں نے دیکھا کہ وہ میری صورت میں ہے (شمس الضحی ط۶۷)

ناپاک عزائم

زاہد صدیقی صاحب جو پہلے اس انجمن کے ایک سرگرم مبلغ تھے، بعد میں ان کی حقیقت منکشف ہونے پر تائب ہوئے لکھتے ہیں۔

" اے عظمت انبیاء اور ختم نبوت کے دعویدار و! سنو!! اگر تم نے اب بھی نہ سنا اور نہ مانا اور مخالفت کی تو وعید ہے یہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس میں اپنی طرف سے ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں، میں حلفیہ کہتا ہوں کہ مخالفین کے بارے میں اس جماعت کے عزائم انتہائی خطرناک اور ظالمانہ ہیں، کیونکہ صدیق دیندار چن بسویشور کی وصیت ہے " مخالفت کرنے والے مولویوں کو چار مینار پر کھڑا کر کے گولی مار دینا، مخالفت دب جائے گی "

(فاران کراچی۔ فروری ۱۹۵۷ء)

خدا کا دیدار آصف نگر حیدرآباد دکن میں

یہ دشمن خدا خدائی کا دعوی کر کے لوگوں کو اپنے دیدار کے لئے بلا رہا ہے۔ چنانچہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے متعلق لکھتا ہے :

" صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا یہاں سنی جاتی ہے جن لوگوں نے نبیوں کو نہیں دیکھا ہے وہ آئے یہاں دیکھے۔ ہر بات کا آرام و اطمینان یہاں ہے، بہشت یہاں ہے، مقربان یہاں ہیں، گلشن اولیاء یہی ہے یہاں سب سے بڑی نعمت خدا کا دیدار ہے۔ اے طالبانِ حق! آؤ، اے عاشقانِ رسول! آؤ۔ اے محبان علی آؤ، بڑے انتظار کے بعد یہ روحانی دربار کھلا ہے۔ اپنے وقت مقررہ پر کھلا ہے۔ نشانات دیکھ کر برکات دور آخرین سے

فیضیاب ہوجاؤ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغ ؏

صدیق دیندار۔ (دعوۃ الی اللہ ص۹۴)

یوسف موعود جواب خدا بنے ہیں اور اپنے دیدار کو دیدارِ خداوندی قرار دیکر لوگوں کو بلا رہے ہیں، ان کے حسن کا یہ عالم تھا کہ دیکھکر "بھنگی کو مہتر" کہنے کی اصطلاح یاد آجائے۔

اللہ چن بسویشور کے روپ میں

چن بسویشور صاحب نے جب خدائی کا دعوی کر کے رسول بھیجنے اور قیامت برپا کرنے کا کاروبار شروع کیا تو خیال آیا کہ انسان کتنا بے وقوف سہی مگر ایسے بدیہی البطلان دعوی کو کس طرح قبول کر سکتا ہے؟ اس لئے چن بسویشور من کل الوجوہ اللہ نہ بنے بلکہ اپنے اندر خدائی صفات کے ضمن میں خدا ہونے کا دعوی کیا اللہ جل شانہ کی ذات سے متعلق تمام انبیاء علیہم السلام نے جس عقیدہ کی تبلیغ فرمائی ہے کہ وہ ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے اس سے متعلق عوام کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی جو تشریح کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

> لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ظاہر کرتا ہے کہ ایک وقت انسان کا ایسا بھی گذرا ہے کہ اس کا بیان انسانی طاقت سے باہر ہے، یعنی ذات واجب الوجود احدیت کے مقام پر تھا جب اس ذات مذکور نے اپنی ذات واجب الوجود سے مل کر شہادت میں آنے کا ارادہ کیا عقل کل میں آکر ٹھہری، عقل کل سے عالم ارواح کا روپ لیا۔ پھر وہی ذات عالم امثال میں آئی، پھر عالم اجسام یا شہادت کا جامہ پہنا۔ رحمۃ للعالمین کی صورت اختیار کی" (معراج المومنین ص۴۱)

یہ فلسفۂ یونان کی نکتہ آفرینیاں ہیں جن کا اسلام کے ساتھ جوڑ ملانے کی کوشش کی جا رہی ہے، گویا اللہ تعالیٰ جس طرح قدیم ہیں، عقل کل بھی ایسی ہی قدیم ہے، اور اللہ تعالیٰ عالم شہادت یعنی چن بسویشور کی صورت میں عقل کل کے محتاج ہوئے

آخرین کا سردار

مرزا غلام احمد قادیانی کو آخری خلیفہ مانتے ہوئے لکھتا ہے:

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ـــ ۴۶

"اسلام کے آخری خلیفہ نے آخری فرقہ بنایا، اس طرح دین قیم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے..... چونکہ پھل اپنی شاخوں کا مصدق ہوتا ہے لہذا وہ آخرین کا سردار (چن بسویشور) جملہ فرقہائے اسلام کی تصدیق کرنے والا ہونا ضروری ہے۔ جس کو اولین کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری فرقہ کے سردار مسیح ناصری کی تصدیق کرنے پر آپ کی قوم نے آپ پر تالیاں بجائی تھیں، اور کہا تھا کہ یہ عیسائی ہوگیا ہے۔ اسی طرح آخرین کے سردار کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ وہ آخری فرقہ کے سردار مسیح موعود کی تصدیق کرنے پر اس کی قوم تالیاں بجائے اور کہے کہ یہ احمدی (قادیانی) ہوگیا ہے۔" (دعوۃ الی اللہ ص۳)

استدلال کا یہ بہترین گر شاید کسی اور کو معلوم نہیں ہوگا کہ خود واقعات بنا کر کسی کی طرف منسوب کریں، پھر وجہ نسبت کی تعیین کریں۔ اپنے خود ساختہ علم کلام سے خود ساختہ واقعات کی روشنی میں اپنے دعاوی پر استدلال کریں بس وہی بات ہے کہ ؏

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

اس پر طرہ یہ کہ اس پر واہ واہ بھی خود کریں۔ آخر میں یہ نہ بھولئے گا کہ آخرین کے سردار اور آخری فرقہ کے سردار مسیح ناصری میں جو جدت کا فرق نکالا ہے وہ قابل داد ہے عجیب راہ نکال لی۔

قادیانیوں سے قدیم تعلقات

آج کل کے دیندار انجمن والے اپنی ناک بنانے کے لئے یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمارا قادیانیوں سے کوئی تعلق نہیں، یہ بات قابل التفات تو اس لئے نہیں کہ بانی انجمن نے بار بار غلام احمد قادیانی کا ادب واحترام سے ذکر کیا ہے بلکہ اپنے اساتذہ و شیوخ میں شمار کیا ہے۔ حتی کہ اس ملعون کو مسیح موعود ماننے کا بھی اعتراف کرلیا ہے، ان ناقابل تردید حقائق کے ہوتے ہوئے مریدان کے آپس کے تعلقات کے لئے دلائل کی کوئی ضرورت نہیں، تاہم اس مقصد کے لئے ان کی ذیل کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے:

"غرض یہ کہ یوسف موعود (چن بسویشور) اس وقت موجود تھا جس وقت جماعت قادیاں اور جماعت لاہور کی مخالفت کا بازار گرم تھا، جس نے بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا..... ۴۷

مئی ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۲ء تک یعنی تقریباً آٹھ سال بہترین مبلغ
بن کر مرزا صاحب (قادیانی) کی محبت میں کام کیا۔ تقریباً تمام اضلاع
پنجاب کی احمدی جماعتوں کا دورہ کیا اس زمانہ میں کسی کو خبر نہیں
تھی کہ اس قدر جوش صدیق میں کیوں ہے۔ اس راز کا علم خود صدیق
کو بھی نہیں تھا۔ جب صدیق کی چالیس سال کو عمر پہنچی یعنی ۱۹۲۴ء
میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے بشارت دی کہ "اے یوسف!
تو ہی چن بسویشور ہے" پھر الہام ہوا "یوسف ہے بابا صدیق"
غرض بار بار یوسف اور صدیق کا نام الہامات میں آنے لگا"
(دعوۃ الی اللہ ص۴۴)

سوچ لیں، وہ سادہ لوح مسلمان جن کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ کہا جا رہا ہے کہ دیندار انجمن کا قادیانیوں اور ان کے عقائد سے کوئی تعلق نہیں، کیا آپ کی نظر میں کسی کی محبت میں کام کرنے کے معنی مخالفت کے ہو سکتے ہیں فشتان بینہما،

حقیقت یہ ہے کہ ان دو شیطانوں کے باہم بہت قریبی مراسم اور تعلقات پائے جاتے ہیں، خاصکر صدیق دیندار تو اپنے ہر دعوی میں غلام احمد قادیانی کے مسیح موعود وغیرہ ہونے کی تصدیق بھی ملا لیتا ہے پھر یہ بے ربطی کہاں رہی ؎

ربط بے ربطی حسن و عشق کیا کیجے بیان
بام بے زینہ ہے وہ، یہ زینۂ بے بام ہے

قادیانی اختلافات

قادیانی اور لاہوری دو جماعتوں کے اختلافات کے بارے میں اپنے کو فیصل مقرر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"عیسائیوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ آسمانی محکمہ سے ہوا
احمدیوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ بھی آسمانی حکم یوسف موعود
(چن بسویشور) سے ہی ہوگا جسکی آمد کو قرآن کریم اور احادیث اور بشارات
مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) اور بشارات اولیائے دکن

(ہندو سادھو) اور خود یوسف موعود کے الہامات میں اللہ کا آنا کہا گیا ہے ، مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ (دعوۃ الی اللہ ص۵۳)

کیا اصلاح کی ؟ جس چیز پر آپس کی لڑائی ہو رہی تھی، اسی پر خود قبضہ جمالیا. کیا آسمانی فیصلہ یہی ہوا کہ غلام احمد قادیانی کی نبوت کے بارے میں آپس میں جھگڑا ہو رہا ہے اس لئے تم خود جا کر نبی بن جاؤ ان کا اختلاف ختم ہو جائے گا ، نیز جن بسویشور کو جہنم رسید ہوئے بھی عرصہ ہو گیا مگر قادیانیوں اور لاہوریوں کا آپس کا اختلاف تو اب تک باقی ہے پھر کیا فیصلہ کیا حضرت والا نے ؟ صرف اتنا کرم کیا کہ ان کی خباثت میں مزید خباثت ملا کر فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ کے مصداق بن گئے۔

خود گرو کو تو جہنم رسید ہوئے عرصہ گذر گیا ہے، لیکن ان کے متبعین اور ربیندر انجمن کے سربر آوردہ افراد ابھی زندہ ہیں ان سب کو ہم یہ چیلنج دیتے ہیں کہ کسی ایک قرآنی آیت میں یوسف موعود کے آنے کی خبر دکھادیں ورنہ صاف کہدو کہ گرو نے جھوٹ بولا ہے ، یہی معاملہ احادیث کا بھی ہے۔

نیز یاد رہے کہ اس میں جہاں اولیاء دکن کی بشارات کا مصداق ہونیکا دعوی کیا ہے ان اولیاء سے خود ان کی مراد دکن کے ہندو سادھو ہیں ، اس سے یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ ان کے نزدیک ہندو لوگ پکے دیندار ہیں بلکہ اولیاء اللہ میں ان کا شمار ہے۔

"یوسف موعود کے الہامات میں اللہ کا آنا کہا گیا ہے" اس کا مطلب وہی ہے جو ابھی ابھی پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک غیر مسلم یعنی جن بسویشور کی شکل میں آئیں گے۔

خلیفۂ قادیاں کی اصلاح

خلیفۂ قادیاں میاں محمود کے عقائد کی اصلاح کے بارے میں رقمطراز ہیں :

"اولیاء دکن (ہندو سادھوؤں) نے آج سے تقریباً آٹھ سو سال پیشتر فیصلہ کیا ہے کہ خلیفۂ قادیان کے عقائد غلط رہیں گے، وہ اسطرح کہ میاں محمود احمد صاحب کو "دربسنت" کہا گیا ہے اور "دربسنت" کے متعلق لکھا ہے کہ وہ غلط عقائد پھیلاتا رہے گا۔ اس کے عقائد کی اصلاح کے لئے جن بسویشور آئیگا۔ (دعوۃ الی اللہ ص۵۴)

عقائد کی یہ اصلاح کہ ان کے گرو غلام احمد کو آخری فرقہ کا سردار کہا اور اپنے آپ کو آخرین کا سردار اور کوئی اصلاح سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے کہ چن بسویشور تو خود اپنی اصلاح کے لئے خلیفہ قادیان میاں محمود سے بیعت ہوا تھا، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کے ہاں مرید پیر کی اصلاح کرتا ہو نہ کہ پیر مُرید کی۔

لنگایت

یک نہ شُد دو شُد، پہلے تو صرف احمدیوں کے موعود تھے، اب لنگایت کے بھی موعود ہونے کی تیاریاں زور شور سے جاری ہیں۔ لکھتا ہے:

"اس وقت میں اپنے موعود کی جماعتوں یعنی "لنگایت" اور "احمدیوں" میں پوری طاقت سے پیش ہو رہا ہوں۔ وہ بھی ایک بشارت کی بنا پر ہے۔ اس میں کامیابی دکھائی گئی ہے۔ اس میں یہ حقیقت نظر آتی ہے کہ "لنگایت" ہندوؤں میں اور "احمدی" مسلمانوں میں یہ دونوں ہر حیثیت سے زبردست جماعتیں ہیں۔ ان کی توجہ بڑے زوروں سے خصوصی ہندوستان کے مختلف مذہبوں کی طرف ہونی چاہیئے۔ (دعوۃ الی اللہ صفحہ ۴)

بہت خوب! آپ لنگایتوں کے اوتار ہیں، یہ راز اب محقق ہو کر کھل گیا کہ آپ ہندوؤں میں سے ہیں اچھا ہے ـــــ مسلمان جس مغالطہ میں تھے جناب نے اُسے رفع کر دیا۔

مسیح گر اور اس کی خانقاہ

حضرات قارئین! پیچھے مذکور تفاصیل کو خوب ذہن نشین کرتے ہوئے آگے بڑھیں، اب سے کچھ مزید انکشافات ہونے والے ہیں۔ آجکل کے حافظے کمزور پڑگئے ہیں اس لئے مختصراً پچھلا سبق دہرا کر آگے چلتے ہیں صدیق دیندار چن بسویشور پہلے عام انسان تھا، پھر قادیانی مغضوب کے پاس چلا گیا، پھر خلیفہ قادیان سے بیعت ہوا، پھر مہدی آخرالزماں، پھر یوسف موعود، پھر کئی انبیاء کے مثیل، بروز محمد اور عین محمد صلی اللہ علیہ وسلم، یہ تمام مدارج بآسانی طے کرنے کے بعد مظہر خدا، مالک حشر، انبیاء کے حاکم، قاضئ حشر، جیسی خدائی صفات کا مالک ہوگیا۔ حتیٰ کہ یہ شیخ چلّی خود خدا بن گیا۔

اچھا جنابِ عالی! یہ سب عہدے مبارک ہوں، مگر کیا کسی ہوس کے بندے اور حُبِّ جاہ کے بھوکے کا پیٹ صرف ان دعاوی اور ان کے برابر کے دیگر دعووں سے بھر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ چن بسویشور خدا تو بن ہی گیا تھا اب رسولوں کے بھیجنے میں کیا دیر لگتی، اور ویسے بھی یہ خدا کی ذمہ داری ہے۔ چن بسویشور

خدا بننے کے باوجود رسولوں کے بھیجنے کا بندوبست نہ کرے تو مخلوق کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہے اس لئے رسول بنانے کے لئے ایک "تربیتی کورس" شروع کر دیا۔ اس کا مرکز جہاں سے مکمل رسول بننے کا سرٹیفیکٹ عنایت ہوتا ہے، اس کا نام مسلمان نبی بننے والوں کے لئے "خانقاہ سرورِ عالم" اور ہندو نبی بننے والوں کے لئے "جگت گرو آشرم" رکھا، دینداروں کے بیک وقت پیغمبر اور خدا نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ اب کسی اور کو یہ اختیار نہیں کہ پیغمبر اور رسول بھیجنے کی جسارت کرے۔

سنیئے! چن بسویشور کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

"حسبِ بشارت گمنام مقام سے امیوں میں ایک ایسی طاقت (چن بسویشور) کو کھڑا کیا گیا جو مسیح گر ہے (مسیح بنانیوالا) اور وہ وجود رسولوں کو جمع کرنے والا ہے جس کی خانقاہ میں وارثِ انبیاء پیدا ہوتے ہیں، مریم بن کر آبیٹھتے ہیں، مسیح بن کر نکلتے ہیں، چوتھے آسمان سے ساتویں آسمان تک سیر کرائی جاتی ہے، کوئی نوح علیہ السلام، کوئی ابراہیم علیہ السلام ہے، کوئی یحییٰ اور کوئی نارو ہے۔ کوئی موسیٰ علیہ السلام اور کوئی جامع جمیع کمالات کا خطاب پایا ہوا ہے، کوئی ہرلیا اور کوئی بسویشور اور کوئی نرسہیوں ہے، چونکہ اولین میں یہ روحانیت تھی، آخرین میں بھی وہی روحانیت ہے تاکہ مماثلت پوری ہو۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کی خانقاہ کا یہ حال ہو (العیاذ باللہ خدا دوسروں کو اس سے محفوظ رکھے کیا کوئی روحانیت کے دعویدار گدی نشین کو "مسیح گر" ہونیکا دعوی ہے، کیا ان کی خانقاہوں میں مثیلِ انبیاء پیدا ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہر گدی اور خانقاہ کا رُخ زمین کی طرف ہے۔" (دعوۃ الی اللہ ص۳)

نبی ساز یونیورسٹی

محترم قارئین! "مسیح گر" کی ترکیب پر غور فرمائیں۔ زرگر کے معنی ہیں سنار، آہنگر کے معنی ہیں لوہے کا کاروبار کرنے والا، اور مسیح گر کے معنی ہیں مسیح بنانے والا، یہ نیا عہدہ مبارک ہو۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس مسیح گر (خدا) کے رسول ابھی تک دنیا میں زندہ ہیں اور خود خدا صاحب جہنم رسید ہو گئے، چودھویں صدی کے مکار انگریز کو کچھ ایسے خداؤں کی ضرورت بھی تھی جو رسول اور نبی کا کورس پڑھانے کے قابل ہوں تاکہ خود بیچارے انگریز کو اتنی زحمت نہ اٹھانا پڑے، ایک عدد ایسا جامع جمیع کمالات پروفیسر ملا مگر اوّل تو اتنی بڑی "نبی ساز یونیورسٹی" کو چلانے کے لئے ایسے کئی پروفیسروں کی ضرورت تھی، دوسری یہ اور مصیبت آگئی کہ وہ ایک نبی ساز پروفیسر بھی جلد ہی مرگیا، اکبر الہ آبادی مرحوم کا یہ شعر انگریز کی اس ہندی "نبی ساز یونیورسٹی" پر پورا صادق آرہا ہے

دفترِ تدبیر تو کھولا گیا ہے ہند میں
فیصلہ قسمت کا اے اکبر مگر لندن میں ہے

اس عبارت میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس انجمن کے انبیاء کو چوتھے آسمان سے لیکر ساتویں آسمان تک کی سیر کرائی جاتی ہے۔ پہلے تین آسمانوں کی سیر کیوں نہیں کرائی جاتی؟ شاید اس میں کوئی مصلحت ہو گی یا پھر ان میں کوئی سیر کی جگہ ہی نہیں۔

بطورِ مثال مساوات

اس یونیورسٹی سے جو انبیاء تیار کئے جاتے ہیں ان کی چند مثالیں بھی ذکر کی ہیں اور اپنی انصاف پسندی کا بھی خوب مظاہرہ کیا ہے، یہ نبی ساز یونیورسٹی جس میں بیک وقت ہندو اور مسلم انبیاء تیار کئے جاتے ہیں اس میں بننے والے انبیاء کی مثال میں چار مسلمان انبیاء کے نام ذکر کئے ہیں اور چار ہندوؤں کے نام پیش کئے ہیں اور ایک مشترک یعنی جامع جمیع کمالات یعنی مسلمان، عیسائی، یہودی بت پرست وغیرہ، اس طرح سے تمثیل انبیاء میں مساوات کر کے ہندو مسلم اتحاد کی داد حاصل کی ہے۔ یاد رہے کہ اس یونیورسٹی میں مہدی اور مأمور سے لیکر بسویشور تک کے عہدے کے انبیاء اور رجال کار ہوتے تھے، صرف ایک عہدہ جو چن بسویشور ہے اسکی تیاری یہاں نہیں ہوتی کیونکہ یہ منصب خود حضرتِ والا کا ہے اور محولہ بالا عبارت میں اس دعوی پر صراحۃً قدغن لگا دی گئی ہے، الا عند اشد الضرورۃ، جس کا فیصلہ براہِ راست لندن یونیورسٹی سے اس مقصد کے لئے رکھے ہوئے ماہرین امورِ شیطنت کر لیا کریں گے

۳۱۸ قلبِ انبیاء

دیندار انجمن کے بانی کی مجموعہ چالبازیوں میں ایک ۳۱۸ کا چکر بھی ہے اسے غور سے پڑھئے۔

"حدیثوں میں بشارت ہے کہ ہر دور نسل انسانی مسلم میں تین سو اٹھارہ قلب انبیاء ما سبق کے رہتے ہیں، قرنِ اولی میں ان کا مجموعہ تھا، فیج اعوج کے زمانہ میں بوجہ فرقہ بازی قلوب منتشر تھے، قرن آخری چونکہ حشر کا زمانہ ہے اس وجہ سے وہ تمام قلوب انبیاء ما سبق آخری امیین کی صورت میں خانقاہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم حیدر آباد دکن میں جمع ہوئے ہیں، کیونکہ ان کے سردار صدیق (چن بسویشور) کی پیدائش کا مقام اس ریاست میں ہے، یہ شہر جامع جمیع کمالات ہے اور جلال و جمال کا کافی سامان یہیں ہے"

(دعوۃ الی اللہ ص۴)

مُردوں کو زندہ کرنے والے

اپنی شانِ مسیحائی کے بارے میں لکھتا ہے :

"آخرین کے سردار صدیق دیندار کی صحبت سے کئی مثیل انبیاء بنے اور بن رہے ہیں، خانقاہ میں جو زندگی وقف کرکے بیٹھتا ہے وہ مریم بن جاتا ہے، جب وہ میدان میں نکلتا ہے تو مسیح بن جاتا ہے، اسی طرح مُردوں کو زندہ کرنے والے ہماری خانقاہ سے نکل رہے ہیں، گونگے بول رہے ہیں، جن کو اللہ نے یحییٰ، نوح اور موسیٰ پکارا وہ بھی میرے بیعت کردہ ہیں۔ اور قاسم صاحب جن کی مماثلت نوح کی ہے وہ بھی میری بیعت میں ہیں الخ"

(دعوۃ الی اللہ ص ۹۱)

دیندار کی صحبت سے کئی مثیل انبیاء بنے اور کئی بن رہے ہیں، نبی گری کی یہ صنعت بڑی اچھی ہے کسی طبّی کالج کے چانسلر صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بتایا کہ ہمارا کالج ماشاء اللہ بڑا اچھا چل رہا ہے یہاں کئی لوگ اچھے اچھے ڈاکٹر بنے اور کئی ڈاکٹر بن رہے ہیں، کیا خیال ہے، دونوں باتوں میں اچھا جوڑ ہے، ہم نے جو "نبی ساز یونیورسٹی" لکھا تھا اس کا اب یقین آرہا ہوگا گویا نبی بننا ایک کھیل تماشا ہے، یا بالفاظِ دیگر یوں کہیں کہ دنیا میں جس طرح صنعت و حرفت ایک پیشہ ہے جو آدمی اسمیں لگ کر محنت کرتا ہے، اس کی ڈگریاں حاصل کرلیتا ہے اس کو اپنی لائن کا کوئی نہ کوئی منصب مل جایا کرتا ہے جس سے وہ اپنا کسبِ معاش کرتا ہے۔ ایسے ہی نبی اور رسول کو سمجھئے کہ وہ کسبِ معاش یا گزر اوقات کے طریقے ہیں، قادیان کے تمام انبیاء نے نہ صرف اس مقصد کے تحت اپنی نبوّت کو استعمال کیا بلکہ اپنے اقوال و افعال سے لوگوں کو یہ سمجھایا کہ نبوت بھی اس قسم کا کاروبار ہے۔

"اسی طرح مُردوں کو زندہ کرنے والے ہماری خانقاہ سے نکل رہے ہیں"

اس عبارت کو غور سے دیکھئے اور پھر دیندار انجمن والوں سے پوچھئے کہ اے مُردوں کو زندہ کرنے والو! اور نہ سہی اپنے نبی اور خدا کو تو دوبارہ زندہ کرکے لے آؤ تاکہ تمہاری اصلاح کردیں اور اُمت کی بھی اصلاح ہوگی

بزمِ مشاورت

چن بسویشور نے ایک اہم راز کا انکشاف کیا ہے، لکھتا ہے :

"یہ (اہل اللہ) اہم معاملات میں قرآن و حدیث میں غور کرنے کے بعد خدا و ندکریم کے

در بار میں مشورہ کرتے ہیں" (معراج المؤمنین ص۳۳)

یہ اصطلاح نہ بھولیں کہ چن بسویشور کے ہاں اہل اللہ اور اولیاء اللہ ہندو سادھوؤں کو کہا جاتا ہے اور بالفرض مسلمان اولیاء اللہ ہی مراد ہوں تو قرآن وحدیث میں کہاں آیا ہے کہ اہل اللہ، اللہ کے دربار میں جاکر مجلس شوریٰ منعقد کرتے ہیں۔ ہاں البتہ اگر اللہ کے دربار سے چن بسویشور کا دربار مراد ہے جہاں سے نبی اور رسول بناکر بھیجے جاتے ہیں تو ٹھیک ہے مگر یہ اہل اللہ بڑے خطرناک ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان اہل اللہ سے اپنی حفاظت میں رکھیں، درحقیقت یہ ابلیس کی بزم مشاورت ہے اور یہ اولیاء اللہ کی صورت میں اولیاء الشیطان ہیں۔

علوم شرع میں صفر

چن بسویشور مأمور وقت کے عہدے پر تو شروع ہی سے قابض ہوگئے اور علوم دینیہ سے ماشاء اللہ مس بھی نہیں ہوا، اس لئے اس شبہ کا ازالہ فرماتے ہوئے لکھتا ہے:

"معلوم ہوتا ہے کہ مأمور وقت یعنی فنا فی الرسول ظاہری علوم میں مشہور ومعروف نہیں ہوتا" (معراج المؤمنین ص۳۶)

مأمور وقت کون ؟

اوپر کی عبارت میں مأمور وقت کا ذکر تھا، مگر اس کی تشریح نہیں کی کہ وہ کون صاحب ہیں، اگلی عبارت میں اس کا کچھ اتا پتا بھی دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

"فقیر نے گاندھی جی اور محمد علی مرحوم سے کہا تھا کہ تم سب میری اطاعت کرو، انشاء اللہ دس سال کے اندر سوراج دلاتا ہوں" (معراج المؤمنین ص۳)

اُمتی بنانے کے لئے ماشاء اللہ نظرِ انتخاب بڑی اچھی شخصیتوں پر پڑی ہے اچھا ہی ہوا کہ آپ کی تجویز کو ان لوگوں نے نہیں مانا، فرما رہے ہیں کہ تم میری اطاعت کرو، جیسے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول میں اطاعتِ خدا ورسول کا حکم ہے۔

پردہ میں رہنے دو

مأمورِ وقت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

معلوم ہوتا ہے کہ مأمور وقت یعنی فنا فی الرسول انسان ظاہری علوم میں مشہور نہیں ہوتا اور

وہ سرکاری ملازمتوں اور عہدوں پر مامور نہیں ہوتا وہ خدا کا مقرر کردہ انسان ہوتا ہے دربار سرکار میں اس کی عزت نہیں ہوتی، وہ ایک پردہ میں رہتا ہے تاکہ اللہ کے کام کے لوگ ہی اس کے قریب آسکیں۔" (معراج المومنین ص۳۶)

اپنا مبلغ علم جو کچھ چاہیں بیان کریں مگر یہ جھوٹ نہ بولیں کہ اللہ کے مامور لوگ پردہ میں رہتے ہیں نہیں، پردہ نشین عورت ہوا کرتی ہے، خدا کے پیغمبر میدان میں آتے ہیں، جہاں اعلاء کلمۃ الحق اور آپ جیسے جھوٹے مدعی نبوت کی سرکوبی کی ضرورت ہو وہیں پہنچ جاتے ہیں، البتہ "نبی ساز یونیورسٹی آصف نگر" سے جو نبی اور مامور بن کر نکلتے ہیں وہ ضرور پردہ نشین ہوتے ہیں، اس لئے کہ بقول آپ کے "وہ مریم بن کر آبیٹھتے ہیں۔" (دعوۃ الی اللہ ص۳)

یہ ایک ایسا اندازِ فکر اور افتادِ طبع ہے جو ذہنوں کو ابہام اور الجھنوں بلکہ خطرناک نزاکتوں کی طرف لے جاتا ہے۔

سہیلی بوجھ پہیلی

چن بسویشور کی طرف سے ایک گورکھ دھندا پیش خدمت ہے، اس پہیلی کو حل کریں، فرماتے ہیں:

"یہ لوگ زندہ ہیں، یہ جسم کثیف بھی نہیں، لطیف بھی نہیں، ارادہ و عقل بھی نہیں۔ اطمینان بھی نہیں، یہ کل ایک دوسرے کے ماتحت ہیں، یہ کسی کے ماتحت نہیں، یہ کل ضائع ہونیوالے ہیں، یہ فنا سے خالی ہیں، خدا کو غائب کر کے مظہرِ خدا بنے ہیں۔" (معراج المومنین ص۳۲)

چیستان —— مہملات —— واہیات

چن بسویشور کی جس کتاب سے یہ حوالے دیئے گئے ہیں اس کا نام ہے "معراج المؤمنین" اس کتاب کا پیش لفظ ایک اور دیوانے مولوی ابو احمد دستگیر نے لکھا ہے، اس میں کئی عبارتیں ایسی مہمل ہیں کہ ہمیں یقین ہے کہ نہ وہ خود سمجھے ہیں کہ ان سے ان کا مقصد کیا ہے نہ ان کے گرو کو ان کے مطالب معلوم ہیں، عام انسان تو کیا خاک سمجھیں گے ایک دو ایسی عبارتیں آپ کے سمجھنے کے لئے لکھتا ہوں۔

"جس طرح جہاد مردوں پر فرض ہے اسی طرح قرآنِ کریم ذات وحدۃ الوجود رحمۃٌ للعالمین پر فرض ہے۔"

آگے ارشاد ہے:

"اسی حقیقت کے اظہار میں اللہ تعالیٰ جب کبھی روح کے نزول کا ذکر کرتا ہے تو وحدت کا اظہار کرتا ہے"

اور جب روح کے اظہار کا ارادہ نہیں فرماتا تو کیا "کثرت" کا اظہار کرتا ہے ؟ اس چیستان کا حل مطلوب ہے ۔ آگے فرماتے ہیں :

" ایسے زمانے میں حضور منبعِ انوار صلی اللہ علیہ وسلم کا رہنا ضروری ہے تاکہ اپنا دربار گرم کریں ۔ اس دربارِ مبارک کی شان بھی فرضیتِ قرآن سے ظاہر ہے "

فرضیتِ قرآن اور وحدت وکثرت کی یہ اصطلاحات ہماری سمجھ سے بالا ہیں کیونکہ یہ شیطانی الہامات ہیں جن سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۔ اللّٰھمّ لا ملجأ ولا منجاء منك الا الیك

تین کو چار کرنے والا نبی

(۱) "میں بھائیوں کے لحاظ سے بھی چوتھا ہوں اور بہنوں کے لحاظ سے بھی چوتھا، چھوٹوں میں بھی چوتھا ہوں اور بڑوں میں بھی چوتھا ہوں "

(۲) "میری پیدائش کی گھڑی چوتھی ہے، دن چوتھا ہے تاریخ چوتھی ہے، صدی بعد ہزار کے چوتھی ہے، سال چوتھا ہے یعنی ۱۴ رمضان پیر کا دن ۱۳۰۴ھ میں پیدا ہوا "

(خادم خاتم النبیین صہ ۵۹)

یہ دو دلیلیں واقعی بڑی اہمیت رکھتی ہیں، نبوت پر استدلال کے لئے اندھے کی لاٹھی چلائی ہے ۔

قادیانی نشان

اپنی نبوّت پر استدلال میں لکھتا ہے :

" ۱۹۲۵ء جولائی کے ماہ میں قادیان گیا ہوا تھا ، وہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بطور نشان بے موسم بارش بھیجی وہ اس طرح کہ ایک رات کے اندر اطراف قادیان کے تالاب ہو گیا ، ٹمٹم اور ٹانگے بند ہو گئے اور کم سے کم پانی راستے پر ران برابر ٹھہرا تھا ، لوگوں کی زبانی سُنا گیا کہ شاید ہی کسی زمانے میں ایک رات میں اتنی بارش آئی ہو اور اس بارش میں مزید نشان یہ ہوا کہ قادیان کا مشہور کتب خانہ جس میں ہزار ہا روپے کی نایاب کتب ہیں ، ایک حصہ دیوار مع چھت گر گیا اور رات کا وقت تھا ، بارش زور کی تھی ، کوئی شخص خبر نہ لے سکا آخر صبح تک تمام الماریاں کیچڑ میں لدی ہوئی تمام کتابیں بُری طرح بھیگی ہوئی ، صبح یہ نظارہ اپنی زبانِ حال سے پکار کر کہہ رہا تھا کہ جو کتب خانہ قادیان

کی علمیت کے فخر کا باعث تھا، چن بسویشور کے تصرفات نے اس علم پر پانی پھیر دیا، لطف یہ کہ وہ کل کتب دوپہر کے وقت جب دھوپ میں کھول کر ڈالدی گئیں تو وہیں ڈالی گئیں جہاں فقیر نے تکیہ لگایا تھا، فقیر بیٹھا ہوا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا اور خدائے قدیر کے احسان کا مزہ اُٹھا رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کتب خانہ زبان سے پکار کر کہہ رہا ہے اے صدیق! قادیان والوں نے ہمارے الفاظ کے غلط معنی کرکے دنیا میں دھوم مچائی ہے ہم آپ کے پاس فریاد لائے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار لهم البشرىٰ فی الحیوٰة الدنیا والاٰخرة۔ (خادم خاتم النبیین ص۳۵)

ایک سے ایک بات کو لیجئے، آپ کو اندازہ ہوگیا کہ اس سے اپنی نبوت پر استدلال کرنے والا کس قدر پانی میں ہے، ہر دلیل سے چن بسویشور کی ایک نئی بے وقوفی کا علم ہوجاتا ہے۔

چن بسویشور قادیان کے کتب خانہ کے بھیگنے سے جس خوش فہمی میں مبتلا ہوئے یہ انکا قصورِ فہم ہے قادیان کی کتابوں کا بھیگنا، اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ جناب چن بسویشور وہاں رونق افروز ہوں، یہ بے معنی نہیں ہے، لیکن وہ اس کا مطلب غلط سمجھے ہیں، درحقیقت مطلب یہ تھا کہ:

"اے چن بسویشور! جن کتابوں کو تم اپنا مرکز وماٰخذ خیال کرتے ہوئے آئے ہو، جن کے حوالے رات دن اپنی تقاریر اور کتابوں میں لکھتے ہو، جن سے اپنی نبوت، چن بسویشور یوسف موعود اور ماٰمور وقت ہونے پر استدلال کرتے ہو وغیرہ وغیرہ، آج ان سب کتب ودلائل پر پانی پھر گیا، یہ سب دلائل وکتب ردّی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہیں، کیا بے وقوف بنے ہوئے ہو کہ ان سے استدلال کررہے ہو۔ یہ تھی ان کتابوں کی آواز جو زبانِ حال سے نکل رہی تھی، فاعتبروا یا اولی الابصار لهم خزی الدنیا وعذاب الاٰخرة۔"

چن بسویشور اور خلیفۂ قادیان

قادیانیت کے ساتھ عشق کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

"مختصر حال یہ ہے کہ یوں تو فقیر ۱۹۱۰ء میں بھی قادیان گیا تھا، اس وقت اس سلسلہ کی طرف توجہ نہ ہوئی۔" (دم خاتم النبیین ص۵)

جی ہاں! اس وقت نبوت کے راز سربستہ نہیں کھلے ہونگے۔ یہ ارشاد ہے:

"میری نیک نیتی اور خلوص دیکھو، میں نے تلاش حق میں خود میاں محمود صاحب خلیفۂ قادیان کی خلافت مان کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور قادیان پہنچا اور نیک نیتی سے تحقیقات کرتا رہا اور ان کا عقائد میں غلو کرنا پسند نہ آیا، دعائیں کیں، آخر اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو بچانا چاہتا تھا وہاں سے نکلا بیعت فسخ کر دی اور لگاتار اس عقیدے کی تردید میں ۱۲ سال کام کیا اور بڑے شد و مد سے کام کیا، آخر اللہ تعالیٰ نے فقیر کی دعا کو سنا اور انکی (قادیانیوں کی) جماعت کا منتظر موعود بنا دیا (دریں چہ شک ۱۲ مؤلف) اس سے وہی کام محض اپنے رحمانی تقاضے کے ماتحت لے رہا ہے جو اس سے پیشتر بزرگان دین (غلام احمد قادیانی اور ہندو سادھو وغیرہ ۱۲ مؤلف) سے کام لیا تھا اور کثرت سے نشانات ظاہر کئے اور قدرت کو کمال درجہ پر ہمارے ساتھ کر دیا۔" (خادم خاتم النبیین ص۲۵)

واقعی نیک نیتی اور اخلاص کی یہ انتہا ہے کہ پہلے بیعت کر لی بعد میں عقائد کی صحت و بطلان کی تحقیق کرتے رہے، پھر نبوت کی گدی پر خود قبضہ جما لیا اور بالآخر خدا بن بیٹھے۔ مزید ارشاد ہے:

"میں اس فاضل اجل (جو درحقیقت فاضل اجہل ہے ۱۲ مؤلف) کی ہر لعنت ملامت کو اطمینان سے سنتا رہا، جب وہ مجھے دنیا دار سمجھ کر ریاست کا بت سامنے لائے تو میں فوراً سیدھا ہو گیا (پہلے ٹیڑھے تھے ۱۲ مؤلف) اور کہا دوات قلم لے آؤ میں ابھی لکھ دیتا ہوں، ہزار دفعہ لکھ دیتا ہوں کہ میں پکا قادیانی ہوں" (بلا شک و شبہ ۱۲ از مؤلف) اور کاغذ لیکر ذیل کی تحریر لکھ دی:

"صدیق دیندار پکا احمدی ہے، قادیانی سلسلہ قادیان سے جو میاں محمود نے جاری کیا ہے اس کا سخت دشمن ہوں، اور عقائد جو میاں محمود نے جاری کئے ہیں اُن کی بیخ کنی کرتا رہونگا"
صدیق دیندار چن بسویشور (خادم خاتم النبیین ص۲۹)

آگے اور وضاحت کرتے ہوئے اپنے اور ان کے نشانات ذکر فرماتے ہیں:

"اس بات کی گواہ تقریباً تمام دکن کی اقوام ہیں، ان کی عبارتوں میں یہ بات چلی آرہی ہے کہ پہلے دیر لسبنت (اولوالعزم محمود) ظاہر ہوگا اس کے خیالات سے عالم میں پریشانی ہوگی لوگ گمراہ ہو جائیں گے، اس کے دور کرنے کے لئے چن بسویشور ظاہر ہوگا، ان بزرگوں نے ان دونوں کے وجود کی تاریخ ظہور و نشانات بتائے ہیں اس کی کوئی تردید کر دے تو میں ہر شرط منظور کرنے کو تیار ہوں۔ گویا پیش گوئیوں نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کے

بتادیا ہے کہ یہ چن بسویشور ہے اور یہ دیربسنت، چن بسویشور کے حالات سے آپ کو ایک حد تک علم ہوا ہے، صرف اب دیربسنت کے نشانات بطور حجت دوبارہ پیش کرکے چیلنج دیتا ہوں کہ اگر نشانات والا دیربسنت میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کے سوا دوسرا کوئی ہے تو ثابت کردے تو ایسی صورت میں ہر شرط منظور۔

دیربسنت (اولوالعزم محمود) والی ایک علیحدہ کتاب تیار ہے اس میں تفصیل وار بیان ہے۔ ان نشانات کے علاوہ اور بھی بہت سے نشان ہیں۔ مگر اب میں جماعت قادیان اور تمام عالم سے سوال کرتا ہوں کہ ادھر قدیم کتبِ اولیاء میں یہ پیش گوئیاں موجود اور ادھر موعود انسان (یعنی میاں محمود خلیفہ قادیان) موجود ہے۔ پھر آپ کو شک میں ڈالنے والی وہ کونسی چیز ہے۔ ان پیش گوئیوں کے ساتھ ہی لکھا ہے یہ دیربسنت مسلمانوں کو قرآن کریم کے الفاظ کے غلط معنی کرکے بتائے گا، اور ایشور اوتار جس کو رحمۃٌ للعالمین کہتے ہیں ان کی ہتک کرے گا۔" (خادم خاتم النبیین ص۸)

مزید لکھتا ہے:

"اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ایسا شخص عقائد میں غلطی پر رہے گا، اس کی اصلاح صدیق دیندار چن بسویشور سے ہوگی اور صاف لکھا ہے کہ دیربسنت (اولوالعزم محمود) قرآن کے الفاظ کے غلط معنی بیان کریگا۔ اور لکھا ہے کہ چن بسویشور کے عقائد درست رہیں گے اور چن بسویشور کے ذریعہ سے دیربسنت کے عقائد کی اصلاح ہوگی (خادم خاتم النبیین ص۱۱)

ہم خود بسویشور کی عبارتوں سے ثابت کرچکے ہیں کہ اولیاء اللہ سے ان کی مراد ہندو سادھو ہیں اور اب یہ حضرت انہی کی کتبِ قدیمہ کے حوالے سے اپنی اور میاں محمود کی علامات پیش فرمارہے ہیں ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

چار مشہور وید یعنی رگوید، سام وید، یجروید، اتھروید، داش گیتا اور بیتا پوران۔ ہندوؤں کی جدید کتب میں ہندوازم، ستیارتھ پرکاش سوامی اور دیدارتھ پرکاش وغیرہ ایسی کتابیں ہیں جن سے بسویشور کو اپنی نبوت کے لئے مزید نشانیاں مل سکتی تھیں۔ اگر یہ کتابیں ان کو مل جاتیں تو نہ جانے ان کی خباثتیں کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتیں۔

منجملہ اور باتوں کے یہاں یہ بات بھی لکھی ہے کہ چن بسویشور کے ذریعہ میاں محمود کے غلط عقائد کی اصلاح ہوگی، دوسری باتیں کہاں تک سچی نکلیں ہمیں فی الحال ان سے بحث نہیں لیکن قارئین

رات بلکہ خود دیندار انجمن کے افراد ایمانداری سے بتائیں کہ میاں محمود کے جو عقائد اس وقت تھے کیا ان کی اصلاح ہوگئی یا ویسے کے ویسے رہے بلکہ ان کے عقائد میں روز بروز مزید خباثتیں شامل ہوتی گئیں یہاں تک کہ جہنم رسید ہوگئے۔

میاں محمود کی مزید تقدیس

میاں محمود کی مزید تقدیس بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"فقیر (چن بسویشور) جانتا ہے کہ وہ (میاں محمود دیر بسنت خلیفہ قادیان) ایک مرد متقی ہے اور بڑی بشارتیں دینے والا ہے۔ ان سے ہمارا جھگڑا صرف مذہبی چند فروعات میں ہے جن کی غفلت سے اصولی ہو جانیکا اندیشہ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے مخالفت کی۔ اب مخالفت نہیں ہے کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے کہ وہ قریب میں ہمارے عقیدے کے ساتھ ہو جائیں گے جس کے آثار گزشتہ چند ماہ سے ظاہر ہو رہے ہیں۔"

(خادم خاتم النبیین دیباچہ ص۲ یکم جون ۱۹۲۷ء)

مندرجہ بالا عبارت میں میاں محمود سے متعلق لکھا ہے کہ:

"ان سے ہمارا جھگڑا صرف مذہبی چند فروعات میں ہے۔"

یاد رہے کہ یہ کتاب "خادم خاتم النبیین" چن بسویشور نے ۱۹۲۶ء میں لکھی ہے اور اس کی تصریح انہوں نے خود اپنی سب سے پہلی کتاب "دعوۃ الی اللہ" کے ص۴۴ میں کی ہے اور دعوۃ الی اللہ ان کے دعوائے مامور وقت و یوسف موعود کے ابتدائی زمانہ یعنی ۱۹۲۴ء میں لکھی گئی ہے، یہاں تو یہ لکھتے ہیں کہ میاں محمود سے ہمارا اختلاف چند فروعات میں ہے لیکن اس سے قبل دعوۃ الی اللہ ص۵ میں لکھا ہے کہ میاں محمود کے عقائد غلط ہونگے، نیز اسی کتاب خادم خاتم النبیین کے ص۲۵، ۱۰، اور ص۲۹ میں صراحۃً یہ لکھا ہے کہ ان کے عقائد ہی خراب ہونگے، وہ غلط عقائد پھیلائے گا، لوگوں کو گمراہ کریگا، قرآن کے الفاظ کے غلط معنی بیان کریگا وغیرہ۔ سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد، اور یہ تضاد بطور نمونہ یہاں پیش کیا گیا ہے ورنہ ع یہاں پر عجائب نظارے بہت

نیز دیندار انجمن والوں کے پیغمبر نے محولہ بالا عبارت میں یہ بھی لکھا ہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ نے علم

دیا ہے کہ وہ (قادیانی) قریب میں ہمارے عقائد کے ساتھ ہو جائیں گے جس کے آثار گزشتہ چند ماہ سے ظاہر ہو رہے ہیں۔"

اس سے دیندار انجمن میں غلطی سے پھنسے ہوئے سادہ لوح حضرات خوب سمجھ لیں کہ ان کے موجودہ پیشوا اپنے کو بظاہر قادیانیوں سے الگ ظاہر کرکے ان کو کس طرح دھوکہ دے رہے ہیں۔

۴۲۵۷ جھوٹ

اپنی کتاب خادم خاتم النبیین کا ذکر کرتے ہوئے کذب بیانی کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔

"اس کے بعد ۱۹۲۶ء میں مَیں نے ایک کتاب "خادم خاتم النبیین" لکھی جو اس کتاب کا مقدمہ تھا جس کا ذکر اس کتاب کے ص۵۸، ص۵۹ پر ہے۔ اس زمانے سے اب تک ۴۲۵۷ الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام کیا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث سے بھی اس دعوے کا تاریخی، قدرتی اور شہادتی ثبوت ملا، یہ کتاب "دعوۃ الی اللہ" سنتِ انبیاء کے مطابق "انی مغلوبٌ فانتصر" کے زمانے میں لکھی جا رہی ہے۔" (دعوۃ الی اللہ ص۴۴)

جھوٹ کا ریکارڈ توڑ دیا

۴۲۵۷ جھوٹ بول کر خاموش نہیں ہوئے بلکہ مزید یہ ستم کیا کہ یہ تمام جھوٹ قرآن و احادیث میں تاریخی، قدرتی اور شہادتی طور پر ثابت ہیں، ان سب کو تلاش کرنے کی آپ کو کہاں فرصت ہے اور مزید جھوٹ بھی بولنے ہیں مگر کچھ فرصت نکال کر، ان میں ایک جھوٹ قرآن یا حدیث سے دکھا دیں تو کرم ہوگا ؎

جھوٹ کا بازار تھوڑے روز ہے
بعد اس کے حسرتِ دل سوز ہے

چنن بسویشور کو ماننے والے دجّالوں کی مختصر فہرست

اس سلسلہ میں اپنی کتاب دعوۃ الی اللہ ص۵۶، ص۵۷ میں کئی قادیانی دجّالوں کے نام ذکر کئے ہیں جنھوں نے آپ کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا یا بیعت ہو کر مان لیا ہے، ایک مختصر فہرست چند مشہور عالم دجّالوں کے نام مع ان کی اپنی عبارت میں ملاحظہ ہو۔

"اہلِ بصیرت کے لئے میرا دعوی سورج کی طرح روشن ہے۔ سعید ارواح کو جب میری خبر

پہنچ جاتی ہے تو سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ امنّا وصدّقنا کہتے ہیں جسب ارشاد مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) سلسلۂ احمدیہ کے بڑی عمر پانے والوں میں سے جن لوگوں نے میری تصدیق کی ہے ان میں سے مشہور اور ذی اثر اشخاص کے چند نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں

(۱) زبدۃ الحکماء مرزا خدا بخش صاحب مصنف عسل مصفّٰی نے میری تصدیق کی۔ (دعوۃ الی اللہ ص۳)

(۲) سلسلۂ احمدیہ کے دوسرے مشہور ذی اثر ایثار میں مشہور انسان ڈاکٹر امین حسین شاہ صاحب جنرل سکریٹری جماعت احمدیہ لاہور۔ شاہ صاحب نے کہا کہ "میں نے سُنا ہے کہ آپ کا دعوی مصلح موعود کا ہے"۔ میں نے کہا، ہاں! کہا، میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں میں آپ کے اصول وعقائد کو اُمتِ مرحومہ کے لئے باعثِ برکت سمجھتا ہوں۔ میں نے مولوی محمد علی صاحب (امیر قادیانی جماعت لاہور) کو بھی آپ کی نسبت میرے ہم عقیدہ پایا۔ (دعوۃ الی اللہ ص۵)

اِس پر کوئی تبصرہ کرے تو کیا کہے، بس اتنا کہہ دیتے ہیں کہ ع عیسٰی نتواں گشت بتصدیق خرے چند

یہ فتنہ پھر اُٹھایا جارہا ہے

ناظرین! آپ یہ نہ سمجھیں کہ دیندار انجمن کے بانی چن بسویشور اور دیگر بڑے افراد جہنّم رسید ہوگئے، تو اب فتنہ ختم ہوچکا ہے۔ بلکہ یہ فتنہ اسی زور شور سے پھر سر اُٹھا رہا ہے جس طرح بانی انجمن نے شروع کیا تھا، بلکہ یہ فتنہ شروع میں تو کفر وارتداد کی کھلی دعوت کے ساتھ پھیلایا جارہا تھا جس سے عام مسلمانوں کو بھی اکثر وبیشتر انکی حالت معلوم ہوجاتی تھی مگر اب تو یہ کفر وارتداد کے ساتھ ساتھ نفاق، دھوکہ فریب اور نہایت خفیہ عزائم لئے میدان میں آیا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ عوام الناس کے سامنے یہ نہیں ظاہر کیا جاتا کہ ہم ان عقائد کے حامل ہیں۔ چن بسویشور کے پیرو ہیں بلکہ کہا یہ جاتا ہے کہ ہم پکے دیندار سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی ہیں مسلمانوں کی بُری حالت دیکھ کر ہم ان کی اصلاح کو نکلے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ سادہ مسلمانوں سے دین کے نام پر چندہ لیکر انسانیت سوز کتابوں کی نشر واشاعت میں لگاتے ہیں۔

شوگر کوٹیڈ ٹیبلٹس

صورتِ زاہد سے اسکو خضر سمجھا تھا مگر ❊ جب اُٹھا پردہ تو ابلیسِ لعین آیا نظر

دیندار انجمن والے عام طور پر مسلمانوں میں، اتحاد، جوشِ جہاد، اسکولوں اور کالجوں کی اصلاح وغیرہ سے

متعلق تبلیغ کرتے ہیں اور یہ تأثر دیتے ہیں کہ ہم مبلغینِ اسلام ہیں، ہمارے تبلیغی مشن کے یہ ابتدائی خاکے ہیں، اس طرح جاہل عوام خصوصاً نوجوان جنھیں دین کا صحیح علم نہیں ہے جلدی سے ان کے دھوکے میں آجاتے ہیں، انھوں نے نشر و اشاعت کا منظم کام شروع کر دیا ہے، عام طور پر کتابیں اس منافقانہ انداز میں لکھکر چھاپتے ہیں کہ عوام ان سے بُرا تأثر نہ لیں۔ چنانچہ کوئی کتاب لکھتے ہیں تو ادھر ادھر کی ناصحانہ باتیں لکھتے لکھتے بیچ میں ایک آدھ جگہ اپنے بانئ انجمن کی کوئی بات کر کر دیتے ہیں یا ان کی جانب اشارہ کر جاتے ہیں، جس کا اثر یہ ہوگا کہ عوام اور نوجوان طبقہ ان دجّالوں سے اس انداز سے متعارف ہوگا کہ ان کا فروں دجّالوں کے ساتھ ان کو حُسنِ ظن پیدا ہوگا پھر رفتہ رفتہ جماعت میں داخل ہوگئے اور پھر ان کے ساتھ مل کر ایمان سوزی کے ساتھ جب غیرت سوزی کے بھی عادی ہو جاتے ہیں تب ان کو اصل کتابیں جو مقصود ہیں بالترتیب پڑھنے کیلئے دیدی جاتی ہیں اور خبیث ترین لٹریچر جو اصل بانی انجمن کا ہے سب سے آخر میں دیا جاتا ہے، چنانچہ بعض لوگ جو دیندار انجمن کے فریب اور بے دینی سے مطلع ہو کر ان سے علیحدہ ہوئے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم نے ان کی انجمن میں بحیثیت مبلغ کام کیا ہے لیکن تین چار سال تک ان کی اصل کتابیں ہم کو نہ دی گئیں، اس کے بعد جب ہم پر پورا اعتماد ہوگیا کہ یہ ہر طرح سے ہماری بے غیرتی برداشت کر سکیں گے تب انجمن کے بانی کی کتابیں ہم کو دی گئیں جن کی خباثتوں کو دیکھ کر ہم اُن سے متنفر ہوئے اور ان سے برارت اور توبہ کا اعلان کیا۔

نشر و اشاعت میں دیندار انجمن کی مکاریوں کی ایک مثال

سعید بن وحید جس کا ذکر اس کتاب میں پیچھے متعدد دفعہ آیا ہے، اس مہم میں پیش پیش ہے۔ کراچی میں دیندار انجمن کے نگراں کی حیثیت سے یہ خباثتیں تصنیف و تالیف کی صورت میں پھیلا رہا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے اکثر احقر کی نظر سے گذری ہیں۔ مثال کے طور پر اسکی کتاب "ملّی مسائل کا قرآنی حل" کو لیجئے، اس میں اس نے بڑے دردانگیز اور دلبرانہ لہجہ میں نظریۂ پاکستان وغیرہ سے بحث کی اور کئی خامیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ کتاب ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کے ۵۸ صفحات لکھنے کے بعد اب مقصد کی طرف لطیف اشارات شروع کر دیئے ہیں اور بڑی مکاری سے مقصودِ اصلی چن بسویشور کی طرف آیا ہے۔ چونکہ دیندار انجمن والے چن بسویشور کو نبی ماننے کے ساتھ ساتھ "مأمورِ وقت" بھی کہتے ہیں، اس لئے "تدبیر امر" اور "تعیّنِ شخصیت" کے دو مختصر عنوان قائم کر کے ان میں چند مثالیں دی ہیں، اس کے بعد مقصد کی طرف یوں لطیف اشارہ کیا ہے: "غرض قرآنِ پاک

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ــــــ ۶۳

میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جو منجانب اللہ" تدبیر امر" اور" تعیین شخصیت" کا پتہ دیتی ہیں۔

(ملی مسائل کا قرآنی حل ص۶۰)

اس کے بعد" ماورائے عقل" کا عنوان قائم کرکے یہ ظاہر کیا ہے کہ لوگ اگرچہ ایسی شخصیتوں کو پاگل کہا کریں گے مگر یہ اللہ والے ہیں، پھر آگے چل کر انتہائی چالاکی سے اس مامور شخصیت کا نام اس انداز سے ذکر کیا ہے کہ لوگ یہ نہ محسوس کریں کہ مصنف اس کا یقینی فیصلہ سناتا ہے چنانچہ" بشریٰ للمؤمنین" کا عنوان لکھ کر یہ عبارت لکھی ہے۔

ہندوستان تمام مسلمان ہونے والا ہے" الہام بانی دیندار انجمن" (ملی مسائل کا قرآنی حل ص۶۱)

بانیٔ انجمن کا یہ الہام انہوں نے جلی اور خط کشیدہ اس طرح سے لکھا ہے کہ اگلی عبارات کے لئے عنوان کا بھی کام دے، مامور شخصیت کا یہ الہام" بشریٰ للمؤمنین" ہے۔

چن بسویشور جس نے نبوت اور خدائی تک کے دعوے کئے ہیں اسکا نام کتاب" ملی مسائل کا قرآنی حل" میں اس طرح اعزاز واکرام اور تعظیم کے ساتھ ذکر کیا ہے،" بانی دیندار انجمن حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور قدس اللہ سرہ العزیز" (ملی مسائل کا قرآنی حل ٹائٹیل ص۳)

دنیا کے اس بدترین کافر کا نام اس اعزاز کیساتھ لیا جارہا ہے جس نے یوسف موعود، مہدی آخر الزماں، نبی، بروز محمد بلکہ خدائی تک کے دعوے کئے، اس کے باوجود دیندار انجمن والے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ مسلمان ہیں۔

مسلمان تو ختم نبوت کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئیگا، خواہ وہ نبی مستقل ہو یا ظلی و بروزی، لیکن سعید بن وحید نے ختم نبوت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

" کیونکہ اعلان ختم نبوت کا منشا ہی یہ ہے کہ اسلام اور صرف اسلام ہی دنیا کا واحد دین ہو"۔

(ملی مسائل کا قرآنی حل ص۶۲)

اس عبارت سے عوام الناس کو آسانی سے دھوکہ دیا جاسکتا ہے کہ بات تو بڑی اچھی لکھی ہے مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ختم نبوت کی تشریح جو بالکل واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا، اس کو چھوڑ کر اس تشریح کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ وجہ یہ ہے کہ اس تشریح کی

رو سے اگر کوئی مستقل نبوت کا دعوی نہ کرے بلکہ ظلی نبی یا بروزی نبی ہونیکا دعوی کرے اور یہ کہے کہ اسکا مذہب اسلام ہی ہے تو وہ چونکہ اسلام کو دنیا کا واحد دین مان رہا ہے اس لئے اسکا عقیدۂ ختم نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حکومت سے اپیل

ہم سطور بالا میں دیئے گئے حوالجات کی طرف اپنی عوامی حکومت کو توجہ دلاتے ہوئے تمام مسلمانوں کی طرف سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چن بسویشور مدعیٔ نبوت ہے، نیز یوسف موعود اور مأمورِ وقت اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مثیل ہونے اور اس سے بھی بڑھ کر اپنے اندر حلولِ خدا کا مدعی ہے، اس لئے چن بسویشور کافر و مرتد ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اسکو نبی یا بزرگ بلکہ مسلمان سمجھنے والے بھی کافر ہیں، دیندار انجمن والے جو اپنے کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کو اپنا دینی پیشوا مانتے ہیں وہ بھی مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

جس طرح حکومتِ پاکستان نے قادیانیوں کو کافر و مرتد قرار دیکر غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے اور یہ موجودہ حکومت کا اتنا عظیم کارنامہ ہے کہ وجودِ پاکستان سے آج تک حکومتِ پاکستان میں اتنا اہم کارنامہ انجام نہیں پایا، اسی طرح دیندار انجمن والوں کو بھی کافر و مرتد قرار دیکر ان کے غیر مسلم اقلیت ہونیکا اعلان کرے۔

دراصل یہ قادیانیوں ہی کی ایک شاخ ہے جس کو ہم پیچھے بارہا ثابت کر چکے ہیں مگر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد یہ چالاکی سے اپنے کو قادیانیوں سے الگ ظاہر کر رہے ہیں تاکہ جو حکم قادیانیوں پر ہوا ہے یہ اس سے خارج رہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ حکومت اس معاملے پر غور کریگی اور ناموس خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے کا یہ دوسرا اعزاز حاصل کرے گی۔

عوام سے اپیل

جیسا کہ ہم بارہا بتا چکے ہیں کہ دیندار انجمن والے اور ان کا پیشوا کافر و مرتد ہیں اور یہ اسلام کے لئے زہرِ قاتل ہیں اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس مبارک کی حفاظت کی خاطر اس معاملہ میں ہر ممکن کوشش سے گریز نہ کریں، اس مسئلہ کو جتنا ہو سکے عام کریں، عوام کا کوئی مجمع بلکہ کوئی گھر ایسا نہ چھوڑیں جہاں یہ آواز نہ پہنچے، اس سلسلے میں ہر قسم کا تعاون کریں، اس کے منتظر نہ رہیں کہ آپ سے کوئی اس کی اپیل کرے، ان کے خلاف پمفلٹ اور رسالے وغیرہ چھپوا کر تقسیم کریں

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ــــ ۶۵

تاکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے قیامت کے روز یہ شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے ۔ کہ

"تمہارے سامنے میری نبوّت بلکہ اللہ تعالیٰ کا مذاق اُڑایا جارہا تھا! اس وقت تم کیوں خاموش رہے ــــــ"

زبردست شہادت

زاہد صدیقی صاحب سابق مبلغ دیندار انجمن کی کتاب "ہندو اَوتار" کے آخر میں ایک زبردست شہادت نظر سے گزری جو درج ذیل ہے ۔

۱۷ر مارچ ۱۹۵۷ء کی صبح کو مجھے ایک لفافہ ملا "بے نقاب" اور "یک نہ شد دو شد"۔ پڑھ کر حیدرآباد دکن کے سابق پولیس افسر نے "انجمن دینداران کا مسلک" کے عنوان کے تحت چند نہایت اہم رازوں کا انکشاف کیا ہے ۔

صاحب موصوف کے مراسلہ کے مندرجہ ذیل اشارے نہایت اہم اور قابلِ غور ہیں ۔

(۱) صدیق دیندار چن بسویشور مدراس کے ایک سابق شیعہ خاندان کے فرد، میسور کے متوطن حیدرآباد کی ریاستی پولیس میں ملازم ہوئے، ہیڈ کانسٹبل ہونے کے بعد کسی جرم کی پاداش میں برطرف کردیئے گئے۔ دورانِ ملازمت ان کا قیام گلبرگہ شریف (دکن) میں رہا، اسکے بعد گذر اوقات کی خاطر پیری مریدی شروع کی اور محلہ آصف نگر حیدرآباد (دکن) میں سکونت پذیر ہوئے۔ لنگایت ہندو فرقہ کے اوتار کا ڈھونگ رچایا۔ بھگوت گیتا۔ رامائن اور مہابھارت کو الہامی کتابیں ثابت کرنے پر سارا زور صرف کیا۔ مذاہبِ عالم کانفرنس کے رنگ میں ہر سال اپنے مکان پر جلسے کیا کرتے، جہاں قادیانی عقائد کا پرچار ہوتا اور ہر مذہبی مسئلہ کو غلط انداز میں پیش کیا جاتا۔

(۲) صدیق دیندار چن بسویشور صاحب نے کچھ دن بعد اپنے آپ کو "خاتم النبیین" کہنا شروع کردیا، اور میں نے یہ بھی سُنا کہ وہ اپنی پیٹھ پر کوئی نشان تبلاکر اسے "مہرِ نبوت" کہتے ہیں، ان کے فرقے سے تعلق نہ رکھنے والے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو انھوں نے قادیان کے "اربابِ نبوّت" کی اتباع میں کافر گردانا، ان میں تفرقے ڈالنے کی خطرناک سازشیں کیں، اپنے مریدین کے ذریعہ ان کو لُوٹا ۔

افزائشِ نسل اور لونڈیوں کے جواز کے تحت ہر کمزور مخالف کی عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری کی، نام نہاد دینداری اور فقیرانہ لباس کی آڑ میں عیش پرستی کو جاری رکھا ۔

بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ــــــ ۶۶

مخالفین کے ساتھ اس قسم کی انسانیت سوز و خلافِ تہذیب حرکات کا نام "غزوات اور جہاد فی سبیل اللہ" رکھا گیا۔

(۳) تقسیم ہند اور آزادی ریاست حیدر آباد کے بعد ان کی تباہ کاریاں و سیاہ کاریاں لامحدود ہو کر رہ گئیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ وہ ڈاکہ زنی ہے جس میں صدیق چن بسویشور کے مریدوں نے نواح حیدر آباد محلہ بیگم پیٹھ میں ایک ساہوکار کے گھر دن دہاڑے لُوٹ مار مچائی اور ایک تجوری جس میں پانچ لاکھ کی نقدی زیورات و جواہرات تھے لیکر رفوچکر ہو گئے۔

جب ان کی دیدہ دلیری حد سے تجاوز کر گئی تو انہوں نے ریاست کے ملحقہ علاقوں میں لُوٹ مار شروع کر دی اس سے اس قدر دھوکہ ہوتا کہ غیر مسلم ان کو رضا کارانِ اتحاد المسلمین سمجھ کر اخبارات میں اسٹیٹ مسلم لیگ کے خلاف زہر افشانی کرتے۔

(۴) قاسم رضوی صاحب کے دَور سے قبل ہی حکومتِ وقت نے ان کو نظر بند کر رکھا تھا کیونکہ ان کی فتنہ سامانی سب پر روزِ روشن کی طرح عیاں تھی، ان کی زبان بندی کے احکامات مدتوں سے جاری تھے، سقوط حیدر آباد کے بعد ان کے مریدین روپوش ہو گئے انہوں نے لباس تک چھوڑ دیا اور آخر کار بھاگ بھاگ کر پاکستان آرہے ہیں۔

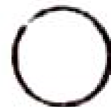
ایک ریاست کو تباہ کر کے اب انہوں نے دوسری
سلطنت کو تاکا ہے
اللہ تعالیٰ سب کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

پولیس افسر کے خط کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد زاہد صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

صاحب موصوف کے مراسلہ کا آخری جملہ اربابِ حکومت کے لئے زبردست آگاہی و انتباہ ہے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ

حیدر آباد دکن کے ذمہ دار مہاجرین سے دیندار انجمن اور
اس کی ہلاکت آفرینیوں کا ریکارڈ حکومت ضرور طلب
کرے، ایسا نہ ہو کہ ہماری حکومت خارجی فتنوں کے کچلنے
میں لگی ہو اور یہ اندرونِ ملک شورش برپا کر دیں ؎

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ



بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ـــــ ۶۷

دیندار انجمن والوں سے ہمدردانہ گزارش

ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ اس انجمن میں جہاں بعض بدبخت جان کر اسلام کی جڑیں کاٹنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں، وہاں کچھ ایسے سادہ دل بندے بھی ہیں جو محض اسلام کے نام پر ان کی چرب بیانی سے متأثر ہو کر خدمتِ دین کے لئے اس انجمن میں داخل ہو گئے ہیں۔

ان سطور میں ہم اپنے ان بھائیوں کو ہمدردانہ نصیحت کرتے ہیں کہ خدارا ان کے عقائد اور مکر و فریب کو سمجھیں اور ان کے دھوکے میں نہ آئیں۔ یہ اپنی عاقبت برباد کر چکے ہیں تمہاری بھی عاقبت برباد کرنے کی فکر میں ہیں۔

میرے بھٹکے ہوئے دوستو!

کیا اسلام کا وہ طریقہ آپ کے لئے ناکافی ہے جسے سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پیشتر پیش فرمایا تھا، جس کو صحابہ کرام، محدثین اور ائمۂ عظام نے بحفاظت ہم تک پہنچایا ہے اس کو چھوڑ کر آپ چن بسویشور اور دیندار انجمن کی گود میں آکر پناہ لے رہے ہیں۔ خدارا اپنی جانوں پر رحم کھائیں، اب بھی وقت ہے اسلام کی رحمت میں اب بھی آپ کو سایہ مل سکتا ہے اپنی گزری ہوئی خوش فہمیوں سے توبہ کر کے اسلام کے حلقے کو مضبوط پکڑ لو اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ارتداد کے اس جال سے نکالنے کی کوشش کرو۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

رشید احمد

۲۳ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ یوم الخمیس

بسم الله الرحمن الرحيم

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ



سَنَانُ القنا
على
مُحِلِّ الرِّبَا

٧

کتبہ فاروقی

ربا سے متعلق متجدّدین کے نظریات کی تردید

سوال : جنوری ۱۹۵۸ء میں "ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور" نے "کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ تجارتی سود شرعاً حرام نہیں بلکہ اسکا لین دین ضروری ہے۔ علماء کرام کا فرض ہے کہ اُمّت کو اس اباحیّت کے فتنہ سے بچائیں۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ سود کی تعریف، اس کی اقسام اور ان کے شرعی احکام پر بالتفصیل مدلّل روشنی ڈالیں اور رسالہ مذکورہ میں دلائل جواز کا تشفی بخش جواب تحریر فرما کر اس دَورِ ظلمت میں اُمّت کی رہبری فرمائیں۔ والاجر عند اللہ الکریم،

الجواب باسم ملہم الصواب

ربا کی تعریف

ربا کے لغوی معنی مطلقاً زیادتی کے ہیں اور اصطلاح شرع میں مال کی ہر ایسی زیادتی ربا کہلاتی ہے جو مبادلۃ المال بالمال میں بدون عوض مشروط ٹھیرائی گئی ہو۔

ربا کی اقسام :

ربا کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ربا الفضل (۲) ربا النسیئہ، ربا الفضل بیع بالجنس میں زیادتی کو کہتے ہیں، اس کی حرمت ثابت بالحدیث ہونیکی وجہ سے اسے ربا الحدیث بھی کہا جاتا ہے۔ ربا النسیئہ "الزیادۃ المشروطۃ علی القرض" کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ قرآن کریم میں اسی قسم کے ربا کی حرمت منصوص ہے اس لئے اسے ربا القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ متجددین کی بحث چونکہ صرف اسی ربا النسیئہ سے متعلق ہے لہٰذا یہاں صرف اسی کی تفصیل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

متجدّدین کے نظریات :

ربا النسیئہ سے متعلق متجدّدین کے دو گروہوں کے دو مختلف نظریات ہیں (۱) صرف وقتی اور شخصی ضرورت کے لئے سودی قرض کا لین دین حرام ہے اور کسی نفع بخش تجارت کے لئے سودی قرض کا معاملہ حرام نہیں، قسم اوّل کو صرفی سود اور قسم دوم کو تجارتی سود سے موسوم کرتے ہیں۔

(۲) سود مرکب یعنی سود در سود حرام ہے اور سود مفرد جو رأس المال سے دو چند نہ ہو حلال ہے

فریق اوّل کی دلیل :

فریق اوّل کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں محض صرفی سود مروّج

تھا تجارتی سود کا رواج ہی نہ تھا لہٰذا حرمت کی نصوص تجارتی سود کو شامل نہیں اور تجارتی سود کو صرفی سود پر قیاس کرکے اس پر حرمت کا حکم لگانا بھی صحیح نہیں، اسلئے کہ حرمتِ ربا کی علت ظلم ہے جو تجارتی سود میں موجود نہیں، تجارتی سود میں تو ظلم کی بجائے احسان ہے کہ مقروض اس کے ذریعہ سے تجارتی منافع حاصل کر رہا ہے۔

جواب

دلیل مذکور کا تجزیہ کرنے سے اس کے چار اجزاء سامنے آتے ہیں :

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تجارتی سود کا رواج نہ تھا۔ (۲) جو معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مروّج نہ ہو وہ نصوص حرمت میں داخل نہیں ہوتا۔ (۳) حرمتِ ربا کی علت ظلم ہے (۴) یہ علت تجارتی سود میں نہیں پائی جاتی۔

یہ چاروں مقدمات گویا دلیل کے عناصر اربعہ ہیں ان میں سے ایک مقدمہ بھی مخدوش ہوجائے تو دلیل باطل ہوجائے گی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان چاروں مقدمات میں سے ہر مقدمہ باطل ہے،

ابطال مقدمہ اولیٰ

یہ دعوی بالکل غلط ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تجارتی سود رائج نہ تھا، دلائل ذیل سے اس دعوی کا بطلان واضح ہوجاتا ہے۔

(۱) یاایّھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربٰوا کے تحت کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ قبیلہ بنو مغیرہ قبیلہ ثقیف سے سودی قرض لیا کرتا تھا (لباب النقول صـ۴۲، روح المعانی صـ۴۶ ج ۳)

(۲) یاایّھا الذین اٰمنوا لاتأکلوا الربٰوا کے شانِ نزول میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ قبیلہ ثقیف بنو نضیر سے قرض لیا کرتا تھا، جب قرض کی واپسی کا وقت آتا تو ثقیف بنو نضیر سے کہتا کہ ہمیں اور مہلت دو ہم اس پر تمہیں مزید سود دیں گے (لباب النقول صـ۵۲)

ظاہر ہے کہ ان قبائل کے درمیان یہ معاملہ صرفی سود نہ تھا بلکہ وسیع پیمانے پر تجارتی سود تھا یہ قبائلی تجارتی کمپنیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ قبیلہ کے افراد سرمایہ جمع کرکے اس سے اجتماعی تجارت کرتے تھے چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قافلہ تجارت سے متعلق زرقانی شرح المواہب اور تفسیر مظہری میں ہے لو بقی قرشی ولا قرشیۃ لہ مثقال فصاعدا الابعث بہ فی العیر

(۳) صحیح بخاری باب برکۃ الغازی فی مالہ میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ مذکور ہے کہ لوگ آپ کے پاس امانت رکھنے کے لئے بھاری رقم لاتے مگر آپ فرماتے کہ امانت کی بجائے مجھے

قرض دیدو پھر اس رقم کو آپ تجارت میں لگاتے جس سے ایک طرف خود فائدہ حاصل کرتے اور دوسری جانب مالک کا یہ فائدہ ملحوظ تھا کہ اس کی رقم محفوظ ہوجائے کیونکہ امانت کی صورت میں ضائع ہوجانے کا خطرہ تھا، قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ وکان غرضہ بذلک انہ کان یخشی علی المال ان یضیع فیظن بہ التقصیر فی حفظہ فرأی ان یجعلہ مضمونا فیکون اوثق لصاحب المال وابقی لمروءتہ زاد ابن بطال ولیطیب لہ ربح ذلک المال (فتح الباری صـ۲۳۲ جـ۶)

(۴) موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب القراض میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ وعبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک لشکر میں عراق کی طرف تشریف لے گئے، واپسی پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے جو اس وقت امیر بصرہ تھے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں تمہارے نفع کی ایک صورت آئی ہے وہ یہ کہ مجھ سے بیت المال کی رقم قرض لے لو، اس سے بغرض تجارت کچھ مال خرید کر لے جاؤ، مدینہ طیبہ پہونچکر اسے فروخت کرکے اس کی منفعت خود رکھ لینا اور اصل رقم بیت المال میں داخل کردینا، اس معاملہ سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل مقصد صاحبزادوں کو تجارتی منفعت پہونچانا تھا، اس کے ساتھ بیت المال کے مال کی حفاظت کا فائدہ از خود ہوگیا، اس لئے یہ سفتجہ مکروہہ میں داخل نہیں۔

(۵) سیرت ابن ہشام میں ہے کہ خلیفہ ولید نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیّت کی تھی کہ بنی ثقیف پر جو میری سود کی رقم ہے اسے بھی ضرور وصول کرنا۔

اس میں ایک قبیلہ پر قرض کا قصّہ ہے جو شخصی اور وقتی ضرورت کے لئے نہیں ہوسکتا یہ قرض یقیناً تجارتی غرض سے تھا اور اس کی حیثیت بعینہ بینک کے قرضوں کی ہے۔

(۶) علامہ قرطبیؒ "فلہ ما سلف" کے تحت فرماتے ہیں، ھذا حکم من اللہ لمن اسلم من کفار قریش وثقیف ومن کان یتجر ھنالک (تفسیر قرطبی صـ۳۶۱ جـ۳)

(۷) علامہ طبری نے ۲۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے ان ھند ابنت عتبۃ قامت الی عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاستقرضتہ من بیت المال اربعۃ آلاف تتجر فیھا وتضمنھا فاقرضھا فخرجت الی بلاد کلب فاشترت وباعت

(۸) امام بغوی رحمہ اللہ نے عکرمہ وعطاء سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک تاجر پر سودی رقم تھی جو حرمتِ ربا نازل ہونے پر چھوڑ دی گئی۔

کتب تفسیر وحدیث میں تجارتی قرضوں اور اُن پر سود کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔

سنان الفتا ——— ۴

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ نزولِ قرآن سے قبل عرب میں تجارتی سود کا یقیناً رواج تھا۔ عرب قبل از اسلام کی معاشی بنیاد تجارت کی گرم بازاری اور تجارتی قرضوں کے لین دین پر تھی، اس دَور کے تجارتی مراکز: مکہ اور طائف میں سودی ادارے موجود تھے، اسلام سے قبل عرب کے معاشی اور تجارتی تعلقات جن ممالک اور جن اقوام کے ساتھ تھے مثلاً بابل، یونان، روم، شام اور بازنطینی حکومت وغیرہ ان میں تجارتی سودی قرضوں کا رواج تھا اور ایسے ادارے موجود تھے، اس لئے یہ دعوی غلط ہے کہ عرب زمانۂ نزولِ قرآن میں تجارتی سود سے ناواقف تھے، تاریخی حقائق کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب تجارتی سود سے صرف واقف ہی نہ تھے بلکہ تجارتی قرضے اور ان پر سود ان کے نظامِ معیشت کا بنیادی پتھر تھا، اس پر تاریخی شواہد کے لئے مولانا فضل الرحمٰن صاحب لیکچرار علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے مضامین بہت قیمتی ہیں جو ماہنامہ "برہان" کی کئی اقساط میں شائع ہوئے تھے۔ اور ایک مقالہ "اسلامک تھاٹ" علیگڑھ میں چھپا تھا، غرضیکہ عہدِ نزولِ قرآن میں سود کی دونوں قسمیں (صرفی وتجارتی) رائج تھیں اور دونوں کو سود ہی کہا جاتا تھا ان میں کوئی تقسیم وتفریق نہ تھی، سب سے پہلے سترہویں صدی عیسوی میں بینکاری نظام کے وجود کے ساتھ ساتھ دو نئی اصطلاحیں ابھریں اور سود کی دو قسمیں کی گئیں یوژری (صرفی) اور انٹرسٹ (تجارتی) جو مغرب سے مرعوب ذہنیتوں کے نظریۂ حلّتِ ربا کا سنگِ بنیاد ہے۔

ابطال مقدمۂ ثانیہ

یہ دعوی بھی بالکل لغو اور بدیہی البطلان ہے کہ قرآن نے جس چیز کو حرام بتایا ہے اس کی وہ صورتیں حرام نہیں جو نزولِ قرآن کے وقت مروّج نہ تھیں، جب کسی چیز کی حرمت منصوص ہے تو اس کے کل افراد، سب صورتیں اور سب طریقے حرام ہی ہونگے خواہ وہ زمانۂ نزولِ قرآن میں موجود ہوں یا بعد میں پیدا ہوں، مثلاً شراب کی حرمت منصوص ہے تو اس کی ترقی یافتہ صورتیں اور صنعتیں جو نزولِ قرآن کے وقت نہ تھیں حلال نہیں ہوسکتیں، اسی طرح قمار کے جدید طریقوں کو حلال نہیں کہا جاسکتا، اسی طرح تصویرکشی کی ترقی یافتہ صورتوں کو حرمت کی نصوص سے خارج نہیں کیا جاسکتا، اگر صورت اور طریقے کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی کی منطق صحیح تسلیم کرلی جائے تو اس دَورِ ترقی میں شریعت کا کوئی حکم بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ رشوت، شراب، جوا، زنا، چوری، ڈکیتی اور قتل وغیرہ تمام تر جرائم اور محرمات کی صورتیں اور طریقے سب جدید ہیں جو زمانۂ نزولِ قرآن میں نہ تھے۔

قرآن کریم میں مطلق ربا کی حرمت منصوص ہے اسمیں شخصی اور تجارتی سود میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ سود کی تعریف اور اس کی حقیقت میں مذکورہ بالا دونوں قسمیں داخل ہیں، لہٰذا حرمت بھی دونوں کو شامل ہوگی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "کل قرض جر منفعۃ فھو ربا" بھی عام ہے، اس روایت کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع صغیر میں نقل کیا ہے اور زیلعی نے بھی متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ علامہ عزیزی رحمہ اللہ تعالیٰ السراج المنیر شرح الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ ہے۔ قرآن و حدیث کی ان نصوص صریحہ کی وجہ سے جمیع امتِ مسلمہ کا اجماعی فیصلہ ہے کہ "کل قرض جر نفعاً فھو ربا"

اوجز المسالک میں ہے، قال الموفق کل قرض شرط فیہ ان یزیدہ فھو حرام بغیر خلاف (اوجز المسالک ص۹۶ ج ۵) نصِ قرآنی کو صرفی سود کے ساتھ خاص کرنا اور تجارتی سود کو اس سے خارج کر دینا قرآن کی کھلی تحریف ہے، صرفی سود اور تجارتی سود میں صرف نیت و قصد کا فرق ہے اگر ذاتی و شخصی مقصد کے لئے قرض لیتا ہے تو یہ صرفی سود ہے اور مقصد استقراض تجارت ہے۔ تو یہ تجارتی سود کہلاتا ہے، دونوں کی حقیقت متحد ہے لہٰذا ایک قسم کو حرام اور دوسری کو حلال قرار دینے کا حاصل یہ نکلے گا کہ سود بذاتِ خود حرام نہیں صرف مستقرض کی نیت سے اسمیں حرمت آجاتی ہے، صرف مقصد استقراض کو ربا کی حقیقت میں اتنا مؤثر قرار دینا قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس کے خلاف ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے لیأتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربا فان لم یاکلہ اصابہ من بخارہ ویروی من غبارہ رواہ احمد و ابوداود و النسائی و ابن ماجۃ (مشکوٰۃ ص۲۴۵) اس پیشگوئی کا مصداق صرف تجارتی سود ہی ہوسکتا ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اجماع ہے کہ مضاربت میں رب المال کا اپنے لئے منافع کی کچھ مقدار معیّن کرنا جائز نہیں حالانکہ بعینہ یہی تجارتی سود ہے۔

ابطال مقدمہ ثالثہ

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ صرفی سود کی طرح تجارتی سود بھی نصّ قرآنی کا براہِ راست مدلول ہے اس کی حرمت ثابت بالقیاس نہیں، لہٰذا اسمیں علت حرمت کے وجود و عدم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ثانیاً ظلم کو حرمت ربا کی علت قرار دینا غلط ہے، یہ علت اور حکمت میں فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ان میں خلط کا نتیجہ ہے۔

علت پر حکم کا مدار ہوتا ہے یعنی حکم کا وجود و عدم علت کے وجود و عدم پر موقوف ہوتا ہے اسلئے علت حکم کی علامت ہوتی ہے اور حکمت اس فائدہ کو کہا جاتا ہے جو امتثالِ حکم پر مرتب ہوتا ہے، اس پر حکم کا مدار نہیں ہوتا، حکم کی علت ایک ہی ہوتی ہے اور حکمتیں متعدد بھی ہو سکتی ہیں، انسان احکام کی علل معلوم کرنیکا مکلف ہے تاکہ علامات سے احکام کا علم حاصل کر سکے حکمت معلوم کرنے کا مکلف نہیں اور نہ ہی حکمت تک انسان کی رسائی ضروری ہے، اگر بعض احکام کی بعض حکمتیں معلوم بھی ہوگئیں تو ضروری نہیں کہ حکمتوں کا انہی میں انحصار ہو اور بھی کئی حکمتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً حرمت جمع بین الاختین کی علت دو عورتوں کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ انمیں سے جس کو بھی مرد فرض کیا جائے انمیں تناکح حرام ہو اور اس کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ نکاح میں اختین کو جمع کرنا قطع رحم کا سبب ہے، اور ظاہر ہے کہ حکم کا مدار اس حکمت پر رکھا جائے تو بعض مخصوص حالات میں اگر قطع رحم کا کوئی خدشہ نہ ہو تو جمع بین الاختین حلال ہونا چاہیئے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ الا من اعمی اللہ قلبہ، احکامِ دنیویہ میں اس کی مثال راستوں پر نصب کردہ سبز اور سرخ بتیاں ہیں جو ٹریفک کے رکنے یا چلنے کے حکم کی علت ہیں یعنی حکم کی مظہر ہیں اور اسکے لئے علامت کا کام دیتی ہیں اور اس حکم کی حکمت تصادم سے حفاظت ہے۔ پس اگر کہیں تصادم کا قطعاً کوئی اندیشہ نہ ہو تو بھی سرخ بتی روشن ہونے کی حالت میں رکنے کا حکم موجود رہے گا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم شمار ہوگا۔

اگر ظلم کا علتِ حرمت ہونا تسلیم کر لیا جائے تو یہ ربا الفضل کی حلت بلکہ اس کی فرضیت کو مستلزم ہوگا اسلئے کہ مبادلۃ الجنس بالجنس کا معاملہ کسی خاص صفت مرغوبہ کی وجہ ہی سے کیا جاتا ہے۔ پس جیّد اور ردی میں وزناً مساواۃ کی شرط لگانا ظلم ہوگا اور رفع ظلم کے لئے تفاضل فرض ہوگا،

ابطال مقدمہ رابعہ

یہ کہنا کہ تجارتی سود ظلم سے پاک ہے بالکل غلط ہے اور یہ دعویٰ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ تجارتی سود میں تو صرفی سود سے بھی ہزاروں درجہ زیادہ ظلم ہے۔ صرفی سود کا ظلم تو صرف چند افراد تک محدود ہوتا ہے مگر تجارتی سود کے موجود بینکاری نظام کے ظلم کی چکی میں پوری دنیا اس طرح پس رہی ہے کہ گوشت پوست کے ساتھ ہڈی پسلی بھی میدہ ہو رہی ہے، سود خور جو درحقیقت انسان خور بلکہ انسانیت خور درندے ہیں انھوں نے بینکاری نظام کے ذریعہ انسانی

خون نچوڑنے کے ایسے شکنجے نصب کر رکھے ہیں کہ اُن میں آنے والی انسانیت کو چیخنے کا بھی موقع نہیں ملتا، سخت حیرت، اور تعجب کے ساتھ انتہائی افسوس بھی ہے نئی ظلمت کی پُجاری مغربی ذہنیت پر کہ انسانی خون پینے والے چند بھیڑیوں کی فربہی اور رونق کو دیکھ کر اُن کے منہ میں پانی بھر آتا ہے اور ان کے دلوں میں یلیت لنا مثل ما اوتی قارون جیسی اُمنگیں اُبھرنے لگتی ہیں، یہ عقل و دانش کے مدعی یہ نہیں سوچتے کہ ان چند بھیڑیوں کی پرورش اور فربہی پر کتنی انسانی روحیں بھینٹ چڑھائی گئی ہیں اور کتنے انسانی ڈھانچے اُن کے سامنے سسک رہے ہیں۔ ان خونخوار درندوں کی بدولت یہ دُنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود انسانیت کے لئے تنگ ہو چکی ہے۔

ان مہذب درندوں کے فن خونخوری کی تفصیل قدرے طویل ہے اسلئے اسے ہم رسالہ کے آخر میں "بینکاری نظام کی تباہ کاریاں" کے عنوان سے لکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری دلیل

قرض پر منفعت لینے کی مثال اجارہ کی سی ہے جس طرح اجارہ میں مستاجر چیز کی اُجرت لینا جائز ہے اسی طرح جو رقم بطور قرض دی گئی ہے اُس کی اُجرت بھی جائز ہوگی۔

جواب

(۱) جب ہر قسم کے سود کی حُرمت نص سے ثابت ہے تو اس کی حلت کے لئے قیاس آرائیاں کرنے کی نوعیت بالکل ویسی ہی ہے جیسی "انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین" اور "انما البیع مثل الربوا" میں ابلیس اور کفار کی منطق۔

(۲) بعینہ یہی قیاس صرفی سود میں بھی جاری ہوتا ہے بلکہ اجارہ کے ساتھ صرفی سود کی زیادہ مشابہت ہے اسلئے کہ بالعموم ذاتی اغراض وضروریات ہی کے لئے اشیاء کو اجارہ پر لیا جاتا ہے۔

(۳) معاملات میں عرفاً وشرعاً نقود کی تعیین کرنے سے بھی وہ متعین نہیں ہوتے، پس مقروض کے قبض کے بعد قرض کی اس متعین رقم سے قرضخواہ کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا تو وہ اس کے منافع کی اُجرت لینے کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے؟ بالفرض نقود کی تعیین صحیح بھی ہوتی یا استقراض مکیل یا موزون کا ہو تو بھی بعد القبض یہ مال قرضخواہ کی مِلک سے نکلکر مقروض کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے پس مقروض اس سے جو کچھ منافع حاصل کرتا ہے وہ اسکی اپنی مِلک سے ہیں نہ کہ قرضخواہ کی مِلک سے۔

(۴) جو چیز کرایہ پر دی جاتی ہے وہ بعینہ برقرار رہتی ہے مستاجر اس سے صرف منافع حاصل کرتا ہے اور اصل چیز بعینہ واپس کر دیتا ہے اسکے برعکس قرض میں بعینہ وہ رقم باقی رکھ کر اس سے

کوئی نفع حاصل کیا جاتا بلکہ اس رقم کو خرچ کر دیا جاتا ہے اور اس کے عوض مقروض اپنی ملک سے اتنی رقم واپس کرتا ہے لہٰذا قرض کی اجارہ کے ساتھ قطعاً کوئی مشابہت نہیں، بلکہ یہ ابتداءً تبرع اور انتہاءً بیع سے مشابہ ہے۔

تیسری دلیل

بیع سلم میں خریدار کو اجل کی وجہ سے نفع ہوتا ہے اسی طرح اجل کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کو فقہاء نے جائز رکھا ہے، قرض پر سود کی بھی یہی نوعیت ہے۔

جواب

یہ صحیح ہے کہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہوتا ہے مگر قیمت کا فضل بیع بخلاف الجنس میں معتبر ہے بیع بالجنس میں اسکا اعتبار جائز نہیں جیسے کہ صفت جودۃ مبادلہ بغیر الجنس میں معتبر ہے مگر مبادلہ بالجنس میں معتبر نہیں، قرض میں چونکہ مبادلہ بالجنس ہے اس لئے تفاضل حرام ہے۔

چوتھی دلیل

حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرض لیا اور اس سے زیادہ واپس کیا۔

جواب

(۱) یہ واقعہ تو صرفی سود کا ہے جسے مغرب زدہ ذہنیت بھی حرام کہتی ہے۔

(۲) ربا اس زیادتی کو کہا جاتا ہے جو عقد میں مشروط ہو، اگر عقد میں زیادتی کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو بوقت ادا زیادہ دینا ربا نہیں بلکہ یہ بلاشبہہ جائز اور مستحسن ہے کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زیادہ مال دیا معاملہ کے وقت اسکی شرط لگائی گئی تھی۔

مذکورہ بالا دلائل میں سے دلیل اوّل کے سوا باقی سب دلائل سود کی دونوں قسموں کو شامل ہیں مگر یہ لوگ ایک قسم کو حرام کہتے ہیں اور دوسری کو حلال، افتؤمنون ببعض الکتٰب وتکفرون ببعض

فریقِ ثانی کی دلیل

دوسرا فریق جو مفرد سود کو حلال اور مرکب کو حرام کہتا ہے "یٰایھا الذین اٰمنوا لا تأکلوا الرّبٰوا اضعافًا مضاعفۃ" سے یوں استدلال کرتا ہے کہ ربا کے ساتھ اضعافًا مضاعفۃ کی قید ہے اور قاعدہ ہے کہ مقید پر نہی داخل ہو تو قید کی نہی مقصود ہوتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عہدِ رسالت کے سود اسی قسم کے تھے، سود مفرد سے نہ قرآن میں ممانعت ہے اور نہ ہی عہدِ رسالت میں اسکا وجود تھا۔

جواب

① فقہ حنفی کے اصول کے مطابق مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا لہٰذا یہ آیت سود مفرد کے حکم سے ساکت ہے اس کی حرمت پر دوسرے دلائل موجود ہیں اور جن حضرات کے ہاں مفہوم مخالف معتبر ہے ان کے ہاں بھی یہ شرط ہے کہ اس مفہوم کے خلاف پر کوئی قرینہ نہ ہو، کتب اصول میں مفہوم مخالف کے اعتبار کے لئے چند شرائط مذکور ہیں جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ منطوق کا شان ورود کوئی خاص واقعہ نہ ہو، الشرط الخامس ان لا یکون المنطوق لبیان حکم حادثۃ کقولہ تعالیٰ لا تاکلوا الربٰوا اضعافا مضاعفۃ فلا مفہوم للاضعاف (تسہیل الوصول طبع مصر ص۱۱۱)

معلوم ہوا کہ یہاں بالاجماع مفہوم مخالف مراد نہیں۔

② سود خوروں کی اصطلاح میں اگرچہ مفرد سود اضعافاً مضاعفہ نہیں کہلاتا مگر حقیقت یہ ہے کہ جب مفرد سود کی رقم کو پھر سود پر دیگا تو لامحالہ یہ اضعافاً مضاعفہ ہی ہو جائے گا بلکہ اگر اصل سرمایہ ہی کو مفرد سود پر چلائے رکھے تو کچھ عرصہ کے بعد اسکا سود اصل رقم سے اضعافاً مضاعفہ ہو جائیگا،

مغالطہ

نئی ظلمت والے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت نے ربا کا کوئی واضح مفہوم نہیں متعین کیا، آیت ربا مجمل ہے اس لئے اس کے مفہوم کی تعیین میں رائے کی گنجائش ہے۔

لیکن یہ محض تلبیس اور دھوکہ ہے ہم اوپر تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ عرب بلکہ اس کے گرد و نواح کے ممالک میں بھی عہد نزول قرآن اور اس سے قبل زمانۂ جاہلیت میں سودی لین دین رائج تھا اور اسکا مفہوم عام معروف، واضح اور متعین تھا، قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد توراۃ میں بھی سود رائج تھا، جب حرمت ربا کی آیات نازل ہوئیں تو کسی کو بھی اسکے معنی اور مفہوم میں کوئی اشتباہ نہیں ہوا اور اس کی تفسیر و توضیح کی قطعاً کوئی ضرورت کسی نے محسوس نہیں کی بلکہ نزول حرمت کے بعد سب نے فوراً بلا تامل رائج اور معروف سود کو چھوڑ دیا، اسوقت تک جو سود معروف تھا جس سے قرآن نے منع فرمایا وہ سودی قرض (ربا النسیئۃ) کا معاملہ تھا، اسکے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کی بعض صورتوں (ربا الفضل) کو بھی سود میں داخل قرار دیکر ان سے ممانعت فرمائی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد سود کی اسی قسم سے متعلق ہے اور اسی کی علت کا کھوج لگانے میں ائمہ مجتہدین کے درمیان اجتہادی اختلاف واقع ہوا ہے۔ مندرج بالا تفصیل کیلئے ملاحظہ

فرمائیں۔ احکام القرآن للجصاص، تفسیر کبیر للرازی، شرح معانی الآثار للطحاوی، بدایۃ المجتہد لابن رشد، حجۃ اللہ البالغہ للشاہ ولی اللہ۔

غرضیکہ اجمال حدیث کے ربا (ربا الفضل) میں ہے، قرآن کے ربا (ربا النسیئۃ) میں کوئی اجمال نہیں بلکہ یہ اپنے متعین مفہوم پر قطعی الدلالۃ ہے۔

ابن عربی احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

ان من زعم ان ھذہ الاٰیۃ مجملۃ فلم یفھم مقاطع الشریعۃ فان اللہ تعالیٰ ارسل رسولہ الی قوم ھو منھم بلغتھم وانزل علیہ کتابہ تیسیرًا منہ بلسانہ ولسانھم والرّبا فی اللغۃ الزیادۃ والمراد بہ فی اللغۃ کل زیادۃ لا یقابلھا عوض،

بینکاری نظام کی تباہ کاریاں

(۱) بینکاری نظام کے ذریعہ چند سرمایہ دار عوام کے منہ میں سُود کے چند ٹکے دیکر قوم کے پورے سرمایہ پر اپنا تسلط قائم کرلیتے ہیں اور اسے زیادہ شرح سود پر دیکر یا تجارت پر لگاکر منافع حاصل کرتے رہتے ہیں یعنی پوری قوم کے سرمایہ کے منافع پوری قوم پر تقسیم ہونے کی بجائے صرف چند اشخاص کے ہاں مرتکز ہو جاتے ہیں، پھر اگر بینک دیوالیہ ہوجائے تو قوم کا سرمایہ غائب، اس ظلم کی کیا انتہا ہے کہ پوری قوم کے سرمایہ کے منافع تو خود لیتے رہیں اور نقصان اپنا بھی قوم پر ڈالدیں، بینک میں روپیہ جمع کرنے والے افراد اگر اپنے سرمایہ سے خود تجارت کرتے تو اسکے منافع خود انکو ملتے، اور ارتکاز دولت سے حفاظت رہتی، پھر اسلامی نظامِ زکوٰۃ نے ہر مسلمان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنی دولت کو دفینہ کی شکل میں رکھنے کی بجائے تجارت میں لگائے ورنہ یہ ساری کی ساری دولت چند سالوں میں صدقہ اور زکوٰۃ کی نذر ہوجائے گی۔

(۲) کم سرمایہ والوں کو تجارت کے لئے بینک قرض نہیں دیتا، بڑے سرمایہ دار بینک سے قوم کے سرمایہ سے قرض لیکر تجارت یا صنعت میں لگاتے ہیں اور پوری قوم کے سرمایہ کے منافع چند افراد حاصل کرتے ہیں، پھر اگر کبھی اصل سرمایہ ہی ڈوب گیا اور بینک کا قرض وصول نہ ہوسکا تو وہ نقصان قوم کا ہوا۔

(۳) بڑے سرمایہ دار اپنے ذاتی سرمایہ کے ساتھ بینک سے بھاری قرض کا سرمایہ ملاکر تجارت کا ایسا ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ کم سرمایہ والے کے لئے اس میدان میں قدم رکھنا اس کی موت

کے مترادف ہو جاتا ہے۔

(۴) جب بینک سے قرض لیکر درآمد برآمد کی پوری تجارت اور بھاری صنعتوں پر صرف چند سرمایہ دار قابض ہو جاتے ہیں تو قوم کی رہی سہی پونجی لوٹنے اور ان کا خون چوسنے کے لئے مارکیٹ کے نرخ بڑھا دیتے ہیں، ایک طرف قوم کو تجارت وصنعت سے محروم کرکے اُن کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں اور دوسری طرف اشیاء ضرورت کی قیمتیں بڑھا کر اُن کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔

(۵) تجارت وصنعت صرف چند سرمایہ دار افراد میں منحصر ہو جانے کی وجہ سے قوم کیلئے ملازمت اور مزدوری کے ذریعہ کسبِ معاش کے مواقع محدود ہو جاتے ہیں۔

(۶) بعض دفعہ خود سرمایہ دار ہی سود کے عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور دُنیا ہی میں اسکا مزا چکھ لیتا ہے۔ مثلاً تجارت یا صنعت میں اتنا بھاری نقصان ہوا کہ اپنے سرمایہ اور منافع کے ساتھ بینک سے لیا ہوا سرمایہ بھی تباہ ہو گیا، اب ذریعۂ آمد کچھ نہیں اور بینک کا بھاری قرض سر پر ہے، غیر سودی تجارت میں اگر ساری رقم بھی ڈوب جائے تو کم از کم قرض کا گراں بار تو نہیں ہوتا، بینکاری کو آجکل معاشی نظام کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے مگر اس کی مذکورہ بالا تباہ کاریوں کا مشاہدہ کرکے خود مغربی مفکرین اسے ریڑھ کی ہڈی کا کیڑا قرار دینے لگے ہیں۔

سرمایہ داری کی دوسری ضرب

ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ سودی نظامِ تجارت میں ہر فائدہ سرمایہ دار کو ملتا ہے اور ہر نقصان قوم کو برداشت کرنا پڑتا ہے مگر قومی رقم کے ساتھ برائے نام کچھ رقم سرمایہ دار کی اپنی بھی ہوتی ہے بھلا یہ انسان خور درندہ اپنا اتنا تھوڑا سا نقصان بھی کیسے برداشت کرلے؟ اسے بھی قوم ہی کے نچڑے ہوئے ڈھانچے ہی سے نچوڑنے کی کوشش کرتا ہے اس عمل کے لئے اس نے بیمہ اور سٹّہ کے کولھو ایجاد کئے، کوئی قدرتی اُفتاد پڑی تو بیمہ کی مشین چلا دی۔ اور قیمت خرید سے نرخ گِر جانے کا خطرہ ہوا تو سٹّہ کی مشین کا بٹن دبا دیا اور پوری منڈیوں پر قابض ہو کر حسبِ منشأ نرخ بڑھا دیئے۔ یا مال کی درآمد سے قبل ہی فروخت کرکے اپنی آفت کسی پر ڈال دی۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ بیمہ جو درحقیقت قوم کی موت ہے اس کے بارے میں یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ قوم کی معیاری زندگی کا ضامن ہے، حالانکہ بیمہ کمپنیوں کے منافع بڑے سرمایہ دار ہی حاصل کرتے ہیں اگر کوئی قدرتی آفت نہ آئی تو موقع پا کر خود ہی اپنے کارخانے کو آگ لگا کر بیمہ کمپنی سے قوم کا سرمایہ وصول کرلیا، بینک، بیمہ اور سٹّہ کے ذریعہ پوری قوم کی دَولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو گئی،

اور عدم توازن کا نقشہ یوں نظر آنے لگا ؎

اس طرف بھی آدمی اور اُس طرف بھی آدمی

اس کے بوٹوں پر چمک ہے اسکے چہرے پر نہیں

اس کے ردِّ عمل میں اشتراکیت اُبھری اور اُس نے الا پنا شروع کیا ؎

گیا دَورِ سرمایہ داری گیا ٭ تماشہ دکھاکر مداری گیا

سرمایہ داری کا آخری مہلک وار

ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے موقع پر بتائیں گے کہ اشتراکیت بھی سرمایہ داری ہی کی ایک قسم ہے جو معروف سرمایہ داری سے بہت اونچے معیار کی ہے، انسان خور بھیڑیوں میں سے ایک مکّار بھیڑیا اپنے ہم جنس بھیڑیوں کی فربہی پر بھی رال ٹپکانے لگتا ہے وہ سرمایہ داری کے چنگل سے چھڑانے کا مدعی بن کر مزدوروں اور کسانوں کو اشتراکیت کے سُہانے خواب دکھاتا ہے مزدور اسے اپنی قسمت کا مالک سمجھ کر آنکھیں بند کرکے اسکے پیچھے ہو لیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ "تماشہ دکھاکر مداری گیا" نہیں بلکہ مداری انھیں بندر بناکر نچارہا ہے اور یہ مداری کی ادا اور ڈگڈگی کی آواز پر مست، اپنے نفع و نقصان سے بے نیاز اور عقل و خرد سے بیگانہ ہوکر رقص کر رہے ہیں، جب اشتراکیت مزدور کے جسم میں پنجے گاڑ لیتی ہے تو اسے ہوش آتا ہے اور اب وہ بیچارگی کے عالم میں چلّانے لگتا ہے ؎

کہ از چنگال گرگم در ربودی چو دیدم عاقبت گرگم تو بُودی

کبھی وہ اس خیر خواہ بھیڑیے کے مظالم سے تنگ آکر یہ حسرت ظاہر کرتا ہے ؎

مرا اے کاشکہ مادر نمے زاد اگر مے زاد کس شیرم نمے داد

مگر اب نہ تو اس میں کسی کوشش کی کوئی سکت باقی رہتی ہے اور نہ ہی کوئی حسرت سود مند ہوتی ہے۔

بہارِ اشتراکیت سے فریب خوردہ بسمل کی فریاد ؎

بلا سے قزاق آکے لوٹیں یہ پاسبانوں کی لُوٹ جائے

ستم بھی ہوگا تو دیکھ لیں گے کرم کا بھانڈا تو پھوٹ جائے

اُچک لے شاہیں تو غم نہیں ہے قفس تو کمبخت ٹوٹ جائے

چمن کو لوٹا تو باغباں نے اب آگے گلچیں بھی لوٹ جائے

عوام کالانعام کا تو کیا کہنا، تعجب اور افسوس تو بعض مذہبی رہنماؤں پر ہے کہ وہ بھی اشتراکیت کی بانسری پر جھومنے لگے اور ایسے مست ہوئے کہ انھیں شریعت کا عادلانہ نظام معیشت ناقص نظر آنے لگا اور اس میں اشتراکیت کے پیوند لگانے کی کوشش کرنے لگے اشتراکیت کا عشق انھیں اشتراکی ممالک کے عوام کی زبوں حالی سے عبرت حاصل کرنے کی مہلت نہیں دے رہا۔ ان رہبرانِ قوم کا دماغ کبھی بھی یہ سوچنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوتا کہ دولت میں توازن پیدا کرنے کے لئے سرمایہ داری کے دروازے بند کئے جائیں اور تقسیم دولت کے شرعی اصول رائج کئے جائیں ان کے ہاں ارتکازِ دولت کا واحد علاج صرف یہی ہے کہ کارخانے چھین کر مزدوروں کو دیدیئے جائیں اور زمینیں چھین کر کسانوں میں تقسیم کردی جائیں، سوچتے ہیں تو صرف یہی اور بولتے ہیں تو صرف یہی۔

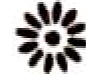
شریعت کا عادلانہ نظام

شریعت کا عادلانہ نظام جو دُنیا و آخرت میں فلاح و بہبود کا ضامن ہے یہ ہے کہ ایک طرف سرمایہ داری کے دروازے (بینک، بیمہ، سٹہ، تجارت و صنعت کی پابندیاں ماہی گیری شکار اور دوسرے قدرتی وسائل کے ٹھیکے) بند کئے جائیں اور دوسری جانب تقسیم دولت کے لئے زکاۃ، عشر اور تقسیمِ وراثت کا شرعی نظام جاری کیا جائے۔ صنعت، تجارت اور دیگر ذرائع کی آزادی سے ہر شخص کو کسبِ معاش کے مواقع فراہم ہونے کے علاوہ تسابق کی وجہ سے اشیاءِ ضرورت میں سہولت اور ارزانی ہوگی، اور زکوٰۃ، عشر و تقسیمِ وراثت کی وجہ سے مرتکز دولت قلیل مدّت میں قوم میں پھیل جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے ہر شعبہ میں باطل کی افراط و تفریط سے محفوظ رکھیں اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھیں، آمین

رشید احمد
۱۸ ربیع الآخر سنہ ۸۸ھ



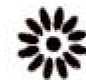
وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا



مودودی صاحب

اور

تخریبِ اسلام



فقیہ العصر حضرت علامہ مفتی رشید احمد صاحب مد ظلہ العالی

دارُ الافتاء والارشاد

ناظم آباد، کراچی

مکتبہ فاروقی

مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام

سوالات:۔

① کیا مودودی صاحب اور ان کی جماعت کا شمار اہلِ سنت میں ہے؟

② ان کے ساتھ تعاون جائز ہے؟

③ ان میں رشتے کرنا جائز ہے؟

④ ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟

عنوانات:۔

○ کہاں بھٹکے جارہے ہو؟
○ معیارِ حق
○ آیاتِ بیّنات
○ احادیثِ مبارکہ
○ عقلِ سلیم
○ افہام و تفہیم کے لئے ضروری امور
○ اہلِ حق کی جماعت
○ کوئی فن بدون استاذ حاصل نہیں ہوسکتا،
○ جماعتِ اسلامی کا دجل و فریب
○ تخریبی کارروائی
○ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین
○ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی توہین
○ قرآن غائب
○ اصولِ حدیث بکواس ہے
○ نَحْنُ رِجَالٌ وَّھُمْ رِجَالٌ
○ جماعتِ اسلامی کے سوا سب طریقے غلط
○ جماعتِ اسلامی کیا چاہتی ہے؟ —— تخریب ہی تخریب
○ مذہبِ مودودی
○ تقلید گناہ سے بدتر ہے
جدید اسلام کی تعمیر

○ امیر کا مقام
○ تقلید اور غلامی میں فرق
○ حکمتِ عملی
○ مودودی صاحب اور ارکانِ اسلام
○ مودودی صاحب اور مرکزِ اسلام
○ مودودی صاحب اور داڑھی
○ مودودی صاحب اور زکوٰۃ
○ مودودی صاحب اور جمع بین الاُختین
○ مودودی صاحب اور متعہ
○ مودودی صاحب اور دجّال
○ مودودی صاحب اور تقیہ
○ غور طلب (مودودی صاحب میں شیعہ کے سب شعائر موجود ہیں)،
○ مودودی صاحب شیعہ رہنماؤں کی نظر میں
○ مودودی صاحب اور اعتزال
○ مودودی صاحب کے خط کا عکس
○ کیا مودودی صاحب مذہبِ اہلِ سنت پر ہیں؟
○ مودودی صاحب سے صرف دو سوال
○ جماعتِ اسلامی کے افراد کے لئے لمحۂ فکریہ،

جماعتِ اسلامی

سوال : مودودی صاحب اوران کی جماعت شفاخانوں اور دوسرے رفاہی کاموں اور منظم تحریک کے ذریعہ عوام میں جاذبیت پیدا کررہی ہے اور اکثر نو تعلیم یافتہ لوگ صرف انہی خوبیوں کو دیکھ کر اسے صحیح اسلامی جماعت سمجھتے ہیں اوران کی طرف مائل ہوجاتے ہیں لہٰذا مفصّل بیان فرماکر اُمتِ مسلمہ کی رہبری فرمائیں کہ کیا جماعتِ اسلامی واقعۃً وہی اسلام پیش کرتی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا اور کیا صرف مذکورہ بالا خوبیوں کو حقانیت کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے ؟ اگر یہ جماعت صحیح راستہ پر نہیں تو اس سے متعلق مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں :

(۱) کیا ان کا شمار اہلِ سنت میں ہے ؟ (۲) ان کے ساتھ تعاون جائز ہے ؟ (۳) ان میں رشتے کرنا جائز ہے ؟ (۴) ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملهم الصواب

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین ، اٰمین

آجکل لوگوں نے حسنِ نظم ، حسنِ اخلاق ، ایثار و ہمدردی ، اہتمامِ اعمال اور جرأت و ہمت کو معیارِ حق سمجھ لیا ہے چنانچہ جن افراد یا جن جماعتوں میں یہ صفات پائی جائیں لوگ ان کو اہلِ حق سمجھ کر ان کی طرف مائل ہوجاتے ہیں لہٰذا خوب سمجھ لیں کہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی معیارِ حق نہیں بن سکتی یہ امر اگرچہ ایسا بدیہی ہے کہ ہر انسان کی عقل اسکا فیصلہ کرسکتی ہے معہٰذا مختصراً عرض کرتا ہوں

معیارِ حق کی تعیین میں مغالطہ :

اگر حُسنِ نظم کو معیارِ حق قرار دیا جائے تو برطانیہ اور امریکہ وغیرہ کے لوگ سب سے زیادہ اہلِ حق ہونگے اسی طرح عیسائی مشنریاں اور قادیانی جماعت جس حُسنِ نظم سے کام کررہی ہے کوئی مُسلم جماعت ایسی منظّم نہیں - اسی طرح حُسنِ اخلاق اور ایثار و ہمدردی جس حد تک عیسائی مشنریوں اور قادیانیوں میں ہے کسی مسلم جماعت میں نہیں ، عیسائی مشنریاں شفاخانوں اور گھی اور دودھ کے ڈبوں اور مختلف چیزوں کی تقسیم ، روپے اور ملازمت کے لالچ میں لوگوں

کو عیسائی بنا رہی ہیں اسی لئے اچھوت قومیں عیسائی مذہب اختیار کر چکی ہیں، یہی طریقہ عیسائیوں سے قادیانیوں نے سیکھا، بہت سے قادیانی ڈاکٹروں نے اپنی خدمات وقف کر رکھی ہیں۔ دوکانوں پر بورڈ لگے ہوئے ہیں کہ مریض کے گھر پر جا کر بلا فیس معائنہ کیا جاتا ہے۔ تقسیم کے ایام میں بعض قادیانیوں کو دیکھا کہ منوں کی مقدار میں روزانہ مہاجرین میں تازہ دودھ تقسیم کرتے تھے۔ یہ ایک دو دن کا واقعہ نہیں بلکہ کئی مہینوں تک ان کا یہ معمول دیکھا گیا۔ عیسائی مشنریاں ڈبے کا دودھ تقسیم کرتی ہیں مگر قادیانی اس سے بھی بڑھ کر تازہ دودھ تقسیم کرتے رہے، تو کیا یہ عیسائی اور قادیانی اہلِ حق ہو سکتے ہیں؟ انہی عیسائی مشنریوں اور قادیانیوں کے طریقۂ تبلیغ کی تقلید بعض مسلم جماعتیں بھی کرنے لگیں یہ لوگ شفا خانوں اور مختلف مواقع پر امدادی فنڈوں اور تعاون کے ذریعہ لوگوں کو متاثر کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ شرعی نظر سے نہ صرف یہ کہ یہ چیز معیارِ حق نہیں بلکہ سرے سے یہ طریقۂ تبلیغ غلط ہے۔ آپ نے کوئی احسان یا طمع دلا کر کسی کو اپنی طرف مائل کر لیا تو ایسے شخص کا کیا اعتبار؟ کل کوئی دوسری جماعت اسے کوئی بڑی طمع دیکر اپنی طرف کھینچ سکتی ہے۔ ایسے ہی اہتمامِ اعمال بھی معیارِ حق نہیں۔ خوارج کے بارے میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی جس کی صداقت کو دُنیا نے دیکھا فرمایا کہ یہ لوگ ایسے عابد و زاہد ہونگے کہ تم انکی عبادت کے سامنے اپنی عبادت کو حقیر سمجھنے لگوگے۔ اور فرمایا کہ یہ لوگ ہر وقت تلاوتِ قرآن سے رطب اللسان رہیں گے مگر لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، یعنی قرآن کا اثر اُن کے قلوب کی طرف تجاوز نہ کریگا۔ یا یہ کہ ان کی تلاوت سماءِ قبول کی طرف بلند نہ ہوگی، انکے منہ ہی میں رہے گی۔

جار اللہ زمخشری کو جار اللہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ کے لئے دُنیا و ما فیہا سے الگ ہو کر بیت اللہ میں معتکف ہو گئے تھے تو کیا معتزلہ و خوارج کے اہتمامِ اعمال کی وجہ سے انکو کوئی اہلِ حق کہہ سکتا ہے؟ یونہی جرأت و ہمت سے متعلق غور فرمایئے کہ کفار ہمیشہ کس جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کا لونڈیاں بننا گوارا کیا، بچوں کو غلام بنایا اور خود غلامی کا طوق پہنا سلطنتیں قربان کیں۔ املاک چھوڑیں اور اپنی جانیں دیں کوئی بڑی سے بڑی آفت ان کو ان کے نظریئے سے نہ ہٹا سکی، ابو طالب کی جرأت دیکھئے مرتے وقت بھی یُوں کہتے ہیں کہ "اخترت النّار علی العار" میں آبائی دین چھوڑنے کی عار پر نارِ جہنم کو ترجیح دیتا ہوں" غور کیجئے کہ کتنی بڑی جرأت ہے۔ معلوم ہوا کہ جرأت و ہمت اور استقلال کو معیارِ حق قرار دینا غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایثار و ہمدردی، خدمتِ خلق، حُسن

اخلاق، حسنِ نظم اور ہمت وجرأت اہلِ حق کی صفات ہیں جن کو غیر اہلِ حق نے اختیار کر لیا جیسے کہ غیر اہلِ حق کی کئی صفات کو اہلِ حق اختیار کئے ہوئے ہیں، صفاتِ مذکورہ بلاشبہ صفات محمودہ ہیں اور اہلِ حق کی صفات ہیں مگر حق کا معیار نہیں کہ جس میں بھی یہ صفات ہوں اسے اہلِ حق سمجھ لیا جائے۔ کچھ لوگ اس لئے بھی ایسی جماعتوں کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں کہ ان کے ہاں دین بہت سستا ہے، جبکہ مولوی کا دین مشکل ہے۔ غیر شرعی لباس اور وضع قطع اور تشبّہ بالنصاریٰ کے ہوتے ہوئے اور سنیما بینی جیسے جرائم میں مبتلا ہوتے ہوئے مولوی کسی کو دیندار نہیں کہہ سکتا۔ مگر بعض جماعتوں نے دین اتنا سہل کر دیا ہے کہ آپ داڑھی کٹاتے ہوں، سر پر انگریزی بال ہوں، انگریزی لباس پہنے ہوں، پائجامہ ٹخنے سے نیچے رہتا ہو، سینما بھی دیکھتے ہوں، یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی آپ دیندار مسلمان بلکہ پوری دنیا کے صالح ترین اور متقی مسلمان بن سکتے ہیں ؎

حج بھی کعبہ کا کیا اور گنگا کا اشنان بھی خوش رہے شیطان بھی، راضی رہے رحمٰن بھی

جب تک کوئی شخص زکوٰۃ اور چرمِ قربانی وصدقۃ الفطر صحیح مصرف پر نہ لگائے اس وقت تک وہ مولوی کی نظر میں دیندار نہیں، مگر اس جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ آپ جماعت کو زکوٰۃ دیدیں آگے جماعت خواہ اس سے مکانات تعمیر کرے یا ڈاکٹروں کو تنخواہ دے، شفاخانے چلائے یا الیکشن لڑے۔ دیکھئے کتنا آسان دین ہے کہ آپ کی زکوٰۃ بھی ادا ہو گئی اور الیکشن وغیرہ کی ضروریات بھی پوری ہو گئیں۔

کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟

صاحبو! ہوش میں آؤ۔ کہاں بھٹکے جا رہے ہو۔ اگر آسانی اور سہولت ہی آپکے ہاں معیارِ حق ہے تو آپ اسلام ہی کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے تاکہ ہر قید سے آزاد ہو جاؤ اور اگر اسلام کا نام باقی رکھتے ہوئے آزاد ہونا ہے تو پرویزی مذہب میں بھی بہت آسانی اور سہولت ہے نہ وہاں نماز روزہ کی پابندی اور نہ محرمات سے بچنے کی قید (اعاذنا اللہ منہ)

معیارِ حق

اب سنئے کہ حقیقت میں معیارِ حق کیا چیز ہے؟ ارشاد ہے۔

ہ مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام ـــ ۵

آیات بیّنات

(۱) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۵ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی تفسیر صراط القرآن یا صراط اللہ یا صراط الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں فرمائی اسلئے کہ لوگ اس کی تعیین میں اختلاف کرتے، لہٰذا فرماتے ہیں "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" کہ یہ منعم علیہم جماعت کا راستہ ہے۔ یہ جماعت صراطِ مستقیم کی تعیین کرے گی بلکہ عربیت کا قاعدہ ہے کہ بدل مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور مبدل منہ کو صرف اسم اشہر ہونیکی وجہ سے ذکر کردیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ طلبِ ہدایت میں اصل مقصود منعم علیہم جماعت کا راستہ ہے صراطِ مستقیم اسی کا دوسرا نام ہے۔ تو ثابت ہوا کہ کتاب اللہ اپنی تفہیم میں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محتاج ہے اسی طرح کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تفہیم میں رجال اللہ (منعم علیہم جماعت) کی محتاج ہے۔ ہم اس جماعت سے مستغنی ہوکر قرآن و حدیث سمجھنے کے مجاز نہیں غرضیکہ جماعتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اسوۂ حسنہ صراطِ مستقیم ہے۔ پھر ان سے بلا واسطہ اس طریق کو سمجھنے والی جماعتِ تابعین، پھر ان سے نقل کرنے والی جماعت، اسی طرح ایک دوسرے سے قیامت تک بالمشافہہ صحیح طریق کو حاصل کرنیوالی رجال اللہ کی جماعت کا طریق صراطِ مستقیم ہوگا، اور اس کے خلاف جملہ طرق ضلالت اور گمراہی کے راستہ ہونگے۔ رجال اللہ کی جماعت قرآن و حدیث کی زندہ تصویر اور چلتی پھرتی تفسیر ہوگی۔

(۲) بَلْ هُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ (۲۹-۴۹) اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کے لئے قرآن کے صحائف کافی نہیں بلکہ اسکا مطلب اور اس کی تفسیر جو رجال اللہ کے صدور میں ہے وہ واجب القبول ہے۔

(۳) وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ (۴-۱۱۵)

"یشاقق الرسول" پر "یتبع غیر سبیل المؤمنین" کا عطف تفسیری ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سبیل کی تعیین مؤمنین کی ایک جماعت اپنے قول و عمل سے کرے گی۔ ان کے راستہ سے انحراف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ سے انحراف ہوگا اور موجبِ جہنم ہوگا، (اعاذنا اللہ منہا)

④ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (۳-۱۱۰) اس آیت میں "اخرجت للناس" فرماکر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتباع کو واجب اور انکے طریق کو لوگوں کے لئے حجت قرار دیدیا۔

⑤ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (۲-۱۴۳) اس میں بھی یہ امر مصرح ہے کہ منعم علیہم جماعت کا راستہ معیارِ حق ہے۔

⑥ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ (۲-۱۳)

⑦ فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ (۲-۱۳۷) ان دونوں آیتوں میں اس کی تصریح ہے کہ ایمان وہ معتبر ہوگا جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان جیسا ہو۔ یعنی ایمان صحیح کی کسوٹی اور معیار صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی شخص براہِ راست قرآن یا حدیث پر ایمان لانے کا دعوی کرے تو یہ ایمان قبول نہ ہوگا۔

احادیثِ مبارکہ

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اُمت کے بہت سے فرقے ہو جائیں گے۔ ان میں صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا باقی سب جہنمی ہونگے۔ عرض کیا گیا وہ کونسی جماعت ہوگی؟ فرمایا، "ما انا علیہ واصحابی"۔ بظاہر "ما انا علیہ" فرما دینا کافی تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ آئندہ چل کر کچھ لوگ میرے اصحاب سے مستغنی ہو کر میرا راستہ تلاش کریں گے بلکہ مجھ سے بھی مستغنی ہو کر صراطِ قرآن کی تعیین کریں گے اس لئے "ما انا علیہ" کے بعد "و اصحابی" کا اضافہ فرما کر اپنے طریق کی تفسیر فرمادی کہ میرا طریق وہی ہوگا جو کہ میرے اصحاب بیان فرمائیں گے۔ ماورد بہ القرآن یا ما انزل اللہ کی بجائے "ما انا علیہ واصحابی" فرمانا اور پھر صرف "ما انا علیہ" کو کافی نہ سمجھنا صریح دلیل ہے کہ ہمیں قرآن و حدیث کو براہِ راست سمجھنے کی اجازت نہیں۔

② علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین، تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ، اس حدیث میں "سنتی" کے بعد "وسنۃ الخلفاء" کا عطف تفسیری لاکر وضاحت فرمادی کہ میری سُنت صرف وہ ہوگی جس کی تعیین خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کریں گے۔

(۳) یحمل ھٰذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین وتأویل الجاھلین (مشکوٰۃ ص۳۶) یعنی اُمت میں سلف سے خلف علمِ صحیح کے حامل رہیں گے اور بلا واسطہ ایک دوسرے سے صحیح طریق کی تعلیم پانے والی جماعت ہر زمانے میں موجود رہیگی ۔ جو رجال اللہ سے مستغنی ہوکر براہِ راست قرآن وحدیث سے استنباط و اجتہاد کے شائقین کی من مانی تأویلات وتحریفات کا قلع قمع کرتی رہے گی ۔

(۴) عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی ما ادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر وزاد الحافظ ابونصر القصار فانھما حبل اللہ الممدود فمن تمسک بھما تمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا (رواہ الترمذی وحسنہ وقال وفی الباب عن ابن مسعود والطبرانی عن ابی الدرداء منہ، واحمد وابن ماجۃ وصححہ ابن حبان والحاکم) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد قرآن وحدیث کے اتباع کی بجائے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء کو فرض قرار دیکر ان کے معیارِ حق ہونے پر مہرِ ثبت فرما دی فبای حدیث بعدہٗ یؤمنون ۝

(۵) النجوم امنۃ للسماء واصحابی امنۃ لامتی (رواہ مسلم)

اس میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا کا حکم فرمایا ہے ۔

عقلِ سلیم

○ عقلی لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو یہ امر ظاہر ہے کہ حق کا معیار ایک جماعت ہونی چاہیئے جو ہر زمانے میں بلا واسطہ ایک دوسرے سے استفادہ وافادہ کرتی ہوئی آرہی ہو اس لئے کہ افہام وتفہیم میں چند امور کا ہونا ضروری ہے ۔

فہم وتفہیم کے لئے ضروری اُمور

(۱) مخاطب ومتکلم ہمزبان ہوں ۔ غیر اہلِ لسان کتنی ہی مہارت کیوں نہ پیدا کرلے مگر اہلِ لسان جس حد تک کلام کا مفہوم سمجھتا ہے غیر نہیں سمجھ سکتا ۔

(۲) متکلم کے لہجہ کو سننا ، چنانچہ استفہام واخبار میں فرق صرف لہجے ہی کے اعتبار سے ہوسکتا ہے الفاظ دونوں کے یکساں ہوتے ہیں ۔

(۳) متکلم کے چہرے، اس کی رنگت، ہیئت، آثار، ہاتھوں اور آنکھوں کے اشارات کو دیکھنا، امر استعجاز یا تہدید کے لئے ہے، یا کہ طلب مأمور بہ کے لئے اور کلام غضب پر مبنی ہے یا حقیقت پر، یہ جملہ امور متکلم کے لہجہ اور اس کی رؤیت پر موقوف ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ غضب میں فرمایا، سلونی ما شئتم لوگوں نے فضول سوالات شروع کردیئے، کسی نے سوال کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ کسی نے پوچھا کہ میری اونٹنی گم ہوگئی وہ کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا تو غضب سے سُرخ ہو رہا تھا۔ مَیں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کیا، اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ، تب جاکر آپ کا غصّہ فرو ہوا۔

(۴) کلام کے محلِ وقوع کا مشاہدہ، حقیقتِ لغویہ، اصطلاحیہ، مجاز یا استعارہ، کنایہ یا توریہ، مفہوم کا عموم وخصوص وغیرہ کلام کے محلِ ورود ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

(۵) قربِ ظاہری وباطنی (قربِ باطنی سے مراد ہے تعلق ومحبت) اور خیالات ونظریات میں اتحاد ویکجہتی، چنانچہ ہر شخص اپنے احباب اور ہم مجلس وہم مشرب کی بات بہ نسبت دوسروں کے زیادہ سمجھتا ہے۔

انہی معقول ومسلم اصول کی بنا پر جب کوئی صحابی کسی روایت کو بتاکید بیان کرنا چاہتے ہیں تو فرماتے ہیں، ابصرتہ عینای وسمعتہ اذنای ووعاہ قلبی، یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرما رہے تھے اُسوقت میری دونوں آنکھیں آپ کے چہرۂ انور اور اس کے الوان وآثار وتغیرات اور چشم وابرو کے اشارات اور ہاتھوں کی تعبیر کو دیکھ رہی تھیں اور کلام کے محلِ ورود کا مشاہدہ کر رہی تھیں اور میرے دونوں کان آپ کے لہجے اور آواز کے نشیب وفراز کو سُن رہے تھے۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا اور اپنے کانوں سے سُن رہا تھا بلکہ فرماتے ہیں کہ میں خود آنکھیں اور کان بن رہا تھا پھر ایک آنکھ اور کان نہیں بلکہ مَیں ہمہ تن دونوں آنکھیں اور دونوں کان بن کر متوجہ تھا، اس کے ساتھ ہی چونکہ اہلِ لسان ہونے اور قربِ ظاہری وباطنی کا شرف بھی حاصل تھا ان سب خصوصیات کی بدولت آپکے ارشادات کو میرے قلب نے خوب سمجھا اور الفاظ ومعانی کو تغیر وتبدل سے خوب محفوظ کرلیا۔

اب غور فرمائیے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب اہلِ لسان بھی تھے براہِ راست

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ کو سُننے والے بوقت تکلم کیفیات وارشادات کا مشاہدہ کرنے والے، آیاتِ قرآنیہ کے شانِ نزول اور احادیث کے مواقع ورود کو خوب جاننے والے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قربِ ظاہری و باطنی کے اعلیٰ مقامات پر تھے کہ اُن کے درجۂ قرب تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ مقربین بارگاہِ الٰہی ہونے کی وجہ سے درباری اشارات سمجھنے کی پوری استعداد رکھتے تھے۔ لہٰذا اس جماعت نے جو کچھ صراطِ مستقیم کی تعیین فرمائی اُس سے ہٹ کر صراطِ مستقیم کی ہدایت کا کوئی امکان نہیں، اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بلاواسطہ استفادہ کرنے والی جماعت تابعین رحمہم اللہ کی ہے۔ انھوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول وفعل کو بلاواسطہ سُنا اور دیکھا اور مشافہۃً صراطِ مستقیم کی ہدایت حاصل کی، اُن کے بعد تبع تابعین نے علیٰ ہذا القیاس بالمشافہہ تعلیم وتعلّم کے ذریعہ صراطِ مستقیم کی حفاظت کرنے والی جماعت چلی آئی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک رہے گی۔ یہ سلسلہ کبھی بھی کسی زمانے میں بھی منقطع نہیں ہوا۔

اہلِ حق کی جماعت

اسلام میں ایسا وقت آ ہی نہیں سکتا کہ قرآن و حدیث صرف صحائف کی شکل میں رہ جائیں اور ان کے الفاظ و معانی کی حامل کوئی جماعت نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک جماعت قیامت تک حق پر قائم رہے گی اور دینِ قویم اور صراطِ مستقیم کی حفاظت کرتی رہے گی۔

پس معلوم ہوا کہ معیارِ حق یہ رجال اللہ کی جماعت ہے، جو لوگ ان کے ساتھ وابستہ ہونگے وہ اہلِ حق ہونگے۔ اور جس فرد یا جماعت نے ان کا دامن چھوڑا وہ خواہ کتنے ہی دعوے اتباعِ قرآن وحدیث کے کرتے رہیں اہلِ حق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اہلِ حق کا لقب اہلِ سنت والجماعت اس لئے پڑا کہ یہ لوگ قرآن کو سُنت سے اور قرآن و سنت دونوں کو رجال اللہ کی جماعت سے سمجھتے ہیں۔

کوئی فن بھی بدوں استاد کے حاصل نہیں ہو سکتا

دنیا میں کوئی فن بھی کسی ماہر استاد کی تربیت کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا، کوئی شخص دُنیا بھر کی طبِّ قدیم وجدید کی تمام کتابوں کا مطالعہ کر لے مگر جب تک وہ ماہرین فن سے تربیت حاصل نہ کرے اسے علاج کی اجازت نہیں دی جاتی، گھر بیٹھے وکالت کا نصاب

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ــــ ۱۰

پڑھ لینے سے کوئی وکیل نہیں بن سکتا، صرف کتابوں کے مطالعہ سے کبھی کوئی انجینئر نہیں بنا، نہ ہی کوئی خوانِ نعمت پڑھ کر باورچی یا حلوائی بن سکا، ہر علم وفن کے لئے ماہر استاد کی ضرورت ہے اسی طرح قرآن وحدیث سمجھنے کے لئے رجال اللہ کی اس جماعت کی کتابوں کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ ان سے بالمشافہہ باقاعدہ تعلیم حاصل کئے بغیر قرآن وحدیث کا علم حاصل نہیں ہو سکتا، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہہ علم حاصل کیا پھر ان سے تابعین نے بالمشافہہ تعلیم پائی اور ان سے تبع تابعین نے، اسی طرح بالمشافہہ تعلیم وتعلّم کا یہ سلسلہ چلا آرہا ہے، کسی ماہر استاد سے بالمشافہہ تعلیم پائے بغیر قرآن وحدیث سمجھنے کا دعویٰ بالکل باطل ہے، اگر کتاب سمجھنے کے لئے معلّم کی ضرورت نہیں تو اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کو سمجھانے کے لئے رسولوں کو معلّم کیوں بنایا؟ ویسے ہی کتاب نازل کردی جاتی، لوگ خود ہی اسے سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہتے۔

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ علم کسی سے سیکھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین وانما العلم بالتعلم (صحیح بخاری باب العلم قبل القول والعمل) قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ ھو حدیث مرفوع ایضًا اوردہ ابن ابی عاصم والطبرانی من حدیث معاویۃ ایضًا بلفظ یا ایھا الناس تعلموا انما العلم بالتعلم والفقہ بالتفقہ ومن یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین اسنادہ حسن لان فیہ مبھما اعتضد بمجیئہ من وجہ اٰخر وروی البزار نحوہ من حدیث ابن مسعود موقوفا ورواہ ابونعیم الاصبھانی مرفوعًا وفی الباب عن ابی الدرداء وغیرہ فلا یغتر بقول من جعلہ من کلام البخاری والمعنی لیس العلم المعتبر الا الماخوذ من الانبیاء وورثتہم علی سبیل التعلم (فتح الباری ص۱۴۲ ج ۱)

جماعتِ اسلامی کا دجل وفریب

اب ان لوگوں کو ذرا حق وباطل کی اس کسوٹی پر لائیے جنکے حسنِ نظم وغیرہ سے متأثر ہو کر آپ ان کو اہلِ حق سمجھنے لگے ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کی تمام تر مساعی سے مقصد ہی ان رجال اللہ کی جماعت سے انحراف اور ان کے متعین کردہ صراطِ مستقیم کی مکمل تخریب اور اسکے بعد اپنے جدید اسلام کی تعمیر ہے اور یہ میں انکے اقوال اور طرزِ عمل سے صرف استنباط کی بنا پر نہیں

کہہ رہا بلکہ اس پر اُن کی صریح عبارات موجود ہیں کہ ہم مکمل طور پر تخریب کے بعد جدید تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ حوالجات ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئیں گے۔

تخریبی کارروائی

اب تخریبی کارروائی سُنیئے، ان کے خیال میں دین کو سمجھنے کے لئے مسلسل چلے آنیوالے رجال اللہ اور ماہرینِ فن سے استفادہ کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ قرآن وحدیث کو براہِ راست سمجھنا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:

"میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کی بجائے ہمیشہ قرآن اور سُنّت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے، اس لئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مؤمن سے کیا چاہتا ہے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا۔" (روئیداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص۳۸)

غور فرمائیں کہ جس شخص نے کسی دینی ادارے سے علم حاصل نہیں کیا، کسی معروف اُستاد سے کوئی سبق نہیں پڑھا، جس کو دوسرے علوم تو کجا صرف عربی زبان سے بھی پوری واقفیت نہ ہو اور اپنی تصنیف کے عربی ترجمے دوسروں سے کرانے پر مجبور ہو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ دین کو سمجھنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اُن کے بعد ان سے بلا واسطہ استفادہ کرنے والے بڑے بڑے ائمۂ دین اور جلیل القدر محدثین و فقہاء اور مستند دینی اداروں میں مشہور ماہرینِ فن سے باقاعدہ علم دین حاصل کرنے والے اور خدمتِ دین میں اپنی عمریں صرف کردینے والے علماء کے مقابلے میں کتنی جرأت کے ساتھ اپنی رائے اور قرآن دانی کو ترجیح دے رہا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین

ان کا عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم معیارِ حق نہیں۔ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے نہ صرف یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ضرورت نہیں بلکہ (معاذ اللہ) اسکا جواز ہی نہیں، ہمنے قرآن وحدیث کو تو براہِ راست اپنے علم و فہم سے سمجھا، اس کے بعد صحابہ

رضی اللہ عنہم کی سوانح کا مطالعہ کیا تو ان کو قرآن و حدیث کے مطابق پایا۔ غور فرمائیے کہ قرآن و حدیث کی نصوص مذکورہ بالا اور دلائل عقلیہ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ تم اپنے علم اور نظریات کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کی کسوٹی پر پرکھو، مگر یہ لوگ اس کے بالکل برعکس یوں کہتے ہیں کہ ہم صراطِ مستقیم کی تعیین تو خود براہِ راست قرآن و حدیث سے اپنے علم و فہم کے ذریعہ سے کریں گے۔ پھر ہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی اور اسلوب کی صحت وسقم کو اپنے نظریہ کی کسوٹی پر پرکھیں گے۔ ہم اپنے نظریہ کا امتحان لیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس کی بجائے ہم صراطِ مستقیم کی تعیین خود کر کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان لیں گے کہ وہ اس پر پورے اترتے ہیں یا نہیں (اعاذنا اللہ منہ) فرماتے ہیں:

"رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے۔" (دستور جماعتِ اسلامی پاکستان ص۱۲)

مزید ارشاد ہے:

"معیارِ حق تو صرف اللہ کا کلام اور اس کے رسول کی سُنّت ہے، صحابہ معیارِ حق نہیں ہیں بلکہ اس معیار پر پورے اُترتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسوٹی سونا نہیں ہے لیکن سونے کا سونا ہونا کسوٹی پر کسنے سے ثابت ہوتا ہے۔" (ترجمان القرآن اگست سنہ ۱۹۷۶ء صفحہ ۴۴)

مودودی صاحب نے قرآن و حدیث کو خود بلا واسطہ سمجھ کر جو معیارِ حق قائم فرمایا ہے اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پورے اُترنے کا اعتراف حکمت عملی (تقیہ) کے تحت کیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ امتحان میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (معاذ اللہ) مودودی صاحب کے علم و فہم کی کسوٹی اور نظر نقاد کے معیار پر پورے نہ اُتر سکے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"بسا اوقات صحابہ (رضی اللہ عنہم) پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا۔"

(تفہیمات طبع چہارم ص۲۹۴)

اس کے بعد چند واقعات لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) ایک دوسرے کو جھوٹا کہا کرتے تھے۔ اس میں لفظ بسا اوقات قابلِ توجہ ہے یعنی کوئی

شاذونادر نہیں بلکہ معاذ اللہ اکثر و بیشتر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا
اولاً تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بشری کمزوریاں ثابت کرنے کے لئے ایک غیر معتبر کتاب کی بے سند روایات پیش کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ صحیح بخاری کی صحیح و صریح حدیث کا تو سرے سے انکار کرتے ہیں اور جن احادیث صحیحہ کو تسلیم بھی کرتے ہیں اُن سے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان سے زیادہ سے زیادہ گمانِ صحت حاصل ہو سکتا ہے نہ کہ علم یقین (اسکا حوالہ انشاء اللہ عنقریب آئیگا) مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین اور اُن کی بشری کمزوریوں کو اُچھالنے کے لئے قرآن و حدیث کی نصوصِ صریحہ اور تمام اُمت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف بے سند روایات کا سہارا لے رہے ہیں۔ قرآن کا فیصلہ ہے وکلّاً وعد اللہ الحسنیٰ (سورۃ الحدید ۱۰) دوسری جگہ فرماتے ہیں والذین معہٗ اشدّآء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکّعاً سجّداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضواناً ۰ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود (۴۹-۲۹)
معلوم ہوا کہ کتبِ سابقہ میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب مذکور ہیں۔ تعدیل صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق نصوص اسقدر کثرت کے ساتھ ہیں کہ سب کا احصار مشکل ہے، اُمت کا اجماعی عقیدہ ہے "الصحابۃ کلھم عدول" مگر ان سب کے مقابلے میں بے سند روایات لا کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کمزوریاں محض تخریبی کارروائی کی غرض سے بیان کیجا رہی ہیں۔
ثانیاً یہ کہ لفظ کذب عربی زبان میں اور احادیث میں کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ جھوٹ کے علاوہ خطا اور کسی کام سے تخلّف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کسی صحابی نے اگر کہیں کسی دوسرے صحابی کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا ہے تو اس کے معنی خطأ اجتہادی کے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ جو کام کرنا چاہتے تھے اس پر قدرت نہ پانے کی وجہ سے متخلّف رہے مگر اُن کی تخریب مکمّل نہیں ہوتی جب تک کذب بمعنی جھوٹ کی نسبت حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف نہیں کرتے {بندہ کی اس تحریر کے بعد مودودی صاحب نے کتاب "خلافت و ملوکیت" لکھی ہے جسمیں بغضِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زہر کو علانیہ اُگل دیا ہے۔ اس کتاب کو دیکھنے کے بعد بھی اگر کسی کو مودودی صاحب کے بغضِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر یقین نہیں آتا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ خود اس کے دل میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض اور عداوت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظمت مٹانے اور اس مقدس جماعت سے متعلق دِلوں میں شکوک و شبہات اور بغض و

مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام ۔۔۔ ۱۴

نفرت پیدا کرنے کا جو کارنامہ تنہا مودودی صاحب نے انجام دیا ہے شیعہ کی پوری جماعت اپنی پوری مدۃ العمر میں اسکا عُشرِ عشیر بھی نہیں کرسکی۔ (نظر ثانی)

مودودی صاحب سے قبل کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نظر نہیں آتا جو کسی صحابی سے بغض رکھتا ہو۔ مگر آج مودودی صاحب نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس مہلک زہر سے مکمل طور پر مسموم کر دیا ہے

انبیاء کرام علیہم السّلام کی توہین

اس سے بھی بڑھ کر ان کی تخریبی کارروائی حضرات انبیاء کرام علیہم سے شروع ہوتی ہے فرماتے ہیں:

"عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے لوازم ذات سے نہیں۔ اور ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اُٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں (تفہیمات ج۲ ص۵۶ طبع ششم پاکستان)

کیا نبی کا کوئی حکم یا فیصلہ قابلِ اعتماد ہو سکتا ہے جبکہ ہر امر و نہی کے وقت یہ احتمال موجود ہو کہ شاید اس وقت عصمت اُٹھالی گئی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام سے بعض اجتہادی خطائیں ہوئیں جن پر بعد میں مطلع کر دیا گیا اور خطاء اجتہادی پر بھی ثواب ملتا ہے کوئی گناہ نہیں کہ عصمت کے منافی ہو۔ مودودی صاحب کی عصمتِ انبیاء علیہم السّلام پر دست درازی سے جب مسلمانوں میں ہیجان بپا ہوا تو اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے اس خاک بدہنش نے حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کے گناہوں کی ایک فہرست مرتب کر کے شائع کی، مجھے تو اس میں سے کوئی گستاخی نقل کرنے کی بھی ہمت نہیں، کوئی صاحب بطور نمونہ دیکھنا چاہیں تو تفہیم القرآن میں حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت داؤد، حضرت یونس، حضرت یوسف علیہم السلام کی شان میں اور ترجمان القرآن ج ۲۹ عدد ۴ ص۵ اور رسائل و مسائل ص۳۱ ج ۱ طبع دوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں دریدہ دہنی ملاحظہ فرمالیں، مگر مودودی کی اس عیّاری سے ہوشیار رہیں کہ وہ ہر جدید ایڈیشن سے ایسی گستاخی کو چپکے سے اُڑا دیتا ہے جو مسلمانوں کے لئے ناقابلِ تحمل ہو مگر اس سے توبہ کا اعلان نہیں کرتا۔

قرآن غائب

تحریف قرآن سے متعلق شیعہ کی روایات مختلف ہیں، پورے کا پورا قرآن غائب، ۲/۳

غائب، ۳/۴ غائب، شیعہ کے لئے یہ زہر مسلمانوں کے حلق میں اُتارنا بہت مشکل تھا مگر دیکھئے مودودی صاحب قرآن ۳/۴ سے زیادہ بلکہ پورا غائب ہونے کے عقیدہ کو کس چابکدستی اور دجل، عیاری و تلبیس کے ذریعہ شوگر کوٹیڈ بنا کر مسلمانوں کی ایک جماعت کو نگلوانے میں کتنی آسانی سے کامیاب ہو گئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ (الٰہ، رب، دین، عبادت) کے وہ اصلی معنی جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے یہانتک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے اصل مدعا کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گیا...... پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے۔"

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۸ تا ص ۹)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے الفاظ اور مفہوم دونوں کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، ارشاد ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون، دوسری جگہ فرمایا ان علینا جمعہ و قرانہ فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ، ان نصوص صریحہ کے خلاف مودودی صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ روح تو پورے ہی قرآن کی غائب ہے۔

ذرا غور فرمائیں کہ تحریر مذکور پڑھنے والوں پر کیا اثر ہوگا؟ وہ اس سے کیا نتائج اخذ کریں گے؟ اور قرآن و اسلام سے متعلق ان کے قلوب میں کیا کیا شکوک و شبہات پیدا ہونگے؟ کیا اس تحریر کو دیکھنے والا امور ذیل پر غور کرنے کے لئے مجبور نہیں ہوگا؟

(۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظتِ قرآن کا وعدہ غلط اور جھوٹ ہے، نعوذ باللہ من ذٰلک،

(۲) جب قرآن کی صحیح تعلیم اور حقیقی روح صدیوں سے غائب ہے تو اب چودہ سو سال کے بعد مودودی صاحب کو قرآن کا صحیح علم اور اس کی حقیقی روح کہاں سے مل گئی؟ جب چودہ سو سال تک کے بڑے بڑے مشہور مفسرین، محدثین اور ائمۂ دین نے قرآن کو نہیں سمجھا تو آج مودودی صاحب یا کسی اور کی قرآن دانی پر کیسے اعتماد کیا جائے؟ نتیجہ یہ کہ قرآن اور اسلام کی صحیح ترجمانی میں کسی کی رائے بھی قابلِ اعتماد نہیں، لہٰذا ایسے قرآن اور اسلام ہی کو سلام، نعوذ باللہ من ذٰلک،

(۳) جب آج تک پوری اُمتِ مسلمہ مفہومِ قرآن کی حفاظت سے مجرمانہ غفلت میں مبتلا رہی یا

عمداً مفہومِ قرآن کی تحریف میں مصروف رہی تو ایسے مجرم، بددیانت اور دشمنانِ قرآن کے ذریعہ سے پہنچے ہوئے الفاظ قرآن کی صحت کیسے قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے؟ پس مفہوم قرآن سے متعلق مودودی صاحب کے عقیدۂ عدم حفاظت پر لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ قرآن کے الفاظ بھی محفوظ نہیں۔

اسی طرح انہی وسائط سے پہنچنے والی احادیث اور پورا اسلام مشکوک اور ناقابلِ اعتماد ٹھیریگا، اللہ تعالیٰ شوقِ اجتہاد کے فتنوں سے امتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

اصول حدیث بکواس ہے

اب حدیث کی تخریب ذرا کلیجہ تھام کر سنیئے۔ فرماتے ہیں:

"اصولِ روایت کو تو چھوڑیئے کہ اس دَورِ تجدید میں اگلے وقتوں کی بکواس کون سنتا ہے"

(ترجمان القرآن جلد ۱۴ عدد ۲ ص ۱۱۱)

اور سنیئے:

"آپ کے نزدیک ہر اُس روایت کو حدیثِ رسول جان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے لحاظ سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں"۔

اور آگے فرماتے ہیں:

"دین کا فہم جو ہمیں حاصل ہوا ہے اسکا لحاظ بھی کیا جائے اور حدیث کی وہ مخصوص روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنت سے ثابت ہو ہم کو معلوم ہو اس پر بھی نظر ڈالی جائے، علاوہ بریں اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا لحاظ کئے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دینا درست نہیں سمجھتے"۔ (رسائل و مسائل ص ۲۹ ج ۱)

ذرا جذبۂ تخریب کا اندازہ لگایئے کہ جلیل القدر محدثین اور ائمۂ حدیث جنھوں نے حدیث کی تنقیح و تنقید، صحیح وسقیم کی تمیز میں عمریں صرف کیں، جن کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد تھے۔ ہر راوی کی ولادت سے لیکر وفات تک کے مفصّل حالات نہ صرف ان کے پاس محفوظ تھے بلکہ زبانی یاد تھے۔ انھوں نے اصولِ روایت اور رواۃ حدیث پر بے شمار ضخیم کتابیں لکھیں اور ایک مستقل فن مدوّن کیا۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے ایک نومولود بچّے کو دیکھا اور سالہا سال کے بعد اس کی جوانی یا بڑھاپے کے ایام میں صرف

مودودی صاحب اور تخریب اسلام۔ ۱۷

اُسکے پاؤں دیکھ کر پہچان لیا۔ امام ترمذی آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے اونٹ پر سوار ہوکر تشریف لیجارہے ہیں، راستہ میں ایک جگہ پر سر جھکا دیا۔ خادم نے سر جھکانے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہاں ایک ایسا درخت ہے جس کی شاخیں جھکی ہوئی ہیں اور اونٹ سوار کے سر پر لگتی ہیں، عرض کیا کہ یہاں تو کوئی ایسا درخت نہیں، فرمایا کہ اونٹ یہیں روک دو اور قرب وجوار سے تحقیق کرو۔ اگر کبھی ایسا درخت یہاں نہیں تھا تو ثابت ہوگا کہ میرا حافظہ کمزور ہوگیا ہے لہٰذا میں آئندہ حدیث بیان کرنا چھوڑ دونگا، چنانچہ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعۃً کسی زمانے میں یہاں ایسا درخت تھا تب آگے چلے۔ ان حضرات کے حافظہ کے محیر العقول واقعات کا احصار متعذر ہے۔ پھر حدیث کی معرفت میں ایک اہم امر یعنی فراست ایمانی و قرب بارگاہِ الٰہی ان میں کس درجہ کا تھا؟ یہ حضرات تدیّن وتقویٰ کے مجسمے تھے انکی عبادت ملائکہ کے لئے باعثِ رشک تھی۔ ان کی تمامتر مساعی اور جانفشانیوں کی ایک جنبشِ قلم سے تخریب کردی اور انکے مقابلہ میں اپنے نفس کو لا کھڑا کیا۔ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک محدثین کی تصحیح کو قبول کرنا ضروری نہیں، بلکہ اسکول میں پڑھ کر ہم نے جو دین کا فہم حاصل کیا ہے وہ حدیث کی صحت وسقم کا معیار ہوگا۔ اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا اظہار بر وقت کرینگے یعنی جس حدیث کی زد انکے نظریات پر پڑے گی اسے رد کرنے کے لئے فوراً کوئی اصول وضع کرلیا جائے گا۔ اب فرمایئے کہ ان میں اور منکرین حدیث میں کیا فرق رہا؟ منکرینِ حدیث بھی ہر حدیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے خود ساختہ اصولوں سے حدیث کو جانچتے ہیں اسکے مطابق ہو تو قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ مودودی صاحب کی نظر میں جو حدیثیں صحیح ہیں ذرا ان کا مقام بھی سُن لیں۔

نحن رجال وھم رجال

فرماتے ہیں:

> احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمان صحت ہے نہ کہ علم یقین۔"
>
> (ترجمان القرآن جلد ۲۶ عدد ۳ ص ۲۶۷)

مطلب یہ کہ اوّلاً تو حدیث سے کوئی خاص بات ثابت نہیں ہوتی، حد سے حد اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو کچھ گمانِ صحت ہوسکتا ہے یعنی کچھ خیال ہونے لگتا ہے کہ شاید یہ حدیث صحیح

ہو وہ بھی جبکہ حدیث سے کچھ ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کیجائے۔ الفاظ "حد سے حد" قابلِ توجہ ہیں، اگر کسی بے سند روایت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر نصوصِ صریحہ اور اجماعِ اُمت کے خلاف الزام لگائے گئے ہوں اور ان کی توہین کی گئی ہو تو یہ روایت ضرور واجب القبول اور واجب التشہیر ہے۔ ذرا آگے چلئے، صحیح بخاری کی ایک صحیح مرفوع متصل حدیث[عے۵] کے بارے میں فرماتے ہیں :

"یہ مہمل افسانہ ہے" (رسائل ومسائل ص۳۶ ج۲ طبع سوم)

حالانکہ اُمت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری، امام بخاری کی قوتِ حافظہ، تدین وتقوی اور فنِ حدیث میں مہارت کی تفصیل بیان کرنیکا نہ موقع ہے نہ ضرورت، اس لئے کہ اسے پوری دُنیا جانتی ہے کہ آپ نے قبول روایت کے لئے بہت سخت شرائط لگائی ہیں۔ راوی کا مروی عنہ سے جبتک لقاء وسماع انکے ہاں ثابت نہ ہو جائے اُس وقت تک روایت قبول نہیں فرماتے اگرچہ دونوں کا زمانہ ایک ہو اور لقاء وسماع کا امکان بھی ہو امام مسلم جیسے امام بخاری پر اس لئے ناراض ہیں کہ انھوں نے قبول روایت میں اتنی شدید قیود کیوں لگائیں؟ پھر قوت ضبط وعدالت کے اعلیٰ مقام اور تنقید وتنقیح کے اعلیٰ معیار کے ساتھ یہ معمول تھا کہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرما کر دو رکعت نماز استخارہ ادا فرماتے تھے۔ بہرکیف یہ تو امام بخاری ہیں مودودی صاحب کی تخریبی منجنیق نے تو حضرات انبیاء علیہم السلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تک کو نہ بخشا

جماعتِ اسلامی کے سوا باقی سب طریقے غلط ہیں

"حنفی، سُنّی، دیوبندی، اہلحدیث، بریلوی، شیعہ وغیرہ جہالت کی پیداوار ہیں"

(خطباتِ مودودی ص۱۲۸)

ایک جگہ پوری اُمّت کی تخریب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"ہمارا ایمان ہے کہ اس ایک دعوت اور طریقِ کار کے علاوہ دوسری تمام دعوتیں اور طریقہائے کار سراسر باطل ہیں" (ترجمان القرآن جلد ۲۶ عدد ۳ ص۱۱۱)

یعنی جماعتِ اسلامی کے طریق کے سوا باقی سب طریقہائے کار باطل اور غلط ہیں۔

عے۵ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت سارہ کو بہن کہنا اور اسکا پورا قصہ ۱۲۔ منہ

جماعتِ اسلامی کیا چاہتی ہے ؟

تخریب ہی تخریب

اپنے طریقِ کار کی خود وضاحت فرماتے ہیں :

”تخریبی تنقید کے بغیر وہ اُلفت و شیفتگی دُور نہیں کیجا سکتی جو لوگوں کو رائج الوقت تخیّلات اور طریقہائے عمل سے طبعی طور پر ہوا کرتی ہے ۔ لہٰذا تخریب کے بغیر یا ناکافی تخریب کے ساتھ نئی تعمیر کا نقشہ پیش کر دینا سراسر نادانی ہے “

(ترجمان القرآن جلد ۱۴ عدد ۲ ص ۱۳۴)

کیا اتنی واضح اور صریح عبارت کے بعد کسی کو اس میں کوئی شبہہ باقی رہ سکتا ہے کہ جماعتِ اسلامی کیا چاہتی ہے ؟ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان کی تمام تر مساعی اور تگ و دو کا مطلب صرف یہ ہے کہ پوری اُمّت کی تخریب کے بعد اپنے جدید اسلام کی نئی تعمیر کریں ۔

مذہب مودودی

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

”میں نہ مسلک اہلِ حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں“ (رسائل و مسائل جلد ۱ ص ۲۳۵)

اب قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ پھر آپ کیا ہیں ؟ تقریباً دوسری تیسری صدی ہجری میں اہلِ حق میں فروعی اور جزئی مسائل کے حل کرنے میں اختلافِ انظار کے پیشِ نظر پانچ مکاتبِ فکر قائم ہو گئے یعنی مذاہب اربعہ اور اہلِ حدیث ۔ اس زمانے سے لیکر آج تک انہی پانچ طریقوں میں حق کو منحصر سمجھا جاتا رہا ۔ مگر اب چودہ سو سال کے بعد یہ جدید حق معرضِ وجود میں آیا جو اُن پانچوں میں کسی کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ ان پانچوں کی تخریب کرتا ہے ۔ اپنے سوا تمام تر نظریات اور مسلمانوں کی جملہ جماعتوں کے خیالات اور طریقہائے کار کو باطل بتاتا ہے ۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس جدید اسلام کے اصول و فروع، قواعد و ضوابط، آئین اور دستور، کتب و مصنفین، تعلیم و تعلم کے مدارس و مکاتب اور اس اسلام کے حامل و محافظ رجال چودہ سو سال تک کہاں تھے ؟ اس سے قبل دُنیا میں مکاتب و مدارس، تصانیف اور اصول و ضوابط اور پورا نظامِ اسلام تو ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو (معاذ اللہ) سراسر غلطی پر تھے، تو ایسے اسلام پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے ؟

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ۔ ۲۰

جسکا چودہ سو سال تک کوئی صحیح محافظ پیدا ہی نہیں ہوا اور اسکے اصول، وضوابط، مدارس و مکاتب، تصانیف وعلماء، وجود ہی میں نہیں آئے۔ اب جدید اسلام کی تدوین کے صرف دو ہی راستے ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ یہ جدید اسلام حقیقت میں تجدید ہے اس قدیم اسلام کی جو چودہ سو سال قبل اس دنیا میں آیا تھا تو اس پر یہ اشکال ہوگا کہ مودودی صاحب کو چودہ سو سال قبل کے اسلام کا علم کیسے ہوا؟ جبکہ اس کو سمجھنے والا کوئی دُنیا میں گزرا ہی نہیں، دوسرا راستہ یہ ہوسکتا ہے کہ بالکل ہی جدید اسلام مدوّن کیا جائے جو پہلے کبھی وجود میں نہ آیا ہو تو اسمیں کوئی اشکال نہیں مگر یاد رہے کہ ایسے جدید اسلام کی کتنی عالیشان تعمیرات کو قدیم اسلام کے معمار نے کھنڈروں میں تبدیل کردیا ہے ؎

چراغے راکہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

تقلید گناہ سے بھی بدتر ہے

ایک اور تخریبی فتوی سُنیئے :

"میرے نزدیک صاحبِ علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے"۔ (رسائل ومسائل جلد ۱ ص۲۴۴)

اس سے قبل ص۲۴ پر وضاحت کی ہے کہ اہلحدیث بھی مقلد ہیں، غور فرمائیے کہ پوری اُمّت کے محدثین، ائمۂ دین، مصنفین، فقہاء، علماء، صوفیاء اور بزرگانِ دین جنہیں اہلِ حدیث بھی داخل ہیں یہ سب کے سب گناہ سے بھی شدید تر چیز میں مبتلا رہے ہیں بلکہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی کم علم والے حضرات زیادہ علم والوں کی تقلید کیا کرتے تھے تو انکے نزدیک (معاذ اللہ) وہ بھی مسلمان نہیں گناہ سے شدید تر تو صرف کفر ہی ہوسکتا ہے۔ تعجب ہے کہ یہاں صراحۃً کفر کا فتوی لگانے کی جراٴت کیوں نہ ہوئی؟ جبکہ کئی دوسرے مواضع میں اسکی تصریح کررہے ہیں کہ ان کے سوا دُنیا میں کوئی مسلمان نہیں۔

جدید اسلام کی تعمیر

پوری اُمت مسلمہ کی تخریب کے بعد اب جدید اسلام کی تعمیر ملاحظہ ہو :

"اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت بغیر امیر کے نہیں" (جماعتِ اسلامی کا پہلا اجتماع ص۱۱)

لہٰذا جب تک آپ جماعتِ اسلامی میں داخل نہیں ہوجاتے مسلمان نہیں ہوسکتے، اسلام بغیر جماعت کے نہیں، اور جماعت بغیر امیر کے نہیں، تیسرا مقدمہ محذوف منوی ہے جیسے بیرونی

لوگوں کی بہ نسبت ارکان دولت زیادہ جانتے ہیں۔ اب آگے امیر کا مقام سنیئے۔

امیر کا مقام

فرماتے ہیں:

"بعض مقامی جماعتوں کے ارکان مقامی امیر کو صدر انجمن سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتے ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جب انہوں نے اپنے میں سے ایک آدمی کو اہل تر سمجھ کر صاحبِ امر منتخب کیا ہے تو ان پر واجب ہے کہ معروف میں اس کی اطاعت کریں اور اُس کی نافرمانی کو گناہ جانیں۔"

(ترجمان جلد ۲۶ عدد ۳ ص۱۲۵)

جماعتِ اسلامی کے دستور میں بھی یہ دفعہ موجود ہے کہ "اُمورِ شرعیہ میں امیر کی رائے واجب القبول ہے" خیال فرمائیے کہ کسی صحابی یا امام کی تقلید تو گناہِ کبیرہ بلکہ کفر ہے اور امیر جماعتِ اسلامی کی تقلید فرض ہے ان کے دستور میں ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ "سوائے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو تنقید سے بالا نہ سمجھے اور کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔" اوّلاً تو توہین کی غرض سے تقلید کو ذہنی غلامی سے تعبیر کر رہے ہیں حالانکہ غلامی اور تقلید میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ثانیاً صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تنقید سے بلند سمجھنا اور ان کی تقلید جائز نہیں مگر امیر جماعت پر تنقید کی اجازت نہیں، اس کی اطاعت ضروری، تقلید فرض اور نافرمانی گناہ ہے اسکا جواب اور جواب الجواب اس تحریر کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

تقلید اور غلامی میں فرق

غلامی میں اطاعت کا تعلق مالک کی ذات کے ساتھ متعلق ہوتا ہے خواہ اس میں کوئی بھی صفت کمال نہ ہو بہرحال اسکا ہر حکم غلام کے لئے واجب العمل ہوتا ہے اس کے برعکس تقلید کمال علم وفضل کی بناء پر ہوتی ہے۔ نیز غلامی میں امر ونہی کا صدور مالک کی طرف سے سمجھا جاتا ہے بخلاف تقلید کے کہ اسمیں حکم کا صدور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اسکا ظہور مجتہدین سے ہوتا ہے یعنی مجتہد خود حکم نہیں دے رہا بلکہ حکم شریعت کا ناقل ہے

حکمت عملی

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو کسی مصلحت کی بنا پر محض اپنی رائے سے حکم خداوندی کے

بدلنے کے مجاز نہیں مگر امیر صاحب حکمتِ عملی کے عنوان سے دین میں مستقل باب کا اضافہ کر کے قرآن وحدیث کے جس حکم کو چاہیں بدل سکتے ہیں۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر سکتے ہیں چنانچہ کسی مقدس شخصیت یا مقدس مکان سے ملابست کی وجہ سے کسی چیز کو مقدس سمجھنا ان کے ہاں شرک ہے مگر پاکستان میں بننے والا غلافِ کعبہ جسے ابھی ملابست کا شرف حاصل ہی نہیں ہوا تھا اسے حکمتِ عملی کے تحت جماعت اسلامی کے ذمہ داروں کی نگرانی میں لوگوں نے سجدے کئے۔ حکمتِ عملی نے شرک جیسے جرم کو بھی جائز بنا دیا، اس کی پاداش بھی دنیا ہی میں مل گئی کہ یہ غلاف ملابستِ کعبہ سے محروم ہی رہا۔ حکومت سعودیہ کو دین کے ساتھ اس استہزاء کا علم ہوا تو خانۂ کعبہ پر یہ غلاف چڑھانے سے روک دیا۔ مودودی صاحب کی ساری کوششوں پر پانی پھر گیا اور فرح وسرور، رنج وغم سے بدل گیا۔ اسی طرح مودودی صاحب "انتخابی جدوجہد" ص۳۲ پر فرماتے ہیں:

"صدر مملکت مرد ہونا چاہئیے چونکہ قرآن کہتا ہے الرّجال قوّامون علی النّساء"

اور ترجمان القرآن میں فرماتے ہیں:

"از روئے احادیثِ نبوی، سیاست اور ملک داری عورت کے دائرۂ عمل سے خارج ہے"

(ترجمان القرآن ص۱۱ بابت ستمبر سنہ ۱۹۵۲ء)

مودودی صاحب نے عورت کے صدر مملکت نہ ہو سکنے سے متعلق قرآن وحدیث کی خود صراحت نقل کر کے سنہ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات میں فاطمہ جناح کی حمایت کی، اور حکمتِ عملی کے خانہ ساز قانون کے تحت قرآن وحدیث کے صریح قانون کی مخالفت کی۔

اوپر ہم پوری امت کی تخریب کے عزائم سے متعلق صریح عبارات پیش کر چکے ہیں، اب اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

① مودودی صاحب اور ارکانِ اسلام

پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات دین میں اصل مقصود ہیں اور حکومتِ اسلامیہ اس مقصود کی تحصیل کا ذریعہ ہے مگر مودودی صاحب اس اجماعی عقیدہ کے بالکل برعکس اسکے قائل ہیں کہ دین کا اصل مقصد حکومتِ اسلامی قائم کرنا ہے اور عبادات سب کی سب اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں (خطبات ص۲۲۷) اس

انوکھی تحقیق کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہوجانے کے بعد نماز روزہ وغیرہ عبادات کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب مقصد پورا ہوگیا تو ذرائع کی کیا حاجت ؟

② مودودی صاحب اور مرکز اسلام

مودودی صاحب کعبۃ اللہ کے خدام کو بنارس اور ہردوار کے پنڈت سمجھتے ہیں۔
(خطبات مودودی ص۲۰۲)

③ مودودی صاحب اور ڈاڑھی

ڈاڑھی سے متعلق حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ "بڑھاؤ" اور پوری اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے مگر مودودی صاحب نے ڈاڑھی کٹوانے کے جواز کا فتویٰ[1] دیکر پوری اُمت کی تخریب کی اس سے بھی بڑھ کر یہ فرمانے کی جرأت کر رہے ہیں کہ حدیث میں صرف ڈاڑھی رکھنے کا حکم ہے۔ جتنی بھی رکھ لی جائے حدیث پر عمل ہوجائے گا، یہ دیدہ و دانستہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر کھلا ہوا بہتان ہے۔ کسی حدیث میں بھی یہ نہیں کہ ڈاڑھی رکھو جتنی بھی ہو، بلکہ احادیث میں "ڈاڑھی بڑھاؤ، چھوڑو، زیادہ کرو" جیسے الفاظ ہیں۔ کتنی جرأت ہے کہ من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار "جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا اُسکا ٹھکانہ جہنم ہے" کی بھی پرواہ نہ کی۔

④ مودودی صاحب اور زکوٰۃ

زکوٰۃ اور صدقات کے بارے میں قرآن مجید کا حکم ہے کہ فقراء اور مساکین کو مالک بناؤ اور اس پر پوری اُمت کا اجماع ہے کہ بغیر تملیک فقیر کے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ ادا نہیں ہونگے مگر مودودی صاحب پوری اُمت کے خلاف فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور چرم قربانی کی رقم ہمارے قبضہ میں آجانا کافی ہے۔ آگے خواہ اس سے ہم شفاخانے چلائیں یا ڈاکٹروں کو تنخواہ دیں یا گاڑیاں خریدیں یا تعمیرات پر صرف کریں یا الیکشن لڑیں۔ مگر واضح رہے کہ اس طرح نہ صدقۂ فطر ادا ہوگا، نہ کسی کی زکوٰۃ ادا ہوگی نہ چرم قربانی کی رقم کا تصدقِ واجب ادا ہوگا۔

---

[1] رسائل و مسائل حصّہ اوّل صفحہ ۱۸۵ - ۱۸۶

مودودی صاحب اور تخریب اسلام - ۲۴

⑤ مودودی صاحب اور جمع بین الاختین

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت قرآنِ کریم میں مصرح ہے اور اس منصوص قرآنی پر پوری اُمت کا اجماع ہے مگر مودودی صاحب اور انکے مقلدین جو تخریب اُمت کے بہانے تلاش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں ان کو اس مسئلہ میں کوئی بہانہ ہاتھ نہ آیا تو ایک مفروضہ خود گھڑ کر بصورت استفتاء پیش کیا کہ بھاولپور میں دو لڑکیاں جڑواں ہیں اُن کے نکاح کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اسکے جواب میں مودودی صاحب قرآن کریم کے صریح حکم اور اجماع اُمت کے خلاف ان دونوں بہنوں کے ایک ہی مرد سے نکاح کے جواز کا فتوی صادر فرماتے ہیں (ترجمان القرآن نومبر ۱۹۵۴ء ص۱۲۶) حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ بھاولپور میں ایسی لڑکیاں نہیں ہیں۔

⑥ مودودی صاحب اور متعہ

متعہ کی حرمت پر قرآنِ حکیم کی نصوص صریحہ موجود ہیں اور اُمت کا اجماع ہے بلکہ محققین کا نظریہ تو یہ ہے کہ اسلام میں متعہ مروّجہ ایک آن کے لئے بھی حلال نہیں ہوا، مکہ میں نازل شدہ صریح آیات کیخلاف مدینہ پہنچکر اجازت کیسے مل گئی؟ جن احادیث سے عارضی طور چند ایام کے لئے جواز مفہوم ہوتا ہے ان سے متعہ مروجہ مراد نہیں بلکہ نکاح بہر قلیل باضمار نیت فرقت مراد ہے۔ یہ اجازت بھی بعد میں منسوخ ہوگئی۔ بہرکیف حقیقت کچھ بھی ہو اس پر اُمّت کا اجماع ہے کہ متعہ قیامت تک کے لئے حرام کردیا گیا ہے مگر پوری اُمت اور نصوصِ قرآنیہ کے خلاف مودودی صاحب نے ترجمان القرآن بابت اگست سنہ ۱۹۵۵ء میں بوقت ضرورت جواز متعہ کا فتوی شائع فرمادیا، پھر جب اس پر چاروں طرف سے لے دے شروع ہوئی تو فرماتے ہیں کہ میں نے تو شیعہ کو یہ مشورہ دیا تھا، حالانکہ ہر شخص مودودی صاحب کا پہلا مضمون دیکھ کر یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ انھوں نے یہ مضمون اہل سنت اور شیعہ کے درمیان محاکمہ کے طور پر تحریر کیا ہے۔ راقم الحروف کے علم میں جماعتِ اسلامی کے ایسے لوگ ہیں جو مودودی صاحب کے پینترا بدلنے سے قبل بالاجماع حرام متعہ کا بعض ائمہ سے جواز ثابت کرنے میں مصروف تھے۔

⑦ مودودی صاحب اور دجال

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے قبل خروجِ دجّال کی پیشگوئی فرمائی ہے اس

پیشگوئی کے صدق پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔ کسی مسلمان کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے صدق میں شبہہ تو کیا وہ اسکا وسوسہ لانے کو بھی کفر سمجھتا ہے مگر مودودی صاحب کی شوق تخریب میں دریدہ دہنی ملاحظہ فرمائیں۔

رسائل و مسائل صفحہ ۵۵ تا ۵۷ میں مزاحیہ انداز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی تکذیب کی ہے، ذرا اس مجدد اسلام کی قوت استدلال کا بھی اندازہ لگائیں رسائل و مسائل میں فرماتے ہیں کہ ساڑھے تیرہ سو سال گزرنے پر بھی دجال ظاہر نہیں ہوا اس سے اسکی حقیقت واضح ہو گئی۔ سبحان اللہ، کیسی دلیل ہے، اگر شیطان نے یہی دلیل انکار قیامت سے متعلق بھی القاء کر دی تو مودودی صاحب فرمانے لگیں گے کہ دیکھا چودہ سو سال گزرنے پر بھی قیامت نہیں آئی، اس سے ثابت ہوا کہ قیامت کا خیال محض افسانہ ہے اور آیت "اقتربت الساعۃ" انہی افسانہ نویسوں کا اختراع ہے۔

⑧ مودودی صاحب اور تقیّہ

مودودی صاحب نے تقیّہ میں حیرت انگیز کردار ادا کیا کہ لفظ تقیّہ میں بھی تقیّہ سے کام لیکر اس کے لئے "حکمتِ عملی" کی جدید اصطلاح وضع کی پھر جواز تقیّہ پر استدلال کے لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر افترا باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی۔ ترجمان القرآن بابت دسمبر سنہ ۱۹۵۶ء میں حکمتِ عملی (تقیّہ) کا ثبوت یوں پیش کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حکمتِ عملی (تقیّہ) کے تحت قرآنی مساوات کے خلاف "الائمۃ من القریش" کا فیصلہ فرمایا،

غور طلب

مندرجہ ذیل عقائد مذہب شیعہ کا شعار اور مابہ الامتیاز ہیں :

(۱) تحریفِ قرآن

(۲) بغضِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(۳) سلف صالحین کو گمراہ قرار دینا اور ان کو ہدفِ ملامت بنانا

(۴) متعہ

(۵) تقیّہ

مودودی صاحب ان پانچوں عقائد میں شیعہ سے متفق ہیں۔ مودودی صاحب کی عبارت سے ان کا عقیدۂ تحریف قرآن معنوی صراحۃً اور تحریف لفظی لزوماً ہم اوپر ثابت کرچکے ہیں، مسئلہ متعہ پر چاروں طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی تو تقیۃً اسے گول کردیا اور تقیہ میں بھی یوں تقیہ کیا کہ اسکا نام بدلکر حکمت عملی رکھدیا۔ شیعہ مذہب میں تقیہ اسلام کا اتنا ضروری رکن ہے کہ بدون تقیہ اسلام قبول نہیں، اسی لئے مسلمان امام کے پیچھے صفِ اوّل میں شیعہ کا نماز پڑھنا ثواب میں حضور صلی اللہ علیہ سلم کے پیچھے نماز پڑھنے کے برابر ہے جب اسی قسم کے پکّے تقیہ باز شیعہ ۳۱۳ ہو جائیں گے تو امام مہدی غار سے نکلیں گے۔

(حوالجات بندہ کے رسالہ حقیقتِ شیعہ میں ملاحظہ فرمائیں)

مودودی صاحب کے عقائدِ بالا کو دیکھ کر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ کہیں آپ بھی ان ۳۱۳ میں سے تو نہیں، بعض قابلِ اعتماد ذرائع سے انکشاف ہوا ہے کہ مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" مشہور شیعہ مطہر علی کی عربی کتاب "منہاج الکرامۃ معرفۃ الامامۃ" کا ترجمہ ہے۔

مودودی صاحب شیعہ رہنماؤں کی نظر میں

(۱) شیعہ ماہنامہ پیامِ عمل لاہور دسمبر سنہ ۱۹۶۳ء میں عنوان "کیا صحابہ معیارِ حق ہیں" کے تحت دستور جماعتِ اسلامی کی وہ دفعہ جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معیارِ حق نہ ہونیکا بیان ہے پیش کرکے لکھا ہے:

"یہی تو ہم بھی کہتے ہیں اور یہی ہمارا سب سے بڑا جرم سمجھا جاتا ہے۔" (پیامِ عمل ص۱۱)

پھر عنوان "صحابہ مرجع نہیں" کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق مودودی صاحب کی ایک عبارت ترجمان القرآن نومبر سنہ ۱۹۶۳ء سے نقل کرکے لکھا ہے:

"پھر شیعہ کیوں قابلِ گردن زدنی سمجھے جاتے ہیں" (پیامِ عمل)

(۲) تہران میں شیعہ ادارے مودودی صاحب کی کتابوں کے فارسی تراجم چھاپ رہے ہیں۔

(۳) خمینی کا علانیہ کفر، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے انتہائی بغض وعداوت اور انکی شان میں بہت سخت گستاخیاں کسی پر مخفی نہیں، وہ اپنی کفریات کو بذریعہ تقیہ چھپا نہیں رہا بلکہ اپنی کتابوں کے ذریعہ دنیا بھر میں شائع کررہا ہے۔

ایسے زندیق کے ساتھ مودودی صاحب کی دلی محبت، گہری دوستی اور بہت مستحکم روابط وتعلقات

بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، خود ان کے صاحبزادے اور جماعت کے دوسرے رہنما انکی باہم گہری دوستی کو بہت فخر سے بیان کرتے ہیں، اخباروں اور مستقل کتابوں کے ذریعہ خوب اچھال رہے ہیں، یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں اور دنیا بھر میں ایسی مسلم و مشہور ہے کہ اس کے اثبات کے لئے شواہد پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں، تاہم عالم دنیا سے بے خبر حضرات کے لئے مودودی صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق کی شہادت نقل کی جاتی ہے:

"سب سے پہلے مجھے ایران کے سفیر کا فون موصول ہوا تھا، انھوں نے پیشکش کی تھی کہ وہ میت کو لاہور پہنچانے کے تمام انتظامات کرنے کو تیار ہیں' ہم علامہ خمینی' ایرانی سفیر اور ایرانی عوام کے شکر گزار ہیں' علامہ خمینی کے ساتھ مولانا مودودی کے دیرینہ تعلقات تھے' علامہ خمینی نے ۱۹۵۰ء میں مولانا مرحوم کی متعدد کتابوں کا فارسی ترجمہ کرکے انھیں اپنے مدرسہ کے نصاب میں شامل کیا تھا، ۱۹۶۳ء میں انھوں نے حج کے موقع پر مکہ میں مولانا مرحوم سے ملاقات کی، اگر ایرانی سفیر کا تعاون حاصل کرلیا جاتا تو تہران میں نماز جنازہ ہوتی جس میں علامہ خمینی بھی شرکت کرتے" (روزنامہ جنگ' ۲۸ ستمبر ۱۹۷۹ء)

مزید سنسنی خیز انکشافات کتب ذیل میں دیکھئے:

(۱) الشقیقان، المودودی والخمینی، المجلس العالمی لصیانۃ الاسلام کراتشی الباکستان۔

(۲) دو بھائی، ابوالاعلیٰ مودودی اور امام خمینی، عالمی مجلس تحفظ اسلام کراچی پاکستان۔

(۳) سفرنامہ ایران، سید اسعد گیلانی مکتبہ اردو ڈائجسٹ۔

(۴) انقلاب ایران، سید اسعد گیلانی۔

مودودی صاحب اور اعتزال

اہل سنت کے تمام مسالک اس پر متفق ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی درجہ نہیں۔ ہر انسان یا مسلمان ہوگا یا کافر۔ اہل سنت کے خلاف صرف معتزلہ اسکے قائل ہیں کہ انسان ایمان اور کفر کے درمیان معلّق بھی ہوسکتا ہے بعینہ یہی عقیدہ مودودی صاحب کا ہے، چنانچہ آپ نے لاہوری مرزائیوں کو بھی ایمان اور کفر کے درمیان لٹکا رکھا ہے جبکہ تمام اہل سنت کے علاوہ اہل بدعت اور شیعہ تک بھی ان کے کفر پر متفق ہیں۔

_______ مودودی صاحب کی تحریر کا عکس آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

مودودی صاحب اور تخریب اسلام - ۲۸

مودودی صاحب کی مندرجہ ذیل تحریر پڑھ کر فیصلہ کیجئے کہ یہ اہلِ سنّت ہیں یا معتزلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فون نمبر ۲۵۰۰۷

جماعت اسلامی پاکستان

۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

حوالہ 227

تاریخ 12-10-68

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا۔ مرزائیوں کی لاہوری جماعت کفر و اسلام کے درمیان معلّق ہے۔ یہ نہ ایک مدعی نبوت سے بالکل برأت ہی ظاہر کرتی ہے کہ اس کے افراد کو مسلمان قرار دیا جا سکے۔ نہ اس کی نبوت کا صاف اقرار ہی کرتی ہے کہ اس کی تکفیر کی جا سکے۔

خاکسار

غلام علی

معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

یہ جواب میری ہدایات کے مطابق ہے

ابوالاعلیٰ

کیا مودودی صاحب مذہبِ اہلِ سنّت پر ہیں؟

اللہ تعالیٰ سورۂ حشر میں مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکرِ خیر کے بعد آئندہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ "وہ اپنے اسلاف کے لئے دعاءِ مغفرت اور اُن کے ساتھ بغض سے حفاظت کی دُعاء کرتے ہیں" اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد اُن پر طعن نہ کرو، کیونکہ جس نے اُن سے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی، اور جس نے اُن سے بُغض رکھا میرے بُغض کی وجہ سے رکھا، اور جس نے اُن کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی، اور جس نے مجھے ایذاء پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچائی وہ اس کی گرفت سے بعید نہیں، (جمع الفوائد، ص ۴۹۱ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ جب تم میرے صحابہ کو بُرا کہنے والوں کو دیکھو تو تم یوں کہو کہ تمھارے بُرے پر اللہ کی لعنت، (ترمذی ص ۵۴۹ ج ۲)

تفسیر قرطبی سورۃ الفتح میں یہ حدیث منقول ہے کہ جس نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُرا کہا اس پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت نہ ہی اُن کی توبہ قبول فرمائیں گے اور نہ فدیہ اھ، ان ارشادات اور اسی مضمون کی اور بہت سی آیات و احادیث کی بناء پر تمام اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ محبت فرض ہے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی بُرا کہنے والے کا ایمان خطرہ میں ہے، چند تصریحات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) شرح عقائد نسفی میں اسلام کا ایک عقیدہ یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر بجز خیر کے نہ کرے،

(۲) علامہ سید جرجانی فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم اور اُن پر اعتراض سے احتراز واجب ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات میں اُن کی مدح و ثناء فرمائی ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے محبت فرماتے تھے، اور آپ نے بہت سی احادیث میں اُن کی تعریف فرمائی ہے، (شرح مواقف مقصد سابع)

(۳) علامہ سفارینی رحمہ اللہ تعالیٰ "الدرّۃ المضیئۃ" اور اس کی شرح "لوامع الانوار البہیۃ" میں فرماتے ہیں کہ اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ ہر شخص پر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پاک صاف سمجھنا اور اُن پر اعتراض سے بچنا اور اُن کی تعریف کرنا فرض ہے، اور یہ پوری امت کا مذہب ہے، (شرح عقیدۃ سفارینی ص ۳۳۸ ج ۲)

مودودی صاحب اور تخریب اسلام ــــ ۳۰

④ علامہ سفارینی رحمہ اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ایک اور مقام میں فرماتے ہیں، اہلِ حق کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت رکھنا اور ان کے آپس میں جو واقعات پیش آئے ان کو لکھنے پڑھنے، پڑھانے، سننے اور سنانے سے احتراز کرنا، اور اُن کے محاسن کا ذکر، اُن سے رضامندی کا اظہار، اُن سے محبت رکھنا اور اُن پر اعتراض سے بچنا فرض ہے، (شرح عقیدۂ سفارینی ص ۳۸۶ ج ۲)

⑤ امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اہلِ سنت کا عقیدہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو وجوباً پاک صاف سمجھنا، اُن پر اعتراض سے بچنا اور اُن کی تعریف کرنا ہے (مسایرہ، ص ۱۳۲)

⑥ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ امام ابوزرعہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، جب کسی کو کسی بھی صحابی کی تنقیص کرتے دیکھو تو یقین کر لو کہ یہ زندیق ہے، اس لئے کہ قرآن، حدیث اور پورا دین ہم تک صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واسطہ سے پہنچا ہے، پس جو صحابہ پر تنقید کرتا ہے وہ پورے دین کو باطل کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اس پر گمراہی اور زندقہ کا حکم لگانا عین حق ہے (شرح عقیدہ سفارینی، ص ۳۸۹ ج ۲)

⑦ امام ابن صلاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، قرآن، حدیث اور اجماعِ امت سے یہ امر طے شدہ ہے کہ کسی صحابی کی پاکیزگی کے بارے میں سوال کی بھی گنجائش نہیں (علوم الحدیث ص ۲۶۴)

⑧ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اہلِ سنت کے بنیادی عقائد میں سے اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں صاف رکھنا ہے (شرح عقیدۂ واسطیہ ص ۴۰۳)

⑨ حافظ ابن تیمیہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کوئی برائی بیان کرے، یا کسی ایک پر کسی عیب کا الزام لگائے، جو ایسا کرے اس کو سزا دینا واجب ہے، لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برائی کرتے ہیں، جو شخص صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی برائی کرے اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو، (الصارم المسلول)

⑩ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کے قلب میں کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض ہو وہ حکمِ الٰہی وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (الی قولہ) لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کی زد میں ہے، اور فرمایا کہ ان لوگوں کا اصل مقصد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و توہین ہے، مگر اس کی جرأت نہ ہوئی تو آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تنقیص کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس کے صحابہ ایسے ویسے ہیں وہ خود بھی ایسے ہی ہوں گے، (الصارم المسلول)

(۱۱) ابراہیم بن میسرہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کو کبھی کسی کو خود مارتے نہیں دیکھا، مگر ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہا تو اس کو انھوں نے خود کوڑے لگائے، (الصارم المسلول)

(۱۲) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض رکھے یا اُن میں سے کسی ایک کی برائی کرے اس کے لئے عذاب الیم ہے، جو اُن حضرات کو برا کہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے اُن کو قرآن پر ایمان سے کیا واسطہ؟ (تفسیر ابن کثیر)

(۱۳) امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے کسی ایک صحابی کی بھی برائی کی خواہ وہ ابوبکر، عمر، عثمان ہوں یا معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تو اگر وہ یہ کہے کہ یہ حضرات گمراہی یا کفر پر تھے تو اس کو قتل کیا جائے گا، اور اگر اس کے سوا کوئی اور برائی کی تو اس کو بہت سخت سزا دی جائیگی (مکتوبات امام ربانی ۲۵۱/۱ ص ۲۱۵ دفتر اول)

(۱۴) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، یقین کیجئے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی برائی کرنا حرام ہے، اور بہت بڑا گناہ ہے، اور ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ سزا دی جائے، اور بعض مالکیہ فرماتے ہیں کہ قتل کیا جائے (نووی علی مسلم، ص ۳۱۰ ج ۲)

شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے کسی ایک کی برائی کرنے والے کے لئے احناف بھی قتل کا حکم دیتے ہیں،

مندرجہ بالا تصریحات کے بعد کسی بھی انصاف پسند کو اس فیصلہ میں کوئی تردد نہیں رہ سکتا کہ مودودی صاحب اہل سنت میں سے نہیں، نیز یہ بھی فیصلہ کر سکتا ہے کہ شرعی عدالت میں اُن کی سزا کیا ہے؟

مودودی صاحب سے صرف دو سوال

ہم آخر میں مودودی صاحب سے صرف دو سوالوں کا جواب چاہتے ہیں۔

(۱) آپ کا طریق فکر، اصول روایت اور جدید اسلام کے قواعد و ضوابط اور اس طریق کے محافظ و حامل رجال کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کی نشاندہی فرمائیں کہ کون کونسی کتب، علماء، مدارس اور کونسی فقہ آپ کے خیالات کی ترجمانی کر رہی ہے؟ اگر یہ دعوی کریں کہ ہمنے یہ نظریات کتابوں سے لئے ہیں تو یہ اصول مشاہد و مسلم اور

متفق علیہ ہے کہ دنیا کا کوئی فن بھی ماہرین فن کی صحبت اور تربیت کے بغیر صرف مطالعۂ کتب سے حاصل نہیں ہوسکتا تو دین کا فہم اس اصول سے کیوں مستثنیٰ ہے؟ اور اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو جس اسلام کے قواعد وضوابط کی تدوین وتشریح چودہ سو سال تک نہ ہوسکی وہ کیسے قابلِ اعتماد ہوسکتا ہے؟

(۲) جب کسی صحابی کی تقلید بھی جائز نہیں بلکہ گناہ سے شدید تر ہے تو آپ اپنی اطاعت اور تقلید کیوں واجب قرار دے رہے ہیں؟

ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ صرف اُمور انتظامیہ میں امیر کی اطاعت لازم ہے اس لئے کہ اس کے سوا نظم چل ہی نہیں سکتا تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہی علت تقلید میں بھی موجود ہے اس ہوا پرستی کے دور میں ہر مدعی علم کو اگر اجتہاد کی اجازت دیدی جائے تو سارا دین منہدم ہوجائیگا اب نمبروار سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) جماعتِ اسلامی اہلِ سُنت سے خارج ہے اور اپنے مخصوص عقائد کی وجہ سے عام مسلمانوں سے الگ ایک مستقل فرقہ ہے۔

(۲) ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون جائز نہیں۔

(۳) ان میں رشتے کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ نکاح صحیح ہوجائے گا۔

(۴) ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اگر کسی مسجد میں اس عقیدہ کا امام ہو تو با اثر حضرات پر اسے علیحدہ کرنے کی کوشش کرنا فرض ہے، اگر مسجد کی منتظمہ امام بدلنے پر تیار نہ ہو تو اہلِ محلہ پر فرض ہے کہ ایسی منتظمہ کو برطرف کرکے دوسری صحیح العقیدہ منتظمہ منتخب کریں۔

آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھیں اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھیں

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین آمین

۲۸ صفر سنہ ۱۳۸۶ھ

معذرت

مَیں نے اس مضمون پر نظر ثانی کے وقت چاہا کہ مودودی صاحب کی تصنیف کو کچھ مزید دیکھ لیا جائے، مگر جیسے دیکھنا شروع کیا تو خرافات کے اتنے بڑے انبار نظر آئے کہ ہر ایک میں سے بطور نمونہ بھی کچھ تھوڑا سا حصہ نقل کیا جائے تو اس کے لئے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت پڑے گی، اس لئے آگے دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

جماعت اسلامی

کے افراد کے لئے لمحۂ فکریہ

① کیا جماعت میں داخل ہونے سے پہلے بھی حضرات صحابۂ کرام بالخصوص حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق آپ کو یہ بدظنی تھی جو اب ہے ———— ؟

② علماء اُمت کے بارے میں جو بدگمانی آپ کو اب ہے کیا وہ جماعت میں داخل ہونے سے پہلے بھی تھی ———— ؟

③ کیا آپ جماعتِ اسلامی کے سوا مسلمانوں کے سب مسالک کو پہلے بھی غلط سمجھتے تھے ———— ؟

اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہوگا تو انصاف سے بتائیے کہ کیا جماعتِ اسلامی عام مسلمانوں سے الگ ایک نیا مستقل مذہب نہیں جسکا پہلے کوئی وجود نہ تھا؟ اور کیا آپ خود بھی اپنے کو عام مسلمانوں سے الگ نہیں سمجھ رہے — ؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر نئے مذہب کے فتنے سے محفوظ رکھیں اور اپنے قدیم دین پر قائم رکھیں۔ آمین

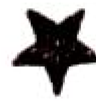
رشید احمد

۶ ر ذی قعدہ سنہ ۹۶ ہجری

کتبہٗ فاروق

مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام۔ ۳۴

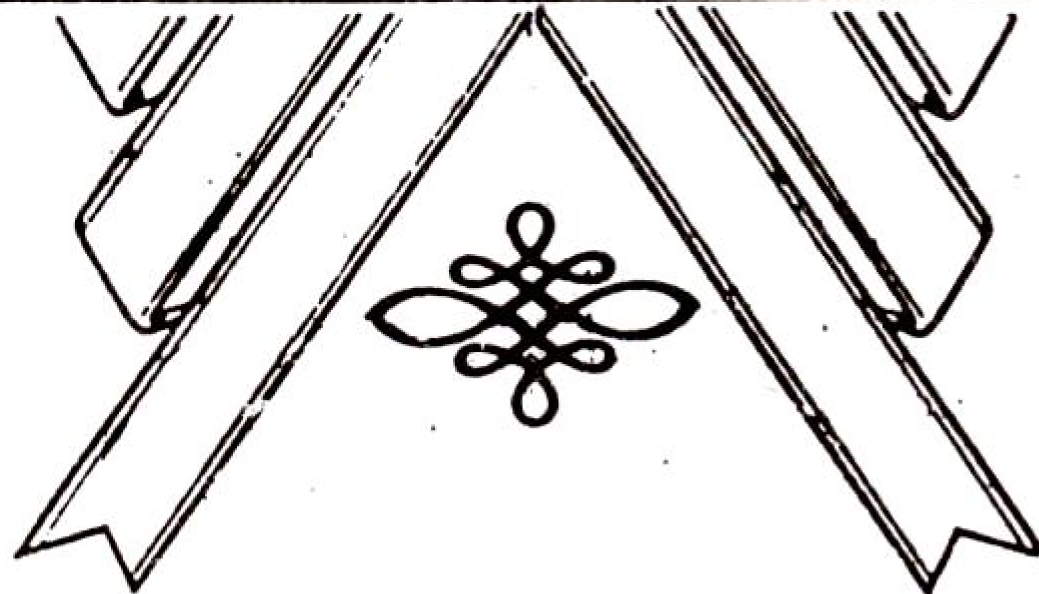




وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِٱللَّهِۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ



نيل الفضيلة بسؤال الوسيلة



فاروق

وسیلہ کا ثبوت

سوال، توسّل بالانبیاء والاولیاء جائز ہے یا نہیں؟ نیز توسّل بالاحیاء والاموات اور توسّل بالذوات والاعمال میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ مدلّل بیان فرمائیں، والاجر عند اللہ الکریم۔

الجواب باسم ملهم الصواب

توسّل خواہ احیاء سے ہو یا اموات سے، ذوات سے ہو یا اعمال سے، اپنے اعمال سے ہو یا غیر کے اعمال سے، بہرحال اسکی حقیقت اور ان سب صورتوں کا مرجع توسل برحمۃ اللہ تعالیٰ ہے بایں طور کہ فلاں مقبول بندہ پر جو رحمت ہے اسکے توسّل سے دُعا کرتا ہوں یا فلاں نیک عمل اپنا یا غیر کا جو محض آپ کی عطا اور رحمت ہے اس سے توسّل کرتا ہوں۔ چونکہ توسل بالرحمۃ کے جواز بلکہ ارجی للقبول ہونے میں کوئی شبہہ نہیں اور یہ سب صور مذکورہ کو شامل ہے لہٰذا توسّل کی مذکورہ فی السؤال سب صورتیں جائز ہیں۔

ھنالك دعا زکریا ربہ میں حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام پر رحمت سے توسل اور آپ کی دُعا کا قبول ہونا مذکور ہے، اصحابِ غار نے اپنے اعمال کے توسّل سے دُعا کی اور غار سے نجات پائی، اس کی حقیقت بھی وہی ہے کہ یا اللہ! آپ کی جس رحمت نے ہمیں فلاں فلاں عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی اس رحمت کے توسّل سے دُعا کرتے ہیں۔ توسّل کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد اس کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں، معہذا چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یہود آپکے توسّل سے مشرکین پر فتح ونصرت کی دُعائیں کیا کرتے تھے۔ ولما جاءھم کتٰب من عند اللہ مصدق لما معھم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ نزلت فی بنی قریظۃ والنضیر کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل مبعثہ قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وقتادۃ والمعنی یطلبون من اللہ تعالیٰ ان ینصرھم بہ علی المشرکین کما روی السدی انھم کانوا اذا اشتد الحرب بینھم وبین المشرکین اخرجوا التوراۃ ووضعوا ایدیھم علی موضع ذکر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقالوا اللھم انا نسألك بحق نبیك الذی وعدتنا ان نبعثہ فی اٰخر الزمان ان تنصر

الیوم علی عدو نافینصرون (روح المعانی ص۲۸۹ ج۱)

واخرجہ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابی نعیم والحاکم والبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (الدر المنثور ص۸۸ ج۱)

(۲) عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع اللہ لی ان یعافینی فقال ان شئت اخرت لک وھو خیر وان شئت دعوت فقال ادعہ فامرہ ان یتوضأ فیحسن وضوءہ ویصلی رکعتین ویدعو بھذا الدعاء اللھم انی اسألک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی قد توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی اللھم فشفعہ فیّ قال ابو اسحٰق ھذا حدیث صحیح (ابن ماجۃ ص۹۹)

قال فی انجاح الحاجۃ ھذا الحدیث اخرجہ النسائی والترمذی فی الدعوات مع اختلاف یسیر وقال الترمذی حسن صحیح وصححہ البیہقی وزاد فقام وقد ابصر وفی روایۃ ففعل الرجل فبریٔ ذکر شیخنا عابد السندی فی رسالتہ والحدیث یدل علی جواز التوسل والاستشفاع بذاتہ المکرم فی حیوتہ۔

(۳) واما بعد مماتہ فقد روی الطبرانی فی الکبیر عن عثمان بن حنیف المقدم ان رجلا کان یختلف الی عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حاجۃ لہ فکان لا یلتفت الیہ ولا ینظر فی حاجتہ فلقی ابن حنیف فشکی الیہ ذلک فقال لہ ابن حنیف ائت المیضأۃ فتوضأ ثم ائت المسجد فصل رکعتین ثم قل اللھم انی اسألک واتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ الیک الی ربک فتقضی حاجتی وتذکر حاجتک فانطلق الرجل فصنع ما قال ثم اتی باب عثمان فجاء البواب حتی اخذہ بیدہ فادخلہ علی عثمان فاجلسہ معہ علی الطنفسۃ فقال حاجتک؟ فذکر حاجتہ فقضاھا لہ ثم قال ما ذکرت حاجتک حتی کان الساعۃ وقال ما کانت لک من حاجۃ فاذکرھا ثم ان الرجل خرج من عندہ فلقی ابن حنیف فقال لہ جزاک اللہ خیرا ما کان ینظر فی حاجتی ولا یلتفت الیّ حتی کلمتہ فیّ فقال ابن حنیف واللہ ما کلمتہ ولکنی شھدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واتاہ ضریر فشکی الیہ ذھاب بصرہ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او تصبر فقال یا رسول اللہ لیس لی قائد وقد شق علیّ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ائت المیضاۃ وتوضأ ثم صل رکعتین ثم ادع بھذہ الدعوات قال ابن حنیف فواللہ ما تفرقنا وطال بنا الحدیث حتی دخل علینا الرجل کان لم یکن بہ ضر قط ورواہ البیہقی من طریقین نحوہ واخرج الطبرانی فی الکبیر والمتوسط بسند فیہ روح بن صلاح وثقہ ابن حبان والحاکم وفیہ ضعف وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح (انجاح الحاجۃ علی سنن ابن ماجۃ ص۹۹)

(۴) وقد کتب شیخنا المذکور رسالۃ مستقلۃ فیہا التفصیل من اراد فلیراجع الیہا وذکر فیہا حدیث البیہقی وابن ابی شیبۃ عن مالک الدار قال اصاب الناس قحط فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجاء رجل الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم استسق اللہ لامتک فانہم قد هلکوا فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منامہ فقال ائت عمر فاقرأہ السلام واخبرہ و القصۃ مذکورۃ فی الاستیعاب لابن عبد البر (انجاح الحاجۃ حاشیۃ ابن ماجۃ ص۹۹)

(۵) عن مصعب بن سعد قال رأی سعد ان لہ فضلا علی من دونہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل تنصرون وترزقون الا بضعفائکم رواہ البخاری (مشکوٰۃ ص۴۴۶) وعند النسائی انما نصر اللہ ھذہ الامۃ بضعفائھا ودعوتھم واخلاصھم۔

(۶) عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون او تنصرون بضعفائکم رواہ ابوداود (مشکوٰۃ ص۴۴۷)

(۷) عن امیۃ بن خالد بن عبد اللہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یستفتح بصعالیک المہاجرین رواہ فی شرح السنۃ (مشکوٰۃ ص۴۴۷)

جب مواقع رحمت کی صرف مجاورۃ ہی بدون دعا وتوسل کے جالبِ رحمت ہے تو دعا اور توسل بالرحمۃ کیونکر جالب نہ ہوگا؟

(۸) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عمر بن الخطاب کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب فقال اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبیّنا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبیّنا فاسقنا فیسقوا۔ رواہ البخاری (مشکوٰۃ ص۱۳۲)

غیر مقلدین کے امام شوکانی

غیر مقلدین وسیلہ کے منکر ہیں مگر اُن کے امام شوکانی نے اس حدیث مذکور پر باب الاستسقاء بذوی الصلاح قائم کیا ہے۔ اور حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ویستفاد من قصۃ العباس استحباب الاستشفاع باھل الخیر والصلاح واھل بیت النبوۃ (نیل الاوطار ص۹ ج۴) وکذا فی عمدۃ القاری ص۴۳۷ ج۳ وفتح الباری ص۳۹۹ ج۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل سے بعض حضرات نے جواز توسل کی تخصیص بالاحیاء کا دعوی کیا ہے جو صحیح نہیں، جب توسل ثابت ہوگیا تو احیاء و اموات میں مابہ الفرق کیا ہے؟ اگر کچھ

فرق تسلیم کرلیا جائے تو مسئلہ برعکس ہونا چاہیئے کیونکہ زندہ انسان تغیر احوال سے مامون نہیں اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ کسی کی اقتدار کرنا چاہو تو میّت کی اقتدا کرو، عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحیّ لا تؤمن علیہ الفتنۃ الحدیث رواہ رزین (مشکوٰۃ ص۳۲)

پس جب باجماع صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم توسّل بالحی کا استحباب ثابت ہوا تو توسّل بالمیت بطریق اَولی مستحب ہوگا۔ علاوہ ازیں دلیل اوّل، ثالث اور رابع توسل بالمیت کے باب میں صریح ہیں۔

باقی رہا یہ اشکال کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں توسّل کیا؟ سو اس کی چند توجیہات ہوسکتی ہیں۔

(۱) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ سے توسّل کے ساتھ آپ کی دعا بھی مقصود تھی۔

(۲) اس پر تنبیہ مقصود تھی کہ توسّل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک توسّل بذاتہ دوسری توسّل باہلِ قرابتہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

(۳) یہ بتانا مقصود تھا کہ توسّل بغیر الانبیاء علیہم السلام من الاولیاء والصلحاء بھی باعثِ برکت و جالبِ رحمت ہے۔

(۴) طبع انسانی اپنے اندر موجود محسوس مبصر شخص پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھیجنے اور دُعا کی درخواست پہنچانے میں انسانی وسائط کا اہتمام کیا جاتا ہے حالانکہ ملائکہ کا واسطہ انتہائی سریع ہونے کے ساتھ انتہائی قوی بھی ہے نہ ادائے امانت میں غفلت کا خطرہ نہ نسیان کا اندیشہ۔

وفقنا اللہ الجمیع لما یحب و یرضی بنبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم، آمین

منتصف شعبان سنہ ۹۶ ہجری

الحاق

اس مسئلہ میں جانبین اس قدر غلو کا شکار ہیں کہ ایک دوسرے کی تکفیر و تجہیل، اپنے دلائل کی تحریر اور دوسرے کے دلائل کی تردید میں اوراق کے اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں، میں نے جو دلائل لکھے ہیں ان کی تائید و تردید میں بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے جبکہ مختصر سی حقیقت یہ ہے کہ میری محررہ صورت کے مطابق توسل برحمۃ اللہ بالاتفاق جائز بلکہ مستحب ہے اور مشرکین کی طرح غیر اللہ سے استعانت کی صورت میں توسل بالاتفاق شرک ہے، غالباً اس حقیقت کے وضوح کے بعد اختلاف صرف لفظی ہی رہ جائے گا۔ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔

۲۴ رجب سنہ ۱۴۲۰ھ

باب ردّ البدعات

دعا بعد نماز جنازہ

سوال: نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟ بیّنوا بالدلیل

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین سے ثابت نہیں، اس لئے فقہاء اسے ناجائز اور مکروہ فرماتے ہیں چنانچہ تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابوبکر بن حامد فرماتے ہیں۔ ان الدّعاء بعد صلوٰة الجنازة مکروہ (فوائد بہیہ ص۱۵۲ ج۱)

شمس الائمہ حلوانی متوفی سنہ ۴۵۴ھ اور شیخ الاسلام علامہ سغدی متوفی سنہ ۴۶۱ ہجری فرماتے ہیں، لا یقوم الرّجل بالدّعاء بعد صلوٰة الجنازة (قنیہ ص۵۶ ج۱)

وفی الفتاوی السّراجیة، اذا فرغ من الصّلوٰة لا یقوم داعیاله

(فتاوی سراجیہ مع قاضیخاں ج۱ ص۱۴۱)

ولا یقوم داعیاله (جامع الرموز ج۱ ص۱۲۴)

لا یدعو بعد التسلیم (البحر الرائق ج۲ ص۱۸۳)

ولا یدعوا للمیت بعد الجنازة لانہ یشبہ الزیادة فی صلوٰة الجنازة۔

(مرقاة شرح مشکوٰة ج۲ ص۳۱۹)

ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰة الجنازة لانہ دعا مرة لان اکثرها دعاء (بزازیہ مع ہندیہ ص۸۰ ج۱)

کتب مذکورہ کے علاوہ خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۲۵، فتاوی برجندی ج۱ ص۱۸۰، فتاوی برہنہ ص۳۶، مظاہر الحق شرح مشکوٰة ج۶ ص۵۷، نفع المفتی والسائل ص۱۴۳ وغیرہ میں بھی اس کی ممانعت اور کراہت منقول ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ شوال سنہ ۱۳۷۱ھ

اذانِ جمعہ کے بعد الصّلوٰة سنت رسول اللہ پکارنا

سوال: یہاں عام دستور ہے کہ نماز جمعہ میں اذان کے بعد الصلوٰة سنت رسول اللہ کا لفظ زور سے پکارا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب ومنه الصّدق والصّواب

یہ فعل محض بے بنیاد اور بدعت ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں، جب تثویب للفرض میں اختلاف ہے حالانکہ یہ ائمہ سے ثابت بھی ہے تو تثویب للسنۃ عدم ثبوت کی وجہ سے یقیناً ناجائز ہوگی۔ روی ان علیا رائ مؤذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا هٰذا المبتدع من المسجد وروی مجاهد قال دخلت مع ابن عمر مسجدا یصلی فیه الظهر فسمع مؤذنا یثوب فغضب وقال قم حتی نخرج من عند هٰذا المبتدع الخ (فتح) وابو یوسف خصّهم بذلک لزیادة اشتغالهم بامور المسلمین کیلا تفوتهم الجماعة وعلیٰ هٰذا القاضی والمفتی (قوله وابو یوسف خصهم) اخر ذکر وجه ابی یوسف لافادة اختیاره وکذا یظهر من کلام قاضی خان وغیره اختیار قول ابی یوسف فتح (قوله للکل) ای کل احد وخصّه ابو یوسف بمن یشتغل بمصالح العامة کالقاضی والمفتی والمدرس واختاره قاضی خان وغیره نهر (ردّ المحتار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ شوال سنہ ۱۳۷۱ھ

اذان علی القبر

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مُردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کہنا (جیساکہ ہمارے بلاد میں عام مروج ہے) شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب ومنه الصّدق والصّواب

اذان علی القبر کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، اس لئے بدعت ہے۔ قال فی الشامیة وفی الاقتصار علی ما ذکره من الوارد اشارة الی انه لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الاٰن وقد صرح ابن حجر فی فتاواه بانه بدعة (رد المحتار ۱۲ ج۱) من البدع التی شاعت فی الهند الاذان علی القبر (در البحار) توشیح شرح تنقیح لمحمود البلخی میں بھی اذان علی القبر کو "لیس بشیء" لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ ہجری

جنازہ کے ساتھ جہراً کلمہ پڑھنا

سوال: یہاں دستور ہے کہ میت کا جنازہ جب لے جاتے ہیں تو ساتھ ساتھ بلند آواز سے کلمۂ طیبہ کا ورد ضروری سمجھتے ہیں۔ کیا شرع میں اس کی کوئی اصل ہے؟ بیّنوا توجروا

۲۲

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جنازہ کے ساتھ جہراً کلمہ پڑھنا بدعت ہے۔ کما کرہ فیھا رفع صوت بذکر او قراءۃ فتح (الدر المختار) وفی الشامیۃ (قولہ کما کرہ) قیل تحریما وقیل تنزیھا کما فی البحر عن الغایۃ وفیہ عنھا وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت وفیہ عن الظھیریۃ فان اراد ان یذکر اللہ تعالی یذکرہ فی نفسہ لقولہ تعالی انہ لا یحب المعتدین ای الجاھرین بالدعاء وعن ابراھیم انہ کان یکرہ ان یقول الرجل وھو یمشی معھا استغفروا لہ غفر اللہ لکم اھ قلت واذا کان ھذا فی الدعاء والذکر فما ظنک بالغناء الحادث فی ھذا الزمان (رد المحتار باب الجنائز ج ۱) فقط واللہ تعالی اعلم　　　　۳ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ

دعا میں جہراً درود شریف اور آیت ان اللہ وملئکتہ الخ کو ضروری سمجھنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز کے بعد درود شریف بالجہر پڑھنا اور آیت ان اللہ و ملئکتہ الخ کو لازم جاننا اور درود شریف پڑھنے کو ضروری سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نماز کے بعد درود شریف یا آیت ان اللہ وملئکتہ الخ کو ضروری سمجھنا گناہ ہے۔ درود شریف پڑھنے میں اگرچہ بلاشبہ بہت بڑا ثواب ہے مگر اسے ضروری سمجھنا ناجائز ہے کسی مباح یا مستحب کام کو ضروری اور واجب قرار دینا گناہ ہے۔ وکل مباح یؤدی الیہ (ای الوجوب) فمکروہ (الدر المختار ج ا آخر باب سجود التلاوۃ) واما اذا سجد بغیر سبب فلیس بقربۃ ولا مکروہ وما یفعل عقیب الصلوۃ مکروہ ھکذا فی الزاھدی (عالمگیریہ ج ا آخر باب سجود التلاوۃ) وقال الطیبی فی شرح المشکوۃ تحت حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فی التزام الانصراف عن الیمین بعد الصلوۃ ان من اصر علی امر مندوب جعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان (مرقاۃ ص ۳۵۳ ج ۲) فقط واللہ تعالی اعلم
۳ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ ہجری

سوال مثلِ بالا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعا ثانیہ جو کہ عام مساجد میں مروّج ہے اس کے بارے میں فقہائے احناف کا کیا فتویٰ ہے۔ ایک فتویٰ میں جو اس سلسلہ میں اظہارِ خیال کیا گیا ہے اس کی عبارت بعینہٖ منسلک استفتا ہذا ہے، برائے

مہربانی اس کو پڑھ کر مبیّنہ دلائل کے متعلق ارشاد فرمایا جائے کہ وہ صحیح ہیں یا نہیں۔ اور اگر صحیح نہیں ہیں تو کس بنا پر صحیح نہیں ہیں۔ وضاحت سے بحکم شریعت اطلاع فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا

سوال: نمازوں کے بعد جو دعا ثانی کی جاتی ہے جس کے آخر میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ پھر آیت درود پڑھ کر درود پڑھتے ہیں آیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں۔ اکثر لوگ اسے ناجائز اور بدعت کہہ کر لوگوں کو روکتے ہیں، مفصّل تحریر فرمائیے۔

الجواب[۵]

نمازیں دو قسم کی ہیں۔ (۱) ایک وہ ہیں جن کے فرض کے بعد سُنتیں نہیں جیسے فجر و عصر، مسئلہ یہ ہے کہ فرض سے بعد والی سنتوں کو بہت زیادہ مؤخر کرنا مکروہ ہے۔ فرض کے بعد دعا مانگنے کو بہت مختصر پھر فوراً سنتیں شروع کر دی جائیں۔ فقہ حنفی کی کتاب درمختار میں ہے۔ ویکرہ تأخیر السنۃ الا بقدر اللّٰھم انت السلام الخ فتاوی عالمگیریہ میں ہے وفی الحجۃ الامام اذا فرغ من الظہر والمغرب والعشاء یشرع فی السنۃ ولا یشتغل بادعیۃ طویلۃ کذا فی التتارخانیہ۔ منیۃ المصلی اور اس کی شرح میں ہے فان کان بعدھا ای بعد مکتوبۃ تطوع یقوم الی التطوع بلا فصل الا مقدار ما یقول اللّٰھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام الخ پھر سنتیں شروع کردے۔ ہاں سنتیں ادا کرنے کے بعد دعا طویل مانگے۔ چنانچہ صاحب درمختار طویل دعا و ذکر سے فرض و سنت کے درمیان فرق نہ کرنے کے مسئلہ کے بعد فرماتے ہیں ویستحب ان یستغفر ثلاثا و یقرأ آیۃ الکرسی والمعوذات ویسبح ویحمد ویکبر ثلاثا وثلاثین ویھلل تمام المائۃ ویدعو ویختم بسبحان ربک رب العزۃ عما یصفون الخ یعنی سنتوں کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ العلی العظیم اور آیۃ الکرسی اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس الخ پڑھے پھر ۳۳، ۳۳ بار سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کہے اور ایک بار لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر کہے پھر دعا مانگے اور دُعا کو سُبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلامٌ علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین سے ختم کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ذکر طویل اور دعا مانگے وہ سنتوں کے بعد ہونا چاہیئے۔ فرضوں کے بعد تو دعا ہی نہیں صرف حمد و ثنا الٰہی کے مختصر کلمات ہیں اور وہ بھی فرض و سنت کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔ حقیقۃً دعا تو سنتوں کے بعد ہی ہے، تو یہ دُعا دُعا ثانی ہی نہیں بلکہ

---

[۵] یہ جواب کسی دوسرے صاحب کا ہے، حضرت مفتی صاحب کا جواب آگے آرہا ہے ۱۲ مرتب

یہ وہی دُعا ہے جس کے متعلق احادیث میں لکھا ہے کہ نماز کے بعد دعا مانگنی چاہیئے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ رواہ الترمذی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الدعاء مخ العبادۃ، لہٰذا امام اور مقتدی جو دعا سُنتوں کے پڑھنے کے بعد مانگتے ہیں یہ دعا بالکل جائز ہے احادیث سے ثابت ہے، مشکوٰۃ شریف باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں اس قسم کی دعاؤں کا ذکر موجود ہے۔ اب چونکہ یہ مقام مقام دُعا کا ہے۔ جب اپنی دنیا و آخرت اور اپنی جان و مال و اولاد و دفع مصائب وغیرہ کی دُعا مانگ رہا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی دعا مانگ لینا چاہیئے اور اس کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ اپنے لئے دُعا مانگنے کے بعد سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی اور اس کا ثواب حضور کو بخشنے کے لئے دعا کی اس میں کیا قباحت پیدا ہوگئی جو اس سے انکار کیا جاتا ہے۔ تفسیر روح البیان میں علامہ اسمٰعیل حنفی آیت ومن یشفع شفاعۃً حسنۃ الآیۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوٰۃ وغیرھا دعاء من العبد المصلی لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم عن ظھر الغیب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں اور نماز کے علاوہ درود بھیجنا یہ حضور کے لئے غائبانہ دُعا ہے۔ پھر فرماتے ہیں ولھٰذا اجوز الحنفیۃ قراءۃ الفاتحۃ للروح المطھرۃ علیھا السلام اسی واسطے حنفیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے۔

یہ دُعا تلاوت سورت فاتحہ ہوئی اور اسکے لئے ایصال ثواب کی دُعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ان الدعاء موقوف بین السماء والارض لا یصعد منھا شیء حتی تصلی علی نبیک رواہ الترمذی (مشکوٰۃ) دُعا آسمان وزمین کے درمیان رہتی ہے یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔ لہٰذا درود پڑھا گیا اور مقام درود یاد دلانے کے لئے جس طرح اُردو میں کہدیتے ہیں کہ درود شریف پڑھیے۔ قرآن کی آیت تلاوت کردی ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما اور آخر میں سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون الآیۃ پڑھ کر ختم کردی گئی جس کے متعلق اور فقہ حنفی سے بتایا گیا کہ دُعا اسی آیت پر ختم کرے۔ یہ ہے وہ طریقہ جو یہاں رائج ہے۔ اسکا ایک ایک جز احادیث اور فقہ حنفی سے ثابت ہے اس سے انکار کرنا اور بدعت قرار دینا سخت قسم کی غلطی اور احادیث وفقہ حنفی سے لاعلمی کی دلیل ہے یہانتک ان نمازوں کے متعلق بتایا گیا ہے جن کے بعد سنتیں ہیں جن کے بعد سنتیں نہیں وہاں تو دعا ثانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پہلی ہی دُعا ہے۔ اگرچہ اور نمازوں میں وہ پہلی ہی دُعا ہے۔ فرضوں کے بعد ذکر الٰہی کے الفاظ ہیں۔ واللہ اعلم

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس میں کوئی شک نہیں کہ نوافل کے بعد دعا مانگنا احادیث سے ثابت ہے اور کبھی اتفاقاً کسی نے امام کے ساتھ دعا مانگ لی تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کلام تو اس میں ہے کہ ساری جماعت امام کے فارغ ہونے تک منتظر بیٹھی رہتی ہے اور اس کا اسقدر التزام کیا جاتا ہے کہ پہلے اُٹھ جانے کو معیوب سمجھا جاتا ہے اور اس پر انکار اور لعن طعن کیا جاتا ہے۔ اگر امام زیادہ دیر تک نوافل میں مشغول رہا تو بھی کافی دیر تک انتظار کی زحمت اُٹھائی جاتی ہے۔ امام بھی اسقدر التزام کرتا ہے کہ اگر زیادہ دیر تک نوافل اوّابین وغیرہ پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے دُعا مانگ کر مقتدیوں کو فارغ کرکے مزید نوافل میں مشغول ہوتا ہے غرضیکہ امام اور مقتدین دونوں کی طرف سے مثل واجب اسکا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پھر دُعا میں بھی مخصوص طریق (جو سوال میں مذکور ہے) کا التزام کیا جاتا ہے۔ امام کے ساتھ بہیئت اجتماعیہ دُعا مانگنا حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں جس کا وجود ہی ثابت نہ ہو اسے وجوب کا درجہ دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جو امر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہ ہو اسے ثواب تصور کرنا یہ سمجھنے کے مترادف ہے کہ نعوذ باللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے دین کو سمجھا نہیں یا پوری طرح پہنچایا نہیں اسلئے دین ناقص رہا جس کی تکمیل آج ہم کر رہے ہیں۔ حالانکہ ارشاد ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ یہ لوگ اپنے عمل سے اس آیۂ کریمہ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ چونکہ اکمال دین اور اتمام نعمت ہو چکا تھا، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من احدث فی امرنا ھٰذا فھو ردّ" اور فرمایا "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الرّاشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ" اور فرمایا "کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار"

دو امر ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے مباح بلکہ مندوب امور بھی ناجائز ہو جاتے ہیں۔

(۱) التزام خواہ نفس فعل کا ہو یا کسی خاص زمان یا مکان یا ہیئت وکیفیت کا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بالقیام ولا یوم الجمعۃ بالصیام و قال فی شرح التنویر کل مباح یؤدی الیہ (الی الوجوب) فمکروہ (الدرالمختار آخر باب سجود التلاوۃ) وقال الطیبی فی شرح المشکوٰۃ فی التزام الانصراف عن الیمین بعد الصّلوٰۃ ان من اصرّ علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب

منہ الشیطان (مرقاۃ ص ۳۵۳ ج ۲)

(۲) کوئی مباح یا مندوب فعل ایسی کیفیت سے کیا جائے کہ عبادت منصوصہ پر زیادتی کا موہم ہو مثلاً سجدہ عبادت ہے مگر نماز کے بعد موہم زیادہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے قال فی الهندیۃ واما اذا سجد بغیر سبب فلیس بقربۃ ولا مکروہ وما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروہ هکذا فی الزاهدی (عالمگیریہ آخر باب سجود التلاوۃ)

اسی طرح میت کے لئے دعا مانگنا ثواب ہے مگر صلوٰۃ جنازہ کے بعد مکروہ ہے۔ ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح لعلی القاری)

دعا مبحوث عنہا میں عدم جواز کے دونوں سبب موجود ہیں التزام بھی اور موہم زیادہ ہونا بھی۔ اگر یہ دعا ثابت ہوتی اور مندوب بھی ہوتی تب بھی ناجائز ہو جاتی چہ جائیکہ اسکا ثبوت اور وجود ہی نہیں۔

اس کے بعد مجوزین کی تحریر کے متعلق کچھ عرض کر دینا ضروری ہے۔

قولہٗ ہاں سنتیں ادا کرنے کے بعد طویل دُعا مانگے الخ

اقول اس سے کس کو انکار ہے؟ آپ کا دعوی تو یہ ہے کہ امام کے ساتھ بہیئت اجتماعیہ دُعا مانگنا مسنون ہے اس پر کوئی دلیل لائیے۔ شرح التنویر کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں بھی حالتِ اجتماع پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دلائل ذیل سے ان ادعیہ طویلہ کا بحالت انفراد ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۱) نوافل کے بعد اوراد و ادعیہ احادیث سے ثابت ہیں۔ اگر بحالت اجتماعیہ ان کا وجود کبھی بھی ہوا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا۔ صحابۂ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، عادات اور حلیہ تک کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باب عبادت میں کیا ہو اور پھر پانچ دفعہ روزانہ واقع ہوتا رہا ہو۔ رأس العبادات اور مجمع عام میں اسکا وقوع ہوتا رہا ہو۔ اس کو کسی متنفس نے بھی روایت نہ کیا؟

(۲) نوافل کا گھر میں پڑھنا زیادہ ثواب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اسی پر عمل تھا اس حالت میں ظاہر ہے کہ دُعا بعد نوافل انفراداً ہی ہو سکتی ہے۔ قال فی الشامیۃ ان الاحسن من ذٰلک کلہ تطوعہ فی منزلہ لما فی سنن ابی داود باسناد صحیح صلوٰۃ

المرء فی بیتہ افضل من صلوٰتہ فی مسجدی ھٰذا الا المکتوبۃ (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۹۶)
جبکہ گھر میں نوافل پڑھنا مسجد نبوی بلکہ بتصریح فقہاء مسجد حرام میں پڑھنے سے بھی افضل ہے تو دیگر مساجد سے تو بطریق اَولیٰ افضل ہوگا۔

(۳) اگر کوئی اسکا ثبوت ہوتا تو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ضرور اس کی تصریح فرماتے۔ مگر یہ فقہ کی کسی کتاب میں بھی نہیں ہے۔ ایسے موقع پر فقہاء کا ذکر نہ کرنا عدم ثبوت کی دلیل ہے جیسے کہ فقہاء کا مفہوم مخالف بالاتفاق حجت ہے

قولہ لہٰذا امام ہر مقتدی الخ

اقول مطلقاً اس دعا کے جواز میں کلام نہیں۔ بحث ہیئت اجتماعیہ کے جواز میں ہے جو کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

قولہ اب چونکہ الخ

اقول اس میں کوئی شک نہیں کہ دعا میں سورۂ الحمد اور درود شریف پڑھنا موجب خیر و برکت ہے مگر اس کا التزام بہیئت مخصوصہ بدعت ہے۔

قولہ اس کا ایک ایک جزا حادیث اور فقہ حنفی سے ثابت ہے۔

اقول مطلق دعا بصورت انفراد کے سوا کوئی چیز بھی کسی حدیث یا کسی جزئیہ فقہیہ سے ثابت نہیں ہوسکی۔

قولہ اس سے انکار کرنا اور بدعت قرار دینا سخت قسم کی غلطی اور احادیث وفقہ حنفی سے لاعلمی کی دلیل ہے۔

اقول مجوزین حضرات سے استدعا ہے کہ کوئی ضعیف سے ضعیف صریح حدیث یا کوئی مرجوح سے مرجوح جزئیہ فقہیہ تحریر فرمائیں جس میں بحالت اجتماعیہ دعا کی صراحت ہو۔ حدیث و فقہ کے ذخیرہ سے کوئی ایک صریح جزئیہ پیش فرماکر تبحر علمی کی داد حاصل کریں۔ ودونہ خرط القتاد۔

فقط واللہ الھادی الی سبیل الرشاد

۱۶ ذی قعدۃ الحرام سنہ ۱۳۷۶ھ

تین دفعہ دعا مانگنے کا التزام

سوال: اس علاقہ میں دعا میں تین دفعہ ہاتھ اُٹھانے کا التزام کیا جاتا ہے اور استدلال میں مسلم کتاب الجنائز کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع میں تین دفعہ ہاتھ

اُٹھا کر دعا مانگی۔ اس حدیث کی توجیہ بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بقیع والی حدیث کے مندرجہ ذیل جواب دیئے جا سکتے ہیں۔

(۱) واقعہ واحدہ اتفاقیہ سے التزام پر استدلال درست نہیں۔ زیادہ سے زیادہ جواز بلا التزام ثابت ہوگا۔ التزام بہرحال ناجائز ہے۔

(۲) ممکن ہے کہ مختلف قبور پر متعدد دفعہ رفع ایدی ہوا ہو۔

(۳) یہ بھی احتمال ہے کہ ایک دفعہ دعا ختم کرنیکے بعد جدید دعا کا کوئی خاص داعیہ (مثلاً مزید رقت قلب و شان رحمت) پیدا ہوا ہو، اسی طرح دوسری دُعا ختم کرنیکے بعد تیسری دفعہ رفع ایدی خاص داعیہ کے تحت ہو۔

(۴) ممکن ہے کہ اسمیں حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو بایں طور کہ پہلے خصوصی شفاعت کے طور پر دُعا فرمائی ہو ختم کرنے پر پھر مزید دعا کرنے کا امر الٰہی ہوتا گیا، ان توجیہات کی ضرورت اس لئے ہے کہ اصل میں حدیث کا مفہوم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے صحابہ تابعین اور ائمہ کے قول و عمل کا ملاحظہ ضروری ہے۔ جو کام عبادت سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں صحابہ کے روبرو کیا ہو۔ پھر دعا کا واقعہ کوئی عمر بھر میں ایک آدھ نہیں بلکہ دن میں کئی مرتبہ کا ہے۔ پس اگر تثلیث کا کوئی ثبوت ہوتا اور صحابہ اسے ثواب سمجھتے تو ضرور اسے نقل کرتے اور خود بھی اس پر عمل کرتے۔ حالانکہ اُمت میں سے کسی نے نہ اسے نقل کیا اور نہ ہی اسکے مطابق عمل کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ رجب المرجب سنہ ۷۵ھ

نوافل کے بعد اجتماعی دُعا

سوال: دوسری دعا بعد از نوافل مقتدیوں کو امام کے ساتھ ملکر کرنا۔ نورالایضاح کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے ویستحب للامام بعد سلامہ ان یتحول الی یسارہ للتطوع بعد الفرض وان یستقبل بعدہ الناس (الی قولہ) ثم یدعون لانفسہم الخ اسکا کیا جواب ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نورالایضاح کی عبارت میں صرف دعا بعد النوافل کا ذکر ہے یہ نہیں لکھا کہ امام اور مقتدی ملکر

دعا کریں، یعنی سب لوگ دعا کریں مگر امام کے ساتھ مقتدیوں کا تعلق ہو اسکا کوئی ثبوت نہیں۔ مثلاً نماز فجر کے بعد متعدد لوگ بیک وقت تلاوتِ قرآن میں مشغول ہوتے ہیں بظاہر یہ تلاوت اجتماعی ہوتی ہے مگر درحقیقت ہر شخص اپنے طور پر اپنی تلاوت میں مشغول ہے کسی کا دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، نہ ابتدا ایک ساتھ کرنے کا اہتمام ہوتا ہے اور نہ انتہا، بلکہ ہر شخص اپنی فرصت و ہمت کے مطابق تلاوت کر کے فارغ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح فرض کے بعد والی دعا بھی امام کے ساتھ مل کر کرنا ثابت نہیں اگر اتفاقاً امام کے ساتھ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ التزام کی وجہ سے یہ فعل بدعت ہو جائیگا قاعدہ فقہیہ ہے کہ کسی مباح یا مندوب فعل کا لوگ التزام کرنے لگیں تو وہ ناجائز ہو جاتا ہے فرض اور نوافل میں اتنا فرق ہے کہ نوافل کے بعد امام کے ساتھ ملکر دعا کرنے میں التزام کا جو مظاہرہ اور دیگر قبائح پائے جاتے ہیں وہ فرائض کے بعد کی دعا میں نہیں مثلاً

(۱) فرائض کے بعد سُنن و نوافل گھر میں جاکر پڑھنا افضل ہے مگر نوافل کے بعد اجتماعی دُعا کے لئے اس فضیلت کو چھوڑ کر امام اور مقتدی مسجد ہی میں نوافل پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۲) نوافل کی تعداد رکعات اور ان میں مقدار تلاوت میں مختلف لوگ ہمت و فرصت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں مگر اجتماعی دعا کا التزام سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتا ہے چنانچہ کوئی پہلے فارغ ہو جائے تو وہ دعا کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اور اگر امام یا کوئی مقتدی زیادہ نوافل پڑھنا چاہے تو وہ اجتماعی دعا سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتا ہے اس لئے نوافل کے بعد کی دعا امام کے ساتھ ملکر کرنا خصوصاً اسکا مرّوج التزام بالاتفاق بدعت ہے حتّٰی کہ اہل بدعت بھی اسکے قائل نہیں، احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتوی ملاحظہ ہو۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرضوں کے بعد امام اور مقتدی جو دعا مانگتے ہیں یہ دعا جائز ہے یا نہیں۔ بعض اطراف میں امام فرض کے سلام کے بعد صرف اللّٰھم انت السلام پڑھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر سُنتوں سے فارغ ہو کر سب ملکر دعا مانگتے ہیں۔ مؤخر الذکر فریق والے پہلے فریق پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔

(۱) فرضوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

(۲) فقہاء نے فرض کے بعد اللّٰھم انت السلام الخ سے زیادہ تاخیر کرنے کو مکروہ لکھا ہے

سوال یہ ہے کہ ان دونوں طریق میں سے صحیح طریق کیا ہے؟ اور فقہ وحدیث کے موافق کون؟ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا جائے کہ کیا نوافل وسُنن کے بعد جماعت کا دعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

المستفتی خاکسار خلیفہ عبد الغنی کارخانہ دار دیگچی محلہ سور تگراں دھلی

الجواب فرائض کے بعد دُعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور فقہ میں اسکا جواز مصرح، فقط فرق یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں انکے بعد دعائے طویل نہ چاہیے، اللّٰھم انت السلام الخ یا اسکے مثل پر اقتصار مناسب ہے اور اتنی تطویل کہ مقتدیوں پر ثقیل ہو کبھی بھی نہ چاہیے اور سنن و نوافل سب سے فارغ ہوکر امام کا جماعت کے ساتھ دعا مانگنا کہیں منقول نہیں، اور اسمیں یہ بھی دِقّت ہے کہ کچھ لوگ صرف سنتیں پڑھیں گے اور کچھ نوافل بھی، اور پڑھنے والے بعض جلد فارغ ہو جائیں گے بعض دیر میں، تو جو پہلے فارغ ہو چکے ان سے بے سبب انتظار کرانا ہوگا لہٰذا یہ طریق لائق ترک ہے۔ ہاں اگر مقتدی سب راضی ہوں اور کسی پر ثقیل نہ ہو تو حرج اسمیں بھی کچھ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہٗ

ابو المظفر محمد اسمٰعیل محمد امجد علی اعظمی رضوی ۱۳۲۵ھ

(نفائس مرغوبہ تالیف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی)

فتوی مذکورہ کے مطابق اہلِ بدعت کی اکثریت بعد نوافل اجتماعی دعا پر عامل نہیں صرف دیہاتوں وغیرہ میں کچھ بدعتی لوگ اسکا التزام کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۶ ہجری

نمازوں کے بعد بلند آواز سے طویل دُعا

سوال: ائمۂ مساجد کا اس طرح دعا کرنا کہ پہلے تو فرائض کے بعد بلند آواز سے الحمد للّٰہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین پڑھے اسکے بعد اللّٰھم انت السلام الخ پھر قرآنی دعائیں پھر درود شریف تو کیا اس طرح دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دعا کے اس طریقہ میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

(۱) اجتماعیت اور اس کا التزام۔

(۲) ائتمام بالامام اور اس کا التزام، جبکہ شرعاً یہ صرف نماز کے ساتھ مختص ہے۔

(۳) جہر امام اور اس کا التزام، قال اللہ تعالیٰ: ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین ○ وقال حکایۃ عن زکریا علیہ السلام: اذ نادیٰ ربہ نداء خفیا ○

(۴) مسبوقین کی نمازوں میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

(۵) جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد طویل دعاء مکروہ ہے، قال فی العلائیۃ: ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللّٰھم انت السلام الخ (رد المحتار ص ۴۹۴ ج ۱)

(۶) عوام بلکہ خواص بھی اس طریق مبتدع کو مسنون سمجھتے ہیں۔

(۷) اس کا فرائض سے بھی زیادہ اہتمام والتزام کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

میلاد مروّج کی تحقیق

سوال: میلاد شریف جیسا کہ آجکل ہوتا ہے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اعتقاد کرنا کہ آپ میلاد کی مجلس میں تشریف لاتے ہیں اور یہ سمجھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہو جانا اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور کیا کرنا چاہئیے اور اگر میلاد وغیرہ کرے تو کس طریقے سے کرے۔ خلاصۂ حال فرمائیے۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وحالات پر مسلمانوں کو مطلع کرنا اسلام کا اہم ترین فرض ہے، اور ساری تعلیمات اسلامیہ کا خلاصہ یہی ہے اور اسی میں مسلمانوں کی بہبودی اور فلاح منحصر ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بڑے سرور اور فرحت کا باعث ہے اور یہ سرور کسی وقت اور محل کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مسلمان کے رگ و پے میں سمایا ہوا ہے۔ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر ابولہب کو پہنچائی تو اس نے خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ مرنے کے بعد لوگوں نے ابولہب کو خواب میں دیکھا اور اس سے حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ جب سے مرا ہوں عذاب میں گرفتار ہوں مگر دوشنبہ کی شب کو چونکہ میں نے میلاد نبی کی خوشی کی تھی اس لئے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے جب ابولہب جیسے بدبخت کافر کے لئے میلاد نبی کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوگئی تو جو کوئی امتی آپ کی ولادت کی خوشی کرے اور حسبِ وسعت آپ کی محبت میں خرچ کرے تو کیونکر اعلیٰ مراتب

حاصل نہ کریگا۔ پس اگر ولادت یا معجزات یا غزوات وغیرہ کا ذکر بطرز وعظ و درس بغیر پابندئ رسوم کے کرے تو ہزاروں برکتوں کا باعث ہوگا مگر اس زمانہ میں محفلِ میلاد میں مندرجہ ذیل وجوہ باعث عدم جواز ہیں۔

(الف) حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ آپ محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں اور یہ صریح کفر ہے جس کی حرمت قرآن کریم کی نصوص صریحہ اور فقہ کی عبارات سے بھی ثابت ہے۔ من قال ان ارواح المشایخ حاضرة تعلم یکفر (بزازیہ) ذکر الحنفیة تصریحًا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضته قوله تعالیٰ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ (شرح فقہ اکبر) یہ مسئلہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے نکاح کرتے وقت کہا کہ میرے گواہ خدا اور رسول ہیں تو یہ شخص کافر ہو جائے گا، اس لئے کہ اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھا۔
(فتاوی قاضی خان البحر الرائق وغیرہ)

غرضیکہ ایسا عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر سے قرآن، احادیث اور کتب فقہ بھری ہوئی ہیں۔

(ب) محفل میلاد میں شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور خود محفل میلاد کو بھی واجب کا درجہ دیا جاتا ہے جب کسی جائز کام کو لوگ ضروری سمجھنے لگیں تو یہ کام مکروہ ہو جاتا ہے کل مباح یؤدی الیہ (الی الوجوب) فمکروہ (الدر المختار ج ۱)

(ج) معین مہینے اور مقرر تاریخ پر میلاد کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے حالانکہ جب شریعت نے کوئی خاص مہینہ اور تاریخ معین نہیں کی تو اپنی طرف سے شریعت میں زیادتی کرنا ناجائز ہے صحیح مسلم میں روایت ہے لا تختصوا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام۔

غرضیکہ مذکورہ بالا مفسدات سے احتراز کرتے ہوئے اگر محفلِ میلاد قائم کی جائے تو موجبِ خیر و برکت اور کارِ ثواب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ

اسقاط مروّج کا حکم

سوال: نماز جنازہ کے بعد ملّا قرآن اُٹھا کر مروج طریقے سے جو دعائیں وغیرہ پڑھتا ہے جسے سندھ کے عرف میں قرآن بخشنا کہتے ہیں شرعاً کیسا ہے؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ مروجہ طریقہ ناجائز اور بدعت ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی وجود ہے۔ قال اللہ تعالیٰ، الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا، لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ جو فعل حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہم اسے ثواب سمجھ کر کرنے لگیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو پوری طرح سے نہیں سمجھا۔ ہم حضور سے دین کے مسائل کو زیادہ سمجھ رہے ہیں اور معاذ اللہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ بھی غلط ہے۔ غرضیکہ اپنی طرف سے دین میں زیادتی کرنا سخت گناہ ہے۔ قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم کل بدعۃ ضلالۃ جیسے کہ رکعات فرائض میں اپنی طرف سے زیادتی حرام ہے۔ نیز اس اسقاط کی قبیح رسم سے لوگوں کی جرأت معاصی پر بڑھتی ہے کما لا یخفی۔ قال فی رد المحتار ونص علیہ فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی بہ المیت والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیہ ان لم یضق الثلث عنہ فان اوصی باقل وامر بالدور وترک بقیۃ الثلث للورثۃ او تبرع بہ لغیرھم فقد اثم بترک ما وجب علیہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ محرم الحرام سنہ ۱۳۷۲ھ

مثل سوال بالا

سوال: اسقاط مروج کا کیا حکم ہے؟ نور الایضاح میں جائز لکھا ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جائز نہیں۔ قال فی الشامیۃ ونص علیہ فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی بہ المیت لانھا وصیۃ بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیہ ان لم یضق الثلث عنہ فان اوصی باقل وامر بالدور وترک بقیۃ الثلث للورثۃ او تبرع بہ لغیرھم فقد اثم بترک ما وجب علیہ اھ وبہ ظھر حال وصایا اھل زماننا فان الواحد منھم یکون فی ذمتہ صلوات کثیرۃ وغیرھا من زکوٰۃ واضاح وایمان ویوصی لذلک بدراھم یسیرۃ ویجعل معظم وصیتہ لقراءۃ الختمات والتھالیل التی نص علماءنا علی عدم صحۃ الوصیۃ بھا الخ (رد المحتار ج ۱ باب قضاء الفوائت)

شامی یا دیگر فقہاء نے جو اجازت دی ہے اسمیں تصریح ہے کہ یہ حیلہ اسوقت جائز ہے جبکہ

ثلث سے فدیہ ادا نہو سکتا ہو اور یہ صورت کبھی اتفاقاً پیش آجاتی ہے اسے مستقل رسم بنا لینے کی اجازت نہیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس حیلہ سے عوام کا عقیدہ فاسد نہ ہو، اسوقت جو اسقاط مروّج ہے اس میں اولاً تو تملیک فقراء اس طرح کی جاتی ہے کہ اس سے تملیک متحقق نہیں ہوتی ثانیاً اس سے فساد عقیدہ لازم آتا ہے کہ عوام گناہوں پر دلیر ہو جاتے ہیں اور صوم و صلوٰۃ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ ثالثاً اس کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ اسے بھی اعمال تکفین میں سے ایک مستقل عمل سمجھا جاتا ہے۔ التزام کرنے سے مباح بلکہ مندوب کام بھی ناجائز ہو جاتا ہے کما صرح بہ فی الشامیۃ وغیرھا۔ رابعاً ثلث مال سے فدیہ ادا نہیں کیا جاتا، حالانکہ اتمام ثلث تک فدیہ کی وصیت کرنا اور اس کا ادا کرنا لازمی ہے۔ اتمام ثلث کے بعد بھی فدیہ باقی رہے تو اس حالت میں فقہاء نے حیلہ کی اجازت دی تھی مگر فی زماننا فساد عقیدہ کی وجہ سے یہ بھی جائز نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ صفر سنہ ۱۳۷۴ھ

اکٹھے ہو کر جہراً ذکر کرنا اور وجد میں آنا

سوال: آجکل عام پیروں میں مروّج ہے کہ لوگوں کو جمع کر کے بآواز بلند ذکر کرواتے ہیں اور بہت سے لوگ وجد میں آکر خوب اچھلتے کودتے ہیں۔ کیا یہ فعل شرعاً جائز ہے اور کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس کا شرع میں کوئی ثبوت نہیں۔ جہراً ذکر کرنا جیسا کہ فی زماننا مروّج ہے یہ مکروہ ہے لما فی شرح التنویر ھل یکرہ رفع الصوت بالذکر والدعاء قیل نعم وقال فی الشامیۃ (قولہ قیل نعم) یشعر بضعفہ مع انہ مشی علیہ فی المختار والملتقی فقال وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کرہ رفع الصوت عند قراءۃ القرآن والجنازۃ والزحف والتذکیر فما ظنک بہ عند الغناء الذی یسمونہ وجداً ومحبۃ فانہ مکروہ لا اصل لہ فی الدین اھ وایضاً فیھا قبیل فصل فی اللبس وما یفعلہ متصوفۃ زماننا حرام لا یجوز القصد والجلوس الیہ الخ (شامیہ کتاب الحظر والاباحۃ ج ۵) بریقہ محمودیہ جلد ۴ میں مروّج وجد پر بہت زیادہ رد کیا ہے جو قابل دید ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۲ھ

میّت کے سینہ پر کلمۂ شہادت لکھنا

سوال : میّت کے سینہ یا پیشانی پر کلمۂ شہادت لکھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

جائز نہیں۔ اس لئے کہ میت کے پھٹنے کی وجہ سے بے حرمتی ہوگی۔ البتہ اگر بغیر روشنائی وغیرہ کے صرف انگلی سے میت کے سینہ پر لکھا جائے اس طرح کہ لکھنے کے نشان ظاہر نہ ہوں تو یہ فی نفسہٖ جائز ہے۔ مگر آجکل لوگوں کے عقیدہ کا فساد ظاہر ہے۔ اسے ضروری خیال کرتے ہیں اور ایسے اُمور سے معاصی پر جرأت کرنے لگتے ہیں لہٰذا اس طریقے سے لکھنا بھی جائز نہیں۔ قال فی الشامیۃ وقد افتی ابن الصّلاح بانہ لایجوز ان یکتب علی الکفن یٰسین والکھف ونحوھما خوفا من صدید المیّت والقیاس المذکور (علی انہ کان مکتوبا علی افخاذ الافراس فی اصطبل الفاروق حبس فی سبیل اللّٰہ وایضا یقاس علی کتابۃ للّٰہ فی اھل الزکوٰۃ) ممنوع لان القصد ثم التمییز وھنا التبرک فالاسماء المعظمۃ باقیۃ علی حالھا فلایجوز تعریضھا للنجاسۃ والقول بانہ یطلب فعلہ مردود لان مثل ذٰلک لا یحتج بہ الا اذا صح عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم طلب ذٰلک ولیس کذٰلک وقد مناقبیل باب المیاہ عن الفتح انہ تکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللّٰہ تعالٰی علی الدراھم والمحاریب والجدران وما یفرش وما ذٰلک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ ونحوہ مما فیہ اھانۃ فالمنع ھنا بالاولی مالم یثبت عن المجتھد او ینقل فیہ حدیث ثابت فتأمل نعم نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبھۃ المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحۃ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وعلی الصدر لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ وذٰلک بعد الغسل قبل التکفین اھ واللّٰہ اعلم (رد المحتار ج ۱) فقط واللّٰہ تعالٰی اعلم

۲۶ صفر سنہ ۱۳۷۴ ہجری

دفن کے بعد بالالتزام تین دفعہ دعا مانگنا

سوال : ہمارے ملک میں رواج ہے کہ دفن کرنے کے بعد قبر پر دُعا مانگتے ہیں اور پھر چند قدم پیچھے ہٹ کر دوبارہ دعا مانگتے ہیں۔ پھر چند قدم ہٹ کر تیسری دفعہ دعا مانگتے ہیں اسکا التزام کیا جاتا ہے۔ کیا یہ امر شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

دفن کے بعد بدوں ہاتھ اُٹھائے میت کے لئے مغفرت کی دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے،

کما فی سنن ابی داود کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لاخیکم واسألوا اللہ لہ التثبیت فانہ الآن یسأل الخ (ردالمحتار ج ۱) ہاتھ اُٹھاکر تین دفعہ دعاکرنا پھر اس کا التزام اور ہر دفعہ چند قدم پیچھے ہٹنا بدعت ہے اسکا کوئی ثبوت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ صفر سنہ ۱۳۷۴ھ

دفن کے بعد ہاتھ اُٹھاکر دعاکرنا بدعت ہے

سوال: دفن کے بعد ہاتھ اُٹھاکر دعاکرنے کے متعلق امداد الفتاوی حصہ اوّل میں جائز لکھا ہے تو کیا مولانا تھانوی رحمۃ اللہ نے منفرد کے لئے لکھا ہے یا اجتماعی طور پر بھی ہاتھ اُٹھاکر دُعاکرسکتے ہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بوقت زیارت قبور دعا میں رفع یدین سے متعلق یوں استدلال کیا ہے قال فی الفتح والسنۃ زیارتہا قائما والدعاء عندہا قائما۔ وبعد اسطر ثم یدعوا قائما طویلا (شامیہ ص ۸۴۳ ج ۱) اس سے دعا ثابت ہوئی اور دعا میں رفع یدین احادیث سے ثابت ہے لہذا اس میں بھی رفع یدین ہوگا۔ نیز صحیح مسلم کی صریح حدیث ہے کہ حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم بقیع میں تشریف لے گئے اور ہاتھ اُٹھاکر دُعا فرمائی۔

فقہ کی مذکورہ بالاعبارت اور حدیث مذکور اور امدادالفتاوی کا فتویٰ زیارۃ القبور سے متعلق ہے نہ کہ دفن سے متعلق۔ دفن کے بعد ہاتھ اُٹھاکر دعاکرنا نہ حدیث سے ثابت ہے نہ فقہ سے اور نہ ہی امدادالفتاوی میں اسکا ذکر ہے اور نہ ہی اکابر علماء کا اس پر عمل ہے لہذا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اس جواب سے رجوع جلد ۴ باب الجنائز میں ملاحظہ ہو)

غرۃ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۸۸ھ

سوال مثل بالا

سوال: قبرستان میں میّت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر لوگوں کا ہاتھ اُٹھاکر دعاکرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک عالم دین کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دفن کے بعد ہاتھ اُٹھاکر دُعا مانگی ہے اپنی دلیل میں یہ حدیث پیش کرتا ہے (عن عثمان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیّت وقف علیہ وقال استغفروا لاخیکم واسألوا اللہ لہ التثبت فانہ الآن

یسأل رواہ ابوداود وغیرہ، تو کیا اس عالم کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ جزاکم اللہ تعالیٰ جزاءً حسنًا

الجواب باسم ملہم الصواب

دفن کے بعد دُعا ثابت ہے، البتہ اس دعا میں ہاتھ اُٹھانا ثابت نہیں، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے، مولوی صاحب نے دلیل میں جو حدیث پیش کی ہے اس میں ہاتھ اُٹھانے کا ذکر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۶ ہجری

نمازِ عید کے بعد مصافحہ کرنا

سوال: عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا جیسا کہ آجکل مروّج ہے جائز ہے یا ناجائز؟ طحطاوی مصری صفحہ ۳۰۸ میں ذیل کی عبارت سے جواز معلوم ہوتا ہے وکذا تطلب المصافحۃ فہی سنۃ عقیب الصلوات کلہا وعند کل لقی۔ بینوا بالبرہان توجروا من الرحمٰن۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شامیہ میں بعض دیگر کتب سے بھی جواز نقل کرکے اس پر ردّ فرمایا ہے، مجوزین کی دلیل یہ ہے کہ مصافحہ بعد الصلوٰۃ بھی چونکہ مطلق مصافحہ مسنونہ میں داخل ہے لہٰذا جائز ہے اگرچہ خصوصیت سے منقول من القرون المشہود لہا بالخیر نہیں۔ یہ استدلال بین البطلان ہے کیونکہ اوقات کی تخصیص زیادت فی الدین ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین عبارات جواز نقل کرنے کے بعد ان کے ردّ میں فرماتے ہیں۔ نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوٰۃ بکل حال لان الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوٰۃ ولانہا من سنن الروافض اھ ــــــ ثم نقل عن ابن حجر من الشوافع انہا بدعۃ مکروھۃ لا اصل لہا فی الشرع وانہ ینبہ فاعلہا اولا ویعزر ثانیا ثم قال وقال ابن الحاج من المالکیۃ فی المدخل انہا من البدع وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ھی عند لقاء المسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلوٰۃ فحیث وضعہا الشرع یضعہا فینہی عن ذلک ویزجر فاعلہ لما اتی بہ من خلاف السنۃ اھ ثم اطال فی ذلک فراجعہ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رمضان المبارک سنہ ۷۴ھ

نماز عید کے بعد مصافحہ و معانقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نماز عیدین کے بعد مصافحہ کرنا جیسا کہ آجکل مروج ہے جائز ہے یا کہ ناجائز، اور اگر ناجائز ہے تو عوام الناس کو اس سے روکنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۱) اس میں ممانعت کیسی ہے اور کس درجہ کی ہے؟

(۲) یہ ممانعت آیا نماز ادا کرنیکے فوراً بعد کے لئے ہے یا عید کا پورا دن اسمیں داخل ہے؟

(۳) کیا معانقہ تو اس میں شامل نہیں؟ اس مسئلہ میں لوگوں میں اختلاف ہے براہِ کرم جواب سے نوازیں، بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) یہ طریقہ اختیار کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔

(۲) یہ ممانعت فوراً بعد نماز کے لئے ہے، کیونکہ یہ فعل شارع علیہ السلام سے ثابت نہیں

(۳) معانقہ بھی اس میں شامل ہے یعنی نماز کے بعد فوراً معانقہ بھی جائز نہیں، ویسے عید کے دن بوقت ملاقات مصافحہ و معانقہ درست ہے وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ھی عند لقاء المسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلوات (شامیہ ص۲۷۰ ج ۵)

بدعت یا کسی گناہ کا ارتکاب کسی مصلحت کے پیشِ نظر ہرگز جائز نہیں البتہ دوسروں کو منع کرنا اسوقت ضروری ہے جبکہ قبول کی اُمید ہو ورنہ نہی عن المنکر ضروری نہیں، غرضیکہ خود نماز عید کے بعد کسی سے معانقہ و مصافحہ نہ کرے۔ ہاں اگر کسی سے ملاقات ہی بعد نماز کے ہوئی ہو تو اس سے جائز ہے مگر تشبّہ بالبدعۃ اور اس کی تائید کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۸ھ

نمازوں کے بعد مصافحہ

سوال: فجر کی نماز کے بعد چند لڑکے اور بڑے حضرات صف بناکر کھڑے ہوجاتے ہیں اور مسجد سے نکلنے والے مصلّی ان سے سلسلہ وار مصافحہ کرتے ہیں یہ عمل کچھ عرصے سے ہر روز بعد نماز فجر بالالتزام کیا جارہا ہے۔ کیا اس عمل کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یا تابعین نے کیا ہے اس عمل کو نیکی اور باعثِ ثواب سمجھنا کیسا ہے؟ منع کرنے کے باوجود اس عمل

کو جاری رکھیں تو منع کرنے والے پر مزید کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

شریعت میں مصافحہ کا موقع صرف اوّل ملاقات ہے۔ نمازوں کے بعد مصافحہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ دین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں بلکہ یہ روافض کی ایجاد اور بدعت ہے اس لئے اس سے احتراز واجب ہے بلکہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے صراحۃً لکھا ہے کہ اس بدعت کے مرتکب کو بذریعہ زجر و توبیخ روکنے کی کوشش کی جائے، اگر پھر بھی باز نہ آئے تو بشرطِ قدرت اسے سزا دی جائے۔ البتہ جہاں روکنے کی قدرت نہ ہو وہاں روکنا ضروری نہیں، نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصّلوٰۃ بکلّ حال لانّ الصّحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوٰۃ ولانہا من سنن الروافض اھ ثم نقل عن ابن حجر من الشوافع انہا بدعۃ مکروھۃ لا اصل لہا فی الشرع وانہ ینبہ فاعلہا اولاً ویعزر ثانیاً ثم قال وقال ابن الحاج من المالکیۃ فی المدخل انہا من البدع وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ھی عند لقاء المسلم لاخیہ لا فی ادبار الصّلوات فحیث وضعہا الشرع یضعہا فینہی عن ذٰلک ویزجر فاعلہ لما اتی بہ من خلاف السنۃ اھ ثم اطال فی ذٰلک فراجعہ (ردالمحتار ج ۵ صـ ۲۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الاوّل سنہ ۸۴ھ

اہلِ میّت کی طرف سے دعوت کی رسم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس طعام کے بارے میں جسے اہلِ میت تیار کرکے لوگوں کی دعوت کرتے ہیں۔ شادی کی طرح اس موقع پر بھی خویش و اقارب اور احباب کا اجتماع ہوتا ہے اور اس رسم کو ضروری سمجھا جاتا ہے بیّنوا بیاناً شافیاً۔ توجروا اجراً وافیاً۔

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

یہ دعوتِ مروّجہ ناجائز اور بدعت ہے بچند وجوہ۔

(۱) یہ حقیقت میں ہنود کی رسم ہے پس اس میں تشبّہ بالہنود ہے۔

(۲) شریعت میں غمی کے موقع پر دعوت مشروع نہیں۔ کتب فقہ میں تصریح ہے۔ انّ الدّعوۃ شرعت فی السرور لا فی الشرور۔

(۳) اس دعوت کو لازم سمجھا جاتا ہے اور التزام مالایلزم ناجائز ہے۔

(۴) دعوت پر جو رقم صرف ہوتی ہے اس میں عموماً نابالغ یتامیٰ کا حصہ بھی ہوتا ہے۔
والذین یأکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یأکلون فی بطونہم ناراً وسیصلون سعیراً۔
نابالغ کا مال صدقہ وخیرات دینا کسی صورت میں بھی روا نہیں۔

(۵) اس دعوت سے مقصود ایصالِ ثواب نہیں ہوتا بلکہ ریا ونمود مطلوب ہوتی ہے۔ یا لوگوں کے طعن وتشنیع کے ڈر سے دعوت کی جاتی ہے جو کہ شرکِ اصغر ہے۔ ایصالِ ثواب مقصود نہ ہونے پر چند قرائن ہیں۔

(الف) اخفارِ صدقہ افضل ہے۔ اس کے باوجود اگر اخفار کی ترغیب ان لوگوں کو دیجائے تو ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

(ب) صدقہ بصورت نقد زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں اخفار بھی سہل ہے اور فقرار کے لئے نافع بھی زیادہ ہے کہ جیسی ضرورت ہوگی اس نقد رقم سے پوری ہوسکے گی۔ اور اگر حالاً کوئی ضرورت نہیں تو نقد رقم وقت ضرورت کے لئے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے۔ یہ فوائد دعوت میں نہیں بلکہ بعض دفعہ کھانا مضر بھی ہوتا ہے معہذا نقد صدقہ سے ایصالِ ثواب پر کوئی راضی نہیں۔

دوسرے درجہ میں صدقہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ حاجت مند کی ضرورت کے پیشِ نظر اسے صدقہ دیا جائے، یعنی مریض کو دوا، مسافر کو کرایہ ٹکٹ، زاد وغیرہ۔ بھوکے کو طعام اور برہنہ کو لباس، جوتا، موسم سرما میں بے سروسامان کو کمبل، رزائی وغیرہ۔ غرضیکہ دفع ضرورت کا خیال رکھا جائے۔ مگر یہاں تو بہرکیف کھانا ہی کھلانا ہے۔ خواہ مریض بلا دوا کے کراہ رہا ہو۔ برہنہ جسم سردی سے ٹھٹھر رہا ہو یا شدت گرمی سے جلا جا رہا ہو۔ مسافر منزلِ مقصود تک پہنچنے سے لاچار ومجبور ہونے کی وجہ سے پریشان ہو۔ اگر ان لوگوں کو دعوت کی بجائے صحیح طریقِ صدقہ کا مشورہ دیا جاتا ہے، جو فقرار کے لئے بھی نافع ہو اور میت کے لئے بھی اور خود صدقہ کرنے والوں کے لئے بھی تو جواب ملتا ہے کہ دعوت نہ کرنے کی صورت میں برادری ناراض ہو جائے گی۔ ہماری ناک کٹ جائے گی، لوگ کہیں گے "مر گیا مردود نہ ختم نہ درود"۔

(ج) اگر ایصالِ ثواب کی نیت ہوتی تو فقرار ومساکین کو مقدم سمجھا جاتا، حالانکہ ہوتا یہ ہے کہ اقربار واحباب کا اجتماع ہوتا ہے یا پھر اصحابِ اقتدار اور اہلِ ثروت لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے

فقراء تو صرف برائے نام ہوتے ہیں بلکہ کئی مواضع پر تو برائے نام بھی کوئی فقیر نہیں ہوتا۔ ان حالات میں اس دعوت کو کون یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ یہ ایصال ثواب کے لئے ہے۔

قال فی الشامیۃ معزیا الی الفتح ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لافی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ روی الامام احمد وابن ماجۃ باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ اھ وفی البزازیہ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القراٰن (الی قولہ) واطال فی ذلک فی المعراج وقال ھذہ الافعال کلھا للسمعۃ والریاء فیحترز عنھا لانھم لایریدون بھا وجہ اللہ تعالی اھ

(رد المحتار ج ا ص۶۶۴)

اس موقع پر "فتاوی رشیدیہ" سے ایک تحقیق کا نقل کر دینا مفید ہوگا۔ وہو ہذا

تقریر مولانا حیدر علی صاحب مرحوم ٹونکی، تلمیذ مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

طعام مہمانی کہ از پس موتی پزند اول ایں خودناروا و مکروہ تحریمی ست بچند وجہ یکے آنکہ در بحر الرائق و دیگر کتب تصریح کردہ اند کہ ضیافت و مہمانی در سرور و شادی مشروع ست نہ در شرور و مصائب و غمی، فرستادن طعام روز اول بخانہ کسیکہ موت شدہ باشد مسنون ست نہ آنکہ از آں کس طعام طلب کنند صریحا یا آنکہ اگر او نپزد طعن بر وکنند کہ ہم طلب است پس بخوف ایں طلب او طعام پختہ میکند۔ دوم آنکہ در حدیث جریر بن عبد اللہ بجلی است کنا نعد الاجتماع الی اہل المیت وصنعہم الطعام من النیاحۃ، یعنی ما ہمہ اصحاب جمع شدن مردم را نزد اہل میت سوائے خدمت تجہیز و تکفین و ایں را کہ طیار کنند اہل میت طعام را از نوحہ می شمردیم و نوحہ خود حرام است، پس ایں اجتماع مردم و ساخت طعام ہم ناروا و حرام خواہد بود سوم آنکہ در کتب شرع مصرح ست کہ ایں صنع طعام از اہل میت از رسوم و عادات جاہلیت عرب بود و چوں اسلام آمد ایں رسم جاہلیت موقوف کردند لہٰذا در عہد صحابہ و تابعین ایں رسم منقول نیست، پس آنچہ در میان کلمہ گویان عوام رسم سوم ودہم وبستم وچہلم وششماہی وسال رواج یافتہ ہمہ ناروا است واجتناب ازاں ضروری ست، ما دو رسالہ صغیر دو جزو کبیرہ دوازدہ جزو، در عدم جواز ایں بحث طعام نوشتہ ایم وبعد از آنکہ ایں طعام خبیث پختہ شد بجز فقیر و محتاج دیگرے نخورد۔ زیرا آنکہ حکم مال خبیث ہمیں تصدق بر فقرا ست، باید دانست کہ صدقات برائے اموات بسیار مفید ست در مذہب حق اہل سنت و جماعت، لیکن

مفید بشرطے ست کہ ایں صدقات موافق حکم شرع باشند چنانکہ بنائے چاہ و مسجد و نقد و لباس و غلات وغیرہا از مال حلال بفقراء دادن کہ ایں امور بالاتفاق جائز ست و مفید بموتی و اگر طعام پختہ بفقراء حوالہ سازند یا بمسجد و خانقاہ بفقراء بفرستند نزد بعضے جائز و نزد بعضے ایں ہم غیر جائز، بالجملہ ایں صورت مختلف فیہا است۔ اما در خانہ بطور مہمانی خورانیدن خورندگان خواہ فقراء باشند خواہ اغنیاء نزد ہیچ کس جائز نیست کہ ایں رسم جاہلیت عرب و رسم تمام ہنود ہندوستان است و دریں تشبیہ بکفار ست و سابق حدیث نوشتہ ایم کہ من تشبہ بقوم فہو منہم الحدیث۔ یہ فتویٰ صحیح ہے یا غیر صحیح اسکا جواب ارشاد فرمایئے۔

جواب

بندہ کے نزدیک صحیح ہے اور تشبہ اس میں حاصل ہے اگرچہ قلیل ہو، فقط [رشید احمد ۱۳۰۱ھ]

(فتاوی رشیدیہ ص ۲۴۲ مطبوعہ قرآن محل کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۷ شوال سنہ ۷۱ھ

طعام میت سے متعلق ایک حدیث کا جواب

سوال: مشکوٰۃ کتاب الفتن باب المعجزات فصل ثالث میں حدیث ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو میت کی بیوی نے آپ کی دعوت کی، اس سے جواز دعوت برائے ایصالِ ثواب کا ثبوت ملتا ہے۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وفیہ نظر فانہ واقعۃ حال لاعموم لہا مع احتمال سبب خاص بخلاف ما فی حدیث جریر علی انہ بحث فی منقول فی مذھبنا ومذھب غیرنا کالشافعیۃ والحنابلۃ استدلالاً بحدیث جریر المذکور علی الکراھۃ ولاسیما اذا کان فی الورثۃ صغار اوغائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذٰلک غالباً من المنکرات الکثیرۃ کایقاد الشموع والقنادیل التی لاتوجد فی الافراح الخ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۴)

بہتر جواب یہ ہے کہ کاتب کی غلطی سے بجائے لفظ امرأۃ بلا اضافت کے امرأتہ بالاضافت لکھا گیا ہے چنانچہ ابوداود جلد دوم کتاب البیوع ص ۱۱۷ اور طحاوی جلد دوم باب لحوم الحمر الاہلیۃ کتاب الصید والذبائح میں امرأۃ بلا اضافت ہے۔ صاحب مشکوٰۃ ناقل ہیں ابوداود سے

لہٰذا بوقت تعارض ابو داود ہی کی روایت کا اعتبار ہوگا۔ پس استدلال کی بنا ہی منہدم ہوگئی نیز اگر ایصال ثواب کے اس طریق مخصوص کی کوئی اصل ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ضرور اس پر عمل کرتے۔ حالانکہ صحابہ وتابعین ومن بعدہم کسی سے بھی اس رسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس کے برعکس حضرت جریر فرماتے ہیں۔ کنا نعد الاجتماع الیٰ اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ

طعام میّت سے متعلق بعض عبارات کا جواب

سوال: میت کے گھر تین ایام تک اتخاذ طعام وغیرہ کے ممنوع ہونے پر فقہاء نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی روایت کنا نعد الاجتماع عند اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ اور دوسری روایت لاعقر فی الاسلام، تیسری دلیل لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور چوتھی دلیل، یہ زمانۂ جہالت کی رسم تھی اسلام نے اس سے منع فرما دیا۔ پانچویں دلیل یہ کہ مذاہب اربعہ میں اس طعام کو ناجائز قرار دیا گیا ہے لہٰذا کسی مقلد کو اس میں بحث کرنے کا حق حاصل نہیں وغیرہ پیش کی ہیں۔

ان دلائل کی عمومیت کا تقاضا یہ ہے کہ اتخاذ الطعام چاہے فقراء کے لئے ہو یا غیر فقراء کے لئے، جائز نہیں۔ جیسا کہ فقہاء نے اسی پر زور دیا ہے لیکن صاحب بزازیہ نے کتاب الاستحسان میں لکھا ہے وان اتخذ للفقراء کان حسنا، اسی طرح قاضیخان کا بھی ایک قول ہے، صاحب بریقہ نے قاضیخان کے اس قول کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ فقراء کو اُن کے گھر پہنچا دیں، اس تاویل کی ضرورت یہ بتائی ہے کہ یہ قول روایات بالا کے مخالف ہے جیسا کہ ظاہر ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ بزازیہ اور قاضی خاں نے کس بنا پر فقراء کے لئے جواز کا قول نقل کیا ہے اور اسکا کیا جواب ہے۔ نیز اس دَور کے بعض مفتی صاحبان عدم جواز کا فتوی دیتے ہیں تو ساتھ ساتھ یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ اگر فقراء کے لئے کھانے کا انتظام کیا تو موجب اجر ہے یہ فرمانا کس بنا پر ہے اور کہاں تک صحیح ہے۔ حالانکہ اگر فقراء کے لئے جواز کا فتوی دیا تو عام حرمت کی صورتیں عمل میں لائی جائیں گی۔ نیز اصل مسئلہ میں علامہ حلبی شارح منیہ جواز کے قائل ہیں۔ اور علامہ طحطاوی نے بھی جواز کے اس قول کو نقل فرمایا ہے اسکا کیا جواب ہوگا اُمید ہے کہ مدلل اور مفصل تحریر فرمائیں گے۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بزازیہ میں ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ کے بعد وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً کو ذکر کرنا واضح دلیل ہے کہ اس سے مراد فقراء کے گھر پہنچانا ہے۔ حلبی نے ابو داود کی جس حدیث سے جواز پر استدلال کیا ہے اسمیں "امرأتہ" ناسخ کی غلطی ہے۔ ابو داود میں "امرأۃ" ہے لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں، اگر دعوت فقراء کا جواز فی نفسہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی مروج رسم کے التزام اور دوسرے فسادات و قبائح کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ رمضان المبارک ۸۶ھ

صفر کے آخری بدھ میں عمدہ کھانا پکانا

سوال: ماہ صفر کے آخری بدھ کو بہترین کھانا پکانا درست ہے یا نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ماہِ صفر کے آخری بدھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفا ہوئی تھی اس خوشی میں کھانا پکانا چاہیئے، یہ درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ غلط اور منگھڑت عقیدہ ہے اس لئے ناجائز اور گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ربیع الاول سنہ ۹۰ھ

بغرض رقیہ اجتماعی ختم

سوال: پچھلے دنوں بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا، اس سے بچاؤ کے لئے اور بھارت کی مغلوبی اور پاکستان کی فتح و نصرت کے لئے لوگوں نے اجتماعی طور پر قرآن پاک پڑھا، اکتالیس مرتبہ سورۂ یٰسین پڑھی اور سوالاکھ مرتبہ آیۂ کریمہ پڑھی۔ اس طرح پڑھنے پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ اجتماعی طور پر پڑھنا ثابت نہیں ہے اور تعداد کی تعیین بھی غلط ہے لہٰذا ان بدعات کو ختم کرنا چاہیئے۔ اس مسئلہ اور اس اعتراض پر شریعت کے مطابق روشنی ڈال کر رہنمائی فرمائیے۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس رسم میں کئی مفاسد ہیں، اصل نسخہ تو ترک سیئات ہے (مفاسد کی تفصیل جلد ہفتم کتاب الاجارہ میں ہے)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۷ ذی قعدہ سنہ ۹۱ھ

مروّج قرآن خوانی

سوال: قرآن خوانی کے بعد لوگوں کو کھانا کھلا دیا جائے تو کیا یہ بھی اُجرت میں داخل ہو کر ممنوع قرار دیا جائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اوّلاً تو مروّج قرآن خوانی ہی ایک رسم محض بن کر رہ گئی ہے۔ اگر ایصالِ ثواب مقصود ہے تو اس کے لئے ہر شخص اپنے اپنے مقام پر تلاوت کر سکتا ہے اجتماع کی کیا ضرورت ہے۔ ثانیاً اگر یہ قرآن خوانی ایصالِ ثواب کے لئے ہو تو اس کی اُجرت ممنوع ہے اور کھانا کھلانے کا جہاں دستور ہو وہ بھی اُجرت میں شمار ہوگا۔ نیز ایصالِ ثواب کے لئے دعوت بذاتِ خود بدعت اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ر جمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ

بیماری سے شفا کے بعد قرآن خوانی

سوال: بیماری سے صحت پانے کے بعد اس خوشی میں کہ اللہ نے مجھے شفا دی ہے، کچھ آدمیوں کو بُلا کر قرآن خوانی کرانا جائز ہے یا نہیں اور قرآن کے ختم پر کھانا کھلانا یا مٹھائی تقسیم کرنا اور پھر دُعا خیر کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شریعت میں ادائے شکر کے صرف دو طریقے ہیں:

(۱) خود عبادت کرنا، اور سب سے بڑی عبادت ترکِ گناہ ہے۔ دوسرے درجہ پر نفل عبادت مثلاً تلاوت، نوافل، صدقہ وغیرہ

(۲) اظہارِ مسرّت کے لئے دعوت کرنا یا بچّوں میں مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا۔ ایسے موقع پر قرآن خوانی کرانا بدعت ہے اس سے پرہیز ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ر ذی قعدہ سنہ ۸۶ھ

افتتاحی تقریب میں قرآن خوانی کی رسم

سوال: کسی دوکان یا مکان کے افتتاح یا میّت کے ایصالِ ثواب کیلئے قرآن خوانی کی جاتی ہے اسمیں محلہ کے لڑکوں اور لڑکیوں کو جمع کیا جاتا ہے اور جب تک مٹھائی یا دعوت نہ کھالیں یہاں سے جانے کی اجازت نہیں ہوتی اور اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے اسکا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

فی نفسہ قرآن کریم کی تلاوت ایصالِ ثواب کے لئے یا خیر و برکت کے لئے بلاشبہہ بہت اہمیت رکھتی ہے مگر آجکل لوگوں نے اسے رسم بنالیا ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کے لئے اجتماع کا اہتمام اور اسے ضروری سمجھنا اسی طرح دعوت وغیرہ کا التزام یہ سب امور بدعت اور ناجائز ہیں،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ محرّم سنہ ۹۵ ہجری

ایصالِ ثواب کے لئے اجتماع کا اہتمام

سوال: ہماری طرف میت کے تیسرے دن چنوں پر کلمہ وغیرہ پڑھ کر ثواب میّت کو پہنچانا مروّج تھا اب کچھ دنوں سے اس مروّج طریقہ کو ترک کرکے میّت کے دوسرے دن کسی درخت کے بیجوں پر مثلاً کھجور کی گٹھلی یا ارنڈ کے بیج پر پڑھ کر ثواب پہنچانا اور پھر اختتام پر شیرینی مثلاً بتاشے یا ریوڑی وغیرہ تقسیم کرنا۔ شرعاً یہ بھی درست ہے؟ یا یہ بھی چنوں کی طرح بدعت واجب الاحتراز ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اپنے طور پر صدقات نافلہ یا تلاوت یا تسبیح وتہلیل وغیرہ کا ثواب میّت کو پہنچانا حدیث سے ثابت ہے البتہ ایصال ثواب کے لئے اجتماع کا اہتمام اور اسمیں قیود و رسوم نیز اہلِ میت کی طرف سے دعوت کرنا یہ سب امور بدعت اور ناجائز ہیں ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیّت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ وفی البزازیۃ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام والاخلاص الخ (ردالمحتار ص ۸۴۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۷ھ

مروّج صلوٰۃ وسلام

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اسوقت پاکستان کے اکثر علاقوں میں بعد نماز جمعہ اور دیگر اوقات میں بھی کھڑے ہوکر سلام پڑھنا مروّج ہے جسکی

وجہ سے اکثر مقامات پر جھگڑا اور فساد بھی ہوتا ہے اور اس سے مسلمانوں کے اتحاد کو زبردست نقصان پہنچ رہا ہے لہٰذا ازراہِ کرم اس مسئلہ کی قرآن وحدیث اور اجماع امّت وقیاس سے تشریح فرمائیں۔ مفصّلاً بحوالہ جات لکھیں اور یہ بھی واضح فرمائیں کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، ائمۂ مجتہدین وغیرہ بزرگان دین کے زمانے میں یہ فعل مروج تھا یا نہیں۔ دلائل اور حوالوں سے اس مسئلہ کو پوری طرح واضح فرمائیں تاکہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کا ازالہ ہوسکے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی قال لقینی کعب بن عجرة فقال الا اهدی لک هدیة سمعتها من النبی صلی الله علیه وسلم فقلت بلی فاهدها لی فقال سألنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلنا یا رسول الله کیف الصلوٰة علیکم اهل البیت فان الله قد علمنا کیف نسلم علیک قال قولوا اللّٰهم صل علی محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک حمید مجید (متفق علیه) الا ان مسلمًا لم یذکر علی ابراهیم فی الموضعین۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سلام علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معلوم تھا یعنی التحیات للّٰہ الخ مگر درود کا طریقہ معلوم نہیں تھا سو انھوں نے دریافت کیا اور "قولوا" سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ مقام ہے تعلیم کا، پس جس طرح تعلیم دیا گیا اس میں اور مروجہ سلام پڑھنے میں کوئی تعلق نہیں، اگر یہی مروّجہ طریقہ سلام وصلوۃ کا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح پر تعلیم دیتے۔ معلوم ہوا کہ یہ مروجہ طریقہ من گڑھت ہے اور من گڑھت چیزوں کو دین سمجھنا اور ثواب کی اُمید رکھنا بدعت ہے۔ اس مروّجہ طریقہ کا ثبوت نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین اور نہ تبع تابعین اور نہ بزرگانِ سلف صالحین سے پایا جاتا ہے ؎ محال است سعدی کہ راہِ صفا ÷ تواں یافت جز درپئے مصطفےٰ۔

مسجد میں جمع ہوکر صلوۃ وسلام پڑھنے والوں کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدعتی قرار دیا ہے۔ فی البزازیة وقد صح عن ابن مسعود انه سمع قومًا اجتمعوا فی مسجد یهللون ویصلون علیه علیه الصلوٰة والسلام جهرًا فراح الیهم فقال ما عهدنا ذلک علی عهده علیه السلام وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذلک حتی اخرجهم عن المسجد (بزازیة علی هامش العالمگیریة ص۳۷۸ ج۴) ونقله عن البزازیة ابن عابدین ایضًا تحت (قوله وتمام تفصیل جنایات البزازیة) ونصه صح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبی صلی الله علیه وسلم جهرًا وقال لهم ما اراکم الا مبتدعین (رد المحتار ص۳۵۰ ج۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ر ذی قعدہ سنہ ۹۲ھ

سوال مثلِ بالا

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ اکثر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اظہار عقیدت کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کی صورت میں کرتے ہیں جو کہ بعض علماء کے نزدیک بدعت ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

یہ غلط ہے کہ اظہار محبت و عقیدت قیام عند التسلیم سے ہوتا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سُنتے ہی کھڑے ہونے سے ہوتا ہے۔ اظہارِ محبت و عقیدت تو اتباع و اطاعت سے ہوتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتّبعونی یحببکم اللہ، وما احسن ما قیل ؎

تعصی الرّسول وانت تظهر حبّہ ھٰذا لعمری فی الفعال بدیعٌ

لوکان حبّك صادقًا لاطعتہ انّ المحبّ لمن یحبّ مطیعٌ

اگر اظہار عقیدت ہی مقصود ہے تو آپ کا نام مبارک سنتے ہی کھڑے ہو جانا چاہیئے حالانکہ ہزار بار آپ کا نام سنتے ہیں مگر کھڑے نہیں ہوتے جبتک وقت مخصوص نہ آئے اور مقام مخصوص تک نہ پہنچے۔ نیز اگر اظہار محبت و عقیدت اس صورت میں ہوتا تو جب کبھی بھی آپ کا نام سُنیں یا آپ کا تذکرہ ہو یا جب بھی خلوت میں درود شریف پڑھیں تو کھڑے ہو جانا چاہیئے مگر کوئی بھی اسوقت کھڑا نہیں ہوتا صرف جلوت میں اجتماعی طور پر قیام کا التزام کیا جاتا ہے معلوم ہوا کہ یہ اظہارِ محبت نہیں بلکہ ریا و نمود اور خواہش پرستی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ر صفر سنہ ۸۸ ہجری

سوال مثلِ بالا

سوال: بعض اوقات نماز کے بعد لوگ مساجد میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں عقیدۃً اسے ضروری سمجھتے ہیں اور بعض دوسرے لوگ اس کو بدعت اور دین میں اضافہ سمجھتے ہیں اس کی شرعی کیا حیثیت ہے اور کیا ایسے لوگوں کو روکا جائے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

یہ فعل بلاشبہہ منکر اور بدعت ہے بلکہ کئی بدعات کا مجموعہ ہے۔ مثلاً

(۱) درود شریف کے لئے وقت کی تخصیص۔

(۲) مکان کی تخصیص۔

(۳) اجتماعی ہیئت کی تخصیص۔

(۴) صورتِ امامت کی تخصیص۔

(۵) کھڑے ہوکر پڑھنے کی تخصیص۔

(۶) باآواز بلند پڑھنے کی تخصیص۔

(۷) ان سب امور کا التزام۔

ان میں سے ہر فعل مستقل ایک بدعت ہے اس لئے کہ شریعتِ مطہرہ میں درود شریف کے لئے ان قیود و تخصیصات کا کوئی ثبوت نہیں۔ جس کام کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص کیفیت اور کوئی خاص طریقہ متعین نہ فرمایا ہو اس کے لئے اپنی طرف سے مخصوص طریقے بنا لینا دین میں اختراع اور زیادتی ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طریقے کا علم نہ تھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس الزام اور افتراء کی وجہ سے بدعت پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، فرمایا، کلّ محدثة ضلالة وکلّ ضلالة فی النار یعنی دین میں ہر نئی پیدا کردہ چیز گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لیجانیوالی ہے۔ اس قسم کے منکرات اور بدعات سے مساجد کی حفاظت کیلئے ہر ممکن کوشش کرنا فرض ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳؍شوال سنہ ۹۴ ہجری

کھانے کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دعا

ہمارے علاقے میں یہ دستور ہے کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر ساری مجلس دعا کرتی ہے۔ اور نہ کرنے والوں کو بُرا بھی سمجھتے ہیں تو شرعی رُو سے یہ صحیح ہے یا نہیں؟ نیز اذان کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگتے ہیں آیا ان مواقع پر ہاتھ اُٹھانا قرآن و حدیث اور فقہاء کے اقوال سے ثابت ہے یا نہیں اگر ہے تو دلائل تحریر فرمائیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مطلق دُعا کے لئے رفع یدین مستحب ہے مگر جہاں شریعت نے خاص مواقع میں خاص الفاظ کے ساتھ دعا کی تعلیم دی ہے مثلاً مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت ہونے کے وقت اور سونے سے اُٹھ کر بیت الخلاء میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت، سوار ہوتے وقت اور بوقت جماع وغیرہ۔ ان مواضع میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا شرعاً ثابت نہیں کھانے

کے بعد اور اذان کے بعد دعا بھی اسی قسم میں داخل ہے، مذکورہ مواقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے، پھر نہ کرنے والوں کو برا جاننا اور زیادہ قبیح ہے، التزام سے تو امر مستحب کا بھی ترک لازم ہو جاتا ہے۔ کما فی صحیح البخاری ومسلم وسنن ابی داود والنسائی وابن ماجۃ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلاتہ یریٰ ان حقاً علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ذی قعدہ سنہ ۸۹ھ

سوال مثل بالا

سوال: کسی دعوت میں کھانا کھانے کے بعد اجتماعی طور پر اہل خانہ کے لئے دعا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں۔ نیز اس بارے میں اگر کسی امام سے کوئی دلیل ثابت ہے تو تحریر فرمائیے اور اگر اس دعا کو ضروری خیال کیا جائے تو اسکا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل طعام کے لئے دعا کرنا ثابت ہے۔ عن عبد اللہ بن بسر قال نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ابی (الی ان قال) فقال ابی واخذ بلجام دابتہ أدع اللہ لنا فقال اللّٰھم بارک لھم فیما رزقتھم فاغفر لھم وارحمھم رواہ مسلم، مگر اسمیں ہاتھ اٹھانا اور اجتماعی صورت ثابت نہیں لہٰذا اس رسم سے اجتناب ضروری ہے اور اسے ثواب سمجھنا یا ضروری قرار دینا بدعت اور ناجائز ہے ایسے وقت مستحب فعل کا ترک کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے کما فی الحدیث لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من صلاتہ الخ وقال القاری فی المرقاۃ من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ ومنکر انتہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ محرم سنہ ۹۰ھ

چیلوں کو گوشت پھینکنا

سوال: کسی بیمار کی طرف سے بکرا صدقہ کرنا اور اسکا گوشت چیلوں کو پھینکنا کہ جلد آسانی سے روح نکل جائے یا خدا صدقہ کی برکت سے شفا عطا فرمائے جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ جہال کی خرافات میں سے ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اس قسم کے ٹونے ٹوٹکے ہندؤں سے لئے گئے ہیں اس کا بہت سخت گناہ ہے۔ البتہ مطلق صدقہ سے آفت ٹلتی ہے اور صدقہ بصورت نقد زیادہ افضل ہے۔ یعنی کچھ رقم کسی مسکین کو دیدی جائے یا کسی کار خیر میں لگادی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ محرم سنہ ۹۳ھ

بیماری سے شفا کے لئے بکرا ذبح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید سخت بیمار ہے اگر اس کی طرف سے بکرا ذبح کرکے گوشت فقیروں کو تقسیم کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں، کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کی وجہ سے اس بیمار پر رحم کرے یا آسانی سے جلد روح نکل جائے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر جائز ہے تو جانور کی عمر اور رنگ کی بھی کوئی تخصیص ہے یا جیسا ہو ویسا ہی جائز ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آفات اور بیماری سے حفاظت کے لئے صدقہ و خیرات کی ترغیب آئی ہے مگر عوام کا اعتقاد اس بارے میں یہ ہوگیا ہے کہ کسی جانور کا ذبح کرنا ہی ضروری ہے جان کو جان کا بدلہ سمجھتے ہیں، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ عوام کی خود ساختہ بدعت ہے۔ اگر کوئی یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو تو بھی اسمیں چونکہ اس عقیدے اور بدعت کی تائید ہے لہٰذا ناجائز ہے، اور کسی قسم کا صدقہ و خیرات کردے۔ شریعت میں قربانی اور عقیقہ کے سوا اور کہیں بھی جانور کا ذبح کرنا ثابت نہیں، یہ غلط عقیدہ اچھے اچھے دیندار لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے اس لئے علماء پر لازم ہے کہ اس کی اصلاح پر خاص توجہ دیں اور مدارسِ دینیہ میں اس قسم کے جو بکرے دیئے جاتے ہیں ان کو ہرگز قبول نہ کریں، علماء کی چشم پوشی اور ایسے بکروں کو قبول کرلینے سے اس گمراہی کی تائید ہوتی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

کونڈوں کی حقیقت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۲ رجب کو کونڈا کرنے کی رسم کا کیا حکم ہے؟ اور شریعت میں اس کی کیا اصل ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کونڈوں کی مروج رسم دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اظہارِ مسرت کے لئے ایجاد کی ہے۔ ۲۲ رجب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ وفات ہے۔ (طبری۔ استیعاب) ۲۲ رجب کو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ اس میں ان کی ولادت ہوئی نہ وفات، حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت ۸ رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ کی ہے اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لئے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔

جسوقت یہ رسم ایجاد ہوئی شیعہ مسلمانوں سے مغلوب و خائف تھے، اس لئے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی علانیہ تقسیم نہ کی جائے تاکہ راز فاش نہ ہو بلکہ دشمنانِ حضرت معاویہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاں جاکر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کو رکھا گیا ہے اور اس طرح اپنی خوشی و مسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں۔ جب اسکا چرچا ہوا تو اس کو حضرت جعفر صادق کی طرف منسوب کرکے یہ تہمت ان پر لگائی کہ انھوں نے خود اس تاریخ کو اپنی فاتحہ کا حکم دیا ہے حالانکہ یہ سب منگھڑت ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہرگز ایسی رسم نہ کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کرکے اس سے بچانے کی کوشش کریں۔ فقط واللہ الھادی الی سبیل الرشاد

۲۰ رجب سنہ ۸۷ ہجری

اذان سے قبل درود شریف پڑھنا

سوال: ہماری مسجد میں بیس سال سے نماز ہوتی ہے الحمدللہ کسی قسم کا جھگڑا وغیرہ نہیں ہوا لیکن کچھ دن سے کچھ آدمی اس مسئلے پر بحث میں مبتلا ہیں کہ جس سے اس محلے اور قرب وجوار میں آپس میں کافی کشیدگی اس بات پر پھیلی ہوئی ہے کہ آیا اذان سے پہلے مؤذن باآواز بلند درود شریف پڑھ کر اذان شروع کرے یا کہ مؤذن درود شریف خاموشی سے پڑھ کر اذان شروع کردے جس سے یہ کشیدگی اور آپس کی شکررنجی ختم ہو، کیا یہ ٹھیک ہے؟ ایسا کیا جا سکتا ہے یا درود شریف اذان کیساتھ باآواز بلند پڑھ کر اذان دینا ضروری ہے؟

بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

درود شریف کا موقع شریعتِ مطہرہ نے اذان کے بعد بتایا ہے نہ کہ اذان سے پہلے، لہٰذا اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا خواہ بلند آواز سے ہو یا آہستہ بہرکیف ناجائز اور بدعت ہے اور دین میں اپنی طرف سے زیادتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نماز کے آخر کی بجائے نماز شروع کرتے ہی سبحانک اللّٰھم الخ کی بجائے درود پڑھنے لگے اور روکنے والے کو درود شریف کا منکر بتائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رمضان المبارک سنہ ۸۸ھ

اذان کے بعد بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام

سوال: الدر المختار باب الاذان میں یہ لفظ آیا ہے التسلیم بعد الاذان الخ اس سے کیا مراد ہے؟ آیا وہ سلام جو بریلوی پڑھتے ہیں یا کہ کچھ اور؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

الدر المختار کی پوری عبارت یہ ہے (فائدۃ) التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبعمائۃ واحدی وثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا المغرب ثم فیھا مرّتین وھو بدعۃ حسنۃ قال ابن عابدین (قولہ وھو بدعۃ حسنۃ) قال فی النھر عن البدیع والصواب من الاقوال انھا بدعۃ حسنۃ وحکی بعض المالکیۃ الخلاف ایضا فی تسبیح المؤذنین فی الثلث الاخیر من اللیل وان بعضھم منع من ذٰلک وفیہ نظر اھ ملخصاً (رد المحتار ص ۳۶۲ ج ۱)

اس تسلیم سے مراد وہ درود شریف ہے جس کا حکم حدیث میں وارد ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلّوا علیّ فانّہ من صلی علیّ صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بھا عشرًا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ لا ینبغی الّا لعبد من عباد اللہ وارجوا ان اکون انا ھو فمن سأل لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۵ ج ۱) وفی الصحیح لمسلم عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ (الصحیح لمسلم ص ۱۶۶ ج ۱) فی شرح معانی الآثار بھٰذہ الالفاظ الا انہ قال مکان منزلۃ منزل ومکان حلت علیہ الشفاعۃ، حلت لہ الشفاعۃ (شرح معانی الآثار ج ۱)

اس حدیث میں "ثم صلوا علی" کا امر سامعین کیساتھ مؤذن کو بھی شامل ہے۔ پس درود شریف کا ثبوت تو حدیث سے ہے البتہ اسکی کیفیت مستحدث ہے اس کیفیت کے بدعت ہونے میں عبارات مختلف ہیں صورت تطبیق یہ ہے کہ اگر اس خاص کیفیت میں مزید ثواب سمجھا جائے اور اسکا التزام ہو تو جائز ہے ورنہ بلاشبہہ بدعت ہے۔ قال سلطان العلماء الملا علی القاری فما یفعله المؤذنون الاٰن عقب الاذان من الاعلان بالصلوٰة والسلام مرارًا اصله سنة والکیفیة بدعة لان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر فیه کراهة سیما فی المسجد الحرام لتشویشه علی الطائفین والمصلین والمعتکفین (مرقات ص۱۶۱ ج۲)

ہمارے زمانے کے اہل بدعت نے اسکو ضروری قرار دے لیا ہے اگر کوئی نہ پڑھے تو اسے برا بھلا کہا جاتا ہے جو التزام مالا یلزم ہے۔ امام طحاوی نے اذان کے بعد مطلقاً دُعا پر بحث کرتے ہوئے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو اسے مستحب سے زیادہ درجہ دیتے ہیں۔ نیز اکثر اہل بدعت صلوٰۃ و سلام کو اذان پر مقدم رکھتے ہیں، اور اس کا کوئی ثبوت نہیں، نیز مروجہ صلوٰۃ و سلام خواہ اذان سے پہلے ہو یا بعد میں اسے بلند آواز سے بلکہ لاؤڈ اسپیکر پر پڑھا جاتا ہے، قطع نظر اسکے کہ ذکر میں اخفاء اولیٰ بلکہ مطلوب ہے۔ مسجد کے اندر یا اسکے قریب زور سے آواز د شور خواہ ذکر بلکہ تلاوت قرآن ہی سے کیوں نہ ہو ممنوع ہے۔ ملا علی قاری کی عبارت بطور نمونہ پیچھے گزر چکی ہے

ان تمام تفصیلات سے قطع نظر چونکہ ہمارے زمانے میں بالخصوص برصغیر ہند و پاک بشمول ایران و افغانستان و بلوچستان کے مروجہ صلوٰۃ و سلام بالجہر طائفہ زائغہ بریلویہ کا شعار ہے جو اس مستحب کو فرض و واجب کا مقام دیتے ہیں، اسلئے اس سے بچنا شرعاً ضروری ہے، چنانچہ فقہاء نے اسکی تصریح کر دی ہے کہ جب کسی مستحب کو لوگ ضروری سمجھنے لگیں تو ایسے وقت میں اسکا ترک واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ربیع الآخر ۹۶ھ

روزہ کشائی کی رسم

سوال: ہماری طرف یہ رواج ہے کہ جب بچے کو پہلا روزہ رکھواتے ہیں تو افطار کے وقت اس کے گلے میں ہار ڈالتے ہیں اور ایک یا دو دیگ کھانا پکا کر دوست و احباب اور رشتہ داروں کو کھلاتے ہیں اور مسجد میں افطار کے لئے کھانا بھیجا جاتا ہے تو کیا ایسے کھانے کا ثبوت کسی حدیث سے ہے یا نہیں؟ اور طریقہ مذکورہ جائز درست ہے یا نہیں؟ کھانا بھی درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس رسم کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اس کو ثواب سمجھ کر کرنا دین میں اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی وجہ سے بدعت اور ناجائز ہے بلکہ ثواب نہ بھی سمجھے تو بھی اس کا ترک لازم ہے کیونکہ یہ ایسی رسم بن چکی ہے جس کی قباحت اہلِ عقل پر ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رمضان سنہ ۸۸ھ

قبر میں کیوڑہ چھڑکنا

سوال: میّت کو دفن کرتے وقت قبر کے اندر کیوڑہ کی بوتل چھڑکنا درست ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ خوشبو کی چیز ہے اور خوشبو سے میت کو سرور ہوتا ہے اسی طرح اگر بتی قبر پر یا قبر سے جُدا سُلگانا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلهم الصواب

قبر کے اندر خوشبو چھڑکنا مستحب ہے، باہر اگر بتی وغیرہ جلانا بدعت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۷ رمضان المبارک ۸۸ھ

رمضان کے آخری جمعہ میں وداعی خطبہ پڑھنا

سوال: ماہِ رمضان کے آخری جمعہ کے خطبہ میں الوداع اور الفراق کہنا جائز ہے، یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کی شرع میں کوئی اصل نہیں بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ شوال سنہ ۹۵ ہجری

مبارک راتوں میں مساجد میں اجتماع

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ میں کہ عیدین، نصف شعبان، رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ اور دیگر لیالی مبارکہ میں جو عام رواج بن گیا ہے کہ مساجد میں ذکر وتلاوت وغیرہ کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں اور بعض مساجد میں تقریر کا بھی اہتمام ہوتا ہے اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ان مبارک راتوں میں مساجد میں آکر عبادت کرنے کے تین طریقے ہیں:

(۱) مسجد میں آکر عبادت کرنے کا اہتمام نہیں کیا بلکہ اتفاقاً مسجد میں آکر تلاوت و ذکر میں لگ گئے، یہ جائز ہے لیکن یہ نوافل اور ذکر اگر گھر میں کرتا تو زیادہ ثواب ملتا، بلکہ مسجدِ حرام و مسجد نبوی کی بہ نسبت بھی گھر میں نفل عبادت کا زیادہ ثواب ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰۃ المرء فی بیتہ افضل من صلوٰتہ فی مسجدی ھٰذا الا المکتوبۃ (رواہ ابوداود) و ایضاً عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال افضل الصلوٰۃ صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ رواہ الجماعۃ الا ابن ماجۃ (نیل الاوطار)

(۲) مسجد میں آنے کا اہتمام کیا گیا ہو یہ بدعت ہے اس لئے کہ نوافل کے لئے مسجد کا اہتمام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں نوافل پڑھنے کو زیادہ ثواب سمجھتا ہے اور یہ شریعتِ مطہرہ پر زیادتی ہے بلکہ اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے اس لئے کہ احادیث میں اسکی صراحت ہے کہ نوافل کا گھر میں پڑھنا زیادہ افضل ہے کما مرّ۔

(۳) لیالی مبارکہ میں مسجد میں عبادت کا اہتمام ہیئتِ اجتماعیہ کے ساتھ کیا جائے مثلاً نوافل کی جماعت کی جائے یا تقاریر کا اہتمام کیا جائے، یہ صورت بھی بدعت ہے، صورت دوم سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ اس میں ایک تو وہ خرابی ہے جو ع۲ میں مذکور ہوئی۔ دوسری یہ خرابی بھی ہے کہ نفلی عبادت کے لئے ہیئت اجتماعیہ پیدا کرلی جو شرعاً ممنوع ہے قال ابن عابدین و فی الامداد و یحصل القیام بالصلوٰۃ نفلاً فرادی من غیر عدد مخصوص و بقراءۃ القرآن والاحادیث و سماعھا و بالتسبیح والثناء والصلوٰۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال ایضاً بعد اسطر (تتمہ) اشار بقولہ فرادی الی ما ذکرہ بعد فی متنہ من قولہ ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھٰذہ اللیالی فی المساجد وتمامہ فی شرحہ وصرح بکراھۃ ذٰلک فی الحاوی القدسی (الشامیۃ ص۶۳۲ ج ۱)

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ گھروں میں شور ہوتا ہے بچے روتے ہیں جس کی وجہ سے دلجمعی اور خشوع باقی نہیں رہتا یہ شیطان کا فریب ہے، دراصل خشوع نام ہے سنت کے مطابق عبادت کرنیکا۔ اگر سنت کے مطابق عبادت کرلی تو خشوع و خضوع بھی حاصل ہے، اور اگر خلاف سنت لاکھ آہ و بکا اور ہیئت خشوع اختیار کریں نظر شرع میں اسے خشوع نہیں کہا جاتا ——
سوچنے کی بات ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو انتہائی سخت مجبوری کے باوجود تہجد نیز

کے نوافل گھر میں پڑھیں اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہوں اور آج ہم یہ کہنے لگیں کہ ہمیں تو گھر میں خشوع حاصل نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے حجرۂ مبارکہ میں نفل پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے پاؤں پھیلائے لیٹی ہوئی ہوتیں، جب آپ سجدہ کرنے لگتے تو ہاتھ سے ان کے پاؤں کو چھوتے تب وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پھر اپنے پاؤں پھیلا دیتی تھیں۔ رات اندھیری، چراغ کا انتظام نہیں، گھر میں اتنی وسعت تک نہیں کہ ایک آدمی لیٹ جائے تو دوسرا سجدہ کرسکے اور مسجد نبوی اسقدر قریب کہ حجرہ سے قدم نکالا تو مسجد میں پہنچ گئے۔ پھر مسجد بھی مسجد نبوی ہے، جس کا فضل ظاہر ہے اس کے باوجود محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک یہ تھا کہ حجرہ میں نوافل پڑھتے تھے مسجد میں تشریف نہ لیجاتے تھے۔

نیز بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ گھر میں اکیلے پڑھنے سے جلدی نیند آجاتی ہے اور اگر مسجد میں ہیئتِ اجتماعیہ کے ساتھ ذکر و نوافل میں لگ جائیں، کچھ تقاریر ہوں اور کچھ نوافل کی جماعت وغیرہ تو نیند ختم ہوجاتی ہے، اس طرح سے بہت زیادہ عبادت کی توفیق ہوجاتی ہے اگر اکیلے گھر میں نوافل وغیرہ پڑھتے تو اسکا آدھا بھی نہ کرپاتے۔

خوب سمجھ لیں کہ تکثیرِ عبادت یا اس کی کمیّت مقصود ہی نہیں بلکہ عبادت کی کیفیت پر سارے ثواب کا دارومدار ہے۔ اگر تھوڑی دیر عبادت کرلی تو یہ اس عبادت سے لاکھوں درجہ اچھی ہے جو سنت کے خلاف ہو، سنت یہ ہے کہ جب تک طبیعت میں نشاط ہو نوافل وغیرہ میں مشغول رہے اور جب نیند کا غلبہ ہو طبیعت اُکتا جائے تو آرام کرلے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد وحبل ممدود بین ساریتین فقال ما ھٰذا قالوا لزینب تصلی فاذا کسلت او فترت امسکت بہ فقال حلوہ لیصل احدکم نشاطہ فاذا کسل او فتر قعد وفی حدیث زھیر فلیقعد (رواہ مسلم) وفیہا ایضا عن عائشۃ قالت دخل علیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعندی امرأۃ فقال من ھٰذہ فقلت امرأۃ لا تنام تصلی قال علیکم من العمل ما تطیقون فواللہ لا یمل اللہ حتّٰی تملوا وکان احب الدین الیہ ما داوم علیہ صاحبہ وفی حدیث عنھا (رضی اللہ عنھا) خذوا من العمل ما تطیقون فواللہ لا یسأم اللہ حتّٰی تسأموا (رواہ الشیخان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

دعا کے اختتام پر کلمہ پڑھنا

سوال: ہمارے علاقہ میں دستور ہے کہ دعا ختم کرنے کے بعد جب منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں اسوقت کلمہ طیبہ لاالٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں کیا شریعت میں اسکا کوئی ثبوت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

دعا کے آخر میں درود شریف اور آمین کے سوا اور کچھ پڑھنا ثابت نہیں، لہٰذا منہ پر ہاتھ پھیرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھنے کا دستور بدعت ہے جیسے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یا تلاوت کے بعد کوئی شخص دعا ماثورہ کی بجائے یا اسکے بعد کلمہ طیبہ پڑھے تو اسے ہر شخص دین میں زیادتی اور بدعت سمجھے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

قبر پر ہری شاخ یا پھول رکھنا

سوال: کیا ارشاد فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے متعلق کیا قبر پر ہری شاخ گاڑنا یا پھول ڈالنا مستحب ہے؟ ایک ہی دفعہ یا جب تیسرے چوتھے دن قبر پر جائے تو ہر بار مستحب وجائز ہوگا یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ یہ حدیث سے ثابت ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر کھجور کی شاخ کے دو ٹکڑے رکھ کر فرمایا کہ جبتک یہ خشک نہ ہونگے عذاب میں تخفیف رہے گی، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی برکت تھی، اگر یہ قاعدہ عام ہوتا تو حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ضرور اسکا اہتمام فرماتے کیونکہ یہ حضرات حریص علی الخیر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو سمجھنے کے لئے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل کو دیکھنا لازم ہے۔ ان کا تعامل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل کی تفسیر ہے۔ نیز آجکل جسقدر اسکا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کو لازم سمجھا جاتا ہے اس کے بدعت ہونے میں کچھ شبہ نہیں، مزید براں ایسی چیزوں سے لوگوں کی گناہوں پر جرأت بڑھتی ہے اس لئے ناجائز ہے۔ پھول ڈالنے کی رسم بدعت ہے شریعت میں اسکا کوئی ثبوت نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ——— یکم ذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

ایصالِ ثواب پر اُجرت جائز نہیں

سوال : زید نے بکر کو کہا کہ آپ میرے اعزا، و اقربا، کے قبرستان میں روزانہ جایا کریں، قرآن مجید، الحمد شریف اور "قُل" پڑھا کریں اور میرے اقربا کو بخشدیا کریں اور مجھ سے ماہوار مقرر تنخواہ وصول کر لیا کریں۔ بکر کو یہ عمل کرنا کیسا ہے ؟ تنخواہ کی رقم اس کیلئے کیسی ہے اگر اس کو جائز نہیں تو زید سے وصول کر کے کسی مسکین کو دینا جائز ہے یا بالکل زید سے وصول ہی نہ کرے ؟ اور زید کے اعزار کو ایسی فاتحہ خوانی سے ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قال فی ردالمحتار ان القاری اذا قرأ لاجل المال فلا ثواب له فای شیء یهدیه الی المیّت وانما یصل الی المیّت العمل الصالح (ردالمحتار ص۳۵ ج ۳) وفی شرح التنویر فی بیان الاجارة الفاسدة (و) لا لاجل الطاعات وقال فی ردالمحتار تحت (قوله ویفتی الیوم) قال تاج الشریعة فی شرح الهدایة ان القرآن بالاجرة لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری وقال العینی فی شرح الهدایة ویمنع القاری للدنیا والأخذ و المعطی آثمان فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قراءة الاجزاء بالاجرة لا یجوز لان فیه الامر بالقراءة واعطاء الثواب للآمر والقراءة لاجل المال فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستأجر ولولا الاجرة ما قرأ احد لاحد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووسیلة الی جمع الدنیا انا لله وانا الیه راجعون اھ (ردالمحتار ص۳۹ ج ۵)

عبارات بالا سے ثابت ہوا کہ بکر کا یہ عمل جائز نہیں، تلاوتِ قرآن پر اُجرت مقرر کر کے تلاوت کرنے سے میت کو ثواب پہنچنا تو درکنار خود قاری ہی کو ثواب نہیں ملتا۔ پس جبکہ خود قاری مستحق ثواب نہیں تو میت کو کیا ثواب پہنچے گا ؟ رقم مذکور اس کے لئے جائز نہیں اور نہ وصول کر کے کسی کو دینا جائز ہے، اگر کبھی کسی وقت وصول کر لی ہو تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ / جمادی الاولیٰ سنہ ۸۶ھ

شدید بارش یا وبا کے وقت اذان دینا

سوال : مویشیوں میں وبا پھیلی ہوئی ہے، اس وبا کو ٹالنے کے لئے تلاوتِ قرآن کی

، کثرت کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ رحم کرے اور روزانہ جب تک وبا باقی رہے چاروں کونوں میں اذان دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح شدید بارش یا آندھی میں اذان دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

علیٰ سبیل التداعی نہو اپنے طور پر تلاوت کرتے رہیں تو جائز ہے تداعی کی صورت جائز نہیں، فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے غیر صلاۃ میں اذان کے جتنے مواقع بیان فرمائے ہیں ان میں مواقع مسئولہ نہیں ہیں، اور مفہوم مخالف یعنی عدم ذکر عدم جواز پر دال ہے۔ قال فی الشامیۃ رأیت فی کتب الشافعیۃ انہ قد یسن الاذان لغیر الصلاۃ کما فی اذن المولود والمهموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقہ من انسان او بہیمۃ وعند مزدحم الجیش وعند الحریق (الی قولہ) وعند تغول الغیلان (الی قولہ) وزاد ابن الحجر فی التحفۃ الاذان والاقامۃ خلف المسافر قال المدنی اقول وزاد فی شرعۃ الاسلام لمن ضل الطریق فی ارض قفر ای خالیۃ من الناس الخ (رد المحتار ص۳۵۷ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۷ھ

قبروں پر چادر چڑھانا

سوال: قبروں پر چادر چڑھانا کیسا ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے تو قبروں پر چڑھانے میں کیا حرج ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان اللہ لم یأمرنا فیما رزقنا ان نکسو الحجارۃ واللبن والطین (مسلم وابوداود) اس حدیث میں دیوار پر چادر چڑھانے کی ممانعت آئی ہے باوجودیکہ اسمیں بظاہر کوئی قباحت اور ایہام شرک وغیرہ نہیں، لہٰذا قبروں پر چادر چڑھانا ایہام شرک تعظیم غیر اللہ کی وجہ سے بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ یکرہ الستور علی القبور (رد المحتار ص۸۳۹ ج ۱) بخلاف غلاف کعبہ کے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنایا ہے کیونکہ اس کی تعظیم مفضی الی الشرک نہیں اسی لئے اس کی طرف نمازوں میں استقبال ضروری ہے اور قبور کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۹۲ ہجری

تراویح میں ختم قرآن پر مٹھائی تقسیم کرنا

سوال : آجکل سب مساجد میں اسکا اہتمام کیا جاتا ہے کہ رمضان شریف میں تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر باالتزام مٹھائی تقسیم ہوتی ہے اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ مسجد کے وقف کی آمدنی سے مٹھائی تقسیم کرنا یا اس کے لئے علیحدہ چندہ کرنا کیا دونوں کا حکم برابر ہے یا کہ کچھ فرق ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مٹھائی تقسیم کرنے کی مروّج رسم میں کئی قبائح ہیں مثلاً :

(۱) اسے مستقل ثواب سمجھا جاتا ہے جو دین پر زیادتی ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔

(۲) اس کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ کسی حال میں بھی اس رسم کو ترک نہیں کیا جاتا، التزام کی وجہ سے تو مستحب کام بھی واجب الترک ہو جاتا ہے چہ جائیکہ کہ جسکا استحباب ہی ثابت نہ ہو۔

(۳) وقف کی رقم سے اس پر صرف کرنا ناجائز ہے، اسلئے کہ یہ خرچ مصارف مسجد میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا منتظمہ کمیٹی پر شرعاً اس رقم کا ضمان واجب ہوگا۔

(۴) بلا ضرورت شرعیہ چندہ کرنا ناجائز ہے اس میں دین اور قرآن کریم کی تحقیر و تذلیل ہے

(۵) چندہ میں اگر خطاب خاص کیا گیا یا ایسی مجلس میں خطاب عام کیا گیا کہ جس میں کچھ خاص لوگ شریک ہوں تو ان دونوں صورتوں میں چندہ دہندگان کی رضا اور طیب خاطر متیقن نہیں، بلکہ ظن غالب یہ ہے کہ مروّت اور غلبۂ حیاء کی وجہ سے رقم دی ہوگی، لہٰذا اس رقم سے خرید کردہ مٹھائی حلال نہ ہوگی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسہ (مسند الامام احمد)

(۶) عموماً ایسی تقریبات کے چندہ میں حرام آمدنی والے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں

(۷) قبائح مذکورہ نہ بھی ہوں تو بھی اس میں ایک بہت بڑی قباحت یہ ہے کہ اس سے ناجائز رسم اور بدعت شنیعہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے بہرحال ناجائز اور واجب الترک ہے والله تعالیٰ اعلم

۱۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

اذان کے جواب میں کلمۂ توحید کے بعد محمد رسول اللہ کہنا

سوال : اذان کے جواب میں آخر میں لا الٰہ الا اللہ کا جواب دیکر محمد رسول اللہ بھی کہدے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اذان کے جواب میں لاالٰہ الااللہ کا جواب بعینہ وہی ہونا چاہیئے، محمدٌ رسول اللہ کا اضافہ کرنا زیادۃ فی الدین اور بدعت ہے۔ عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علیّ صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بھا عشرا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجوا ان اکون ھو فمن سأل لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ (رواہ مسلم) وقال فی التنویر ویجیب من سمع الاذان بان یقولوا کمقالتہ (رد المحتار ص۳۶۶ ج ۱) اگر مؤذن لاالٰہ الااللہ کے بعد اسی طرح بلند آواز سے محمدٌ رسول اللہ کہے تو اسے ہر شخص اذان پر زیادتی سمجھ کر ناجائز کہے گا، اسی طرح اذان سننے والے کا محمدٌ رسول اللہ کہنا اذان کے جواب پر اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ذی قعدہ سنہ ۸۸ھ

جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ میت پر پھولوں کی چادر پہنانا درست ہے، یا نہیں۔ نیز ایسی میت کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جنازہ پر پھول کی چادر ڈالنا بدعت ہے لہٰذا اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کرنا درست ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۸۹ ہجری

اذان میں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا

سوال: اذان میں اشہد ان محمدا رسول اللہ پر جو لوگ انگوٹھے چومتے ہیں وہ ثبوت میں منسلکہ عبارت پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرما کر تصدیق یا تردید فرمائی جائے، عبارت یہ ہے حضرت علامہ نبہانی نے "حجۃ اللہ علی العالمین" میں یہ روایت درج فرمائی ہے بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دو سو سال تک اللہ کی نافرمانی کی، مرنے کے بعد لوگوں نے اسکو گندی جگہ پر پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اسے اٹھا کر باعزت دفنانے کا اور اس کے لئے دعائے مغفرت کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ لوگ اسکے

نافرمان ہونے کی شہادت دیتے ہیں ارشاد ہوا ٹھیک ہے کہ وہ گنہگار تھا مگر وہ جب رات کو آنکھ کھولتا تھا اور میرے محبوب محمد کا نام دیکھتا تو وہ اس کا نام چومتا اور اپنی آنکھوں پر لگاتا تھا اس لئے وہ مجھے پیارا لگتا ہے میں نے اس کے دو سو سال کے گناہ بخشدئیے۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فی الشامیۃ ویستحب ان یقول عند سماع الاولیٰ من الشہادۃ۔ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وعند الثانیۃ منہا قرت عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابہامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائداً لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد اھ قہستانی ونحوہ فی الفتاوی الصوفیۃ (الی ان قال) وذکر ذلک الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شیء الخ علامہ شامی نے قہستانی وغیرہ کے حوالہ سے اس تقبیل کا استحباب نقل کرنے کے بعد جراحی سے نقل کیا ہے کہ کسی حدیث سے اسکا ثبوت نہیں لہٰذا اس کی سنّیت پر کوئی دلیل نہیں۔ اور چونکہ عوام اس کو سنت سے بھی بڑھ کر ضروری سمجھ کر تارک تقبیل کو ملامت کرتے ہیں لہٰذا اسکا ترک ضروری ہوگیا۔ عبارت منسلکہ سے متعلق جس کتاب کا حوالہ پیش کیا گیا ہے وہ غیر معروف ہے۔ اگر صحیح بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کہیں لکھا ہوا ہو تو اسے چومنا اور آنکھوں پر لگانا باعثِ برکت وثواب ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہیں، یہ کیسے ثابت ہوا کہ ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر لگایا جائے خصوصاً اذان کے وقت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ محرّم سنہ ۹۱ ہجری

کفن سے بچا کر امام کے لئے مصلّے بنانا

سوال: جنازہ پڑھانے والے امام کے نیچے مصلّی جو کہ کفن سے بچا کر رکھتے ہیں، یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کفن سے کپڑا بچا کر امام کے لئے مصلّے بنانا غلط رسم اور ناجائز ہے یہ کفن کے مصارف میں داخل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنا

سوال : بعد نماز جمعہ اجتماعی طور پر کچھ لوگ بیٹھ کر کسی درخت کے بیچوں پر ہر جمعہ آہستہ آواز سے درود شریف پڑھیں تو جائز ہوگا یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کبھی کبھی بلا اہتمام ایسا کرنا اگرچہ جائز ہے مگر آئندہ چل کر ایسی چیزیں بدعت کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، ان کا اہتمام اور التزام ہونے لگتا ہے اور طرح طرح کی قیود کا اضافہ ہونے لگتا ہے۔ جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، یہ شریعت پر زیادتی ہے جس کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ اسلئے ایسے امور سے اجتناب ضروری ہے۔ اپنے طور پر ہر شخص جتنا چاہے درود شریف پڑھے۔ باعثِ برکت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ر ذی قعدہ سنہ ۸۶ھ

تعزیت کے لئے جمع ہو کر بیٹھنا

سوال : میت کو دفنانے کے بعد قریبی رشتہ دار اور رشتہ دار مہمان، وارثین میت کو اپنے ہمراہ کھانا کھلانے کے لئے میت کے گھر آتے ہیں، یہ بات تو مستحسن ہے، لیکن اس کے ہمراہ دُور کے رشتہ دار، جن کے ہاں اس روز گھر والوں کے لئے چولھا جلتا ہے اور برادری کے معزز حضرات بھی اہلِ میت کی دلجوئی کے لئے اچھی خاصی تعداد میں گورستان سے واپس اہلِ میّت کے گھر پر آتے ہیں اور کھانے میں شریک ہوتے ہیں جس کے باعث کبھی تو اعزّہ کے ہاں سے آیا ہوا کھانا کفایت کر جاتا ہے اور کبھی اہلِ میت کو یا انکے قریبی اعزّہ کو بازار سے لانا پڑتا ہے یہ اگر جائز نہیں ہے تو اس کا گناہ کس پر ہوگا ؟ آیا جو دلجوئی کے لئے کھانے کے انتظار میں رہے اور شریکِ طعام ہو، یا اہلِ میت اور اُن کے قریبی رشتہ دار، جنہوں نے سب آنے والوں کو کھانا کھلانا اپنا مذہبی، اخلاقی فرض خیال کیا ہو۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ رسم یقیناً ناجائز ہے اور انتہائی بے غیرتی کی بات ہے۔ اس گناہ میں کھانے والے اور کھلانے والے سب شریک ہیں بلکہ قریبی رشتہ دار بھی اگر اِس رسم کو لازم سمجھتے ہیں اور اس میں شریک نہ ہونے کو بُرا مانتے ہیں یا یہ طعام اہلِ میّت کی طرف سے ہو تو ان کے لئے بھی

یہ فعل ناجائز ہو جائے گا، اہلِ میت کا تعزیت کے لئے جگہ مخصوص کر کے بیٹھنا اور دوسرے لوگوں کا وہاں جمع رہنا یہ بھی ناجائز ہے قال ابن عابدین وفی الامداد قال کثیر من متأخری أئمتنا یکرہ الاجتماع عند صاحب البیت بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس باُمورھم وصاحب البیت بامرہ (رد المحتار ص۸۴۲ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ربیع الآخر سنہ ۹۶ھ

روزانہ اکٹھے ہو کر قبرستان جانا

سوال: میت کی وفات کے دوسرے اور تیسرے روز خصوصی طور پر بعد نماز فجر اسکے ایصالِ ثواب کے لئے اعزہ واقارب اور مہمانوں کا جو جنازہ میں شریک تھے گورستان میں جاکر اور پھر لوٹ کر آنا اور کچھ دیر اہلِ میّت کے مکان پر ٹھیرنا اور پھر چائے وغیرہ پی کر وہاں سے رخصت ہونا، پھر دوپہر کو پھر شام کو یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

یہ سب خرافات ہیں شرعاً ان کا کوئی جواز نہیں، یہ شریعت مقدسہ کاملہ پر زیادتی ہے، اور واجب الاحتراز والاعتراض ہے۔ موقعۂ غم میں دعوتیں اُڑانا انتہائی بے غیرتی ہے۔ فقط واللہ تعالےٰ اعلم

۱۶ ربیع الآخر سنہ ۹۶ھ

حالت خطبہ میں درود شریف پڑھنا

سوال: جب خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آئے یا خطیب یہ آیت پڑھے یاَیّھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیمًا تو سننے والوں کے لئے درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

چونکہ خطبہ نماز کے حکم میں ہے اس لئے اس حالت میں زبان سے پڑھنا جائز نہیں دل میں پڑھ سکتے ہیں قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام وفی الشامیۃ (قولہ ولا کلام) ای من جنس کلام الناس وکذلک اذا ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یجوز ان یصلوا علیہ بالجھر بل بالقلب وعلیہ الفتوی (رد المحتار ص۷۶۸ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم — ۲۶ شوال سنہ ۱۳۸۶ھ

لوگوں کے ڈر سے ان اللہ وملائکتہ الخ پڑھنا

سوال : امام لوگوں کے ڈر سے ان اللہ وملائکتہ الخ پڑھتا ہے کہ اگر نہ پڑھونگا تو مقتدی امامت سے نکال دیں گے شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔ اگر امام پڑھتا رہے تو اسکی گنجائش ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب ۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسراً ۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیراً وسعۃ۔ الا ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقھا الا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب وتوکلوا علیہ ، ان نصوص کے ہوتے ہوئے یہ خطرہ کہ اگر بدعت کا ارتکاب نہ کریگا تو اس کی امامت جاتی رہے گی اور پھر بھوکا مریگا انتہائی ضعف ایمان کی دلیل ہے ، اور کسب معاش کا یہ ذلیل ترین طریق ہے ، حکم شرعی کے علاوہ غیرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی امامت سے فوراً استعفاء دیدے ۔ فقط واللہ تعالےٰ اعلم

۱۷ ربیع الآخر سنہ ۸۸ھ

گیارھویں کا کھانا

سوال : اگر دوست احباب یا رشتہ داروں کے یہاں سے گیارھویں کا کھانا یا محرّم کا کھچڑا یا شب برأت کا حلوہ یہ لوگ گھر بھیجدیں تو لینا جائز ہوگا یا نہیں ، اگر نہ لیں اور واپس کردیں تو رنجش ہونیکا خطرہ ہے ، یا ان سے لیکر بچوں کو کھلا دیا جائے یا کسی غریب کو دیدیا جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہوگی یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر اس قسم کا کھانا پکانے والا غیر اللہ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہے تو اس کا یہ فعل شرک ہے اور یہ کھانا حرام ہے ، اس کا قبول کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ، اور اگر نفع نقصان کا مالک نہیں سمجھتا تو کھانا حرام نہیں مگر یہ فعل بدعت ہے ایسا کھانا لینے سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی جائے تاکہ بدعت کی اشاعت اور تائید کا گناہ نہ ہو ۔

فقط واللہ تعالےٰ اعلم

۲۶ ربیع الآخر سنہ ۹۶ھ

میلاد میں قیام کرنا

سوال : مروّجہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام کرنا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

محفلِ میلاد میں قیام بدعت ہے، حدیث میں اس کی صاف ممانعت آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عین حیات میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمایا کہ تم کھڑے ہو کر میری تعظیم نہ کیا کرو جیسا کہ عجم کا دستور ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی کھڑے ہو کر تعظیم کرتے ہیں محفل میلاد کسی خاص دن میں کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا، شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کا اہتمام کرنا، قیام کرنا یہ امور شرعاً ناجائز ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجلس میں حاضر ہونیکا اعتقاد رکھنا شرک ہے ان امور سے اگر مجلس منزہ ہو تو باعث برکت و ہدایت ہے ورنہ ضلالت و گمراہی فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رجب سنہ ۹۱ ہجری

عید مبارک کہنا

سوال : آجکل جو عید کے روز بالخصوص عید کی نماز کے بعد "عید مبارک" کہنے کا عام رواج ہے کیا شریعت میں اسکی کوئی اصل ہے؟ اور اسمیں کوئی قباحت تو نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور عوام میں اسکا التزام ہونے لگا ہے اسلئے مکروہ ہے اور اگر اسے ثواب بھی سمجھا جاتا ہو تو شریعت میں زیادتی اور بدعت ہونے کی وجہ سے سخت گناہ ہے

قال ابن الحاج فی المدخل قد اختلف علماؤنا رحمہم اللہ تعالیٰ فی قول الرجل لاخیہ یوم العید تقبل اللہ منّا ومنک وغفرلنا ولک علی اربعۃ اقوال جائز بانہ قول حسن، مکروہ لانہ من فعل الیہود مندوب الیہ لانہ دعاء ودعاء المؤمن لاخیہ مستحب، الرابع لا یبتدئ بہ وان قال لہ احد ردّ علیہ مثلہ، اذا کان اختلافہم فی ھذا الدعاء الحسن مع تقدّم حدوثہ فما بالک بقول القائل عید مبارک مجردًا عن تلک الالفاظ مع انہ متأخرالحدوث فمن باب اولیٰ ان یکرہ وھو مثل قولہم یوم مبارک ولیلۃ مبارکۃ وصبحک اللہ بالخیر ومسّاک اللہ بالخیر وقد کرہ العلماء رحمہم اللہ تعالیٰ کل ذلک (المدخل ص۲۹۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ ذی قعدہ سنہ ۹۶ ہجری

سوال مثل بالا

سوال : عید کے دن "عید مبارک" کہنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ والتهنئة بتقبل الله منا ومنکم لا تنکر۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ وانما قال کذلک لانه لم یحفظ فیها شیء عن ابی حنیفة واصحابه رحمهم الله تعالیٰ وذکر فی القنیة انه لم ینقل عن اصحابنا کراهة وعن مالک رحمه الله تعالیٰ انه کرهها وعن الاوزاعی انها بدعة وقال المحقق ابن امیر حاج بل الاشبه انها جائزة مستحبة فی الجملة ثم ساق آثارا باسانید صحیحة عن الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم فی فعل ذلک ثم قال والمتعامل فی البلاد الشامیة والمصریة عید مبارک علیک ونحوه وقال یمکن ان یلحق بذلک فی المشروعیة والاستحباب لما بینهما من التلازم فان من قبلت طاعته فی زمان کان ذلک الزمان علیه مبارکا علی انه قد ورد الدعاء بالبرکة فی امور شتی فیؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا ایضا اھ (ردالمحتار ص۷۷۷ ج۱)

وقال الحافظ رحمه الله تعالیٰ معزیا لابن رشید وقد روی ابن عدی من حدیث واثلة انه لقی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم عید فقال تقبل الله منا ومنک فقال نعم تقبل الله منا ومنک وفی اسناده محمد بن ابراهیم الشامی وهو ضعیف وقد تفرد به مرفوعا وخولف فیه فروی البیهقی من حدیث عبادة بن الصامت رضی الله تعالیٰ عنه انه سأل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک فقال ذلک فعل اهل الکتابین واسناده ضعیف ایضا وکأنه اراد انه لم یصح فیه شیء وروینا فی المحاملیات باسناد حسن عن جبیر بن نفیر قال کان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا التقوا یوم العید یقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنک (فتح الباری ص۳۷۱ ج۲)

حاصل یہ کہ دعاء تقبل الله منا ومنک کے ثبوت وجواز میں اختلاف ہے، ثبوت راجح ہے، اس پر قیاس کرکے عید مبارک کے جواز کا قول کیا گیا ہے، اس لئے ان الفاظ مخصوصہ کی تعیین اور ایسا التزام کہ حکم شرع ہونے کا اشتباہ ہو مکروہ ہے، اسی لئے علماء و صلحاء کا تعامل نہیں، مطلق دعاء جائز و مستحسن ہے، والله تعالیٰ اعلم

۱۸ شعبان ۱۴۱۱ھ

بوقت وداع خدا حافظ کہنا

سوال : اس دَورِ ترقی میں رخصت کے وقت السلام علیکم کی بجائے "خدا حافظ" کہنے کا عام دستور ہوگیا ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ رسم ناجائز ہے ۔ اگر السلام علیکم کی بجائے خدا حافظ کہا تو شریعت کی تحریف ہے اور اگر السلام علیکم کے ساتھ کہا تو شریعت پر زیادتی ہے ۔ البتہ اگر سلام وداع سے الگ خدا حافظ اور کبھی کچھ اور دعائیہ کلمات کہدیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں، مگر انہی الفاظ کے التزام سے واضح ہے کہ موقعۂ وداع کے لئے اپنی طرف سے مخصوص الفاظ متعین کئے جارہے ہیں جسکا زیادۃ فی الدین ہونا ظاہر ہے ۔ اور اگر یہ اصطلاح کسی غیر قوم سے لی گئی ہے تو اور بھی زیادہ قبیح ہے ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الاول سنہ ۹۷ھ

عید شب برارت

سوال : شب برارت میں عید منانا اور حلوہ پکانا کیسا ہے ؟ اگر بغیر ثواب کی نیت کے یونہی پکایا جائے تو کیا اس میں بھی حرج ہے ۔ نیز کہیں سے آیا ہوا حلوہ کھانے میں کوئی حرج تو نہیں ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شب برارت میں عید منانے اور حلوہ پکانے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں لہٰذا یہ امور ناجائز اور بدعت ہیں ۔ اگر محض رسم کے طور پر حلوہ پکایا جائے ثواب کا عقیدہ نہ ہو تو بھی اس میں بدعت کی تائید و ترویج ہوتی ہے لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے ، اسی بنا پر حلوہ قبول کرنے سے بھی بچنا چاہیئے ، معہذا یہ حرام نہیں ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ شعبان سنہ ۹۴ھ

سیاسی فتنہ میں اذانیں دینا :

سوال : آجکل حکومت اور اسکے خلاف متحدہ محاذ کے درمیان سیاسی بحران کی وجہ سے جو فتنہ بپا ہے اس کے لئے رات کے اوقات میں اذانیں دینے کا عام سلسلہ شروع ہوگیا ہے ۔ کیا یہ اذانیں دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس موقع پر اذانیں دینا شرعاً ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ بدعت ہے، اسکے علاوہ اسمیں دو گناہ مزید ہیں۔ ایک یہ کہ لوگوں کو نماز کے اوقات میں اشتباہ ہو رہا ہے۔ میرے پاس کئی مردوں نے شکایت کی کہ انھوں نے مغالطہ میں فجر کی سنتیں رات ہی میں پڑھ لیں۔ بعض خواتین نے بتایا کہ انھوں نے صبح ہو جانے کے گمان میں فجر کی نماز ادا کرلی۔

دوسرا گناہ یہ کہ رات میں لوگوں کے آرام میں خلل پڑتا ہے، تندرست انسان کے بھی آرام میں خلل ڈالنا اور اسے رات میں سونے نہ دینا گناہ ہے۔ یہاں تو مریض، ضعیف اور دن بھر کے کام سے تھکے ماندے مزدور وغیرہ بھی ہیں۔ مجھے ایسے مریضوں کی طرف سے بھی شکایات موصول ہوئی ہیں جو اذانوں کے شور کیوجہ سے سو نہیں سکتے اسلئے انکی اعصابی تکالیف میں اضافہ ہو گیا ہے۔

ارتکاب بدعت، لوگوں کی نمازیں برباد کرنے اور مریضوں و ضعیفوں کو پریشان کرنے اور عام مسلمانوں کو ایذا پہنچانے جیسے موجب عذاب عمل سے نزولِ رحمت کی امید رکھنا انتہائی حماقت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ معاصی کو چھوڑا جائے، مالک کی نافرمانی سے توبۂ استغفار کر کے اسے راضی کیا جائے مگر آجکل گناہ چھوڑنے کی بجائے رات دن علانیہ فسق و فجور کی مجالس قائم ہیں اور محافل گرم ہیں۔ غیبت، افتراء، بہتان، بدگمانی، بدزبانی اور آپس میں لوٹ مار، قتل و غارت، اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی جان، عزت اور مال سے کھیلنے کا مشغلہ رات دن جاری ہے ان گناہوں میں سب سے ادنی گناہ غیبت کا ہے جس سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غیبت زنا سے بھی بدتر ہے آجکل جتنے شدید اور کثیر گناہوں اور موجب عذاب و وبال بداعمالیوں کا کھلی مجالس میں رات دن مشغلہ جاری ہے اسکا اندازہ کیا جائے تو آجکل کے ایک دن کی سیاہ کاریاں عام زمانہ میں کئی سالوں کی بداعمالیوں سے بھی کہیں زیادہ ہیں ؎ پھر اسکے ساتھ اذانوں کا سلسلہ شروع کر کے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان کہلانے والی اور اسلام کے نام پر انتخابات لڑنے والی قوم کو فہم سلیم اور صحیح اسلام کی نعمت سے نوازیں۔ ترک سیئات اور نافرمانی سے توبۂ استغفار کی توفیق عطا فرمائیں۔ اپنی رحمت اور اپنے حبیب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل رحم و کرم کا معاملہ فرمائیں اور اس عذاب سے نجات عطا فرمائیں، آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الآخر سنہ ۹۷ھ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه
فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان (رواه مسلم)

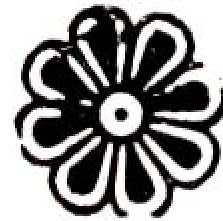
تم میں سے جو شخص بھی کوئی برائی دیکھے اسے ہاتھ سے مٹانے کی کوشش کرے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو دل میں (بوقت قدرت) اصلاح کا عزم مصمم رکھے اور یہ ایمان کا سب سے ادنی درجہ ہے۔

مُنکراتِ محرّم

اس میں ایسے گناہوں پر تنبیہ کی گئی ہے جن میں شیعہ سے متاثر ہو کر اکثر مسلمان بھی مبتلا ہیں

از افادات

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم



اقتباس از تقریر بروز جمعہ ۶ محرم ۱۳۹۰ھ مطابق ۹ جنوری ۱۹۷۰ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

امّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ

آج کی مجلس میں ماہِ محرّم سے متعلق اہم باتیں ذکر کیجاتی ہیں جنہیں سے نمبر اوّل کے سوا باقی سب منکرات اور بدعات ہیں

(۱) روزہ رکھنا

سب سے پہلے روزہ کا بیان کرتا ہوں، اس لئے کہ جو چیز سنت ہے اسے پہلے ہی بیان کرنا چاہیئے۔ اگرچہ لذیذ دوسری چیزیں ہیں۔ شیطان کی عبادت میں لذت زیادہ آتی ہے مگر اللہ والوں کو اللہ کی عبادت میں اس سے کہیں زیادہ لطف اور مزہ آتا ہے۔ اور بعض لوگ دونوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ گویا یوں سمجھتے ہیں کہ ؎

حج بھی کعبہ کا کیا اور گنگا کا اشنان بھی ؛ خوش رہے رحمٰن بھی راضی رہے شیطان بھی

مگر یہ اُن کی کم فہمی ہے۔ دونوں کو راضی کرنے سے شیطان تو راضی ہوگا مگر رحمٰن راضی نہ ہوگا، وہ تو جب راضی ہوگا کہ آپ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر اس کے مقتضیات پر عمل کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں، اور شیطان اللہ کی عبادت چھڑانا نہیں چاہتا، وہ تو صرف اتنا چاہتا ہے کہ کچھ اسکی بھی عبادت کی جائے۔ بہرحال ان دنوں میں سنت سے ثابت تو صرف ایک عبادت ہے، اور وہ روزہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دسویں محرم کا روزہ رکھنا اتنا بڑا ثواب ہے کہ اس سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صغائر گناہ مراد ہیں، کبائر کے لئے توبہ ضروری ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان دنوں میں یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو ایک روزہ اور ملاؤں گا، اسلئے دسویں کیساتھ ایک اور روزہ ملالینا چاہیئے، نویں یا گیارہویں۔

(۲) محرّم کی حقیقت

اصلاح منکرات میں بات یہاں سے چلتی ہے کہ یہ مہینہ معظم و محترم ہے یا منحوس ہے ؟

شیعہ لوگ اس کو منحوس سمجھتے ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انکے نزدیک شہادت بہت بری اور منحوس چیز ہے۔ اور چونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس میں ہوئی ہے اس لئے اسمیں وہ کوئی تقریب اور خوشی کا کام شادی، نکاح وغیرہ نہیں کرتے۔

اس کے برعکس مسلمانوں کے ہاں یہ مہینہ محترم معظم اور فضیلت والا ہے۔ محرّم کے معنیٰ ہی محترم، معظم اور مقدس کے ہیں۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مہینے کو اس لئے فضیلت ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اسمیں ہوئی یہ غلط ہے۔ اس مہینے کی فضیلت اسلام سے بھی بہت پہلے سے ہے۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون سے اس دن میں نجات ہوئی، اس نعمت پر ادائے شکر کے طور پر اس دن میں روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ اور بھی بہت سی فضیلت کی چیزیں اس میں ہوئی ہیں البتہ یوں کہیں گے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں زیادہ فضیلت اس لئے ہوئی کہ ایسے فضیلت والے ماہ میں واقع ہوئی۔

جب یہ ثابت ہوا کہ یہ مہینہ اور دن افضل ہے تو اس میں نیک کام بہت زیادہ کرنے چاہئیں۔ نکاح وغیرہ خوشی کی تقریبات بھی اسمیں زیادہ کرنی چاہئیں، اس میں شادی کرنے سے برکت ہوگی۔ لیکن ہے یہ بڑی بات، اس لئے کہ بہت دنوں سے یہ غلط باتیں کوٹ کوٹ کر دل میں بھری ہوئی ہیں۔ سو سال کا رام بھرا ہوا جلدی سے نہیں نکلتا وہ نکلتے ہی نکلتے نکلتا ہے۔

(۳) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا حادثہ اگرچہ انتہائی المناک ہے مگر شیعہ ذہنیت نے اسے حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے، عام مسلمانوں کے اذہان میں یہ غلط بات جما دی گئی ہے کہ دنیا میں شہادت حسین رضی اللہ عنہ جیسا اور کوئی سانحہ فاجعہ واقع نہیں ہوا، حالانکہ اس سے بدرجہا زیادہ مظلومیت کے بے شمار اندوہناک واقعات ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت دیکھئے، مدافعت پر پوری قدرت کے باوجود ظلمِ عظیم پر کس قدر صبر و استقامت کے ساتھ جان دیدیتے ہیں کیا اس کی نظیر کہیں دنیا میں ملتی ہے؟ مگر مسلمان اس خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی بڑی مظلومیت سے اسقدر بے خبر ہے کہ گویا یہ فرش و عرش کو لرزا دینے والا سانحہ واقع ہی نہیں ہوا، کیا آپ نے کبھی کسی زبان کو اس مظلومیت کی داستان بیان کرتے

ہوئے، کسی کان کا اس طرف التفات، کسی قلم کو یہ جانفگار حادثہ لکھتے ہوئے، اوراقِ تاریخ میں اس کی تفصیل دیکھنے کے لئے کسی نگاہ کی توجہ، اس مظلومیت پر کسی دل میں احساسِ درد اور کسی آنکھ کو کبھی اشکبار دیکھا ہے؟ اس سے بھی بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدامِ مبارکہ کا لہولہان ہونا، دانت مبارک کا شہید ہونا، چہرۂ انور کا زخمی ہونا اور اس سے نہ رُکنے والا خون جاری ہونا، اُنگلی سے خون بہنا اور بہت سے انبیائے کرام علیہم السّلام کا شہید ہونا، دنیا بھر کے اولیاء اللہ کا خون نبی کے ایک قطرۂ خون کے برابر نہیں، مگر یہاں تو زبان، کان، قلم، نگاہ، دل اور آنکھ سب ایک ہی کرشمہ میں مست ہیں، نہ کسی دوسرے صحابی کی شہادت کسی شمار میں، نہ کسی نبی کی، غور فرمائیں کہ یہ شیعیت کا زہر نہیں تو اور کیا ہے؟

(۴) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو امام کہنے کی کیا حیثیت ہے

"امام" کا لفظ اہلِ حق کے ہاں بھی استعمال ہوتا ہے اور شیعہ کے ہاں بھی، اہلِ حق کے ہاں اسکے معنی پیشوا، رہبر اور مقتدا کے ہیں، اور اہلِ تشیّع کے ہاں امام عالم الغیب اور معصوم ہوتے ہیں ان کے ہاں امام کا درجہ نبیوں سے بھی بڑا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس لفظ کے استعمال کرنے میں ہم تو وہی معنی ملحوظ رکھتے ہیں جو اہلِ حق کے ہاں ہیں۔ اس اعتبار سے تمام صحابہ، تابعین، اولیاء اللہ اور علماء امام ہیں، اس لئے امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، امام عمر فاروق رضی اللہ عنہ، امام عثمان رضی اللہ عنہ، امام علی رضی اللہ عنہ، امام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کہنا چاہیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ النجوم امنۃ للسماء واصحابی امنۃ لامتی (رواہ مسلم) میرے سب صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، سب کے سب امام ہیں، جس کی چاہو اقتدا کرلو، ہر ستارے میں روشنی ہے، جس سے چاہو روشنی حاصل کرلو۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امام بتایا، اس معنی سے سارے صحابہ اور سب تابعین اور علماءِ کرام بھی امام ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ لوگ امام ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں کہتے، امام عمر رضی اللہ عنہ نہیں کہتے، امام حسن اور امام حسین کہتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ اثر مسلمانوں میں کہیں غیر سے آیا ہے، یہ تشیّع کا اثر ہے جو مسلمانوں میں سرایت کرگیا ہے، اگر اہلِ حق علماء میں سے کسی نے ان حضرات کو امام کہدیا ہے تو انھوں نے اسکے صحیح معنی میں ان کو امام کہا ہے مگر اس سے مغالطہ ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔ حضرت مہدی کو امام مہدی علیہ السلام کہنا بھی تشیّع کا اثر ہے۔

منکراتِ محرّم ———— ۴

(۵) علیہ السلام کا اطلاق

ایسے ہی ان کو علیہ السلام بھی وہی لوگ کہتے ہیں جو انھیں انبیاء علیہم السلام کا درجہ دیتے ہیں، اس سے بھی احتراز لازم ہے جس طرح دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ عزت و احترام کا معاملہ کیا جاتا ہے وہی معاملہ ان حضرات کے ساتھ بھی رکھنا چاہئیے، جس طرح حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دیگر صحابہ کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے دعائیہ کلمات لکھے اور کہے جاتے ہیں ایسے ہی دعائیہ کلمات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کہے جائیں۔

(۶) مسلمانوں کے ناموں میں اہلِ تشیّع کا اثر

مسلمانوں کے ناموں پر بھی اہلِ تشیّع کا اثر پایا جاتا ہے، مثلاً اصل نام کے ساتھ جس طرح محض تبرّک کے لئے محمد اور احمد ملانے کا دستور ہے اسی طرح علی، حسن، حسین ملایا جاتا ہے۔ صدیق فاروق، عثمان یا اور کسی صحابی کا نام بطور تبرّک اصل نام کے ساتھ ملانے کا دستور نہیں، نسبتِ غلامی بھی علی، حسن، حسین کی طرف تو کیجاتی ہے مگر اور کسی صحابی کی غلامی کو گوارا نہیں کیا جاتا۔ عورتوں میں کنیز فاطمہ کا نام تو پایا جاتا ہے مگر خدیجہ، عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کی کنیز کہیں سنائی نہیں دیتی اس سے بھی بڑھ کر مسلمانوں میں الطاف حسین، فضل حسین اور فیض الحسن جیسے شرکیہ نام بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

(۷) محرم میں ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکانا

محرم کے مہینے میں بالخصوص نویں، دسویں اور گیارہویں تاریخ میں کھانا پکا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ ایصالِ ثواب کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق نقد رقم کسی کارِ خیر میں لگا دے یا کسی مسکین کو دیدے یہ طریقہ اس لئے افضل ہے کہ اس سے مسکین ہر حاجت پوری کر سکے گا، اور اگر آج اسے کوئی ضرورت نہیں تو کل کی ضرورت کے لئے رکھ سکتا ہے۔ نیز یہ صورت ریا اور نمود سے پاک ہے۔ حدیث میں مخفی صدقہ دینے والے کی یہ فضیلت وارد ہوئی ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے جبکہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا اور تمازت کے سبب لوگ پسینوں میں غرق ہو رہے ہونگے۔ فضیلت کے لحاظ سے دوسرے درجے پر یہ صورت ہے کہ مسکین کی

حاجت کے مطابق اسے صدقہ دیا جائے، یعنی اسکی ضرورت کو دیکھ کر اسے پورا کیا جائے یہ ایصالِ ثواب کی صحیح صورتیں ہیں اب مروّجہ طریقے کی قباحتیں سُنیے۔

(۱) جن ارواح کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اگر ان کو نفع ونقصان کا مالک سمجھا گیا تو یہ شرک ہے اور ایسا کھانا مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ میں داخل ہونیکی وجہ سے قطعی حرام ہے۔

(۲) عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو چیز صدقے میں دیجاتی ہے میّت کو بعینہ وہی ملتی ہے یہ خیال بالکل باطل اور لغو ہے میت کو وہ چیز نہیں پہنچتی بلکہ اسکا ثواب پہنچتا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کے جانور کا گوشت پوست نہیں پہنچتا بلکہ اسکا ثواب پہنچتا ہے۔

(۳) ایصالِ ثواب میں اپنی طرف سے یہ قیود لگائی گئی ہیں، صدقے کی متعین صورت یعنی طعام، مہینہ متعیّن، دن متعیّن، حالانکہ شریعت نے ان چیزوں کی تعیین نہیں فرمائی آپ جب چاہیں جو چاہیں صدقہ کرسکتے ہیں۔ شریعت کی دی ہوئی آزادی پر اپنی طرف سے پابندیاں لگانا سخت گناہ اور بدعت ہے بلکہ شریعت کا مقابلہ ہے۔

(۸) شہادت کے قصے سُننا اور سُنانا

اس مہینے میں دیگر خرافات کے ساتھ ایک یہ بھی ہے کہ اس مہینے میں مجلسیں اور جلسے کئے جاتے ہیں جن میں شہادت کے قصّے سُنے سُنائے جاتے ہیں، اس میں ایک گناہ تو یہ ہے کہ اہلِ باطل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جو شرعاً منع ہے چنانچہ جب دسویں محرم کے روزے کے بارے میں بارگاہِ رسالت میں یہ عرض کیا گیا کہ اس میں یہود روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ ایک روزہ اور ملالو، نویں یا گیارہویں، عبادت میں بھی مشابہت کی اجازت نہ دی۔

ان مجالس میں دوسری قباحت یہ بھی ہے کہ شہادت کے قصّے سُن کر صدمہ اور بزدلی پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں میں بزدلی کا پیدا ہونا اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں بلند ہمتی پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی میں یہ حکم ہے کہ جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کریں، ورنہ ذبح کے وقت موجود رہیں، اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ مسلمانوں میں عالی ہمتی اور قوتِ قلب پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو آدمی اپنی آنکھ سے بکرے کو ذبح ہوتے نہ دیکھ سکے وہ دشمن کو کب قتل کرسکے گا؟

اسلامی سال کی ابتدا کہاں سے ہو؟ سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ ہجرت سے اسلامی سال کی ابتدا کی جائے، اسمیں بھی یہی حکمت تھی کہ ہجرت کو سُن کر مسلمانوں میں بلند ہمتی پیدا ہوگی اور دین کی خاطر محنت ومشقت برداشت کرنیکا جذبہ پیدا ہوگا، اس کے برعکس میلاد سے ابتدا کرنے میں لہو ولعب میں اشتغال اور غفلت کا خطرہ تھا اور وفات سے شروع کرنے میں غم، صدمہ اور بزدلی پیدا ہوتی۔ جنگِ بدر میں کفار کے ستر رئیس مارے گئے مگر مکہ میں جاکر دوسرے سرداروں نے اعلان کیا کہ خبردار کوئی نہ روئے اور ماتم نہ کرے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا، یہ حکم اسی لئے دیا گیا تھا کہ بزدلی نہ پیدا ہو۔

نیز یہ رونے رُلانیکے واقعات جو ان مہینوں میں سُنائے جاتے ہیں اکثر غلط ہیں اس لئے ان کا سُننا تو ویسے بھی ناجائز ہے۔ تاریخ پر اہلِ تشیّع کا تسلّط، ان تقیہ باز منافقین کا مسلمانوں میں گھس کر منگھڑت روایات کی اشاعت کرنا اور مسلمانوں کا آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت وعقیدت کی وجہ سے مظلومیت کی ہر داستان کو صحیح باور کرلینا یہ ایسے اُمور ہیں کہ انکی وجہ سے واقعہ شہادت کی صحیح حقیقت کا انکشاف ناممکن ہے حتیٰ کہ بظاہر معتبر مستند کتابوں میں مندرجہ تفاصیل بھی قابلِ اعتماد نہیں اکثر روایات آپس میں تضاد اور عقل واصول شرع کیخلاف ہونیکی وجہ سے یقیناً غلط ہیں، بلکہ نفسِ شہادت کے سوا اسکی تفصیل کا شاید ہی کوئی جزئیہ ایسا ہو جس کی صحت پر پورا اعتماد کیا جاسکے جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنیوالوں نے اپنی اس شقاوت پر پردہ ڈالنے اور حقیقت کو مسخ کرنے کی غرض سے جھوٹی روایات وضع کرنے میں اپنی مخصوص مہارت سے پورا کام لیا ہے۔

(۹) تعزیہ کا جلوس اور ماتم کی مجلس دیکھنا

ان دنوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجلس اور تعزیہ کے جلوس کا نظارہ دیکھنے کے لئے جمع ہوجاتی ہے، اسمیں کئی گناہ ہیں، ایک یہ کہ اسمیں دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور دشمنانِ قرآن کے ساتھ تشبّہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من تشبّہ بقومٍ فھو منھم" جسنے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہی میں شمار ہوگا۔ ہولی کے دنوں میں ایک بزرگ جارہے تھے انھوں نے مزاح کے طور پر ایک گدھے پر پان کی پیک ڈال کر فرمایا کہ تجھ پر کوئی رنگ نہیں پھینکا، لو تجھے میں رنگ دیتا ہوں۔ مرنیکے بعد اس پر گرفت ہوئی کہ تم ہولی کھیلے تھے اور عذاب میں گرفتار ہوئے۔

دوسرا گناہ یہ ہے کہ اس سے ان دشمنانِ اسلام کی رونق بڑھتی ہے۔ دشمنوں کی رونق بڑھانا

بہت بڑا گناہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من کثّر سواد قوم فھو منھم" جس نے کسی قوم کی رونق کو بڑھایا وہ انہی میں سے ہے۔

تیسرا گناہ یہ ہے کہ جس طرح عبادت کو دیکھنا عبادت ہے اسی طرح گناہ کو دیکھنا بھی گناہ ہے ایک دفعہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد کی مشق کر رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکی اس عبادت کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکا اتنا اہتمام فرمایا کہ آپ پردے کی غرض سے خود کھڑے ہوگئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے پردے میں کھڑے ہوکر آپکے کندھے پر سے دیکھتی رہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس عبادت کے نظارے سے سیر ہوکر جب خود ہٹیں تب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہٹے، غرضیکہ عبادت کو دیکھنا بھی عبادت اور گناہ کو دیکھنا بھی گناہ۔

چوتھا گناہ یہ ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہوتا ہے۔ ایسی غضب والی جگہ جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزر ایسی بستیوں کے کھنڈرات پر ہوا جن پر عذاب آیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور سواری کو بہت تیز چلا کر اس مقام سے جلدی سے گزر گئے، جب سیّد الاوّلین والآخرین رحمۃ للعالمین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم غضب والی جگہ سے بچنے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے تو عوام کا کیا حشر ہوگا، سوچنا چاہیئے کہ اگر اللہ کے دشمنوں کئے کرتوتوں سے اسوقت کوئی عذاب آگیا تو کیا صرف نظارہ دیکھنے کے لئے جمع ہونے والے مسلمان اس عذاب سے بچ جائیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ عذاب آخرت میں بھی یہ لوگ انکے ساتھ ہونگے، اللہ تعالیٰ مستحق عذاب بنانیوالی بداعمالیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین

یہ بھی خیال رہے کہ جس طرح مبارک دنوں میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے اسی طرح ان دنوں میں معصیت پر زیادہ عذاب ہے۔

(۱۰) دسویں محرم کی چھٹی کرنا

اس دن چھٹی کرنے میں کئی قباحتیں ہیں، ایک یہ کہ اس میں اہل تشیع کے ساتھ تشبہ ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھکر اُن کی تائید و تقویت ہے،

دوسری قباحت یہ کہ اس دن شیعہ اپنے مذہب کے لئے بے پناہ مشقت اور سخت محنت کا مظاہرہ کرتے ہیں اسکے برعکس مسلمان تمام دینی و دنیوی کاموں کی چھٹی کرکے اپنی بیکاری اور بے ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہیں،

تیسری قباحت یہ کہ چھٹی کی وجہ سے اکثر مسلمان تعزیہ کے جلوسوں اور ماتم کی مجلسوں میں چلے جاتے ہیں، جس پر کئی گناہوں کا بیان اوپر ۹ میں گذر چکا ہے،

(۱۱) دسویں محرم میں اہل وعیال پر وسعتِ رزق

حدیث بتائی جاتی ہے کہ اس روز اہل وعیال پر وسعتِ رزق کرے تو پورا سال وسعتِ رزق ہوگی، من وسع علی عیاله یوم عاشوراء وسع الله علیه السنة کلها، اس کو مشہور محدثین نے غیر ثابت قرار دیا ہے، بفرضِ ثبوت اس سے اس لئے احتراز لازم ہے کہ لوگ اسکو ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ شریعت نے اسمیں ثواب نہیں بتایا، اسے ثواب سمجھنے سے یہ کام بدعت بن جائے گا کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار، اگر کوئی یہ کہے کہ میں تو یہ کام صرف وسعتِ رزق کے لئے کرتا ہوں، میں اسے ثواب کی نیت سے نہیں کرتا تو اس سے کہا جائیگا کہ آپ کے اس فعل سے ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے جو ثواب کی نیت سے کرتے ہیں ایسے وقت میں فقہ کے قاعدے کے مطابق اسکا ترک واجب ہے، چنانچہ حکم ہے اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة فترکه واجب، جب معاملہ سنت اور بدعت میں دائر ہو تو ترک واجب ہے اور یہاں تو معاملہ سنت وبدعت کا نہیں بلکہ جائز اور بدعت کا ہے یہاں تو بطریقِ اولیٰ ترک واجب ہوگا۔

دوسری قباحت یہ کہ اس روز شیعہ نیاز حسین کی دیگیں چڑھاتے ہیں جو شرک ہے اور اس کا کھانا حرام، اس لئے اس موقع پر بہتر کھانے پکانے میں شیعہ کے عقیدہ وعمل کی تائید ہوتی ہے۔

نیز وسعتِ رزق کے اور بھی تو کئی نسخے ہیں جن میں سب سے بڑا نسخہ گناہوں سے بچنا اور توبہ واستغفار ہے۔ یہ نسخہ اکسیر قرآن وحدیث کی نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے۔ اسے چھوڑ کر کھاتے پینے والا نسخہ استعمال کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ میٹھا ہے اور وہ کڑوا، مگر یاد رکھئے جب تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں کی زندگی سے توبہ کرکے اپنے مالک کو راضی نہیں کرتے کوئی نسخہ کارگر نہ ہوگا ؎

کسی کو رات دن سرگرم فریاد وفغاں پایا ‌ ‌ کسی کو فکر گوناگوں سے ہر دم سرگراں پایا!
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا ‌ ‌ بس اک مجذوب کو اس غمکدہ میں شادماں پایا

غموں سے بچنا ہو تو آپ کا دیوانہ ہو جائے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کا صحیح فہم اور کامل اتباع کی نعمت عطا فرمائیں آمین۔

چونکہ مذکورہ منکرات میں سے اکثر کا تعلق محرم کے مہینے سے ہے اور عذاب بھی انہی پر زیادہ ہے اس لئے اس مجموعہ کا نام تغلیباً "منکراتِ محرّم" تجویز کرتا ہوں۔

کتاب العلم والعلماء

کسی عالم یا بزرگ کے ہاتھ چومنا

سوال: تقبیل ید و رجل کا جواز احادیث سے ثابت ہے اور انحناء ناجائز ہے سو یہ تقبیل انحناء کے بغیر فاضل اور عالم اور ولی کے لئے کس کیفیت اور طریقہ سے کی جائے جسمیں فتنۃ الناس کا خوف بھی نہ ہو۔ دلائل عقلیہ ونقلیہ مع عبارات کتب عربیہ تحریر فرمائیں، بیّنوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

پہلے مختلف عبارات فقہ و حدیث نقل کی جاتی ہیں پھران پر احکام مرتب کئے جائیں گے

(القسم الاوّل) (۱) وکرہ تحریما قہستانی تقبیل الرجل فم الرجل او یدہ (الی قولہ) عند لقاء او وداع وھذا لوعن شھوۃ واما علی وجہ البر فجائز عند الکل وفی الاختیار عن بعضھم لا بأس بہ اذا قصد البر وامن الشھوۃ کتقبیل وجہ (در)

(۲) وفی الحقائق لو القبلۃ علی وجہ المبرۃ دون الشھوۃ جاز بالاجماع (در)

(۳) قال الامام العینی بعد کلام فعلم اباحۃ تقبیل الید والرجل والرأس والکشح کما علم من الاحادیث المتقدمۃ اباحتھا علی الجبھۃ وبین العینین وعلی الشفتین علی وجہ المبرۃ والاکرام

(۴) قدم عن الخانیۃ والحقائق ان التقبیل علی سبیل البر بلا شھوۃ جائز بالاجماع (رد)

(۵) وفی المحیط ان لتعظیم اسلامہ واکرامہ جاز وان لنیل الدنیا کرہ (در)

(۶) وسیأتی ان قبلۃ ید المؤمن تحیۃ توفیقا بین کلامہم ولا یقال حالۃ اللقاء مستثناۃ لانا نقول حیث ندب فیھا الشارع علیہ السلام الی المصافحۃ علم انہا تزید علی غیرھا فی التعظیم فکیف لا تساویھا۔ سائحانی (رد)

(۷) وقبلۃ التحیۃ للمؤمن علی الید (رد)

القسم الثانی (۱) وفی حدیث رواہ البزار مسند عن بریدۃ سأل اعرابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اٰیۃ فقال لہ قل لتلک الشجرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعوک قال فمالت الشجرۃ عن یمینھا وشمالھا وبین یدیھا وخلفھا فتقطعت عروقھا ثم جاءت تخد الارض تجر عروقھا مغبرۃ حتی وقفت بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت السلام علیک یا رسول اللہ فقال الاعرابی مرھا فلترجع الی منبتھا

فدلت عروقها فاستوت فقال الاعرابی ائذن لی اسجد لک قال لو امرت احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها قال فأذن لی اقبل یدیک ورجلیک فاذن له ای فی تقبیل یدیه ورجلیه فقبلهما وفیه دلیل علی جواز تقبیل الید والرجل من الفاضل للمفضول اذا کان لزهده وصلاحه اوعلمه وشرفه ولیس بمکروہ بل یستحب اذا کان تعظیمه لامر دینی کما قال النووی فی الاذکار فان کان لامر دنیوی فهو مکروہ وقد ورد فی احادیث کثیرة صحیحة تقبیل ید النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وبهذا ردّ علی المتولی من ائمة الشافعیة حیث اطلق القول بعدم جوازہ (نسیم الریاض شرح الشفا للقاضی عیاض لشهاب الدین الخفاجی ج ۳ ص۵)

(۲) عن زارع وکان فی وفد عبد القیس قال فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل ید النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ورجله الخ (ابوداود باب فی قبلة الجسد ج ۲ ص۲۱۸)

(۳) ولا بأس بتقبیل ید الرجل للعالم والمتورع علی سبیل التبرک (الی قوله) وقیل سنة (رد)

(۴) (قوله وقیل سنة) ای تقبیل ید العالم والسلطان العادل قال الشرنبلالی وعلمت ان مفاد الاحادیث سنیته اوندبه کما اشار الیه العینی (رد)

القسم الثالث (۱) المکروہ محبة القیام لمن یقام له (ردّ ناقلا عن مشکل الآثار)

(۲) وما ورد من التوعد علیه فی حق من یحب القیام کما یفعله الترک والاعاجم (ردّ ناقلا عن ابن وهبان)

القسم الرابع (۱) کذلک ای مثل السجدة الانحناء علی هیئة الرکوع نهینا عنه (الشفاء للقاضی عیاض ج ۳ ص۵)

(۲) کاد الانحناء ان یکون کفرا (حاشیۂ مکتوبات امام ربانی دفتر اوّل ص۲۷)

(۳) وفی الزاهدی الایماء فی السلام الی قریب الرکوع کالسجود (ردّ)

(۴) وفی المحیط انه یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ اھ (رد المحتار)

عبارات قسم اول سے معلوم ہوا کہ عوام مسلمین کے ہاتھوں کی تقبیل جائز ہے۔
قسم دوم سے ثابت ہوا کہ علماء اور متورّعین کے ہاتھوں کی تقبیل مسنون یا مندوب ہے
قسم سوم میں ہے کہ قیام غیر کو پسند کرنا مکروہ ہے۔ قیاسا علیه تقبیل الید من الغیر

کو پسند کرنا بھی مکروہ ہوا، موجودہ دور میں عموماً محبتِ تقبیل و قیام بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے لہٰذا تعظیم نفس کو محبوب رکھنے والے وعید کے مستوجب ہیں۔

قسم چہارم سے ثابت ہوا کہ انحنار مکروہ ہے۔ باقی رہا یہ اشکال کہ تقبیل بلا انحنار ممکن ہی نہیں سو جواب یہ ہے۔

(۱) تقبیل میں انحنار مقصود نہیں۔ قصداً انحنار للتعظیم ناجائز ہے۔ مطلقاً انحنار ممنوع نہیں اور نہ ہی اس سے تحرز ممکن ہے۔ کئی ایک ضروریات کی وجہ سے انحنار کرنا پڑتا ہے، مثلاً کوئی چیز اُٹھانے کے لئے، رکھنے کے لئے، کچھ دیکھنے کے لئے وغیرہ۔ اس کے عدم جواز کا کسی کو وہم نہیں ہو سکتا اس لئے کہ انحنار مقصود نہیں۔

(۲) انحنار قریب الی الرکوع ناجائز ہے۔ معمولی سا انحنار ممنوع نہیں جیسے کہ قسم رابع کی عبارت ۲ اور ۳ میں مصرح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ـــــ ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ

بیوی اور والدین کی اجازت کے بغیر طلب علم کے لئے سفر کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک شخص کے والدین اور اس کی زوجہ طلبِ علم کے لئے اسے سفر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ تو کیا اس صورت میں یہ شخص طلب علم کے لئے سفر کرے یا نہ کرے؟ بیّنوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

علم شرعی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ (۳) مندوب

نماز روزہ وغیرہ کے مسائل کا علم فرض عین ہے اور ضروری فرائض و روزمرہ کے معاملات کے علم سے زائد علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور تعمّق فی العلم مندوب ہے۔ پس اگر سفر کی وجہ سے والدین یا اولاد کے ضیاع کا خوف ہو یعنی وہ خود غنی نہوں اور ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس صورت میں طلبِ علم کے لئے مطلقاً (خواہ فرض عین ہو یا فرض کفایہ) سفر نہ کرے۔ اور اگر ضیاع کا خوف نہیں تو فرض عین و فرض کفایہ کی تحصیل میں والدین و زوجہ کی اطاعت نہ کرے، البتہ اگر طالب العلم امرد ہے اور باپ خوف فتنہ کی وجہ سے منع کر رہا ہے تو بہرحال اطاعت ضروری ہے ایسے ہی اگر ایسا سفر ہو کہ اسمیں ہلاکت کا خوف ہے تو بھی والدین کی اطاعت لازم ہے۔

علم مندوب میں بہرحال والدین کی اطاعت اولیٰ ہے اور زوجہ کی اطاعت میں مختار ہے

قال فی شرح التنویر واعلم ان تعلّم العلم یکون فرض عین وھو بقدر ما یحتاج لدینہ وفرض کفایۃ وھو ما زاد علیہ لنفع غیرہ ومندوبا وھو التبحر فی الفقہ وعلم القلب الخ (شامیہ ج ۱)

وفی حظر شرح التنویر ولہ الخروج لطلب العلم الشرعی بلا اذن والدیہ لو ملتحیا وتمامہ فی الدر، وفی الشامیۃ (قولہ ولہ الخروج الخ) ای ان لم یخف علی والدیہ الضیعۃ بان کانا موسرین ولم تکن نفقتہما علیہ وفی الخانیۃ ولو اراد الخروج الی الحج وکرھا ذلک قالوا ان استغنی الاب عن خدمتہ فلا بأس والا فلا یسعہ الخروج وان احتاجا الی النفقۃ ولا یقدر ان یخلف لہما نفقۃ کاملۃ او امکنہ الا ان الغالب علی الطریق الخوف فلا یخرج ولو الغالب السلامۃ یخرج وفی بعض الروایات لا یخرج الی الجہاد الا باذنہما ولو اذن احدھما فقط لا ینبغی لہ الخروج لان مراعاۃ حقہما فرض عین والجہاد فرض کفایۃ (الی ان قال) ھذا فی سفر الجہاد فلو فی سفر تجارۃ او حج لا بأس بہ بلا اذن الابوین ان استغنیا عن خدمتہ اذ لیس فیہ ابطال حقہما الا اذا کان الطریق مخوفا کالبحر فلا یخرج بلا اذنہما وان استغنیا عن خدمتہ ولو خرج المتعلم وضیع عیالہ یراعی حق العیال اھ (شامیہ ج ۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ محرم سنہ ۷۳ھ

جوان بیوی کو چھوڑ کر طلب علم کے لئے سفر کرنا

سوال : ایک شخص کی بیوی جوان ہے اور وہ بیوی کو چھوڑ کر طلب علم کے لئے سفر اختیار کرتا ہے، اور سال بھر گھر نہیں آتا۔ کیا اس کیلئے یہ امر جائز ہے یا کہ بیوی کے پاس رہنا واجب ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

عورت کا نفقہ اور ہر چار ماہ میں ایک دفعہ جماع کرنا شوہر پر واجب ہے۔ پس اگر شوہر ان حقوق کی تکمیل میں کوتاہی نہ کرے تو طلب علم کے لئے سفر پر جانا جائز ہے۔ البتہ اگر اس کے باوجود عورت کے لئے فتنہ کا مظنہ ہو تو سفر میں رہنا جائز نہیں۔ قال فی شرح التنویر ویسقط حقہا بمرۃ ویجب دیانۃ احیانا ولا یبلغ مدۃ الایلاء الا برضاھا۔ وفی الشامیۃ تحت (قولہ ویسقط حقہا بمرۃ) واذا طالبتہ یجب علیہ ویجبر علیہ فی الحکم مرۃ والزیادۃ تجب دیانۃ لا فی الحکم عند بعض اصحابنا وعند بعضہم تجب علیہ فی الحکم اھ وبہ علم انہ کان

علی الشارح ان یقول ویسقط حقها بمرۃ فی القضاء ای لانہ لو لم یصبہا مرۃ یؤجلہ القاضی سنۃ ثم یفسخ العقد اما لو اصابہا مرۃ لم یتعرض لہ لانہ علم انہ غیر عنین وقت العقد بل یأمرہ بالزیادۃ احیانا لوجوبہا علیہ الا لعذر ومرض او عنۃ عارضۃ او نحو ذلک وسیأتی فی باب الظہار ان علی القاضی الزام المظاہر بالتکفیر دفعا للضرر عنہا بحبس او ضرب الی ان یکفر او یطلق وھذا ربما یؤید القول المار بانہ تجب الزیادۃ علیہ فی الحکم فتأمل وایضا فیہا تحت (قولہ ولا یبلغ مدۃ الایلاء) ان عمر رضی اللہ تعالی عنہ لما سمع فی اللیل امرأۃ تقول ؎

فواللہ لولا اللہ تخشی عواقبہ لزحزح من ھذا السریر جوانبہ

فسأل عنہا فاذا زوجہا فی الجہاد فسأل بنتہ حفصۃ کم تصبر المرأۃ عن الرجل فقالت اربعۃ اشہر فامر امراء الاجناد ان لا یتخلف المتزوج عن اھلہ اکثر منہا ولو لم یکن فی ھذہ المدۃ زیادۃ مضارۃ بہا لما شرع اللہ تعالی الفراق بالایلاء فیہا (رد المحتار باب القسم ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۷ھ

متقدمین و متأخرین میں حدِّ فاصل

سوال : حضرات متقدمین و متأخرین جو ایک مشہور و معروف اصطلاح ہے انکی حدِّ فاصل کیا ہے، کہاں تک متقدمین کہلاتے ہیں اور کہاں سے متأخرین؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

المراد بالمشایخ فی قولہم ھذا قول المشایخ من لم یدرک الامام کذا فی وقف النہر المراد بالمتقدمین من فقہائنا ھم الذین ادرکوا الائمۃ الثلاثۃ ومن لم یدرکہم فہو من المتأخرین ھذا ھو الظاہر من اطلاقاتہم فی کثیر من المواضع (الی ان قال) وذکر الذہبی فی مفتتح کتابہ میزان الاعتدال فی نقد اسماء الرجال الحد الفاصل بین المتقدمین والمتأخرین ھو رأس ثلاث مائۃ الخ (مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایہ ص۱۵)

بظاہر "ادرکوا الائمۃ الثلاثۃ" سے "احد الائمۃ الثلاثۃ" مراد ہے، اس صورت میں ذہبی کے قول سے مطابقت ہو جائے گی کیونکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کی وفات دوسری صدی کے آخر میں ہوئی ہے، پس اس دوسری صدی کے اختتام تک جن حضرات کی ولادت

ہوئی ہو وہ متقدمین ہونگے اور تیسری صدی کے شروع سے متاخرین کا دور شروع ہوگا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ر ربیع الآخر سنہ ۸۷ھ

لوگوں کو شرمندہ کرنے کے لئے علم پڑھنا

سوال: اگر کوئی شخص علم محض لوگوں کو شرمندہ کرنے کے لئے پڑھے اسکا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں بڑی سخت وعید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من طلب العلم لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفہاء او یصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار (مشکوٰۃ ص۳۴) فقط واللہ تعالےٰ اعلم

۲۷ر جمادی الاولیٰ سنہ ۹۱ھ

تعلیم چھوڑ کر تبلیغ کے لئے نکلنا

سوال: ایک قاری صاحب قرآن پاک پڑھاتے ہیں کئی لڑکے حفظ کرتے ہیں اور اکثر ناظرہ پڑھتے ہیں۔ چالیس دن کے لئے تبلیغی جماعت میں جانا چاہتے ہیں زیادہ ثواب اور ضروری سمجھ کر، یہ فرمائیں کہ پڑھانے میں زیادہ ثواب ہے یا تبلیغی جماعت میں جانا زیادہ ثواب ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مدرسہ کا مہتمم و مدرسین اُجرت پر کام کرتے ہیں لہٰذا معروف تعطیل سے زیادہ وقت کے لئے مدرسہ سے غائب رہنا اور کام نہ کرنا ناجائز ہے۔ غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ انکے لئے حلال نہیں، یہ عام ملازم کا حکم ہے۔ مدارس عربیہ کے ملازمین کو تو شرعی گنجائش بھی ہو تو بھی انکے لئے تعلیم کا کام چھوڑ کر تبلیغ میں نکلنا بہتر نہیں کیونکہ تعلیمی مراکز اسلام کے قلعے ہیں اگر یہ قلعے کمزور ہو جائیں گے تو آگے تبلیغ کا کام کیسے چلے گا۔ تبلیغ کا کام اگرچہ انتہائی ضروری ہے لیکن اسلامی تعلیم کا سلسلہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے بلکہ یہ بھی تبلیغ ہی کا ایک بنیادی شعبہ ہے۔ جماعت تبلیغی کے سربراہ تبلیغ کے لئے تدریس و تعلیم چھوڑنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔ فقط واللہ تعالےٰ اعلم ۲۶

۱۳ر صفر سنہ ۹۶ ہجری

غیر عالم کے لئے طلب دلیل جائز نہیں :

سوال :
کسی نے قرآن وحدیث سے غلط استنباط اور قیاسات فاسدہ پر مشتمل طویل مضمون برائے تصویب ارسال کیا، جس میں یہ بھی لکھا تھا۔

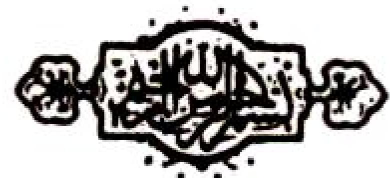
"میں بی اے ہوں اج تک کسی استاذ سے ناظرہ قرآن بھی نہیں پڑھا، دینی حالت تو ناگفتہ بہ ہے"

اس کا جواب درج ذیل ہے۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دنیا میں یہ اصول مسلم اور متفق علیہ ہے کہ ہر فن کی تحصیل کے لئے اہل فن کے پاس معتد بہ وقت رہ کر استفادہ کرنا شرط ہے مثلاً آپ ڈاکٹر سے علاج تو بہرصورت کروا سکتے ہیں مگر اس کی تشخیص و تجویز کے دلائل معلوم کرنے کے مجاز نہیں، اگر ڈاکٹر سے معلوم کریں گے تو وہ علاج سے ہی جواب دیدے گا البتہ اگر اس فن کو باقاعدہ حاصل کرنا چاہیں تو کوئی ممانعت نہیں مگر اس کے لئے کئی شرائط ہیں مثلاً فلاں فلاں امتحان میں اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہوئے ہوں پھر کسی مستند میڈیکل کالج میں داخلہ لیا ہو، ماہرین کی نگرانی میں تمرین کی ہو اور نصاب کی تکمیل کے بعد امتحان میں کامیاب ہوئے ہوں، اسی طرح آپ ہر وکیل سے قانون تو دریافت کر سکتے ہیں مگر اس کے دلائل دریافت کرنے کی اجازت نہیں ہاں وکالت کا نصاب باقاعدہ پڑھیں تب دلائل سمجھ میں آسکتے ہیں، بعینہ اسی طرح علم دین کو سمجھ لیا جائے کہ عوام مفتیانِ کرام سے قانون شریعت دریافت کر سکتے ہیں طلب دلائل کے مجاز نہیں ہاں اگر کسی کو علم دلائل کا شوق ہو تو پہلے پندرہ سال کسی مستند دینی درسگاہ میں لگا کر نصاب عام کی تکمیل کرکے اعلیٰ نمبروں پر کامیابی حاصل کرے پھر افتاء کے درجۂ تخصص میں دو سال کے لئے داخلہ لے اس میں محنت کرکے امتیازی کامیابی حاصل کرے پھر ماہرین فن کی سرپرستی میں کچھ مدت کام کرے اس کے بعد امید ہے کہ دلائل سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ذیقعدہ ۹۷ھ



فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون

گر از بسیط زمیں عقل منعدم گردد
بخود گمان نبرد ہیچ کس کہ نادانم

گر ہمیں اجتہاد خواہی کرد
کار ملت تمام خواہد شد

السّبک الفرید
لسلک التّقلید

○ —— ضرورت تقلید شخصی

○ —— بضرورت عمل بمذہب غیر

پس ابلہے راکہ نرفتستی تو ہیچ !
ہیں مرد تنہا ز رہبر سر مپیچ

یار باید راہ را تنہا مرو
از سر خود اندریں صحرا مرو

ضرورت تقلید شخصی

سوال: آجکل بعض نوتعلیم یافتہ نوجوان یہ کہتے ہیں کہ تقلید شخصی کی کیا ضرورت ہے؟ جب ائمہ اربعہ برحق ہیں اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دو کاموں میں سے جو کام آسان ہوتا تھا اس کو اختیار فرماتے تھے تو ہم بھی ایسا کیوں نہ کریں کہ مسائل میں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کا مذہب زیادہ آسان اور سہل ہو اسکے مطابق عمل کرلیا کریں، اسکی کیا ضرورت ہے کہ مثلاً حنفی اس مسئلہ میں بھی جس پر عمل کرنے میں دشواری ہے امام اعظم رحمہ اللہ ہی کے مذہب پر عمل کرے اور دوسرے امام کے مذہب پر عمل نہ کرے، جس کے یہاں اس مسئلہ میں آسانی اور سہولت ہو، اس سلسلے میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آخر مفقود الخبر کے مسئلہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ اور دوسرے حنفی علماء نے حضرت امام مالک کے مذہب پر عمل کرنیکی اجازت دے ہی دی ہے۔ علاوہ ازیں وہ حضرت حکیم الامۃ کا حسب ذیل ملفوظ بھی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

"فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ ایسا لکھوں کہ عوام جسمیں مبتلا ہیں، اگر وہ کسی مذہب میں بھی جائز ہو تو اسکی اجازت دیدوں، تاکہ مسلمان کا قول کسی طرح جائز ہوسکے، مولانا گنگوہی سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اجازت دیدی، مولانا حنفی بہت سخت تھے مگر عوام پر شفقت بھی بہت تھی مگر میں نے ایسا رسالہ تو نہیں لکھا مگر بعض بعض مسائل حوادث الفتاویٰ میں ایسے آگئے ہیں" الخ (مآثر حکیم الامت ص ۲۲۹ ملفوظ نمبر ۲۶)

اس سلسلہ میں حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) کسی ایک امام کے مقلد کو بغرض سہولت دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے میں کیا مفاسد ہیں؟

(۲) کیا مفقود الخبر کے مسئلہ میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنیکی اجازت دے دینے سے (حالانکہ یہ جواز کا فتویٰ غالباً کئی سال تک علماء مالکیہ سے طویل مراسلت ومکاتبت کے بعد علماء احناف کے باہمی صلاح مشورہ اور غور وخوض کے بعد دیا گیا تھا) عام آدمی کو ہر مسئلہ میں یہ اجازت دی جاسکتی ہے کہ جس امام کے مذہب پر عمل کرنے میں آسانی سمجھے اس پر عمل کرلے؟

(۳) عدم جواز کی صورت میں حضرت تھانوی کے ملفوظ کا کیا جواب ہوگا؟

(۴) کیا اردو زبان میں کوئی ایسی مستند کتاب ہے جس میں تقلید اور تقلید شخصی کے مسئلہ کے سلسلے میں مفصل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہو؟ بینوا توجروا فقط

محمود حسن عفا اللہ عنہ وعافاہ
۱۷/۱۲/۹۵ھ
۲۱/۱۲/۷۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل الکتاب، وارسل لتبیینہ رسولہ الذی اوتی جوامع الکلم وفصل الخطاب، وجعل لشرحہ تفقہ العلماء الذین الہموا الصدق والصواب والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء وعلی آلہ واصحابہ الاصفیاء وورثتہ من الائمۃ الفقہاء واتباعہم الاتقیاء الی یوم الحساب

امّابعد، اس دَورِ پرفتن میں جہاں ہر قسم کے فتنوں کو اُٹھایا جارہا ہے، وہاں ایک یہ فتنۂ جانکاہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح مذہبی چھٹی مل جائے جس کے بعد وہ جس طرح چاہیں آزادانہ زندگی بسر کریں، لیکن چونکہ ربقۂ اسلام کو جُوں کا تُوں اپنے گلے کا ہار بناتے ہوئے یہ مذہبی آزادی حاصل نہیں ہوسکتی تھی اور علی الاعلان اگر مذہب کو خیرباد کہہ کر آزادی کا کوئی منصوبہ بنانے کی کوشش کی گئی تو وہ کامیاب نہ ہوسکی اس لئے برعم خویش خیرخواہانِ اسلام نے خدمتِ دین کے نت نئے طریقے ایجاد کرنے شروع کئے۔

کسی نے اسلام کے تمام اصول ومبادی کا زبانی اقرار کرتے ہوئے درپردہ اسلاف سے حسنِ ظن کا خون کیا تو کسی نے نئے سرے سے نئی نبوت ایجاد کرکے زمانے کی ضرورت پوری کرنیکی کوشش کی، ایک طرف اسلام کے اصل ثانی سنتِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو سرے سے غیرضروری قرار دیکر مفسّرِ قرآن بننے کی کوشش کی گئی تو دوسری طرف حدیث دانی وقرآن فہمی کے لئے ہرکس وناکس کی فہم کو کافی کہہ کر اسلاف کی تعبیرات کو شرک وبدعت کے لقب سے نوازا گیا، صرف اسی پر بس نہیں بلکہ جب ایک فتنے کی سرکوبی کی جاتی ہے تو اس کے انڈے بچے دوسرے کسی فتنہ کی صورت میں نمودار ہوجاتے ہیں۔ ع

تن ہمہ داغ داغ شُد پنبہ کُجا کُجا نہم

لیکن ان فتنوں میں سے بعض ایسے ہیں جن سے سادہ لوح مسلمان بہت جلدی غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں اور وہ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ بھی ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اسلئے ادھر اُدھر ہوجانے میں کوئی اہم فرق نہیں پڑتا، کیونکہ یہ سب قرآن وحدیث کو ماننے والے اپنے ہی لوگ ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ؎

من از بیگانگاں ھرگز نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

اگر ان فتنوں کے صحیح خد و خال کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ سب اندر ہی سے اُٹھ کر اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور انکو پتہ نہیں کہ ویأبی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکفرون، جس دین کو دوسری صدی ہجری تک تابعین و تبع تابعین نہ سمجھ سکے اور اسکے صحیح خد و خال متعین نہ کرسکے اب چودہ سو سال گزرنے کے بعد اسکے محافظ و مجدّد پیدا ہورہے ہیں۔ اسلاف کی بیان کردہ قرآن و حدیث کی تشریحات ردّی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہوں، ان پر چلنے والا اعلیٰ دین العجائز شمار ہونے لگے، اور آج چودھویں صدی کا مجتہد قرآن و حدیث کی تشریح کرے تو وہ سر آنکھوں پر، حالانکہ ان کو نہ قرآن کی ہوا لگی ہے نہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مَس ہے ؎

انقلابِ چمنِ دھر کی دیکھی تکمیل — آج قارون بھی کہدیتا ہے حاتم کو بخیل
بوحنیفہ کو کہے طفلِ دبستاں جاہل — شیخ کی کرتے ہیں اسکول کے بچے تجہیل
سامری موسی عمران کو کہے جادوگر — لوحِ محفوظ کو کہتی ہے محرّف انجیل

آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ حال ہی میں جب ایک جریدہ نے مولانا محمد حسین بٹالوی اہلحدیث کا قول اُن کی کتاب اشاعۃ السّنۃ سے نقل کیا کہ "پچیس سالہ تجربے سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ ہے" تو ایک غیر مقلد صاحب بہت برہم ہوئے، اصل[۱] واقعہ کو تو جھٹلانے سے رہے اسلئے چارو ناچار جب اس پر تبصرہ کرنے بیٹھے تو ائمۂ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر وہ کیچڑ اُچھالی کہ خود اہلِ حدیث بھی سُن کر شرم سے آنکھیں نیچے کرلیں، حد یہ کردی کہ ائمۂ کرام کے مدوّن مذاہب کو الحاد و زندقہ ثابت کرنے کی ناکام سعی میں لگ گئے چنانچہ اس موضوع پر جو کتاب لکھی اسکا نام رکھا "حقیقۃ الالحاد" اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"فقہ حنفی کے اندر جو احادیث فقہاء نے درج کی ہیں وہ یا تو موضوع و خانہ ساز ہیں یا پھر ان کے رواۃ ضعیف و متکلم فیہا ہیں یا منکر و مختلف فیہا ہیں یا پھر شاذ و غیر محتج بہا ہیں، یہ فقہاء احادیث میں کورپن کی وجہ سے صحیح و غیر صحیح کے درمیان امتیاز نہ کرسکے.... کتب حنفیہ میں موضوعات و اوہام و بے ثبوت روایات کا پلندا ہوتا ہے، نیز اکثر وہ فرضی اور زنادقہ کی وضع کردہ ہیں۔ ان اسباب کی وجہ سے فقہاء نے خیال کیا کہ اگر کوئی

---

[۱] بٹالوی کی پوری عبارت مع حوالہ ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ ۱۲

احادیث صحیحہ سے واقف ہوگیا تو ہماری پول کھل جائے گی لہٰذا شروع ہی سے سدِّ باب کے لئے لوگوں کے کانوں میں یہ بات ڈالو کہ بغیر مجتہد کے سمجھانے کے حدیث نہیں سمجھ سکتے ہیں اور براہِ راست قرآن وحدیث پر عمل کرنا بے دینی ہے .... اور ان پر عمل کرنے والے اپنی ناک بنانے کے لئے کچھ تو بتاتے ہیں، ان کے اس بتانے سے وہ بیچارہ جس نے پہلے ہی قرآن وحدیث پر عمل کرنا بقول ایشاں حرام سمجھا ہو مطمئن ہوجاتا ہے۔" (حقیقۃ الالحاد ص۲۷)

براہِ کرم خط کشیدہ الفاظ پر ایک نظر دوبارہ ڈال کر دیکھ لیں، یہ عبارت کتاب مذکور کے صرف آدھے صفحہ سے لی گئی ہے، اس سے آپ خود اندازہ لگالیں کہ مصنّف علاّم نے ائمۂ کرام واکابرِ اُمّت پر بہتان طرازی کا جو مشن شروع کر رکھا ہے اس میں وہ کس تندہی سے مصروفِ کار ہیں۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے جس چیز کا نام اجتہاد رکھ چھوڑا ہے وہ اجتہاد نہیں بلکہ ان کے ائمۂ اربعہ میں سے کسی کا فرمودہ ہوگا۔

غیر مقلدین کے ائمۂ اربعہ ابن تیمیہ، شوکانی، ابن حزم اور نواب صدیق حسن خاں ہیں آپ اندازہ لگاکر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ غیر مقلدین کا کوئی قول ان چاروں حضرات کے دائرہ سے خارج نہیں جس پر حدیث کا لیبل لگاکر یہ لوگ پیش کرتے ہیں، جس طرح یہ حضرات حدیث سے استدلال کرتے ہیں اسی طرح دوسرے ائمہ بھی تو کسی حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں مگر غیر مقلدین کو بس وہی حدیث صحیح سمجھ میں آتی ہے جسے ان حضرات نے صحیح کہا ہو یا اختیار کیا ہو۔

عجیب بات

حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات جو اپنے کو غیر مقلد کہتے ہیں یہ سب سے زیادہ مقلّد ہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپ کے اقوال کی تشریح میں اختلاف ہوا، آپ کے وصال کے بعد آپس میں اختلاف ہوا، پھر تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کا آپس میں لاتعداد مسائل میں اختلاف رائے رہا، بلکہ ایک استاد کے شاگردوں اور ایک مذہب کے پیرؤوں میں اختلاف آراء رہا ہے اور اب بھی ہے، عقلاً بھی اختلاف رائے لازم ہے اس لئے کہ ہر شخص کا ذہن اور اسلوبِ فکر مختلف ہے، مگر دُنیا میں صرف غیر مقلدین ہی کا فرقہ ایسا ہے جس کے

افراد میں اختلاف رائے نہیں پایا جاتا، ان کے کسی بڑے نے ایک بات کہدی اور دوسرے تمام غیر مقلدین نے اسے بلاچون وچرا تسلیم کرلیا۔

تقلید کی تعریف

دراصل تقلید نام ہے اس چیز کا کہ اپنے کسی بزرگ پیشوائے دین کے کسی قول وفعل کو اس حسنِ ظن کی بناء پر قبول کرکے اس پر عمل کرنا کہ اس نے قرآن و حدیث کے مطابق یہ بات کہی ہے۔ اس تسلیم وعمل کو اس مسئلہ کی دلیل معلوم ہونے پر معلّق نہ کرنا، لیکن وہ دلیل اگر اس وقت معلوم ہو یا بعد میں معلوم ہوجائے تو یہ تقلید کے منافی نہیں، غرضیکہ تقلید میں مطالبۂ دلیل شامل نہیں اور علم بالدلیل اسکے معارض نہیں۔ کشاف اصطلاحات الفنون میں تقلید کی تعریف یوں مذکور ہے "التقليد اتباع الانسان غيره فيما يقول او يفعل معتقداً للحقية من غير نظر الى الدليل كان هذا المتبع جعل قول الغير او فعله قلادة في عنقه من غير مطالبة دليل، علامہ ابن ملک شرح منار مصری ص۲۵۲ میں فرماتے ہیں، وهو (اى التقليد) عبارة عن اتباعه فى قوله او فعله معتقداً للحقية من غير تأمل فى الدليل، نامی شرح حسامی مطبوع مجتبائی ص۱۹۰ میں ہے، التقليد اتباع الغير على ظن انه محق بلا نظر فى الدليل۔

ان تینوں عبارات کو سامنے رکھ کر خود فیصلہ فرمایئے کہ تقلید کے معنی کیا ہیں۔ اب اگر کوئی اپنی الگ تعریف مقرر کرکے حجت بازی کرے تو یہ ان کی اپنی اصطلاح ہوئی جو ہم پر حجت نہیں لامناقشة فى الاصطلاح، اس سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے اس اعتراض کا جواب بھی ہوگیا جو انھوں نے اپنی کتاب "تقلیدِ شخصی وسلفی ص۵۱، ۵۲ میں کیا ہے کہ مفہومِ تقلید علم بالدلیل کے منافی ہے، لہٰذا تقلید لازم جہالت ہے۔

اعتماد وانقیاد

درحقیقت دین نام ہے اعتماد وانقیاد کا، اگر دُنیا سے اعتماد وانقیاد یہ دو صفات معدوم ہوجائیں تو دین کا نام ونشان ہی باقی نہ رہے۔ یہ اعتماد وانقیاد عہدِ رسالت سے بدستور جاری ہے اور اسی پر ساری شریعت کا مدار ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان الامة اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف فى معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا فى ذلك على الصحابة وتبع التابعين

اعتمدوا على التابعين وهكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك لان الشريعة لا يعرف الا بالنقل والاستنباط والنقل لا يستقيم الا بان يأخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال (عقد الجيد ص۳۶) اور یہ غیر مقلدین شروع ہی سے اس اعتماد و انقیاد کا خون کرتے آئے ہیں۔

تقلید کی خوبیاں

اس دَورِ پُرفتن میں جبکہ ہر طرف الحاد و بے دینی پھیلی ہوئی ہے جس طرح ائمہ کی تقلید میں دلجمعی اور دینِ مُبین کی حفاظت ہے ترکِ تقلید میں اسکا عُشرِ عشیر بھی نہیں، اس سے یہ معلوم ہوا کہ تقلید کا مقصد دینِ مُبین کی بحسن وخوبی حفاظت ہے اور جس چیز میں دین کی حفاظت ہوتی ہو اس کی خوبی میں کس کو کلام ہے، لیکن پھر بھی تبرعاً تقلید کی خوبی اور ترکِ تقلید کی بُرائیوں کے بیان کے لئے ہم پانچ حضرات کو بطور شہادت پیش کرتے ہیں جنہیں سے تین حضرات کو خود اہلِ حدیث اپنے سرخیل شمار کرتے ہیں اسلئے "وشهد شاهد من اهلها" کا مصداق بھی ہوگیا۔

عبدالوہاب شعرانی کی شہادت:

قطبِ ربّانی شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فقد بان لك يا اخي مما نقلناه عن الائمة الاربعة وغيرهم ان جميع الائمة المجتهدين دائرون مع ادلة الشريعة حيث دارت و انهم كلهم منزهون عن القول بالرأي في دين الله وان مذاهبهم كلها محررة على الكتاب والسنة كتحرير الذهب والجوهر وان اقوالهم كلها ومذاهبهم كالثوب المنسوج من الكتاب والسنة سداه ولحمته منهما وما بقي لك عذر في التقليد لاي مذهب شئت من مذاهبهم فانها كلها طريق الى الجنة كما سبق بيانه اواخر الفصل قبله وانهم كلهم على هدى من ربهم وانه ما طعن احد في قول من اقوالهم الا لجهله به اما من حيث دليله واما من حيث دقة مداركه عليه لا سيما الامام الاعظم ابو حنيفة النعمان بن ثابت رضي الله عنه الذي اجمع السلف والخلف على كثرة علمه وورعه وعبادته ودقة مداركه واستنباطاته كما سيأتي بسطه في هذه الفصول ان شاء الله تعالى وحاشاه رضي الله عنه من القول في دين الله بالرأي لا يشهد له ظاهر الكتاب ولا سنة (میزان کبریٰ ص۵۵ ج۱)

شاہ ولی اللہ کی شہادت:

دوسری شہادت سیّد الطائفہ مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ آپ

فرماتے ہیں وفی ذٰلك (التقلید) من المصالح مالا یخفی لاسیما فی ھٰذہ الایام التی قصرت الھمم جداً واشربت النفوس الھوٰی واعجب کل ذی رأی برأیہ (حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۲۳ ج ۱)

اعلم ان فی الاخذ بھٰذہ المذاھب الاربعۃ مصلحۃ عظیمۃ وفی الاعراض عنھا مفسدۃ کبیرۃ (عقد الجید ص ۳۱) واستفدت منہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ امور خلاف ما کان عندی (الیٰ قولہ) وثانیھا الوصاۃ بالتقلید بھٰذہ المذاھب الاربعۃ لااخرج منھا (فیوض الحرمین ص ۶۵)

نواب صدیق حسن خاں کی شہادت :

تیسری شہادت فرقہ اہل حدیث کے امام رابع نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کی ہے آپ لکھتے ہیں فقد نبتت فی ھٰذا الزمان فرقۃ ذات سمعۃ وریاء تدعی لانفسھا علم الحدیث والقرآن والعمل بھما علی العلات فی کل شان مع انھا لیست فی شیء من اھل العلم والعمل والعرفان (الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ از نواب صدیق حسن) اسی کتاب میں لکھتے ہیں فیا للہ العجب من این یسمون انفسھم الموحدین المخلصین وغیرھم بالمشرکین وھم اشد الناس تعصباً وغلواً فی الدین ..... اسی مضمون کے اختتام پر لکھتے ہیں فما ھٰذا دین ان ھٰذا الافتنۃ فی الارض وفساد کبیر (حوالۂ بالا)

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت :

چوتھی شہادت مشہور اہلحدیث مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی ہے۔ آپ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں۔ "پچیس ۲۵ برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں کفر وارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دیندار کے بے دین ہو جانے کیلئے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہِ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترکِ مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جا رہے ہیں۔"

(رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۲ جلد ۱۱ طبع ۱۸۸۸ء)

قاضی عبد الواحد صاحب خانپوری کی شہادت :

پانچویں شہادت ایک غیر مقلد بزرگ قاضی عبد الواحد صاحب خانپوری کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "پس اس زمانے کے جھوٹے اہلِ حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و روافض کے یعنی جس طرح

شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف۔ اسی طرح یہ جاہل اہلحدیث اس زمانے میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے، بعینہ مثل تشیع کے (الی ان قال) مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کرکے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کرکے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیدیں اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال بدعتی کا ذب اہلِ حدیثوں میں ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے، اور سلف کو ہتک کرے، مثل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جن کی امامت فی الفقہ اجماعِ امت کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر کفر بداعتقادی اور الحاد اور زندیقیت ان میں پھیلادے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چیں بجبیں بھی نہیں ہوتے اگرچہ علماء اور فقہاء اہلِ سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے، سبحان اللہ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ، اور سِرّ اسکا یہ ہے کہ وہ مذہب و عقائد اہل السنۃ والجماعت سے نکلکر اتباع سلف سے مستنکف و مستکبر ہوگئے ہیں فافہم وتدبر انتہیٰ (التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ "الملقب بہ" اظہار کفر ثناء اللہ بجمیع اصول اٰمنت باللہ ص ۲۶۲)

آپنے مندرجہ بالا پانچ شہادتیں ملاحظہ فرمالیں جن میں ایک شافعی المسلک بزرگ، ایک حنفی المسلک پیشوا اور تین حضرات اہلحدیث کے مانے ہوئے علماء میں سے ہیں بلکہ نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی تو غیر مقلدین کے چوتھے امام ہیں، اسلئے ان حضرات سے ہماری استدعاء ہے کہ تقلید میں کیا نعمتِ خداوندی پنہاں ہے اور ترکِ تقلید میں کیا عذاب مارِ آستین بن کر چھپا ہوا ہے، اسے ذرا خود غور سے سوچیں۔

تقلیدِ شخصی

تقلیدِ شخصی یہ ہے کہ کسی خاص مجتہد کی طرف جو مذہب منسوب ہے اسکے مفتی بہ مسائل کو لیکر ان پر بلا طلب دلیل عمل کیا جائے، عام ہے کہ وہ مسائل خود اس امام کے ہوں یا اسکے شاگردوں کے مگر اس طرح ہوں کہ ان پر ایک مذہب معیّن کا نام صادق آئے۔

اور تقلید غیر شخصی یہ ہے کہ متعدد مجتہدین کے مفتی بہ مسائل کو بدون طلب دلیل اپنا معمول ٹھہرالے، لیکن ایک مسئلہ ایک امام کا لے اور ایک کسی اور امام کا یعنی کسی مجتہد معین کے مسائل کا التزام نہ کرے۔

عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر دوسری صدی ہجری کے آخر تک تقلید غیر شخصی

کا رواج تھا اور چونکہ اسوقت تک مجتہدین کے اصول وضوابط منضبط بھی نہ تھے، اس لئے کسی مذہب معین کی تقلید میں دشواری بھی تھی، نیز اس زمانے میں غیر مجتہد حضرات میں تقویٰ اور اخلاص کا جذ بھی بدرجۂ اتم موجود تھا اسلئے متعدد مجتہدین کے اقوال لینے میں کیدِ نفس کا شائبہ بھی نہ تھا،

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان الناس لم یزالوا من زمن الصحابۃ الی ان ظہرت المذاہب الاربعۃ یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکارہ ولو کان باطلا لانکروہ (عقد الجید ص۳۳) یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے آخر میں علماءِ ربّانی نے اصول وفروع کی تدوین شروع کی اور ان کے قابل شاگردوں نے اس سلسلہ کی اور تدوین وتہذیب کی، تو تیسری صدی کے اکثر لوگوں نے بطور تقلید شخصی انکو اختیا کرلیا، اصول وفروع کو قرآن وسنت کی روشنی میں مدوّن کیا گیا اور ان کو جانچنے والے ایسے علما ربّانی اور مجتہدین تھے جن کا علم ودانش اور ثقاہت مسلّم تھی، ان کے یہ مجموعے آسانی سے دستیا ہونے لگے اس لئے اسمیں لوگوں کے لئے بہت ہی آسانی پیدا ہوگئی، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسوقت میں یہی تقلید واجب تھی، وبعد المأتین ظہر فیھم التمذھب للمجتھدین باعیانھ وقل من کان لا یعتمد علی مذھب مجتھد بعینہ وکان ھذا ھو الواجب فی ذالک الزمان (الانصاف ص۵۹) چوتھی صدی ہجری تک مذاہب اربعہ کے علاوہ اور مجتہدین کی بھی تقلید کی جاتی تھی، لیکن دوسرے حضرات مجتہدین کے مذاہب کی ایسی حفاظت نہ ہوسکی کہ وہ زیادہ دیر تک موجود رہتے چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے بعد چاروں مذاہب کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا اور اللہ کی رحمت سے ان چاروں مذاہب میں تقلید شخصی کا انحصار ہوگیا، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں ولما اندرست المذاھب الحقۃ الا ھذہ الاربعۃ کان اتباعھا اتباعًا للسواد الاعظم والخروج عنھا خروجًا عن السواد الاعظم (عقد الجید ص۳۵)

علامہ ابن خلدون مقدمہ میں فرماتے ہیں ووقف التقلید فی الامصار عند ھؤلاء الاربعۃ ودرس المقلدون لمن سواھم وسد الناس باب الخلاف وطرقہ لما کثر تشعب الاصطلاحات فی العلوم ولما عاق عن الوصول الی رتبۃ الاجتھاد ولما خشی من اسناد ذلك الی غیر اھلہ ومن لا یوثق برأیہ ولا بدینہ فصرحوا بالعجز والاعواز وردوا الناس الی تقلید ھؤلاء کل بمن اختص بہ من المقلدین وحظروا ان یتداول تقلیدھم لما فیہ من التلاعب ولم یبق الا نقل مذاھبھم وعمل کل مقلد بمذھب من قلدہ منھم بعد تصحیح الاصول

اتصال سندها بالرواية لامحصول اليوم للفقه غير هذا ومدعى الاجتهاد لهذا العهد مردود على عقبه مهجور تقليده وقد صار اهل الاسلام اليوم على تقليد هؤلاء الائمة الاربعة (مقدمه ابن خلدون ص۱۰۰)

ملاجیون رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر بڑی ہی اچھی بات لکھی ہے والانصاف ان انحصار المذاهب فى الاربعة واتباعهم فضل الهى وقبولية عند الله تعالى لامجال فيه للتوجيهات والادلة (تفسیر احمدی ص۲۹۷)

تقلیدِ شخصی کا وجوب

واجب کی دو قسمیں ہیں۔ لعینہٖ ولغیرہٖ، واجب لغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ خود اس کام کی تاکید شریعت نے نہ کی ہو مگر شریعت نے جن اُمور کو واجب قرار دیا ہو ان کی تعمیل بدون اس کے عادۃً ناممکن ہو اس لئے یہ امر بھی واجب ہوگا "لان مقدمة الواجب واجب" جیسے قرآن وحدیث کے جمع وکتابت کی شریعت میں کہیں تاکید وارد نہیں، معہٰذا اسے واجب کہا جاتا ہے، اسی طرح تقلیدِ شخصی واجب لغیرہ ہے کیونکہ تقلیدِ شخصی کے ترک میں ایسے مفاسد ہیں کہ ان سے احتراز واجب ہے

ترکِ تقلید کے مفاسد

(۱) تقلیدِ شخصی نہ کرنے سے دین میں جو خلل پڑتا ہے وہ تجربہ اور مشاہدہ سے متعلق ہے، اس زمانہ میں طبائع میں آزادی اور نفس پرستی کا غلبہ بالکل ظاہر ہے، جس کی احادیث فتن میں پیش گوئی کی گئی ہے، یہ حقیقت اہلِ علم حضرات پر مخفی نہیں اس دَور میں اجتہاد کی اجازت دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی نے قرآن کریم اور مشکوٰۃ کا ترجمہ دیکھا ہو تو وہ بھی یہی کہے گا کہ دوسروں کا اجتہاد معتبر ہے تو میرا کیوں معتبر نہیں؟ جب اجتہاد ایسا عام ہوگا تو احکام میں جو تحریف وتصریف پیش آئے گی اسکا غیر مقلدین بھی انکار نہیں کر سکتے۔ بعض نومولود مجتہدین یہ کہنے لگیں گے کہ جب مجتہدین سابقین نے اپنی قوتِ اجتہادیہ سے بعض نصوص کو معلل سمجھا ہے اور ان کا قول معتبر ومقبول ہوا تو ہم بھی اگر ایسا کریں تو کیا خرابی ہے، حالانکہ اس طرح سے اگر نصوص پر ہر کسی کو دست اندازی کی اجازت دی جائے تو وہ بازیچۂ اطفال بنکر رہ جائیگی، ترک تقلید سے کیا کیا فتنے ظاہر ہوئے اور الحاد کس حد تک پھیلا یہ اظہر من الشمس ہے

کسی نے ترک تقلید کے بعد خدائی کا دعویٰ کیا، کسی نے نبوّت کا، کسی نے مہدویت کا، کسی کا انکارِ تقلید انکارِ حدیث تک مفضی ہوا اور کسی نے مجددیت کے روپ میں پوری اُمتِ مسلمہ کو گمراہ قرار دیکر اسلام کی بنیادیں متزلزل کرنے کی کوشش کی، بحمد اللہ تعالیٰ آجتک کوئی مقلد ان ضلالتوں میں مبتلا نہیں ہوا ؎

یہ سب فتنے عدمِ تقلید کے ہیں ! کہ جن میں بوالہوس اُوندھے گرے ہیں

(۲) اگر تقلید غیر شخصی کی اجازت دی جائے تو ہوائے نفسانی کے غلبہ کی وجہ سے نفس کو جو مسئلہ جس امام کا آسان اور موافق مقصد مل جائے گا اس پر عمل کرتا جائے گا، مثلاً مسِ مرأۃ کیا تو یہ کہے کہ میں حنفی ہوں، اور پھر خون نکل آیا تو یہ کہے کہ مَیں شافعی المسلک ہوں، اگر یہ دونوں امر پیش آئیں اور وہ مندرج بالا تاویل کرکے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز باتفاق ائمہ نہ ہوئی، مگر وہ غلبۂ غرض پرستی کی وجہ سے اُس حالت میں بھی بے وضو نماز پڑھتا رہیگا اور یہ خالصۃً دین کو نفس کے تابع بنانا ہے۔

(۳) تقلید شخصی کے ترک سے عوام میں لااُبالی پن اور آپس میں نااتفاقی اور منافرت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ العزیز نے کیا خوب فرمایا کہ "ترک تقلید شخصی سے یہ امور خمسہ بلاشبہ خلل پذیر ہو جاتے ہیں۔

(۱) علم وعمل میں نیت کا خالص ہونا (۲) خواہشِ نفسانی پر دین کا غالب رکھنا یعنی خواہشِ نفسانی کو دین کے تابع بنانا، دین کو اس کے تابع نہ بنانا (۳) ایسے امر سے بچنا جس میں اندیشہ قوی اپنے ضررِ دینی کا ہو (۴) اہلِ حق کے اجماع کی مخالفت نہ کرنا (۵) دائرۂ اسلام سے نہ نکلنا، اور تقلیدِ شخصی میں اس خلل کا معتد بہ انسداد اور علاج ہے (الاقتصاد ص۳۹)

مقدمۃ الواجب واجب

حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے حوالہ سے اوپر جو اُمورِ خمسہ ذکر ہوئے وہ بالاتفاق ضروری اور واجب ہیں اور تقلید شخصی کو چھوڑنے سے ان میں خلل واقع ہوتا ہے، چونکہ تقلیدِ شخصی ان امورِ خمسہ کی حفاظت کے لئے مقدمہ ہے۔ اور یہ اُمور واجب ہیں، اسلئے تقلید شخصی بھی بقاعدۂ "مقدمۃ الواجب واجب" واجب ہو جائے گی اور یہ قاعدہ ایسا ہے کہ نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ سب ملل میں مسلم ہے اس لئے اس پر

کسی دلیل کی ضرورت تو نہ تھی تاہم تبرعاً ایک حدیث پیشِ خدمت ہے، عن عقبة بن عامر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من علم الرمی ثم ترکه فلیس منا او قد عصی رواه مسلم (مشکوٰة ص۳۳۸)

ظاہر ہے کہ تیر اندازی دین میں کوئی عبادتِ مقصودہ نہیں لیکن چونکہ اعلاء کلمۃ اللہ واجب ہے اور بوقتِ ضرورت تیر اندازی اس کے لئے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے اسلئے اسے بھی واجب قرار دیا اور اسے سیکھ کر بھلانے والے کو عاصی فرمایا گیا۔ اس سے واضح ہوگیا کہ ترک تقلید میں دینی خطرات کا علم ہوجانے کے باوجود اس سے رکنا عصیان میں داخل ہے جو مفضی الی اشدہ بھی ہوسکتا ہے۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ)

عقل شاہد ہے

عقل شاہد ہے کہ متعدد مجتہدین کی تقلید کرنے میں سب سے بڑی اور واضح خرابی یہ ہے کہ کبھی بے علمی کی وجہ سے غیر مجتہد کی تقلید کا طوق گلے میں پڑجاتا ہے جو بالاتفاق حرام ہے، بلکہ زمانہ کی روش یہ بتلارہی ہے کہ متعدد مجتہدین کی تقلید طبیعت میں ایسی آزادی اور سہولت پسندی پیدا کردیتی ہے کہ بسا اوقات اس سے بہت تباہ کن نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ جب آزادی حاصل کرنے کا شوق ہوا تو بعض طبائع اسقدر سہولت پسند ہوگئیں اور انہوں نے اس میدان کو اسقدر وسعت دینا شروع کی کہ بالآخر وہ اضلال واغوار کی انتہا کو پہنچ گئے۔

تقلیدِ شخصی پر اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ "ازالۃ الخفاء" میں فرماتے ہیں۔ "وفی الجملہ طریقِ مشاورت در مسائلِ اجتہادیہ وتتبع احادیث از مظان آن کشادہ شد معہذا العبد عزم خلیفہ بر چیزے مجال مخالفت نبود وبدون استطلاع رائے خلیفہ کارے رامصمم نمے ساختند لہٰذا دریں عصر اختلاف مذہب وتشتت آرار واقع نہ شد ہمہ بریک مذہب متفق وبریک راہ مجتمع وآں مذہب خلیفہ ورائے آں بود، روایت حدیث وفتویٰ وقضاؤ مواعظ مقصور بود در خلیفہ" (ازالۃ الخفار مقصد دوم)

اسی سلسلہ میں ہم دو ثبوت اور پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمر کا مقرر فرمودہ قانون اور خیر القرون میں اہلِ مدینہ کا تعامل، اس قانون اور تعامل پر کسی صحابی کا بھی کوئی اعتراض نہ کرنا اجماعِ صحابہ کا بیّن ثبوت ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اعلام الموقعین للحافظ ابن قیم اور سنن دارمی میں منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ قاعدہ مقرر فرمایا تھا کہ جس مسئلہ میں کوئی حدیث نہ ملے اسمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فتوی پر عمل کیا جائے، اگر آپ کا فتویٰ نہ ملے تو علماء کے مشورہ سے جو امر طے پائے اسکی تعمیل کیجائے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلے سے تقلید شخصی کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ لگائیے۔ خود محدّث، فقیہ، مجتہد اور تمام کمالات کے جامع ہونے کے باوجود حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کا التزام فرمایا اور عمر بھر آپ کے فتاویٰ کے مطابق حکم دیتے رہے۔

اہلِ مدینہ اور تقلید شخصی

روی البخاری فی (باب اذا حاضت المرأۃ بعد ما افاضت) عن ایوب عن عکرمۃ ان اهل المدینۃ سألوا ابن عباس رضی اللہ عنهما عن امرأۃ طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا نأخذ بقولك وندع قول زید (الی قوله) رواه خالد وقتادۃ عن عکرمۃ قال الحافظ رحمه اللہ تعالیٰ زاد الثقفی فقالوا لا نبالی افتیتنا اولم تفتنا، زید بن ثابت یقول لا تنفر، و فی روایۃ قتادۃ فقالت الانصار لا نتابعك یا ابن عباس وانت تخالف زیدًا (فتح الباری صـ۴۶۶ جـ۳)

اس روایت سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ اہل مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید شخصی کرتے تھے اور اُن کے مقابلے میں کسی کی بات سُننے کو تیار نہ تھے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا کسی دوسرے صحابی نے ان مقلدین پر شرک یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا فتویٰ نہیں دیا۔

امام العصر حضرت گنگوہی اور تقلیدِ شخصی

حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز نے تقلید شخصی سے متعلق مختلف سوالات کے جواب میں مفید بحثیں تحریر فرمائی ہیں۔ ذیل میں فتاویٰ رشیدیہ صـ۱۸۰، ۱۸۱ سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے

تقلید مطلق فرض ہے لقوله تعالیٰ فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون، الآیۃ حق تعالیٰ نے اس آیت میں مطلق تقلید کو فرض فرما دیا ہے، اور تقلید کے دو فرد ہیں، ایک شخصی کہ سب

مسائل ایک ہی عالم سے پوچھ کر عمل کرے، دوسرے غیر شخصی کہ جس عالم سے چاہے دریافت کرلیوے، اور آیت بسبب اپنے اطلاق کے دونوں قسم تقلید کو متضمن ہے، لہٰذا دونوں قسم تقلید کی مأمور من اللہ تعالیٰ اور مفروض حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور جس فرد تقلید پر کوئی عمل کریگا حق تعالیٰ کے حکم فرض کا عامل ہوگا، لہٰذا جو شخص تقلید شخصی کو جو مأمور و مفروض من اللہ تعالیٰ ہے شرک یا بدعت کہتا ہے وہ جاہل و گمراہ ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کی مخالفت میں خدا تعالیٰ کے مفروض کو شرک کہتا ہے اور نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ نے جہاں مطلق حکم دیا ہے مکلف کو مختار فرمایا ہے کہ جس فرد مقیّد پر چاہے عمل کرے، کیونکہ مطلق کا من حیث الاطلاق کہیں خارج میں وجود نہیں ہوتا بلکہ اپنے افراد کی ضمن میں خارج میں موجود ہوتا ہے، مثلاً انسان کا وجود من حیث الاطلاق کہیں جدا نہیں پایا جاتا بلکہ اپنے افراد کے ضمن میں ہی خارج میں ہوتا ہے، ایسا ہی تقلید کا وجود جدا ہو اور شخصی وغیر شخصی کا جدا ہو یہ ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا، بلکہ تقلید جہاں کہیں ہوویگی یا شخصی کے ضمن میں یا غیر شخصی کے ضمن میں ہوویگی لہٰذا دونوں قسم میں مکلف مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے اور عہدۂ امر سے فارغ ہووے، پس مأمور من اللہ کو بدعت یا شرک کہنا خود معصیت ہے، بلکہ دراصل دونوں نوع تقلید کے جواز میں یکساں ہیں مگر اسوقت میں کہ عوام الناس بلکہ خواص پر بھی ہوائے نفسانی کا غلبہ اور اعجاب کل ذی رأی برأیہ ہے اور تقلید غیر شخصی ان کی ہوا اور اعجاب کو عمدہ ذریعہ جواز و اجراء کا ہو جاتا ہے، اور موجب لاابالی پن کا دین کی طرف سے اور سبب زبان درازی و تشنیع کا شان مسلمین و ائمۂ مجتہدین میں ان کے واسطے بن جاتا ہے اور باعث تفرقہ و فساد کا باہم مسلمین میں ہوتا ہے، چنانچہ یہ سب مشاہدہ ہے لہٰذا ایسے وقت میں تقلید غیر شخصی کا اختیار کرنا اس وجہ سے کہ جہان میں مفاسد برپا ہوتے ہوں درست نہیں رہا، اور فقط شخصی امتثال امر فاسئلوا کے واسطے معیّن و مشخّص بحکم شرع ہو گیا ہے، کیونکہ اتفاق اور اتحاد رکن اعظم دین اسلام کا ہے تو اس کی محافظت بھی فرض اعظم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا الآیۃ ان اللہ لا یحب الفساد الآیۃ اور اکثر احادیث اس باب میں وارد ہیں لہٰذا محافظت اس فرض اعظم کے واسطے اور رفع ان مفاسد و شنائع کی ضرورت سے ایک شق مأمور علی التخییر سوال کو ترک کرنا اور دوسری شق کو جو معین و مقوی اس فرض اعظم کو اور دافع شنائع مذکورہ کو ہے، اختیار کرنا عین حکم صحابہ و ختم شارع علیہ السلام ہوگیا ہے، چنانچہ قرأت قرآن شریف کی سبعہ احرف میں مخیر تھی اور باجماع صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو منع کرکے ایک لغت قریش ۲۷

میں مقصور کر دیا اور یہ محض رفع فساد و تفرقہ کی وجہ سے ہوا تھا صحیح بخاری اس کی شاہد ہے اور خود فخر عالم علیہ السلام نے قتل ذو الخویصرہ کے باب میں جو واجب القتل بسبب کلمات کفر و گستاخی فخر عالم علیہ السلام کے تھا فرمایا تھا دعہ فان الناس یقولون ان محمداً یقتل اصحابہ اور یہ حکم بسبب فتنہ کے ہوا تھا، لاغیر الحاصل ایسے وقت نازک میں تقلید شخصی واجب مشخص ہے اور غیر شخصی ان فتن مشاہدہ کے سبب ممنوع ہے، البتہ اگر کہیں یہ فساد غیر شخصی میں نہ پایا جائے تو وہ بھی مأمور علی التخییر ہے مثل شخصی کے، پس واضح ہو گیا کہ تقلید شخصی واجب ہے اور اس کو بدعت یا شرک کہنا جہل محض ہے واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی ۷ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ ہجری

جس طرح جسمانی علاج کے لئے کسی ڈاکٹر کی طرف رجوع اور دنیوی حکومت کا قانون معلوم کرنے کے لئے کسی وکیل کی طرف رجوع ضروری ہے۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مختلف اوقات میں مختلف ڈاکٹروں اور مختلف وکیلوں کی طرف رجوع کیا جائے دوسری یہ کہ ہمیشہ ایک ہی ڈاکٹر اور ایک ہی وکیل سے تعلق رکھا جائے دونوں صورتوں میں سے جس پر بھی عمل کر لیا جائے مقصود حاصل ہے، بعینہ اسی طرح علاج روحانی و حکومت ربانی کا قانون معلوم کرنے کے لئے کسی حاذق کی تقلید بنص قرآنی فرض ہے جو شخصی و غیر شخصی دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ ان دونوں میں سے جس صورت پر بھی عمل کر لیا اسے فرض ہی کہا جائے گا، پھر اگر کسی عارض سے دوسرے ڈاکٹر یا وکیل کی طرف رجوع متعذر ہو تو عمل کے لئے صرف دوسری ہی صورت متعین ہو جائیگی۔ اسی طرح تقلید غیر شخصی قبائح مذکورہ کی وجہ سے متعذر شرعی ہو گئی تو نص قرآنی کی تعمیل کے لئے تقلید شخصی ہی متعین ہو گئی، چنانچہ اسی بنار پر ایک ہی واقعہ میں ایک ہی شخص کی تقلید بالاتفاق فرض ہے کیونکہ واقعۂ واحدہ میں متعدد علمار کی تقلید متعذر عقلی و شرعی ہے جیسے کہ ایک وقت میں ایک ہی ڈاکٹر کا علاج ضروری ہے، یہ ادار فرض کی دو صورتوں سے ایک کی تعیین کی واضح مثال ہے اسی طرح صدقۃ الفطر، قربانی اور کفارات کے حکم کی تعمیل کی مختلف صورتوں میں سے اگر صرف ایک ہی صورت میسّر ہو تو ادار واجب صرف اسی ایک صورت میں منحصر ہو جائیگا، اس تقریر سے واضح ہوا کہ تقلید شخصی کو فرض لغیرہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فرض کی دو صورتوں سے ایک پر انحصار عوارض کی وجہ سے ہوا ورنہ فی نفسہ تقلید شخصی مطلق تقلید کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے فرض لعینہ ہے، جس طرح کفارہ میں صوم فرض لعینہ ہے اور اس کی تعیین لغیرہ ہے۔ گوش حقیقت نیوش ہو تو اتنی مختصر سی بات بھی کافی ہے ورنہ دلائل کی بھرمار بھی لاحاصل ہے۔

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ ؟
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں !

مختصر

مذکور تفصیل کے ضمن میں مطلوبہ سوالات کے جوابات بھی بخوبی ذہن نشین ہوگئے ہونگے۔ تاہم مختصراً مکرر تحریر ہیں۔

(۱، ۲) کسی امام کے مقلد کو دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اس کے مفاسد اور اس سہولت پسندی میں دین کے نقصان کا مفصّل بیان ماقبل میں ترکِ تقلیدِ شخصی کے ضمن میں آچکا ہے۔

(۳) "مآثر حکیم الامت" میں حضرت حکیم الامت کے ملفوظ کا حوالہ نہیں دیا گیا، حضرت تھانوی کا حکم تھا کہ جب تک میرے ملفوظات کی تصدیق فلاں، فلاں چند مخصوص لوگوں سے نہ کرالی جائے انھیں شائع کرنے کی اجازت نہیں۔ مآثر حکیم الامت کے اس ملفوظ کو یہ تصدیق حاصل نہیں، بالفرض اگر یہ ملفوظ حضرت تھانوی قدس سرہ کا انہی الفاظ سے ہو تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جہاں اہلِ فتوی وتقوی اجتماعی غور وخوض کے بعد مذہب کے اصول وقواعد کی رو سے دوسرے مذہب پر عمل کی گنجائش پائیں تو اس کی اجازت دیدیں نہ یہ کہ کھلی چھٹی دیدی جائے کہ جو چاہے جس طرح چاہے عمل کرے، فافہم وتدبّر

(۴) تقلیدِ مطلق اور تقلیدِ شخصی پر لاتعداد کتب لکھی گئی ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل کتب خاص اہمیت کی حامل ہیں

(۱) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید — از شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ
(۲) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف — " " "
(۳) "حجۃ اللہ البالغہ" میں بھی مفید مباحث ہیں — " " "
(۴) فتاوی رشیدیہ کتاب التقلید والاجتہاد — از حضرت گنگوہی قدس سرہ
(۵) ایضاح الادلّہ — از حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ
(۶) الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد — از حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۷) الکلام الفرید فی التزام التقلید — " " "

السبک الفرید ـــــــــ ۱۰

(۸) فصل الخطاب فی مسألة ام الکتاب — از مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(۹) خیر التنقید فی سیر التقلید — از مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(۱۰) مقدمہ اردو ترجمہ المیزان الکبریٰ للشعرانی — از مولانا محمد حیات سنبھلی
(۱۱) فلسفہ تقلید و اجتہاد — از قاری محمد طیب صاحب مدظلہم

فقط واللہ العاصم من جمیع الفتن الظاہرۃ والباطنۃ

رشید احمد

۴ر محرم سنہ ۱۳۹۶ ہجری

بضرورت عمل بمذہب غیر

سوال: ملفوظات شاہ عبد العزیز صاحب (مطبوعہ پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹڈ، ۱۲ میری ود روڈ کراچی سنہ ۱۹۶۰ء) میں صفحہ ۹ پر حسب ذیل ملفوظ دیکھنے میں آیا:

"ایک مرید نے عرض کیا کہ اگر ضرورت کے وقت حنفی، شافعی کے قول پر عمل کر لیوے یا کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرلے کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ اگر کوئی ضرورتِ شرعی مجبور کرے تو جائز ہے، ورنہ نفسانی حیلہ کے تقاضے سے ایسا نہ کرنا چاہیئے کہ مثلاً ایک امام کی تقلید کرتا ہے کسی مسئلہ میں عملاً دوسرے امام کا قول آسان اور سہل پایا، اسوقت اس کو ہی اختیار کرلیا۔ یہ بُری بات ہے، مَیں نے اسکی تفصیل ایک فتوے میں لکھی ہے۔"

اس سلسلہ میں حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) شرعی ضرورت سے کیا مُراد ہے؟ اگر اس کی چند مثالیں تحریر فرما دی جائیں تو فہم مطلب میں سہولت ہوگی۔

(۲) یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ "بُری بات ہے" تو اس بُرائی کا شرعاً کیا درجہ ہے، ناجائز، مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی؟

(۳) کیا ہر عامی کو یہ اجازت دیدی جائے گی کہ وہ ضرورت کے وقت کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرے یا یہ ضروری ہے کہ مستند علماء مشورہ اور خوب غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ فرمائیں

کہ وہ ضرورت شرعی ہے اور اس صورت میں دوسرے امام کے قول پر عمل کرنیکی اجازت ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) ضرورتِ شرعی سے مراد وہ ضرورت ہے جسے علماءِ راسخین فی العلم جو تقوی وطہارت کی صفاتِ عالیہ سے متصف ہوں ضرورت قرار دیں۔ اگر وہ واقعی یہ ضرورت سمجھیں کہ اس وقت مذہبِ غیر پر عمل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے تو وہ ضرورت شرعی سمجھی جائے گی اور اسوقت مذہبِ غیر پر بقدر ضرورت عمل جائز ہوگا، ضرورت کی تعیین ہر مسئلہ اور واقعہ میں الگ ہوگی اور عوام تو عوام ہی ہیں، عام علماء کو بھی اس کی تعیین کی اجازت نہیں، اسکا فیصلہ صرف راسخین فی العلم متقی علماء ہی کر سکتے ہیں جو شاذ و نادر ہیں۔ اس کی واضح مثال مفقود کا مسئلہ ہے کہ علماء نے جب مذہبِ مالکیہ پر فتوی دینے کی ضرورت محسوس کی تو اسکا فتوی صادر فرمایا، لیکن اس میں احتیاط کے تمام پہلو مدِّنظر رکھ کر یہ فیصلہ دیا گیا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں۔" اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علماء اہلِ بصیرت ضرورت سمجھیں۔ و نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتوی دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاد سے فن کو حاصل کیا ہو اور اہلِ بصیرت اس کو فقہ میں مہارتِ تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہوں کما قال الشامی فی شرح عقود رسم المفتی فان المتقدمین شرطوا فی المفتی الاجتهاد وهذا مفقود فی زماننا فلا اقل من ان یشترط فیه معرفة المسائل بشروطها وقیودها التی کثیرا ما یسقطونها ولا یصرحون بها اعتمادا علی فهم المتفقه وکذا لابد من معرفة عرف زمانه واحوال اهله والتخریج فی ذلك علی استاد ماهر انتهی ص۴۶ ، اور اس زمانہ پر فتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا، یعنی کسی ایک شخص میں تدین کامل و مہارتِ تامہ کا اجتماع نایاب ہے اس لئے اس زمانے میں اطمینان کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علماءِ دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہبِ غیر پر فتوی دیں، بدون اسکے اسمیں اقوالِ ضعیفہ اور مذہبِ غیر کو لینے کی اجازت دی جائے تو اسکا لازمی نتیجہ ہدمِ مذہب ہے۔ کما لا یخفی (الحیلة الناجزہ ص۱۴)

(۲) نفسانی حیلہ سے کسی مسئلہ کو چھوڑ کر دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا حرام اور ناجائز ہے اسلئے اس سے متعلق جو شاہ صاحب نے "بڑی بات ہے" فرمایا ہے اسکا مطلب بھی حرام و ناجائز ہی ہے مکروہ وغیرہ نہیں،

(۳) عوام کا تو کیا پوچھنا ہر عالم کو بھی ضرورت کے وقت مذہبِ غیر پر فتوی اور عمل کی اجازت نہیں۔

السبک الفرید ———

قال حکیم الامۃ قدس سرہ العزیز

"ضرورتِ شدیدہ اور ابتلاء عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتوی دیدینا بھی جائز ہے لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلے میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت نہیں بلکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے وذٰلک لما صرح بہ العلامۃ الشامی فی رسالتہ شرح المنظومۃ فی رسم المفتی، اور اس زمانے میں احتیاط اس طرح ہو سکتی ہے کہ جب تک محقق و متدین علماء کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتوٰی نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے کیونکہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہوٰی کی بنا پر نہ ہو بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو" (الحیلۃ الناجزہ ص ۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۲ ربیع الاول ۹۶ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

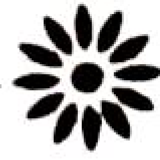


الهدايات المفيدة

لتنزيه

المدارس من العلوم الجديدة





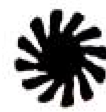
الهدايا المفيدة

تاریخ تالیف ——— ۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ
سن اشاعت ——— ۱۳۹۸ھ

عرصۂ
دراز
سے

مختلف حلقوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جارہا ہے کہ مدارسِ دینیہ کے نصاب میں دنیوی تعلیم بھی شامل کی جائے بعض دینی مدارس اس میں مبتلا ہو بھی چکے ہیں۔

اس رسالہ میں عقلِ سلیم اور ذاتی مشاہدات و تجربات کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ اقدام مدارسِ دینیہ کے لئے تباہ کن ہے، اور اس کے صحیح طریق کار کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔



کتبہ فاروق

مدارسِ دینیہ میں دُنیوی تعلیم دینا

سوال : کسی دار العلوم کے طلبہ کو علومِ مقصودہ کے ساتھ مولوی فاضل اور ایم اے کرانا اور ضمناً و تبعاً ان کو دینی ماحول میں دیندار اساتذہ کے ذریعہ انگریزی زبان پڑھانا اور بعض علوم جدیدہ جیسے عالمی جغرافیہ، سائنس، فلسفہ و جدید نفسیات اور شہریت و عمران پڑھانا جائز خدمتِ خلق و رضاءِ حق کا ذریعہ ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا ۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دیندار ماحول میں اور دیندار اساتذہ کی نگرانی میں علومِ جدیدہ کی تحصیل بنیت خدمتِ خلق و رضاءِ حق بلاشبہہ موجبِ اجر و ثواب ہے مگر مدارسِ دینیہ میں ان علوم کا اجرا بتجربہ سے مضر ثابت ہوا ہے ۔ اوّلاً اس لئے کہ بعض مدارس دینیہ میں علومِ جدیدہ کو تبعاً وضمناً جاری کیا گیا مگر چند روز ہی میں وہ مدرسہ سوائے علمِ دین کے باقی سب فنون کا مرکز بن گیا اور علمِ دین برائے نام رہ گیا، اور پھر چند ایام کے بعد علمِ دین کا نام بھی ختم ہو گیا اس کی بہت سی نظائر ہمارے سامنے موجود ہیں اس صورت میں مدرسہ کی زمین، عمارت اور متعلقہ سامان جو تعلیمِ دین کے لئے وقف تھا قیامت تک تعلیم دنیا اور بالواسطہ یا بلا واسطہ ہدم دین کے لئے استعمال ہوگا جس کا سارا وبال خشتِ اوّل رکھنے والے پر ہوگا، بالفرض ہدمِ دین کا باعث نہ بھی بنے تو بھی جو وقف علمِ دین کے لئے مخصوص تھا اسے علمِ دُنیا کے لئے مخصوص کر دینے اور ہمیشہ کے لئے جہتِ وقف کے بدل دینے کا عذاب تو بہر کیف ہوگا، ثانیاً اگر بالفرض کسی مدرسہ دینیہ میں علمِ دین ہی غالب رہے تو اس استعداد کے طلبہ کہاں سے لائے جائیں گے جو علومِ دینیہ و دنیویہ دونوں میں مہارت حاصل کر سکیں ۔ جب ان علومِ دینیہ میں استعداد حاصل کرنے والوں کی تعداد ایک فیصد سے زیادہ نہیں، اور علومِ جدیدہ کے طلبہ کا معیار تو اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے، ثالثاً اگر بفرضِ محال لاکھوں میں سے کوئی ایک آدھ فرد دونوں علوم کا ماہر ہو بھی جائے تو کیا وہ علمِ دین کی کوئی خدمت کرے گا؟ حاشا وکلا اسے تو دُنیوی ہوس اور حبِّ مال و جاہ نہ صرف یہ کہ خدمت علمِ دین کا موقع نہیں دیتی بلکہ اس سے متنفر کر دیتی ہے ۔ چنانچہ اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی کہ دونوں قسم کے علوم میں کوئی ماہر فرد دین کی کوئی بنیادی معتدبہ خدمت کر رہا ہو یہ صحیح ہے کہ ایسا آدمی اگر اخلاص سے دنیوی خدمت کرے تو وہ بھی باعثِ اجر ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اگر اسے علومِ دنیویہ کی تعلیم نہ

دی جاتی تو وہ دین کی خدمت کرتا علوم دنیویہ کی تعلیم نے اسے خدمت دین سے محروم کردیا پھر اس کے دعوائے اخلاص میں بھی شبہہ ہوتا ہے کہ حقیقت کا کچھ ذرہ بھی ہے یا کہ محض نفسانی کید ہے اگر واقعی رضائے الٰہی مقصود ہوتی تو قدرت خدمت دین ہوتے ہوئے خدمت علوم دنیویہ کو کیوں اختیار کیا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلب مال وجاہ کے سوا کچھ مقصود نہیں۔ مشاہدہ ہے کہ عموماً ایسے حضرات کے قلب سے عمل کا اہتمام مٹ جاتا ہے بلکہ بیشتر کے تو نظریات بھی تبدیل ہوجاتے ہیں غرضیکہ مدارس دینیہ میں اگر ان علوم جدیدہ کو ذرا سی بھی جگہ دی گئی تو خطرہ ہے کہ چند سال کے بعد ایک فرد بھی خدمت دین کرنیوالا نہ ملیگا اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں آمین۔

لہٰذا مدارس دینیہ کو برباد کرنے کی بجائے کالجوں کی اصلاح کی طرف توجہ کرنا چاہیئے، وہاں اساتذہ دیندار متعین کیئے جائیں اور ماحول کو دیندار بنانے کی کوشش کی جائے، نصاب میں علم دین کا معتد بہ حصہ رکھا جائے، مدارس دینیہ میں اگر قدیم نصاب محنت سے پڑھا پڑھایا جائے تو سوائے انگریزی زبان کے باقی تمام فنون دنیویہ میں بھی کالجوں کے طلبہ سے زیادہ استعداد پیدا ہوجاتی ہے چنانچہ فنون قدیمہ میں کچھ سوجھ بوجھ رکھنے والے بعض ایسے افراد ابتک بھی موجود ہیں کہ علوم جدیدہ میں مہارت کے مدعی ان کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ حساب، اقلیدس (جیومیٹری) اور ہیئت وغیرہ ضروری علوم کو مدارس دینیہ سے اس طرح خارج کردیا گیا ہے کہ گویا یہ اُن کے نصاب میں کبھی داخل ہی نہ تھے، حقیقت یہ ہے کہ ان علوم کے سوا علم دین کی تکمیل ہی ناممکن ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو علوم جدیدہ کوئی چیز ہی نہیں یہ سب علوم قدیمہ ہی کا چربہ ہے وہ بھی ناقص اور نامکمل، انہی علوم قدیمہ کے نام جدید تجویز کردیئے گئے ہیں یا پھر متجددین مصنّفین نے کتب جدیدہ لکھ ڈالی ہیں جن میں علوم وہی قدیم ہیں اس جدید نام اور متجد دیا کافر ملحد مصنّف کی جدید تصنیف کا طبائع پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

غور فرمائیے کہ ہدایہ کے پڑھنے والے اور ہدایہ کا انگریزی ترجمہ "محمڈن لاء" پڑھنے والے عمل اور سلامت طبع ونظر وفکر میں برابر ہوسکتے ہیں؟ یہ فرق "محمڈن لاء" کو ہدایہ کا ترجمہ سمجھتے ہوئے ہے تو جہاں تصانیف کو مستقل بلکہ تحقیق جدید اور مصنف کو ترقی یافتہ قوم کا ہیرو سمجھا جائے اور ذہن اس سے اتنا مرعوب ہو کہ اس کی کسی تحقیق کو بنظر تنقید دیکھنا جرم عظیم ہو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں تو معاذ اللہ شبہات پیدا ہوں، مگر مغربی مصنّف کی کسی بات میں شبہہ کی کوئی گنجائش نہ ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے علوم حاصل کرنیوالوں کا انجام کیا ہوگا۔

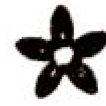
بیان مذکور سے بعض حضرات کے اس قیاس کا جواب بھی ہوگیا جو فرماتے ہیں کہ متقدمین بھی تو سرکاری زبان اور علوم دنیویہ پڑھتے پڑھاتے تھے اور ان میں مہارت رکھتے تھے، سو واضح ہو کہ متقدمین کی سرکاری زبان ایک مسلم قوم کی زبان تھی اور فنون کی کتب کے مصنفین بھی مسلمان تھے اور اساتذہ بھی، اور وہ خودداری وخوداعتمادی اور جمیع علوم وفنون میں سبقت وامتیاز کے اتنے اونچے مقام پر تھے کہ انھیں پوری دُنیا کی اقوام ہیچ نظر آتی تھیں اس لئے ان پر سرکاری زبان سیکھنے یا دُنیوی علوم وفنون حاصل کرنے میں کوئی خراب اثر پڑنے کا کوئی امکان نہ تھا وہ سرکاری زبان اور دنیوی علوم کو اپنے گھر کی چیز سمجھتے تھے۔ آج کے مسلمان کی طرح اغیار بلکہ ارباب کی دریوزہ گری اور جبین سائی کا تصوّر نہ رکھتے تھے بلکہ اسکے برعکس وہ پوری دُنیا کے لئے چشمۂ فیض تھے دُنیا بھر کی اقوام ان کے آستانوں سے بھیک مانگ کر آج ترقی کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہیں۔ غرضیکہ متقدمین کے لئے سرکاری زبان اور علومِ دنیویہ میں مہارت خودداری وخوداعتمادی اور تفوق واستغنار کا باعث تھی، اسکے برعکس سوئے قسمت سے آجکل انہی علوم کی بطرقِ جدید تعلیم ذہنی پستی اور اغیار کی غلامی واحتیاج کو قلب میں مکمل طور پر راسخ کررہی ہے اور مسلمانوں کی گردن کو احسانِ اغیار کے بارِ عظیم سے اس طرح دبائے ہوئے ہے کہ ان کو اس سے نجات دلانے کے لئے کوئی نسخہ بھی کارگر نہیں ہورہا۔ اسی غلامانہ ذہنیت اور احساسِ کہتری کا یہ کرشمہ ہے کہ پانچویں صدی کے مسلمان ابوریحان بیرونی سے استفادہ کرکے تو اغیار چاند اور زہرہ پر پہنچ رہے ہیں جبکا روس نے اعتراف کیا ہے مگر آج کے مسلمان ماہرین فلکیات دوسروں کی نقل میں بھی فحش غلطیاں کررہے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ گرینچ کی شاہی رصدگاہ نے روشنی کی ابتدار کا جو وقت بتایا ہے اُسے پاکستان وہندوستان کے ماہرین فلکیات صبحِ صادق قرار دیکر اسکے مطابق جنتریاں مرتب کرکے مُلک بھر میں شائع کرچکے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ متقدمین علومِ دنیویہ میں مہارت حاصل کرنیکے بعد بھی تقویٰ اور زہد کی بدولت نہ خدمتِ علمِ دین سے غافل ہوتے تھے اور نہ ہی انہیں کوئی عملی کوتاہی واقع ہوتی تھی، نظریاتی تبدیلی تو درکنار انہیں سے اکثر ہر قسم کی مہارت رکھنے کے باوجود فقروفاقہ کے عالم میں بھی خدمتِ دین میں مشغول رہتے تھے اور اسی کو سعادت سمجھتے تھے۔ اور بعض نے دنیوی ترقی کی بھی تو بڑے بڑے مناصبِ جلیلہ پر فائز ہونے اور مقربین سلاطین ہونیکے بعد بھی انکے اعتقاد وعمل اور خدمتِ دین میں کوئی نقص نہ واقع ہوا بلکہ اس جاہ ومال کو مزید خدمتِ دین کا ذریعہ بناکر دُنیا کو بھی دین بنادیا گیا اسکے برعکس آجکل ہوس اور حبِ مال وجاہ کا اسقدر غلبہ ہے کہ علومِ دنیویہ بطرقِ جدید حاصل کرنیکے بعد خدمتِ علمِ دین کا تصوّر بھی

ناممکن ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ میں علومِ دنیویہ خصوصاً حساب، ہیئت اور اقلیدس کی تعلیم اشد ضروری ہے مگر کتبِ قدیمہ کے ذریعہ، صرف اساتذہ کتب جدیدہ کا مطالعہ کریں کوئی کام کی بات پائیں تو طلبہ کو اس طریق سے سمجھائیں کہ کتبِ جدیدہ اور انکے مصنفین کا تفوق انکے ذہن میں نہ آنے پائے، اگر کتبِ قدیمہ ناکافی ہوں تو علماء دین جدید تصنیف کریں، اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ طریقِ تعلیم کی اصلاح کریں زیادہ کتابیں پڑھانے کی بجائے تمرین (عملی مشق) زیادہ کرائی جائے کسی کالج کے تعلیم یافتہ کی تصنیف خواہ وہ کتنا ہی صالح اور متقی کیوں نہ ہو طلبہ کے اذہان پر یہ اثر ضرور ڈالے گی کہ انھیں یہ علوم مغرب سے ملے ہیں، ان علوم کو اگر بذریعہ کتب جدیدہ مدارسِ دینیہ میں لایا گیا تو ایک طرف تو انہی اور انکے مصنفین کی خباثت کا بہت بُرا اثر پڑیگا اور اسکے ساتھ ساتھ نصرانیت سے ذہن مرعوب ہوگا اور دوسری طرف یہ نقصان ہوگا کہ غلبہ ہوس کی وجہ سے یہ لوگ عصری امتحانات دیکر خدمتِ دین کی بجائے حکومت کی ملازمت اختیار کریں گے جس میں خدمتِ دین سے حرمان کے علاوہ عملی و اعتقادی خرابیاں بھی عموماً پیدا ہو جاتی ہیں، اگر خدانخواستہ سب مدارسِ دینیہ نے یہ کارِ خیر شروع کر دیا اور اپنا نیم پختہ مال سرکاری دفاتر اور دُنیوی منڈیوں میں بھیجنا شروع کر دیا تو آئندہ علمِ دین کا کوئی مدرس پیدا ہونیکی کوئی توقع نہ رکھنا چاہیئے اور علمِ دین کو صرف چندروزہ مہمان ہی سمجھنا چاہیئے، ممکن ہے کہ قربِ قیامت میں رفعِ علمِ دین کا سبب یہی نظریہ بننے والا ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں یہ دن نہ دکھائیں، آمین۔ انگریزی زبان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسکے سیکھنے سے علماء دین کی خدمت زیادہ کرسکتے ہیں، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ کونسا مسئلہ ہے جسکا حل انگریزی زبان پر موقوف ہے جبکہ مخالف و موافق ہر قسم کی کتب کے دفاتر اُردو میں موجود ہیں، اگر اسکا خدمتِ دین میں معین ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو دیکھنا یہ ہے کہ اسکا کوئی مصداق بھی دنیا میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر آپ اسکا جائزہ لیں کہ کیا کوئی انگریزی خواندہ عالمِ دین کی کوئی بنیادی خدمت کررہا ہے تو یقیناً اسے کالعدم ہی پائیں گے، اس سے میرا مقصود یہ ہرگز نہیں کہ انگریزی زبان سیکھنا ناجائز ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ دین کی کوئی خدمت اس پر موقوف نہیں، لہٰذا علماءِ دین کے لئے انگریزی زبان سیکھنا بے ضرورت اور غیر مفید ہے بلکہ اکثر طبائع کے لئے تو مضر ہے، آخر میں پھر گزارش ہے کہ مدارسِ دینیہ کو مسموم اور مولویوں کو مسٹر بنانیکے بجائے کالجوں کی اصلاح اور مسٹروں کو صحیح مسلمان بنانے پر پوری قوت صرف کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ العالم

۱۸ / ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمنت إلى أهلها



الكلام البديع في أحكام التوزيع



کتبه فاروق

الکلامُ البدیع

تاریخ تالیف ــــــــــ ۱۴ر ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

سنِ اشاعت ــــــــــ ۱۳۹۸ھ

عنوان :

- چندہ کی رقم کے احکام
- کیا چندہ کی رقم صرف ہونے تک معطی ہی کی مِلک رہتی ہے ؟
- چندہ کی رقم پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں ؟
- کیا معطی کے انتقال کی صورت میں اس رقم میں وراثت جاری ہوگی ؟
- کیا معطی کو اپنی رقم واپس لینے کا اختیار ہے ؟
- مدِّ زکوٰۃ کو دوسرے مصارف میں لگانے کے لئے مروّجہ حیلوں کی حقیقت

کتبہ فاروقی

چندہ کی رقوم کے احکام

سوال : مدارسِ دینیہ میں صدقاتِ واجبہ اور عطیات کی جو رقم جمع ہوتی ہے اس پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض علماء کا خیال ہے کہ چندہ کی رقم جب تک صرف نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ معطی ہی کی ملک میں رہتی ہے اس بنا پر ان رقوم سے متعلق اشکالاتِ ذیل حل طلب ہیں ۔

(۱) ان رقوم پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں ؟

(۲) اگر زکوٰۃ فرض ہے تو اسے اداء کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے ؟ جبکہ ان کے مالکوں کا کچھ علم نہیں، اس لئے کہ اوّلاً تو چندہ دینے والوں کی فہرست بہت طویل ہوتی ہے جن میں سے بیشتر کا پتہ لگانا مشکل ہوتا ہے پھر چندہ کی سب رقوم ایک جگہ جمع ہوتی ہیں اور حسبِ موقع خرچ ہوتی رہتی ہیں، اس صورت میں یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ اس میں کس شخص کی کتنی رقم ہے۔ کسی نے پچاس برس پہلے رقم دی تو ابتک اسکی بھی شرکت چلی آتی ہے اور آئندہ بھی یہ شرکت جاری رہے گی ۔

(۳) چندہ دینے والوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسکے چندہ کی رقم اس کے ترکہ میں داخل ہوگی۔ لہٰذا اداءِ وصیت و قرض اور وارثوں کے حقوق اس سے متعلق ہونگے، وارثوں میں نابالغ اور مجنون بھی ہو سکتے ہیں جو ابراء و تبرع کے اہل نہیں۔ پس اس رقم کو واپس کرنا فرض ہوا اور یہ ۲ میں مذکورہ وجوہ سے ناممکن ہے ۔

(۴) ہر چندہ دہندہ کو ہر وقت اپنی رقم کے استرداد کا حق ہوگا اور اس پر وہی اشکالات ہونگے جو ۲ میں بیان ہوئے ۔

اب ان اشکالات کا حل تحریر کیا جاتا ہے۔

صدقاتِ واجبہ کی مدّ میں جمع شدہ رقم پر تو حولانِ حول کے بعد عدمِ وجوبِ زکوٰۃ ظاہر ہے اسلئے کہ اگر یہ رقم اصل مالک ہی کے پاس رہتی اور وہ کسی کو چندہ میں نہ دیتا تو بھی اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی کے ذمہ کئی سال کی زکوٰۃ باقی ہو تو سالِ اوّل میں واجب ہونے والی زکوٰۃ کی مقدار کُل مال سے وضع کرکے دوسرے سال باقی کی زکوٰۃ ادا کریگا۔

قال فی التنویر وسببہ ملک نصاب حولی تام فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد وفی الشرح

سواء کان للہ کزکوٰۃ وخراج، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ کزکوٰۃ) فلو کان لہ نصاب حال علیہ حولان فلم یزکہ فیہما لازکوٰۃ علیہ فی الحول الثانی (رد المحتار ص ج ۲)

مدِ عطیہ کی رقوم مہتمم کی تحویل میں دیدینے کے بعد مُعطی کی مِلک سے خارج ہو جاتی ہیں،

قال فی الہندیۃ رجل اعطی درہما فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد او مصالح المسجد صح لانہ وان[1] کان لا یمکن تصحیحہ تملیکا بالہبۃ للمسجد فاثبات الملک للمسجد علی ہذا الوجہ صحیح فیتم بالقبض کذا فی الواقعات الحسامیۃ (عالمگیریہ کتاب الوقف باب ۱۱ فصل ۲ ص ج ۲) وفیہا ایضاً متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتاً او داراً ثم باعہا جاز اذا کانت لہ ولایۃ الشراء ہذہ المسألۃ بناء علی مسألۃ اخری ان متولی المسجد اذا اشتری من غلۃ المسجد داراً او حانوتاً فہذہ الدار وہذہ الحانوت ہل تلتحق بالحوانیت الموقوفۃ علی المسجد ومعناہ انہ ہل تصیر وقفا اختلف المشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ قال الصدر الشہید المختار انہ لا تلتحق ولکن تصیر مستغلا للمسجد کذا فی المضمرات (عالمگیریہ کتاب الوقف باب ص ۴۱۸ ج ۲)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ عطیہ کی رقم معطی کی ملک سے خارج ہو کر مدرسہ کی مِلک ہو جاتی ہے، یہاں ملک بمعنی مختص ہے ورنہ حقیقت ملک غیر ذوی العقول کے لئے غیر معقول ہے، ان رقوم کی نظیر غلۃ الوقف ہے۔ پس رقوم عطیہ پر تو کوئی اشکال نہ رہا، جب معطی کی مِلک ختم ہوگئی تو نہ وجوب زکوٰۃ کا سوال رہا نہ استرداد کا اور نہ ہی موت معطی کی صورت میں پیدا ہونے والے اشکالات رہے جس طرح معطی پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح مہتمم مدرسہ پر بھی اس سے زکوٰۃ نکالنا واجب نہیں لما مر انہا بمنزلۃ غلۃ الوقف،

اب صرف رقوم صدقہ میں استرداد اور موت متصدق پر وارد ہونے والے اشکالات رہ جاتے ہیں، سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقوم بھی مہتمم مدرسہ کی تحویل میں آنے کے بعد اصل مالک کی ملک سے خارج ہو جاتی ہیں اس لئے کہ اس حکم میں عطیہ صدقہ میں کوئی فارق ظاہر نہیں، البتہ اس رقم کے مستحقین کو مالک بنانے سے قبل زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، خروج عن الملک ادا زکوٰۃ کو مستلزم نہیں، مثلاً کسی نے دوسرے کو قرض دیکر یہ کہا کہ یہ رقم مجھے واپس کرنے کی بجائے میری طرف سے کسی مسکین کو مدِ زکوٰۃ میں دیدیں اس صورت میں قرض دینے سے مُقرض کی مِلک ختم ہوگئی مگر ابھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ غرضیکہ جس طرح مدِ عطیہ مختص للمدرسہ ہو جانے کی وجہ سے معطی کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے

---

[1] وفی بعض النسخ وان کان لا یمکن تصحیحہ وقفا یمکن تصحیحہ تملیکا بالہبۃ للمسجد واثبات الخ ۱۲ منہ

اسی طرح مدِّ صدقہ بھی مختص للمدرسہ ہے اگرچہ اسکے ایک خاص شعبہ کے لئے ہے۔

غرضیکہ مدِّ صدقہ بھی مالک کی مِلک سے خارج ہو جاتی ہے اسلئے مدِّ عطیہ کی طرح رقم صدقہ کے استرداد کا بھی حق نہ رہے گا اور موت متصدق کا اس پر بھی کوئی اثر نہ ہوگا، معہٰذا مزید احتیاط کے لئے مدِّ صدقہ کی رقوم کو بذریعہ تملیک مدِّ عطیہ میں شامل کرلیا جائے تو بہتر ہے، تملیک کی صحیح صورت یہ ہے کہ کوئی فقیر مہتمم کی ضمانت پر قرض لیکر مدرسہ کو عطیہ دے اور مہتمم مدِّ زکوٰۃ سے اسکا قرض ادا کردے، عام طور پر جو حیلہ مروّج ہے وہ صحیح نہیں۔

بعض حضرات یہ تاویل کرتے ہیں کہ مہتمم طلبہ کا وکیل ہے لہٰذا مہتمم کے قبضہ میں آنیوالی رقوم خواہ عطیات ہوں یا صدقات معطی کی مِلک سے نکلکر طلبہ کی مِلک میں داخل ہو جاتی ہیں، یہ خیال بوجوہِ ذیل باطل ہے

(۱) معطی کی نیت طلبہ کو مالک بنانے کی نہیں ہوتی بلکہ مجموعی طور پر دینی ادارہ پر خرچ کرنیکی نیت ہوتی ہے طلبہ کو بھی یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ مدرسہ کے پورے خزانے کے مالک ہیں۔

(۲) جب اتنی رقم جمع ہو جائے کہ مجموعہ طلبہ پر تقسیم کرنے سے ہر شخص کا حصّہ بقدرِ نصاب ہو جائے تو اسکے بعد مہتمم کے لئے کسی سے مزید رقم مدرسہ کے لئے لینا جائز نہ رہے گا بلکہ حولانِ حول کے بعد ہر طالبِ علم پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اور معطی کو اسکا علم ہونیکے باوجود اسنے زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، قال فی العلائیۃ ولو خلط زکوٰۃ موکلیہ ضمن وکان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ اذا وکلہ الفقراء) لانہ کلما قبض شیئا ملکوہ وصار خالطا مالھم بعضہ ببعض ووقع زکوٰۃ عن الدافع لکن بشرط ان لا یبلغ المال الذی بید الوکیل نصابا فلو بلغہ وعلم بہ الدافع لم یجزہ اذا کان الآخذ وکیلا عن الفقیر کما فی البحر عن الظھیریۃ، قلت وھذا اذا کان الفقیر واحدا فلو کانوا متعددین لابد ان یبلغ لکل واحد نصابا لان ما فی ید الوکیل مشترک بینھم فاذا کانوا ثلاثۃ وما فی ید الوکیل بلغ نصابین لم یصیروا اغنیاء فتجزی الزکوٰۃ عن الدافع بعدہ الی ان یبلغ ثلاثۃ انصباء (ردالمحتار ص۱۲ ج۲)

(۳) ہر طالبِ علم کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ جب چاہے مہتمم کی وکالت ختم کرکے اپنے حصّہ کی رقم کا مطالبہ کرے خصوصاً جب وہ مدرسہ چھوڑ کر جا رہا ہو۔

(۴) طالبِ علم کے انتقال پر اسکے حصّہ کی رقم اسکے ترکہ میں داخل ہوگی۔

(۵) مہتمم، اساتذہ اور مدرسہ کا پورا عملہ طلبہ کے تنخواہ دار ملازم ہونگے، اس نظریہ کے مطابق نہ تو مدرسہ کا نظم صحیح رہ سکتا ہے اور نہ ہی طلبہ کی صحیح تربیت ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں طلبہ کے قلوب میں اساتذہ ۲۸

کی کیا وقعت ہوگی اور اس علم میں کیا نور ہوگا جو اُستاذ کو نوکر سمجھ کر حاصل کیا گیا ہو۔

یہ اشکالات اسلامی بیت المال پر وارد نہیں ہوتے اسلئے کہ ساعی کے قبضہ میں آنے والا مال اصل مالک کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے مگر فقیر کی ملک میں داخل نہیں ہوتا، کتب فقہ میں اسکی تصریح ہے کہ بیت المال میں فقراء کا حق ہے اور حق ملک عدم حقیقت ملک کو مستلزم ہے، خروج الشی عن الملک لا الی ملک کے نظائر موجود ہیں، جیسے وقف، بیع بالخیار اور ترکہ مستغرقہ بالدین۔

بحر زکوٰۃ الغنم کے آخر میں ہے ان الدفع الی المصدق لایزیل ملکہ عن المدفوع، یہ اس صورت میں ہے کہ تمام حول سے قبل زکوٰۃ دی ہو، اس صورت میں ساعی کو ولایت جبریہ حاصل نہیں بلکہ یہ معطی کا وکیل ہے اس لئے فقیر کو دینے سے قبل معطی کی ملک زائل نہیں ہوتی، مہتمم مدرسہ کو بھی اگرچہ ولایت جبریہ نہیں مگر اس میں اور اعطاء ساعی قبل تمام الحول میں یہ فرق ہے کہ اول میں عمارت وقف میں صرف متعین ہے اور ثانی میں مطلقاً تصدق علی الفقراء مقصود ہے لہٰذا اول بحکم وقف ہونے کی وجہ سے مزیل ملک ہوگا جیسا کہ عالمگیریہ سے عطیۂ مسجد کا حکم گزرا، ثانی بحکم وقف نہیں اس لئے مزیل ملک نہیں،

رہا بیت المال پر یہ اشکال کہ بدون تملیک فقیر زکوٰۃ ادا کرنا کیسے صحیح ہو جاتا ہے؟

اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ بیت المال میں خلاف قیاس حق ملک کو حکماً حقیقت ملک قرار دیدیا گیا ہے جیسے کہ دین قوی میں حق ملک کو حقیقت ملک قرار دیکر دائن پر وجوب زکوٰۃ کا حکم دیا جاتا ہے۔

مدارس کے خزانے کو بیت المال پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اسلئے کہ یہ خلاف قیاس ہونیکی وجہ سے اپنے مورد پر منحصر رہے گا، علاوہ ازیں یہاں تو وجہ القیاس ہی موجود نہیں سلطان کی ولایت جبریہ عامہ پر مہتمم کی وکالت اختیاریہ خاصہ کو قیاس کرنیکا کوئی جواز نہیں، شامیہ کی گزشتہ عبارت "لانہ کلما قبض شیئاً ملکوہ" سے بھی ثابت ہوا کہ وکالت اختیاریہ ولایت جبریہ کے حکم میں نہیں۔ وجہ الفرق یہ ہے کہ اخذ زکوٰۃ کی ولایت جبریہ میں نفس اخذ ہی سے صحت زکوٰۃ کا حکم نہ لگانے میں حرج عظیم ہے۔

حاصل یہ کہ مدارس کی رقوم صرف خروج عن ملک المعطی میں بحکم بیت المال ہیں، اداء زکوٰۃ میں بحکم بیت المال نہیں، اس لئے بدون تملیک مستحقین زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور مدرسہ کی دوسری ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ ذی الحجہ ۹۵ھ

نظر ثانی؛ خزانہ مدرسہ بحکم بیت المال ہے، اس میں مال زکوٰۃ داخل ہونے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، معہذا تملیک طلبہ کے سوا کسی دوسرے مصرف میں لگانا جائز نہیں، تفصیل تتمہ میں ہے، ۲۰ ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ



صِيانة العُلماء

عَنِ الذُّلِّ عِندَ الاغنياء



كتبهٗ فاروقی

صیانۃ العلماء

سنِ تالیف ———————— ۱۳۹۶ھ

سنِ اشاعت ———————— ۱۳۹۸ھ

اس دور میں دینی اقدار کے سقوط کا ایک نہایت ہی دردناک سانحہ یہ بھی ہے کہ دینی کاموں بالخصوص دینی مدارس کے لئے چندہ کرنے کا عام دستور یوں چل پڑا ہے کہ مدارس کے سفیر اہلِ ثروت کی دُکانوں اور مکانوں پر جاجا کر خوشامد، تملّق اور الحاح واصرار کے ساتھ دستِ سوال دراز کرتے ہیں، اہلِ ثروت ان کو ذلت کی نظر سے دیکھتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ان کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کرکے ان کی تذلیل کرتے ہیں، جو درحقیقت دینِ اسلام کی تذلیل ہے، یہ اتنا بڑا المیہ ہے کہ اس کے تصور سے بھی شرم سے آنکھیں جھک جاتی ہیں، اور دل پر آرے چلنے لگتے ہیں، دین اور علماء دین کی اس تذلیل وتوہین میں اہلِ مدارس اور اہلِ ثروت دونوں برابر کے مجرم ہیں،

اس رسالہ میں ان دونوں طبقوں کے لئے صراطِ مستقیم کی ہدایت ہے، اللہ کرے کہ ایک عاجز کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز کسی دل میں اتر جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکرِ آخرت عطا فرمائیں، آمین،

چندہ مانگنے کا مروّجہ طریقہ جائز نہیں

سوال : آجکل عام طور پر دینی مدارس میں یہ دستور ہو گیا ہے کہ چندہ کرنے کے لئے مستقل سفیر رکھے جاتے ہیں جو مختلف لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں لوگوں کے مکانوں اور دکانوں پر پہنچتے ہیں، اور ان میں سے بیشتر کچھ نہ کچھ وصول کرنے کے لئے بیحد اصرار کرتے ہیں، بالخصوص ماہِ رمضان میں دینی مدارس کے سفیروں کی ٹولیاں نظر آتی ہیں جن کے خوف سے اکثر دکاندار پردہ میں چھپ کر بیٹھتے ہیں، کیا چندہ کرنیکا یہ طریقہ شرعاً درست ہے، حالانکہ یہ ایک قسم کا جبر ہے ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مدارسِ دینیہ کے لئے آجکل چندہ کرنے کا جو طریقہ مروّج ہے جس کی قدرے تفصیل سوال میں لکھی گئی ہے یہ قطعاً ناجائز ہے، دینی کام کرنے والوں کو مستغنی رہنا چاہیئے استغناء اور دین کی عظمت کو برقرار رکھتے ہوئے از خود جتنی رقم کا انتظام ہو جائے اُسی قدر کام پر اکتفاء کریں۔ اور اگر چندہ کرنا ہی ہے تو عام خطاب کی گنجائش ہے۔ خاص خطاب ہرگز جائز نہیں، بعض دفعہ عام خطاب بھی بحکم خطاب خاص ہوتا ہے وہ اس صورت میں کہ عام مجلس میں کچھ خواص موجود ہوں، جو اس عام خطاب کے بعد کچھ رقم نہ دینے میں عار محسوس کرتے ہوں، تو یہ صورت بھی بحکم خطاب خاص ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ خطابِ عام میں بھی زیادہ الحاح و اظہارِ احتیاج درست نہیں، بلکہ استغناء کے ساتھ اظہار مصرف پر اکتفاء کرنا چاہیئے۔

آجکل ایک عام دستور یہ ہو گیا ہے کہ اہلِ خیر کو کسی بہانے سے کہیں جمع کر کے ان سے رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے یہ طریقہ انفرادی طور پر کسی سے کچھ سوال کرنیکی بہ نسبت بھی زیادہ قبیح ہے۔ اس صورت میں مجمع میں رُسوائی سے بچنے کے لئے بادلِ نخواستہ چندہ دینا پڑتا ہے جو بلاشبہ جبر ہے اس لئے یہ طریقہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کسی سے چندہ مانگتا ہے تو اُنکے آپس میں تعلق کی تین قسمیں ہیں (۱) وجاہت (۲) محبّت (۳) اجنبیت۔ اگر ایسے شخص کے پاس چندہ کرنے کے لئے گیا کہ جس پر اُس کی وجاہت کا اثر ہے خواہ وہ دینی مرتبہ کی وجہ سے ہو یا دُنیوی مال و دولت یا منصب کی بناء پر، یہ صورت ناجائز ہے اس لئے کہ اسمیں چندہ دہندہ جانے والے کی وجاہت سے متأثر ہو کر بادلِ ناخواستہ رقم دیتا ہے جو حلال نہیں لقولہ علیہ السلام لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب

نفسہ (مسند الامام احمد رحمہ اللہ)

اور اگر بغیر کسی خاص تعلق اور رابطہ کے چندہ کرنے جاتا ہے تو اس میں اپنی توہین ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اسلام کی توہین ہے اس لئے یہ بھی ناجائز ہے، باقی صرف محبت کا تعلق رہ گیا اسکی دلیل یہ ہے کہ آپس میں اسقدر بے تکلفی ہو کہ جس سے چندہ طلب کیا گیا وہ اپنی کسی مصلحت کی بنا پر چندہ نہ دینا چاہے تو اسے انکار کرنے میں ذرا بھی تکلف اور ندامت نہ ہو، اور اسکے انکار کرنے پر طلب کرنے والے کو ذرا بھی ناگواری نہ ہو، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی قسم کا تعلق محبت تھا، احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو کوئی مشورہ دیا انھوں نے قبول نہیں کیا نہ ان صحابی کو انکار کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس ہوئی اور نہ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کا انکار ناگواری کا باعث بنا، غرضیکہ اس قسم کی بے تکلفی کا تعلق ہو تو چندہ کے لئے خطاب خاص بھی جائز ہے. مگر آجکل ایسا تعلق عنقاء ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ آجکل خطابِ خاص بہرحال ناجائز ہے۔

اہلِ مدارس کی اس بے راہ روی اور دروازوں پر خاک چھاننے کی بنیاد تین چیزوں پر ہے

(۱) کام شروع کرتے ہی اپنے ذہن میں لمبا چوڑا نقشہ مرتب کر لیتے ہیں کہ اتنے طلبہ کے طعام اور قیام کا انتظام کیا جائے گا، اتنے کمرے بنیں گے، اتنی درسگاہیں ہونگی اتنے اساتذہ ہونگے، اتنا بڑا کتب خانہ ہو گا، حتیٰ کہ سنگِ بنیاد رکھنے سے قبل ہی دار العلوم اور جامعہ جیسے نام تجویز ہو جاتے ہیں اب اتنے بڑے کام کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہوتا تو اہل ثروت کے دروازوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور دین کو ذلیل کرتے ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ابتداءً مختصر سے کام کی بنیاد رکھی جائے، اسکے بعد جیسے جیسے اسباب پیدا ہوتے چلے جائیں کام کو اسی مقدار سے بڑھاتے جائیں۔ یعنی جتنی رقم اپنی اور دین کی عزت اور وقار کو باقی رکھتے ہوئے استغناء کے ساتھ حاصل ہو جائے صرف اسی قدر کام کا آغاز کیا جائے۔ آگے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وہ آپکے اس چھوٹے سے کام کو دار العلوم اور جامعہ بھی بنا دیں گے، ورنہ انکی مرضی کے مطابق جتنا کام بھی ہو سکے اسی کو غنیمت سمجھا جائے۔ اسکا ظاہراً چھوٹا سا وجود بھی عند اللہ بہت بڑا ہو گا۔

(۲) مدرسہ کو ایسا مقصود بنا لیا جاتا ہے کہ اس کی حفاظت و بقاء پر دین کو قربان کر دیا جاتا ہے، حالانکہ اصل مقصود دین ہے۔ مدارس حفاظتِ دین کا ذریعہ ہیں۔ پس ذریعہ کی حفاظت پر

مقصود کو قربان کردینا کتنا بڑا ظلم اور کیسی ناعاقبت اندیشی ہے۔ حدود شرع کے اندر اگر مدرسہ نہ چل سکے تو اسے بند کردیا جائے، ہم اسکے مکلّف نہیں، دیوبند کے ایک بااثر رئیس نے دار العلوم کی مجلس شوری کا رکن بننے کا مطالبہ کیا، حضرت گنگوہی قدس سرہٗ اسے اس لائق نہ سمجھتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مشورۃً لکھا کہ اس شخص کو رُکن نہ بنانے میں اس سے فساد کا خطرہ ہے اور رُکن بنانے میں کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ اکثریت ہماری ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے جواب تحریر فرمایا کہ اگر عند اللہ مجھ سے یہ سوال ہوا کہ نالائق کو رُکن کیوں بنایا؟ تو اس کا میرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا اور رُکن نہ بنانے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہی ضرر ہوسکتا ہے کہ مدرسہ بند ہوجائیگا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکا یہ جواب دے سکوں گا کہ میں نے تو آپ کے حکم کی تعمیل کی اس پر اگر مدرسہ بند ہوگیا تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں، حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے اس تقوی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ رئیس صاحب مدرسہ کے خلاف چیختے رہ گئے مگر دار العلوم مسلسل حیرت انگیز ترقی پر گامزن رہا۔

(۳) اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کا فقدان، اگر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد ہوتا اور "انا عند ظن عبدی بی" کے مطابق اللہ تعالیٰ سے حسن ظن ہوتا تو اس کریم کے دروازے کو چھوڑ کر دُنیا داروں کے دروازوں پر دھکے نہ کھاتے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ غیب سے وہ معاملہ فرماتے کہ اہل ثروت ان کے دروازوں پر ناک رگڑتے۔ افسوس اور تعجب ہے کہ قرآن و حدیث کے پڑھنے پڑھانیوالوں کی نظریں ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم، ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب، ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ، ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا، ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ ومن یستغن یغنہ اللہ، ومن یستعفف یعفہ اللہ جیسی نصوص پر کیوں نہیں پڑتیں، اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ان کے دلوں میں کیوں نہیں اُترتے اور ان قطعی وعدوں پر انکو یقین کیوں نہیں آتا، اور دعا "اللھم اجعلنی ممن توکل علیک فکفیتہ" کی توفیق کیوں نہیں ہوتی،

مرّوجہ طور پر چندہ کرنے کے فسادات و قبائح اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن اور اُن پر توکل و اعتماد کی تعلیم پر حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ایک وعظ "تأسیس البنیان علی تقوی من اللہ ورضوان" ہے۔ نیز حضرت قدس سرہٗ کا ایک رسالہ "التوزیع عن فساد التوزیع" بھی ہے جس میں چندہ کرنے کے مفاسد کے علاوہ رقوم چندہ کے مصارف کے مفاسد بھی بیان فرمائے ہیں اہل مدارس پر لازم ہے کہ ان دونوں رسالوں کو حرز جان بنالیں اور انکے مطالعہ کا معمول ہمیشہ

کے لئے جاری رکھیں۔ اپنے قول اور عمل، استغناء وخودداری سے اہلِ ثروت پر یہ حقیقت واضح کردیں کہ اللہ کا دین تمہاری اعانت کا محتاج نہیں بلکہ تم محتاج ہو اور تمہاری اپنی ضرورت ہے کہ تمہاری رقوم کسی دینی کام میں لگ جائیں اس لئے اہلِ مدارس پر تمہارا کوئی احسان نہیں بلکہ اہلِ مدارس کا تم پر احسان ہے کہ تمہاری رقوم کو صحیح مصرف پر لگانے کا انتظام کرتے ہیں۔ علمِ دین کا مقام تو بہت بلند ہے کسی عامی مسکین کو صدقہ دینے والے کے بارے میں احیاء العلوم میں مشہور محدث امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو ثواب کا اس سے زیادہ محتاج نہ سمجھے جتنا فقیر کو اپنے صدقہ کا محتاج سمجھتا ہے اُس نے اپنے صدقہ کو ضائع کردیا اور وہ صدقہ اسکے منہ پر مار دیا جاتا ہے مگر یہاں یہ حالت ہے کہ اہلِ مدرسہ چندہ دینے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہلِ ثروت کو اہلِ مدرسہ کا شکرگزار رہنا چاہیئے کہ انکی رقوم قبول کرکے اُن کی حفاظت کرتے ہیں اور صحیح مصرف پر لگاتے ہیں۔

اہلِ ثروت کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی حفاظت کے لئے انکے خزانوں کی ضرورت نہیں، هم الذين يقولون لا تنفقوا على من عند رسول الله حتّٰى ينفضّوا ولله خزائن السمٰوٰت والارض ولٰكنّ المنٰفقين لا يفقهون ٥ اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کتراؤ گے تو اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کا کام کسی اور سے لے لیں گے۔ وان تتولوا يستبدل قوما غيركم ثم لا يكونوا امثالكم، انشاء اللہ تعالیٰ دین کا کام بند نہیں ہوگا اگر بظاہر کوئی مدرسہ بند بھی ہوگیا تو درحقیقت وہ بند نہیں ہوا بلکہ اہلِ ثروت کی بے قدری اور ناشکری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ چشمہ کسی دوسری جگہ منتقل کردیا ہے اور ان لوگوں کی اصلاح کو کسی دوسری جگہ کے ساتھ وابستہ فرمادیا ہے۔ جیسے کوئی نادان بچّہ یا کوئی دیوانہ پھونکوں سے چراغ بجھانا چاہے تو چراغ کو اُٹھا کر کہیں دُور رکھ دیا جاتا ہے، اب کسی کو روشنی کی ضرورت ہو تو چل کر چراغ کے پاس جائے، حکومت نے کسی علاقہ سے انتظامیہ کا دفتر یا ہسپتال اُٹھا دیا تو یہ کام ختم نہیں کردیا گیا بلکہ وہاں کے باشندوں کی نالائقی کی وجہ سے ان سے قرب کی سہولت اُٹھا کر ان کا انتظام یا علاج دُور کسی مقام سے وابستہ کردیا ہے۔

علماء کا اہلِ ثروت کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور زبان کھولنا تو درکنار کسی گوشۂ قلب میں بھی ان کی طرف میلان نہ پایا جائے، قلبی جھکاؤ کا بھی یہ اثر ہوتا ہے کہ ایسے علماء کی اہلِ ثروت کے قلوب میں عظمت باقی نہیں رہتی۔

دار العلوم سے ایک منتہی طالب علم خواب کی تعبیر دریافت کرنے میرے پاس آئے، خواب میں دیکھا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف فرما ہیں، آپ کے سامنے ایک نہایت حسین نوجوان عورت بناؤ سنگار کرکے مزیّن لباس میں بیٹھی ہوئی ہے اور وہ اپنے کو امام کی بیوی ظاہر کر رہی ہے اور خوشامد کر رہی ہے کہ امام ایک نظر اس کی طرف دیکھیں مگر امام نہایت استغناء کے ساتھ کسی دینی کام میں مشغول ہیں۔

میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کو تعلیم سے فراغت کے بعد معاش کی فکر رہتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ اس فکر میں بعض دفعہ نیند نہیں آتی، میں نے کہا کہ بس اس خواب میں اسی مرض کا علاج بتایا گیا ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ جیسا علم حاصل کرو تو دنیا اپنی تمامتر زیب و زینت کے ساتھ تمہاری ایک نظر کی خواہشمند ہوگی اور تم کہوگے کہ مجھے ضرورت نہیں، علماء اللہ تعالیٰ پر اعتماد بحال کرکے "اتتہ الدنیا وھی راغمۃ"[۵] کا مشاہدہ کریں۔

عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے زیر نگیں ایک ریاست کا والی ہندو راجہ تھا وہ مرگیا، اسکا بیٹا نابالغ تھا، عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ اس لڑکے میں حکومت کرنیکی صلاحیت ہے یا نہیں اسے طلب کیا، اتفاقاً آپ اسوقت حوض کے کنارے پر تھے، مزاحاً لڑکے کو بازوؤں سے پکڑ کر حوض پر لٹکا کر فرمایا، "چھوڑ دوں"؟ لڑکے نے کہا کہ "جس کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اسے ڈوبنے کا کیا خوف"؟

ایک بنیئے کے بچے کو ایک مخلوق بادشاہ پر اتنا اعتماد، کاشکہ آج کے مسلمان کو مالک ارض و سماء پر ایسا اعتماد حاصل ہو جائے۔

ایک بہروپیہ کو زاہد کے روپ میں دیکھ کر عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار اشرفی نذرانہ پیش کی مگر اسنے صرف اہل اللہ کی نقل اُتارنے کی غرض سے اسے ٹھکرا دیا، کاشکہ اہلِ ثروت کے دروازوں پر بھٹکنے والی نظریں اس بہروپیہ سے اہل اللہ کی نقل اُتارنے ہی کا سبق حاصل کرلیں۔

فقط واللہ الموفق لمرضیاتہ

۳ رجمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ

ہمارے قصبہ میں مسجد کی تعمیر سے متعلق بندہ کے ایک خط کا عکس احباب نے لے لیا اور اسکی اشاعت کی خواہش ظاہر کی۔ موقع کی مناسبت سے آئندہ صفحات پر یہ عکس دیا جاتا ہے اہلِ مدارس کے لئے اللہ تعالیٰ اسے کحل الجواہر بنائیں۔ امین۔

---

[۵] پوری حدیث رسالہ کے آخر میں عنوان تتمہ کے تحت درج ہے ۱۲ منہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم



رشید احمد

فون ۶۱۲۳۳۶۱-۰۱

از رشید احمد بخدمت محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، چند روز قبل نامہ گرامی موصول ہوا، مغتنم ولیساں فی الحقیقت اور مفصل کی فرصت نہ ملی، آج دو کریم ملاقات جعفر کریمہ جزاکم اللہ لکھ رہا ہوں، ایام حج میں دعا کی توفیق ملتی رہی،

یا اللہ! ان عاشقین صادقین (حجاج) کے صدقہ جنہیں محبت نے بیحال کر رکھا ہے ان کی بدحالی کے صدقہ، آنکھوں کی اشکباری اور دل کی فریاد و تضرع کے صدقہ، ان کے درد دل و بیقراری کے صدقہ، ان کے سوز عشق کے صدقہ، نعرۂ مستانہ (لبیک) کے صدقہ، ان کی پریشان حالی، پراگندہ بالی، برہنہ سری، عاشقانہ لباس اور غبار آلودگی کے صدقہ

ادھر شور حج جنوں شکن ہے ہر سو وادی رنگ ہیماں
ادھر نیم شب تسے کرن گدائی بادیہ خور کریماں

یا اللہ! تو ان عشاق کے سوز قلب میں ہمیں بھی حصہ وافر عطا فرما، آمین

آپ نے فرمایا کہ تنظیم مسجد میں حصہ لینے دے لئے ارباب کو متوجہ کیا جائے اور صوفی غلام محمد صاحب کو بھی پیغام دیا جائے کہ وہ بھی ارباب صاحب کو متوجہ کریں،

مجھے یقین ہے کہ ۔۔۔ میں نے کبھی یہ جملے آپ سے لکھوائے تھے جنگوں میں "یک ہیں" کی صحبت نصیب نہیں ہوئی، ورنہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ع چہ کنم چشم تک میں بلند تنگ لگ ہے،

میں کسی سے کیا کہوں صوفی صاحب نے بھی ہو چھا یہ پیغام پہنچانے کی ہمت نہیں ہوئی، میرے رب کریم نے آج تک غیر کے سامنے زبان کھولنے سے میری زبان کی حفاظت فرمائی ہے، زبان تو کیا گوشۂ قلب کے التفات بھی غیر کی طرف تحمل نہیں، یہ ورد رہتا ہے

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد، گر در دلم بود ہوس ملک سنجرم
دانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب، من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

میرے ساتھ میرے رب کریم کا معاملہ یہ ہے کہ جب کبھی کوئی ضرورت سامنے آئی تو وہ کسی کو بھیج دیتے ہیں وہ از خود تحقیق، خوشامد اور لجاجت سے پیشکش کرتا ہے اور میں رد کر دیتا ہوں، بعض تو لپٹ کر کہتے ہیں "حضور دست بستہ عرض کرتا ہوں قبول فرمالیں"، میرے رب کریم پر بھی بھروسہ کر رہے ہیں کہ رد کرتا ہوں، اگر ذرا سی بھی آزمائش ہو تو کریم بدلے میں دوں

مسودوں پر دستخط کرانے لگوں اور وہ مجھے دھتکارنے لگیں سے

تہی دل پر ز راز کبریا دیکھتا ہوں
تو دل کو پر از جام جم دیکھتا ہوں

ویسے تو دار الافتاء والارشاد کی پوری تاریخ ہی لطائف غیبیہ کا مجموعہ ہے مگر آپ کو یاد ہوگا جب احسن الفتاوی کی تبویب جدید کا کام شروع ہوا تو یہ طے پایا کہ اس کی طباعت کسی تاجر کے سپرد نہ کی جائے، سمیع الحق صاحب نے اخراجات کا جو تخمینہ بتایا تھا وہ طبع کرنے پر پچاس ہزار کا اندازہ لگایا گیا تھا، سامنے فقط اللہ رب العزت کا سہارا تھا، نہیں معلوم کہاں سے انتظام ہوگا، کام شروع ہونے سے قبل ہی بلکہ ارادہ کرنے سے دو تین ہی روز بعد اللہ تعالیٰ نے پوری رقم کا انتظام فرما دیا، دینے والوں نے خوش ہو کر دی اور قبول کرنے پر شکر ادا کیا، اب کتاب کا کام تو بتدریج ہو رہا ہے شاید ابھی دو تین سال لگ جائیں اور رقم پہلے سے موجود ہے، اس خصوص میں ہوتا یہ ہے کہ مجھے یہ فکر دامنگیر ہے کہ جلد از جلد اسے مصرف میں لگا دوں، اہل مدارس کو تو ہر وقت رقم کی فکر رہتی ہے اور یہاں یہ فکر ہے کہ رقم جلد از جلد خرچ کرنے کی فکر، تمام جلدیں چھپنے کی نوبت آنے میں کتنی دیر ہے کہ رقم لانے کی فکر اور کسی کو آرہی ہو گی کہ رقم رکھنے کی فکر، رسمی اصول کے تحت اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھیج دیا اور دینے والے نے خوش ہو کر دی تو اس رقم میں سے کچھ تو تعمیر مسجد پر لگانے کا مشورہ دیا جائے گا اگر آپ خوش ہوں تو یہ اس کی دلیل ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ توسیع منظور نہیں، خود بخود اس کے مطابق تعمیر کر لی جائے، بندہ نے اس رقم میں بطرف مسجد چار ہزار اور زمین و عمارت کی رقم سے پانچ ہزار کمیشن تو ہزار تعمیر مسجد پر لگانے کا ذہن بنا رکھا تھا، دو ہزار مزید اس رقم سے میری طرف سے لگا دیں گے، دس ہزار اس سے عطیہ پیش کرتا ہوں جب فرمائیں اور حسب ذیل ارشاد ارسال کر دوں، اس طرح ہم دونوں کی مجموعی رقم اکیس ہزار ہو گئی، دس ہزار عتیق الرحمن سے،

ہیں نظر یہ رقم خود تعمیر میں لگا دی، پھر تکلیف کا کام تو مارے اللہ تعالیٰ کو منظور ہے اگر مزید توسیع در اسباب غیب سے پیدا فرما دیں گے، سپردم بتو مایۂ خویش را، کا معاملہ رہنا چاہئے، آمد

"ومن یستغن یغنہ اللہ ومن یستعفف یعفہ اللہ"، اور وعدہ پر یقین رکھنا چاہئے

مناسب خیال فرمائیں تو میری طرف سے حصہ تعمیر مسجد سے متعلق ہے ..... تو دیا جائے ورنہ سہ بار مدعی مگو تید اسرار عشق و مستی، بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی، واللہ الحفیظ

ہم سب کی طرف سے سلام اور خصوصی دعاؤں کی درخواست کی ضرورت نہیں ہے

فقط والسلام

۹۶ھ

ت حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کی اہلیہ محترمہ ۱۲ آسیا آبادی

تشریح

بندہ کا معمول ہے کہ جب کبھی اس قسم کا کوئی مضمون لکھتا ہوں تو بغرض تربیت و تعلیم توکل اپنے گھر والوں، مدرسہ میں بالخصوص تخصص فی الافتاء کے طلبہ کو سنا دیا کرتا ہوں، چنانچہ خط مذکور کی ایک نقل مدینہ طیبہ بھی بھجوائی تھی جس کی وجہ ترسیل یہ تحریر کی گئی ہے:

"لازدیاد التوکل والاعتماد علی الرب الکریم والاستغناء عن الانام تماما سواہ"

طلبہ کو جب یہ خط سنایا گیا تو انہوں نے اس کا عکس لینے کی خواہش ظاہر کی، عکس لینے پر جس طالب علم کو بھیجا گیا انکو بھی اس سے شوق ہوگا، اس طرح رفتہ رفتہ یہ سلسلہ چل نکلا، تو خط کے متعلق بعض امور کی تشریح کی ضرورت محسوس ہوئی جو درج ذیل ہیں:

(۱) آبا جی تعمیر مسجد کے متعلق اپنی ملکیت کا تمام خرچ خود بلا شرکت غیر کرنا چاہتے تھے، آخر میں اس مقصد کے لئے زمین کا ایک باغ فروخت کر کے سات ہزار کی رقم مخصوص فرمادی، ایک نفع بخش تجارت کا علم ہوا تو چند ماہ کے لئے یہ رقم اس تجارت میں لگادی تاکہ اس کی منفعت بھی مسجد ہی پر خرچ کی جائے گی مگر بقضاء الٰہی تجارت میں اصل سرمایہ بھی ڈوب گیا، اس پر آبا جی نے اپنے مکتوب میں نہایت اطمینان کا اظہار فرمایا اور یہ شعر تحریر فرمایا:

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ، نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(۲) خط میں شامل شعر والد صاحب کے مکتوب کا نہیں، آپ نے اپنے سفر حج کے حالات و جذبات کو نظم فرمایا تھا، یہ نظم کئی بند پر مشتمل ہے، ذیل میں شعر مذکور کا مطلب ہے:

"نیم برہنہ ننگے سر یتیموں کی طرح پھرتے ہیں تیرے در پر گدائی کرنے حاضر ہیں اے کریم توجہ عطا فرما،"

(۳) مجھے اپنے نام کے ساتھ پیڈ چھپانا طبعاً ناگوار ہے، میرے کرایہ دار نے اصرار کیا کہ جب کرایہ وصول کریں تو رسید ان کو پیڈ پر لکھ کر دوں، انکی خاطر مجھے پیڈ چھپانا پڑا،

(۴) میرے پیڈ میں اپنا پتہ اس لئے نہیں چھپایا کہ میں مسافر ہوں جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

مسافر در سرا ای جان شبے یکشب بماند، اگر ماند شبے ماند شب دیگر نماند۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فناء دنیا و استحضار آخرت و ذکر آخرت و شوق وطن کی دولت سے نوازیں آمین۔

آبا جی کا جواب: "...... نے کہا آپ کو بھی اطلاع کر دیں ہم اپنی جانب سے بھی اپنی مسرت کا اظہار کر دیں، مجھے یہ بات اچھی معلوم ہوئی مگر ان کو لکھنے سے روک دیا، الحمد للہ میرے مذاق کے مطابق آنعزیز نے عمل کر کے دل خوش کر دیا،"

۱۷۔۱۲۔۹۶ھ

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ

رسالہ "صیانۃ العلماء" ابھی کتابت کے بعد تصحیح کے مراحل ہی طے کر رہا تھا کہ عزیز محترم مولوی احتشام الحق آسیاآبادی کا خط موصول ہوا جو ان کی بستی آسیاآباد (بلوچستان) میں حال ہی میں جاری کردہ مدرسہ دینیہ کی طرف توکل علی اللہ والاستغناء عما سواہ کی برکت سے جذب قلوب کی خبر پر مشتمل تھا نگاہِ عبرت جو کے لئے اسے بھی رسالہ صیانۃ العلماء کا جزء بنایا جاتا ہے۔

اس مدرسہ کے مختصر کوائف کا بیان برکات توکل کے اظہار اور تحصیل توکل کے لئے زیادہ نافع ہوگا

(۱) یہ مدرسہ بلوچستان کے ایسے پسماندہ اور دور افتادہ علاقہ میں ہے کہ جس کی بیچارگی کا اندازہ بدون مشاہدہ کے نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) یہ مدرسہ بالکل نو مولود ہے، اس کی عمر ابھی صرف چند ماہ کی ہے۔

(۳) اس مدرسہ کو جاری کرنے والے مولوی احتشام الحق بالکل نو فارغ نوجوان ہیں، حال ہی میں دارالافتاء والارشاد کے شعبۂ تمرین افتاء سے فارغ ہوئے ہیں جنکا تا حال نہ علمی حلقوں میں کوئی مقام ہے اور نہ ہی کوئی دنیوی وجاہت۔

(۴) علاقہ کے دنیا دار بے دین عناصر نے مدرسہ کے لئے بہت بھاری رقوم پیش کیں مگر مولوی صاحب نے قبول نہ کیں، جب وہ اس طرح مولوی صاحب کو رام نہ کر سکے تو کئی جھوٹے مقدمات دائر کردیئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مولوی صاحب کو بری کرادیا۔

(۵) چند روز قبل مولوی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ کچھ با اثر اہل ثروت مدرسہ سے تعاون کی پیش کش کر رہے ہیں اسے قبول کروں یا نہیں؟ میں نے ان لوگوں کے کچھ کوائف معلوم کرنے کے بعد ان کی امداد قبول کرنے سے مولوی صاحب کو منع کردیا۔

ان کوائف کو سامنے رکھ کر اب مولوی صاحب کے خط میں توکل کی برکات کا مشاہدہ فرمائیں۔

از تربت مکران

مجتبیٰ ومحبوبی حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طالب خیر بخیر وعافیت ہے امّا بعد

کل مدرسہ کے لئے ایک صاحب نے ۳۲۳۷/- روپے قطر (عربین گلف) سے بھیجے ہیں، ایسے ہی اس سے قبل بھی متعدد بار مسقط اور دوسرے بعض ملکوں سے کچھ لوگوں نے رقوم بھیجی ہیں۔ اسی طرح آج ایک خط عرب کے کسی علاقے سے آیا ہے اس میں لکھا ہے کہ چند ہزار کی رقم مدرسہ کے لئے میرے پاس ہے،

میں مارچ[عہ] کے ماہ میں بھیجدوں گا، ان حضرات میں سے بعض کو میں جانتا ہوں اور بعض کو نہیں جانتا لیکن وہ مجھے جانتے ہیں۔ اوّل الذکر اور جن کے خط کا ذکر کیا ہے ان دونوں کو میں جانتا ہوں، دیندار ہیں ڈاڑھی بھی رکھتے ہیں۔ آپ کی مجلس میں بھی کئی بار حاضر ہوئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان حضرات کی بھیجی ہوئی رقوم اب تک میں نے لے لی ہیں کیا ان حضرات اور دوسرے ایسے لوگوں کی رقم مدرسہ کے لئے قبول کرلیا کروں یا نہیں؟ یا اس سلسلہ میں ان حضرات سے کچھ شرائط مقرر کروں اور وہ کیا؟ واضح رہے کہ اتنا گمان غالب ہے کہ اتنی رقم یہ حضرات اپنی طرف سے نہیں دے رہے ہیں اندازہ یہ ہے کہ مدرسہ کے لئے چندہ وغیرہ کے ذریعہ سے یہ رقم حاصل کی ہوگی۔

نمبر۲۔ نیز بعض لوگوں نے عرب ممالک سے لکھا ہے کہ آپ کے (راقم کے) بعض جاننے والے مدرسہ کے لئے ہمارے پاس ماہانہ یا ہنگامی طور پر رقم دینے کے لئے آتے ہیں آپ کوئی رسید بُک ارسال کریں تاکہ ان کو رسید بھی دیدی جائے، نیز رقوم کا حساب بھی سہولت سے رکھا جاسکے، اس سلسلے میں بھی حضرت والا سے مشورہ کی درخواست ہے۔ والسلام

دعاؤں کا طالب
احتشام الحق آسیاآبادی
۲۲ صفر سنہ ۱۳۹۷ ہجری

جواب
رشید احمد
۵ ربیع الاوّل سنہ ۹۷ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم زیدت معالیکم

وعلیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ کا لوگوں کے قلوب کو مدرسہ کی اعانت کیطرف متوجہ فرمانا اور دینی کام کے لئے غیب سے اسباب پیدا فرمانا ان کا بہت بڑا کرم ہے، ہم جیسے نالائقوں پر ان کے اتنے بڑے کرم کی خبر پڑھ کر فرطِ ندامت و فرطِ مسرّت سے مرکب کیفیت کے غلبہ سے میری آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے اور بے ساختہ اسی حال میں سجدہ میں گر پڑا۔

یا اللہ! تیرے اس کرم کے صدقہ سے ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہماری ناچیز مساعی اور جہد المقل کو قبول فرما اور ہمارے تمام اقوال، افعال، نیّات، ارادات، خطرات اور جملہ حالات کو اپنی مرضی کے مطابق بنالے، ماضی کی طرح مستقبل میں بھی صرف اپنا ہی محتاج رکھ، غیر کی احتیاج سے حفاظت فرما، ہمارے قلب کی توجہ کو اپنی ذات پر اس طرح مرکوز فرمادے کہ قلب کے کسی گوشے

عہ لفظ مارچ نقل کرتے وقت اسلامی مہینوں کے استعمال کی اہمیت سے متعلق حضرت والا کی تقریر پھر تازہ ہورہی ہے ۱۲ آس

میں کبھی غیر کا گذر نہ ہو سکے اللّٰھمّ اقذف فی قلبی رجاءک واقطع رجائی عمّن سواک حتّیٰ لا ارجوا احداً غیرک آمین ۔

خذوا فؤادی وفتّشوہ وقلّبوہ کما تریدوا

فلن تحسّوا بہ سواکم زدتم علی الحضور زیدوا

رسید ٹکٹ بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔ معطین اور مرغّبین کی شرائط درج ذیل ہیں، نقل کرکے احباب کو ارسال کردیں۔

شرائط معطین :

(۱) صحیح العقیدہ ہوں۔

(۲) ذریعہ معاش حلال ہو۔

(۳) ان سے کبھی احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو

(۴) کبھی کسی ناجائز یا نامناسب کام میں آپ سے تعاون کی درخواست کرنیکا اندیشہ نہ ہو۔

شرائط مرغّبین :

(۱) صرف ایسے احباب سے ذکر کریں جن کے ساتھ بے تکلفی اور خلوص محبت کا ایسا تعلق ہو کہ وہ کچھ نہ دینے میں اپنی تنگی محسوس نہ کریں اور ترغیب دینے والے کو قطعاً کوئی ناگواری نہ ہو۔

(۲) ترغیب میں شانِ استغنار کا مظاہرہ ہو۔

(۳) الحاح واصرار سے بالکلیہ احتراز کریں۔

(۴) کسی کے سامنے ایک بار ذکر آنے کے بعد دوبارہ ہرگز نہ کہیں۔

(۵) وجاہت سے کام نہ لیں۔

(۶) کسی ایسے شخص سے نہ کہیں جو کسی وجہ سے ان کا محتاج یا زیر بار ہو۔

(۷) دینے والوں کا شکریہ ہرگز ادا نہ کریں بلکہ شکریہ کی بجائے انھیں جزاکم اللہ تعالیٰ کی دعا دیں۔

ان شرائط سبعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شخص مُرغّب کی وجاہت یا اس کی طرف اپنی حاجت یا غلبۂ مروّت یا نہ دینے میں شرمندگی وخفّت وغیرہ کے باعث نہ دے بلکہ ظن غالب حاصل ہو جائے کہ طیبِ خاطر وشرح صدر سے دے رہا ہے۔ نیز دینے والا یہ سمجھ جائے کہ وہ کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ اسمیں اسکا اپنا فائدہ ہے وفّقنا اللّٰہ الجمیع لما یحبّ ویرضٰی، آمین

آپ کے نام قطر دوحہ سے دو ہزار روپے کا ڈرافٹ اور یونائیٹڈ بنک سے ایک لفافہ آیا ہوا ہے انھیں کیا کیا جائے؟ فقط والسلام علیکم

تتمہ ـــــ التوکل والتقوی

القرآن

- رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا ۞
- ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم ۞
- ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون ۞
- ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ ط
- ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم ۔ الآیۃ
- ولو ان اھل القری اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض ۔ الآیۃ
- ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ ط

وقال صلی اللہ علیہ وسلم المھاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ

- ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ط ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ۔ الآیۃ
- ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا ۞
- ویٰقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوۃ الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین ۞
- استغفروا ربکم انہ کان غفارا ۞ یرسل السماء علیکم مدرارا ۞ ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنّٰت ویجعل لکم انھارا ۞

الحدیث

- عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من كانت الآخرة همه جعل الله غناه فى قلبه وجمع له شمله واتته الدنيا وهى راغمة ومن كانت الدنيا همه جعل الله فقره بين عينيه وفرق عليه شمله ولم يأته من الدنيا الا ما قدر له (ترمذی)

○ عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لو انكم كنتم توكلون على الله حق توكله لرزقتم كما ترزق الطير تغدو خماصا وتروح بطانا (ترمذی)

○ عن ابى ذر رضى الله تعالى عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال الزهادة فى الدنيا ليست بتحريم الحلال ولا اضاعة المال ولكن الزهادة فى الدنيا ان لا تكون بما فى يديك اوثق بما فى يد الله (ترمذی)

○ عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال كنت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما فقال يا غلام احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك واذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله واعلم ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشىء لم ينفعوك الا بشىء قد كتبه الله لك ولو اجتمعوا على ان يضروك بشىء لم يضروك الا بشىء قد كتبه الله عليك رفعت الاقلام وجفت الصحف (احمد وترمذی)

○ عن ابى ذر رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انى لاعلم آية لو اخذ الناس بها لكفتهم ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب (احمد وابن ماجة)

○ عن عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من قلب ابن آدم بكل واد شعبة فمن اتبع قلبه الشعب كلها لم يبال الله باى واد اهلكه ومن توكل على الله كفاه الشعب (ابن ماجة)

○ عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم قال قال ربكم عز وجل لو ان عبيدى اطاعونى لاسقيتهم المطر بالليل واطلعت عليهم الشمس بالنهار ولم أسمعهم صوت الرعد (احمد)

○ عن ابى هريرة رضوان الله تعالى عنه قال دخل رجل على اهله فلما رأى ما بهم من الحاجة خرج الى البرية فلما رأت امرأته قامت الى الرحى فوضعتها والى التنور فسجرته ثم قالت اللهم ارزقنا فنظرت فاذا الجفنة قد امتلأت قال وذهبت الى التنور فوجدته ممتلئا قال فرجع الزوج قال اصبتم بعدى شيئا قالت امرأته نعم من ربنا وقام الى الرحى فذكر ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم فقال اما انه لو لم يرفعها لم تزل تدور الى يوم القيامة (احمد) ۲۹

○ عن ابى الدرداء رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرزق ليطلب العبد كما يطلبه اجله (ابونعيم فى الحلية)

○ عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايها الناس ليس من شيء يقربكم الى الجنة ويباعدكم من النار الا قد امرتكم به وليس شيء يقربكم الى النار ويباعدكم من الجنة الا قد نهيتكم عنه وان الروح الامين نفث فى روعى ان نفسا لن تموت حتى تستكمل رزقها الا فاتقوا الله واجملوا فى الطلب ولا يحملنكم استبطاء الرزق على ان تطلبوه بمعاصى الله فانه لا يدرك ما عند الله الا بطاعته (شرح السنة)

○ عن جابر رضى الله تعالى عنه انه غزا مع النبى صلى الله عليه وسلم قبل نجد فلما قفل رسول الله صلى الله عليه وسلم قفل معه فادركتهم القائلة فى واد كثير العضاه فنزل رسول الله صلى الله عليه وسلم وتفرق الناس فى العضاه يستظلون بالشجر ونزل رسول الله صلى الله عليه وسلم تحت سمرة فعلق بها سيفه ونمنا نومة فاذا رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعونا واذا عنده اعرابى فقال ان هذا اخترط على سيفى وانا نائم فاستيقظت وهو فى يده صلتا قال من يمنعك منى فقلت الله ثلاثا ولم يعاقبه وجلس (متفق عليه) وفى رواية ابى بكر الاسماعيلى فى صحيحه فسقط السيف من يده ـ الحديث

○ واعلم ان ما اصابك لم يكن ليخطئك وما اخطاك لم يكن ليصيبك (كنز العمال)

○ وعقد الامام البخارى رحمه الله تعالى بابا فى بركة الغازى فى ماله حيا وميتا وذكر فيه قصة الزبير رضى الله تعالى عنه.

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم المجاهد من جاهد نفسه (ترمذى)

○ ومن يستغن يغنه الله ومن يستعفف يعفه الله (بخارى)

○ اللهم اجعلنى ممن توكل عليك فكفيته واستهداك فهديته واستنصرك فنصرته

○ اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد

○ اللهم اكفنى بحلالك عن حرامك واغننى بفضلك عمن سواك،

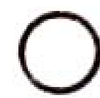
○ اللهم اقذف فى قلبى رجاءك واقطع رجائى عمن سواك حتى لا ارجو احدا غيرك،

○ لا يفتح عبد باب مسالة الا فتح الله عليه باب فقر (احمد وترمذى)

○ من جعل الهموم هما واحدا هم المعاد كفاه الله هم دنياه ومن تشعبت به الهموم احوال الدنيا لم يبال الله فى اى اوديته هلك (ابن ماجة)



وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا وَّلَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○



القول المتین
فی
شرح اطلبوا العلم ولو بالصین



اَلْقَوْلُ الْمَتِیْن

اشاریہ

تحقیقِ حدیث اُطلبوا العلم ولو بالصّین

سوال: کیا اطلبوا العلم ولو کان بالصّین حدیث ہے، اگر یہ حدیث ہے تو اسکا کیا مطلب ہے؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ چین نہ زمانۂ نبوت میں علم دین کا مرکز رہا ہے اور نہ آج ہے اسلئے یہاں جس علم کے حاصل کرنیکا حکم ہے وہ علم دنیوی ہے۔ اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ اس سے کیا مراد ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم، عق، عد، ھب وابن عبدالبر، قال البیہقی متنہ مشھور واسنادہ ضعیف وقد روی من اوجہ کلھا ضعیفۃ وقال المزی لہ طرق ربما یصل بمجموعھا الی الحسن (فیض القدیر ص۵۴۲ ج۱) وقال العزیزی ھو حدیث حسن لغیرہ. (السراج المنیر ص۲۱۳ ج۱) بعض متشددین کا قول وضع صرف الفاظ روایت سے متعلق ہے، اس کا مفہوم یعنی ممالک بعیدہ سے طلب علم کا حکم قرآن وحدیث کی دوسری نصوص سے ثابت ہے۔

حدیث کا مطلب:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک کسی کام کے جاننے کی قوت اور دوسری اسکے کرنے کی قوت اور عقلاً جاننا کرنے سے مقدم ہے، سب سے پہلے انسان کو کسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے جس سے رغبت یا نفرت وخوف پیدا ہوتا ہے اور یہی رغبت یا خوف کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا موجب بنتا ہے، گویا کہ انسانی زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لئے "علم" مدارِ عمل ہے، اور ظاہر ہے کہ جو مدار زندگی ہوگا وہ افضل ہوگا۔

دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ کسی انسان کے لئے جس طرح اس کی دُنیوی زندگی اہم ہے اس سے کئی گُنا زیادہ اُخروی زندگی کی اہمیت ہے بلکہ دُنیوی زندگی کی اہمیت اگر ہے تو صرف اس لحاظ سے کہ وہ مزرعۃ الاٰخرۃ یعنی آخرت کی زندگی کو درست کرنیکا وقت اور مقام ہے۔

تیسرا مقدمہ یہ جان لیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ انسان جو دنیوی علائق میں پھنسا ہوا ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ کی آماجگاہ ہے اسکی اُخروی زندگی کو سنوارنے کے طور طریقے بتائیں۔ نبوت من حیث النبوّۃ صفت علمیہ ہے، نیز نبی کے لغوی معنی بھی خبر دینے والے کے ہیں، یعنی احکامِ الٰہیہ کی خبر دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس کو خود علم نہ ہوگا،

وہ دوسروں کو کیا خبر دیگا۔

ان تینوں مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ علماء کو ورثۃ الانبیاء فرمایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ علم نبوی علم شرع کو کہا جاتا ہے لہٰذا اس حدیث میں اور دوسری احادیث میں جہاں علم کا لفظ آیا ہے وہاں اس سے مراد علم شرع ہی ہے۔ اور عالم سے مراد علم شرع کا جاننے والا، وارث کو اپنے مورث کی ہر متروکہ چیز سے حصہ ملا کرتا ہے پس جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صفت سے حصہ نہ ملا ہو وہ وارثِ نبی بھی نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ دنیوی فنون حاصل کرنے سے علم نبوی اور صفاتِ نبویہ سے حصہ نہیں مل سکتا۔

انسان اور علم:

وحی الٰہی اور رسالت و نبوت کی دولت سارے عالم میں صرف انسان کے حصہ میں آئی، وحی علم الٰہی کے اُتارنے کو کہا جاتا ہے اور یہی علم دیگر انسانوں تک پہنچانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو دیدیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ علم الٰہی کی نعمت سے صرف انسان کو نوازا گیا، گویا علم الٰہی انسان کی بنیادی خصوصیت اور امتیازی شان ہے اور کسی چیز کی خصوصیت وہی ہوسکتی ہے جو دوسری اشیاء میں نہ پائی جاسکتی ہو۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اصل انسان اس محسوس مجسمہ کا نام نہیں بلکہ اس جوہر کا نام ہے جو اس میں ودیعت رکھا گیا ہے اور وہ علم الٰہی ہے۔ بازار میں پلاسٹک کی بنی ہوئی انسانی صورتیں چند ٹکوں میں مل جاتی ہیں۔ اس طرح جو علم الٰہی سے محروم ہے وہ لاکھ انسانیت کا دعوی کرے لیکن حقیقت میں اس کی قدر و قیمت پلاسٹک کی بنی ہوئی مورت سے زیادہ نہیں۔ اسی کے متعلق ارشاد ہے ؎

گر بصورت آدمی انساں بُدے   احمد و بوجہل ہم یکساں بُدے
اینکہ می بینی خلافِ آدم اند   نیستند آدم غلافِ آدم اند!
از بروں چو گور کافر پُر حلل   واندروں قہرِ خدائے عزّ وجل

اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرمادی ہے کہ علم وعمل جو انسان کے لئے وجہ امتیاز و شرف ہے وہ صرف ایسا علم اور عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب اور عذابِ آخرت سے بچنے کا ذریعہ ہو۔

فرمایا، انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان، انہ کان ظلوما جھولا لیعذب اللہ المنٰفقین والمنٰفقٰت والمشرکین والمشرکٰت ویتوب اللہ علی المؤمنین والمؤمنٰت وکان اللہ غفورا رحیما ۰

القول المتین ــــــــ ۴

آیت کی تفسیر سے قبل اسکے الفاظ کی تشریح ضروری ہے۔

عرض : امتحانِ استعداد و صلاحیت

امانت : علم وعمل

اباء : فقدان صلاحیت و استعداد

حمل : وجود صلاحیت و استعداد

ظلم : عدم العمل عما من شأنہ ان یکون عاملا

جھل : عدم العلم عما من شأنہ ان یکون عالمًا

خلاصۂ تفسیر :

اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کی امانت کے لئے پوری دُنیا میں سے صرف انسان کو اسلئے منتخب فرمایا کہ اسکے سوا دوسری کسی مخلوق میں اسکے تحمل کی استعداد و صلاحیت نہ تھی" انہ کان ظلومًا جھولًا " اس کی تعلیل ہے۔ یعنی علم کا مکلف اسے بنایا جاسکتا ہے جس میں فی الحال علم موجود نہ ہو مگر بالقوۃ استعداد و صلاحیت ہو، ایسے ہی عمل کا حکم اسے دیا جاسکتا ہے جس میں حال میں عمل نہ ہو مگر بالقوۃ عمل کی استعداد موجود ہو، اگر زمانۂ حال میں علم و عمل موجود ہے تو اس کا حکم تحصیل حاصل ہے۔ اور اگر استعداد ہی نہ ہو تو وہ تکلیف مالایطاق ہے اور یہ دونوں امر باطل ہیں، غرضیکہ انسان میں علم وعمل بالفعل موجود نہ تھا مگر اسکی استعداد موجود تھی اور دوسرے کسی مخلوق میں اس کی استعداد ہی موجود نہ تھی اسلئے شرف امانت کے لئے انسان کو منتخب فرمایا گیا۔

لیعذّب الآیۃ میں لام عاقبت کے لئے ہے یعنی انسان کے حملِ امانت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اللہ تعالیٰ کی رضا کے مستحق ہوئے اور بعض عذاب کے،

اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہاں امانت سے وہ علم وعمل مراد ہے جو صرف انسان کا خاصہ اور طرۂ امتیاز ہے اور ظاہر ہے کہ وہ علم دین ہی ہے، اس لئے کہ دنیوی علم وعمل میں انسان کے ساتھ ہر جاندار شریک ہے۔ علاوہ ازیں لیعذّب الخ میں بھی اس کی صراحت ہے کہ یہاں وہ علم وعمل مراد ہے جو آخرت میں کام آنے والا ہو اور وہ علمِ دین ہی ہے۔

یہ امر اہلِ اسلام میں متواتر مسلّم اور بدیہی چلا آرہا ہے کہ اصل علم صرف علمِ دین ہی ہے اور علماء صرف علماءِ دین ہی کو کہا جاتا ہے مگر اس دَورِ پُرفتن میں جس طرح دوسری بہت سی ضروریات

دین اور متواترات ومسلّمات کا انکار کیا جانے لگا ہے اور اسلام کے بدیہی اور متفق علیہ حقائق میں شکوک شبہات پیدا کرکے انھیں نظری، استدلالی اور مباحث اختلافیہ کی فہرست میں لاکر ان پر دلائل اور بحث و مباحثہ کے دروازے کھولے جا رہے ہیں اسی طرح ظلمت جدیدہ (نئی روشنی) سے مسموم مسلمان کو آج علم اور علماء کا بدیہی اور پوری اُمت میں مسلّم مفہوم سمجھانے کے لئے دلائل کی ضرورت ہے اسلئے ہم اوپر بقدر کفایت بیان کردینے کے باوجود قرآن وحدیث سے چند ایسے شواہد پیش کرتے ہیں جن سے یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ اصطلاح شرع میں لفظ علم صرف علم دین ہی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے

(۱) انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انہ کان ظلوما جهولا (۳۳-۷۲) اس آیت کی تشریح اوپر گزر چکی ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر اسکا اعادہ کیا گیا ہے۔

(۲) فاعلم انہ لا الہ الا اللہ واستغفر لذنبك وللمؤمنین والمؤمنٰت (۴۷-۱۹)

اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی وساطت سے آپ کی اُمت کو شرعی علم و عمل کی تحصیل کا حکم دیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ باب العلم قبل القول والعمل کے تحت اس آیت کو لاکر فرماتے ہیں فبدأ بالعلم وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ ای حیث قال فاعلم انہ لا الہ الا اللہ ثم قال واستغفر لذنبك والخطاب وان کان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فهو متناول لامتہ واستدل سفیان بن عیینہ بهذہ الآیة علی فضل العلم کما اخرجہ ابونعیم فی الحلیة فی ترجمتہ من طریق الربیع ابن نافع عنہ انہ تلاها فقال الم تسمع انہ بدأ بہ فقال اعلم ثم امرہ بالعمل وینتزع منها دلیل ما یقولہ المتکلمون من وجوب المعرفة (فتح الباری ص۱۴۷ ج۱)

(۳) انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (۳۵-۲۸)

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ ای یخاف من اللہ من علم قدرتہ وسلطانہ وهم العلماء قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما (فتح الباری ص۱۴۷ ج۱)

حبر اُمّت رئیس المفسّرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما نے "علماء" کے لقب کو منحصر کردیا ہے ایسے لوگوں میں جن کے قلوب معرفت وخشیت الٰہیہ سے معمور ہیں۔

(۴) وقال الزمخشری (فی قولہ تعالیٰ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء) المراد العلماء الّذین علموہ بصفاتہ وعدلہ وتوحیدہ ومایجوز علیہ ومالا یجوز فعظموہ وقدروہ وخشوہ حق خشیتہ ومن ازداد بہ علما ازداد منہ خوفا ومن کان عالما بہ کان آمنا وفی الحدیث اعلمکم

الله اشد كوله خشية وقال رجل للشعبي افتني ايها العالم قال العالم من خشى الله (عمدة القاري ص۱۱۶ ج۲)

⑤ وقالوا لو كنا نسمع او نعقل ما كنا فى اصحاب السعير (۶۷-۱۰)

قال الحافظ رحمه الله تعالى وهذه اوصاف اهل العلم فالمعنى لو كنا من اهل العلم لعلمنا ما يجب علينا فعملنا به فنجونا (فتح الباري ص۱۴۱ ج۱)

⑥ قال العيني رحمه الله تعالى (فى تفسير قوله تعالى لو كنا نسمع او نعقل الآية) والمعنى لو كنا من اهل العلم لما كنا من اهل النار (ثم قال) ان المراد من العقل العلم ههنا فان الكفار لو كان لهم العلم لما دخلوا النار (عمدة القاري ص۱۲ ج۲)

⑦ وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون (۲۹-۴۳)

قال العيني رحمه الله تعالى اى وما يعقل الامثال المضروبة الا العلماء الذين يعقلون عن الله وروى جابر رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم لما تلا هذه الآية فقال العالم الذى عقل عن الله فعمل بطاعته واجتنب سخطه (عمدة القاري ص۱۲ ج۲)

⑧ وقل رب زدنى علما (۲۰-۱۱۴)

قال الحافظ رحمه الله تعالى واضح الدلالة فى فضل العلم لان الله تعالى لم يأمر نبيه صلى الله عليه وسلم بطلب الازدياد من شىء الا من العلم والمراد من العلم العلم الشرعى الذى يفيد معرفة ما يجب على المكلف من امر دينه فى عباداته ومعاملاته والعلم بالله وصفاته وما يجب له من القيام بامره وتنزيهه عن النقائص ومدار ذلك على التفسير والحديث والفقه (فتح الباري ص۱۳۱ ج۱)

⑨ فوجدا عبدا من عبادنا آتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علما (۱۸-۶۵)

یہاں علم سے علم الاسرار والمکاشفہ مراد ہے جو شرعی علم وعمل میں رسوخ پر مرتب ہوتا ہے۔

قال العلامة الآلوسى رحمه الله تعالى اى علما لا يكتنه كنهه ولا يقادر قدره وهو علم الغيوب واسرار العلوم الخفية (ثم قال) قال العارف بالله تعالى الشيخ عبد الوهاب الشعرانى عليه الرحمة فى كتابه المسمى بالدرر المنثورة فى بيان زبد العلوم المشهورة ما لفظه واما زبدة علم التصوف الذى وضع القوم فيه رسائلهم فهو نتيجة العمل بالكتاب والسنة (روح المعانى ص۳۰۳ ج۱۵)

⑩ وقال الذين اوتوا العلم ويلكم ثواب الله خير لمن آمن وعمل صالحا ولا يلقاها الا الصابرون (۲۸-۸۰)

اس میں دنیاداروں کے مقابلہ میں فناء دنیا کا استحضار اور فکر آخرت رکھنے والوں کو اہل علم

کہا گیا ہے۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ وقال الذین اوتوا العلم ای باحوال الدنیا والآخرۃ کما ینبغی ومنھم یوشع علیہ السلام وانما لم یوصفوا بارادۃ ثواب الآخرۃ تنبیھا علی ان العلم باحوال النشأتین یقتضی الاعراض عن الاولی والاقبال علی الاخری حتما وان تمنی المتمنین لیس الا لعدم علمھم بھما کما ینبغی (ولا یلقاھا الا الصابرون) علی الطاعات وعن المعاصی والشھوات (روح المعانی ص۱۱۶ ج ۲۰)

(۱۱) ولقد اٰتینا داؤد وسلیمان علما (۲۷-۱۵)

ای اٰتینا کل واحد منھما طائفۃ من العلم لائقۃ بہ من علم الشرائع والاحکام وغیر ذلک مما یختص بکل منھما کصنعۃ لبوس ومنطق الطیر وخصھا مقاتل بعلم القضاء وابن عطاء بالعلم باللہ عزوجل ولعل الاولی ما ذکر اولا علما سنیا غزیرا الخ (روح المعانی ص۱۵۳ ج ۱۹)

اسمیں اگر لفظ علم کو صنعت لبوس اور منطق الطیر کو بھی شامل تسلیم کر لیا جائے تو بھی ہمارے مدعی کے خلاف نہیں بلکہ اس کے لئے مؤید ہے کیونکہ حضرت داود وسلیمان علیہما السلام کو یہ دونوں علوم بطور معجزہ عطا فرمائے گئے تھے جو انکے ساتھ مختص تھے، اور معجزہ سے اسلام کی حقانیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا جو علم بطور معجزہ دیا گیا وہ نتیجہ کے لحاظ سے علم شرع میں داخل ہے،

(۱۲) ولوطا اٰتیناہ حکما وعلما (۲۱-۷۴)

(۱۳) ففھمناھا سلیمان وکلا اٰتینا حکما وعلما (۲۱-۷۹)

(۱۴) قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک (۲۷-۴۰)

یہ قائل خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں یا آپ کے کوئی خادم یا کوئی فرشتہ، بہرصورت یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے لہٰذا یہاں علم سے علم الٰہی مراد ہے۔

(۱۵) واوتینا العلم من قبلھا وکنا مسلمین ٥ (۲۷-۴۲)

یہاں علم سے اللہ تعالیٰ کی معرفت، حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کا علم مراد ہے۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ معناہ واوتینا العلم بکمال قدرۃ اللہ تعالیٰ وصحۃ نبوتہ (الی قولہ) وکنا مؤمنین من ذلک الوقت (روح المعانی ص۱۸۷ ج ۱۹)

(۱۶) قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون ط (۳۹-۹)

قال العلامة الآلوسى رحمه الله تعالىٰ (هل يستوى الذين يعلمون) فيعملون بمقتضى علمهم ويقنتون الليل سجدا وركعا يحذرون الاٰخرة ويرجون رحمة ربهم (والذين لا يعلمون) فيعملون بمقتضى جهلهم وضلالهم (الى قوله) ويعلم مما ذكرنا ان المراد بالذين يعلمون العاملون من علماء الديانة (ثم قال) وان العلم الذى لا يترتب عليه العمل ليس بعلم عند الله تعالىٰ (ثم قال) وحمل الذين يعلمون على العاملين من علماء الديانة على ما سمعت مما لا ينبغى ان يختلف غيره لتكثير الفائدة (روح المعانى ص۲۴۳ ج ۲۳)

والى هذه الاٰية لمح ابن دريد فى ابيات له ؎

اهلا وسهلا بالذين احبهم	واودهم فى الله ذى الآلاء
اهلا بقوم صالحين ذوى التقى	غر الوجوه وزين كل ملاء
يسعون فى طلب الحديث بعفة	وتوقر وسكينة وحياء
لهم المهابة والجلالة والنهى	وفضائل جلت عن الاحصاء
ومداد ما تجرى به اقلامهم	ازكى وافضل من دم الشهداء
يا طالبى علم النبى محمد	ما انتم وسواكم بسواء

(۱۷) ولقد اٰتينا لقمان الحكمة (۳۱ - ۱۲)

قال الله تعالىٰ ومن يؤت الحكمة فقد اوتى خيرا كثيرا۔ وقال رسوله صلى الله عليه وسلم من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين نتیجہ یہ نکلا کہ حکمت سے مراد تفقہ فی الدین ہے ۔

قال الامام هى عبارة عن توفيق العمل بالعلم ثم قال وان اردنا تحديدا بما يدخل فيه حكمة الله تعالىٰ فنقول حصول العمل على وفق المعلوم (روح المعانى ص۸۲ ج ۲۱)

(۱۸) وانه لذو علم لما علمنا ولكن اكثر الناس لا يعلمون (۱۲ - ۶۸)

اى لتعليمنا اياه بالوحى ونصب الادلة حيث لم يعتقد ان الحذر يدفع القدر حتى يتبين الخلل فى رأيه عند تخلف الاثر اوحيث بت القول بانه لا يغنى عنهم من الله تعالىٰ شيئا فكانت الحال كما قال (روح المعانى ص۱۹ ج ۱۳)

(۱۹) يرفع الله الذين اٰمنوا منكم والذين اوتوا العلم درجات (۵۸ - ۱۱)

قال العينى رحمه الله تعالىٰ والمعنى يرفع الله الذين اٰمنوا واوتوا العلم على الذين اٰمنوا فقط ولم يؤتوا العلم درجات فى دينهم اذا فعلوا ما امروا به (عمدة القارى ص۳ ج ۲)

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ یرفع اللہ الخ وفی صحیح مسلم عن نافع بن عبد الحارث الخزاعی وکان عامل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی مکۃ انہ لقیہ بعسفان فقال لہ من استخلفت فقال استخلف ابن ابزی مولی لنا فقال عمر استخلفت مولی قال انہ قاری لکتاب اللہ عالم بالفرائض فقال عمر رضی اللہ عنہ اما ان نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم قد قال ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین، (فتح الباری ص۱۳۱ ج۱)

وقال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ (والذین اوتوا العلم) الشرعی (درجات) ای کثیرۃ جلیلۃ کما یشعر بہ المقام وعطف الذین اوتوا العلم علی الذین آمنوا من عطف الخاص علی العام تعظیما لہم بعدھم کانہم جنس آخر ولذا اعید الموصول فی النظم الکریم (روح المعانی ص۳۶ ج۲۸) (مکمل)

(۲۰) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العلماء ھم ورثۃ الانبیاء ورثوا العلم من اخذہ اخذ بحظ وافر ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام سے علماء کو علم شریعت ہی ملا ہے۔ واخرج الترمذی وغیرہ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما وانما ورثوا العلم وفی معناہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم میراثی ومیراث الانبیاء قبلی، مسند الفردوس للدیلمی (کنوز الحقائق ص۱۰۹ ج۲)

(۲۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سلک طریقا یطلب بہ علما سھل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ (بخاری ص۱۶ ج۱)

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ طریقا) نکرھا ونکر علما لیتناول انواع الطرق الموصلۃ الی تحصیل العلوم الدینیۃ ولیندرج فیہ القلیل والکثیر۔ (قولہ سھل اللہ لہ طریقا) ای فی الآخرۃ او فی الدنیا بان یوفقہ للاعمال الصالحۃ الموصلۃ الی الجنۃ وفیہ بشارۃ بتسھیل العلم علی طالبہ لان طلبہ من الطرق الموصلۃ الی الجنۃ (فتح الباری ص۱۴۲ ج۱)

(۲۲) قال العینی رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ علما) انما نکرہ لیتناول انواع العلوم الدینیۃ و لیندرج فیہ القلیل والکثیر (قولہ سھل اللہ لہ) ای فی الآخرۃ او المراد منہ وفقہ اللہ للاعمال الصالحۃ فیوصلہ بھا الی الجنۃ (عمدۃ القاری ص۴۱ ج۲)

(۲۳) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین (بخاری ص۱۶ ج۱)
اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث میں جس علم کی فضیلت آئی ہے وہ صرف تفقہ فی الدین ہے۔

(۲۴) وانما العلم بالتعلم (بخاری ص۱۶ ج۱)

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ ھو حدیث مرفوع ایضا اوردہ ابن ابی عاصم والطبرانی من حدیث معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایضا بلفظ یا ایھا الناس تعلموا انما العلم بالتعلم والفقہ بالتفقہ ومن

یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین، اسنادہ حسن لان فیہ مبھما اعتضد بمجیئہ من وجہ اٰخر وروی البزار نحوہ من حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفا ورواہ ابونعیم الاصبھانی مرفوعا وفی الباب عن ابی الدرداء وغیرہ فلا یغتر بقول من جعلہ من کلام البخاری والمعنی لیس العلم المعتبر الا المأخوذ من الانبیاء وورثتھم علی سبیل التعلم (فتح الباری ص۱۴۸ ج ۱)

حدیث مذکور سے جیسے یہ ثابت ہوا کہ اصطلاح شرع میں صرف علم دین ہی کو علم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین صرف وہ معتبر ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انکے وارثین علماء عظام سے بالمشافہہ تعلیم و تعلّم کے ذریعہ حاصل کیا جائے، یہ حدیث آجکل کے ان متجددین کی جڑیں کاٹ رہی ہے جو گھر بیٹھے عربی زبان سے معمولی واقفیت حاصل کرکے نہ صرف عالم بلکہ مفسّر و مجدّد اور مفکرِ اسلام بن گئے ہیں۔ اللّٰھم خذھم اخذ عزیز مقتدر۔

(۲۵) قال العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قولہ صلی اللہ علیہ وسلم (انما العلم بالتعلم) بفتح العین وتشدید اللام وفی بعض النسخ بالتعلیم ای لیس العلم المعتد الا المأخوذ عن الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام علی سبیل التعلم والتعلیم فیفھم منہ ان العلم لا یطلق الا علی علم الشریعۃ ولھذا لو اوصی رجل للعلماء لا ینصرف الا الی اصحاب الحدیث والتفسیر والفقہ (عمدۃ القاری ص۳۲ ج ۲)

(۲٦) عن ابی التیاح عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اشراط الساعۃ ان یرفع العلم ویثبت الجھل وعن قتادۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقل العلم ویظھر الجھل (بخاری ص۱۸ ج ۱) وعن سالم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقبض العلم ویظھر الجھل (بخاری ص۱۸ ج ۱)

وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤسا جھالا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا (بخاری ص۲۰ ج ۱)

وروی احمد والطبرانی من حدیث ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما کان فی حجۃ الوداع قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خذوا العلم قبل ان یقبض او یرفع فقال اعرابی کیف یرفع فقال الا ان ذھاب العلم ذھاب حملتہ ثلاث مرات (فتح الباری ص۱۴۵ ج ۱)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ قرب قیامت میں علم مرتفع ہو جائیگا، حالانکہ علوم دنیویہ روز افزوں ترقی پذیر ہیں البتہ علم دین روز بروز کم ہوتا جارہا ہے۔ اسباب علم کی فراوانی، مطبوعات کی کثرت اور تصانیف کی بھرمار کے باوجود علم کی حقیقت اور اسمیں تعمّق بہت سرعت سے زوال پذیر ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ احادیث مذکورہ میں صرف علم دین کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے اور بقیہ تمام علوم دنیا کی ترقی کو ظہور جہل قرار دیا گیا ہے۔

(۲۷) کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم فاکتبه فانی خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا یقبل الا حدیث النبی صلی الله علیه وسلم ولیفشوا العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یهلك حتی یکون سرًا (بخاری ص۲ ج ۱)

اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کو علم سے تعبیر فرمایا ہے اور حفاظت حدیث کو حفاظتِ علم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

(۲۸) نقل العلاء رحمه الله تعالیٰ عن سیدنا علی رضی الله تعالیٰ عنه ابیاتًا فی فضل العلم

ما الفضل الا لاهل العلم انهم   علی الهدی لمن استهدی ادلاء

ووزن کل امرئ ما کان یحسنه   والجاهلون لاهل العلم اعداء

ففز بعلم ولا تجهل به ابدا   الناس موتی واهل العلم احیاء

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل علم کی وجہ فضیلت یہ بیان فرما رہے ہیں کہ وہ اُمت کے لئے ہادی اور رہبر ہیں۔ وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ وأل فی العلم للعهد ای العلم الشرعی الموصل الی الآخرة (قوله والجاهلون) ای بالعلم الشرعی فیشمل العالمین بغیره بل هم اشد عداوةً لعلماء الدین من العوام (رد المحتار ص۳۸ ج ۱)

(۲۹) خود حدیث زیر بحث " اطلبوا العلم" الخ بھی یہی بتا رہی ہے کہ اسمیں علم دین مراد ہے اس لئے کہ اس میں صیغۂ امر ہے جو بدون قرینہ صارفہ وجوب کے لئے آتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ طلب علم ہر مسلم پر فرض ہے۔ اسی حدیث کے آخر میں اس کی تصریح بھی ہے " فان طلب العلم فریضة علی کل مسلم" اور ظاہر ہے کہ علوم دنیویہ کی تحصیل کو ہر مسلم مرد عورت کے لئے ضروری اور فرض قرار دینے کا دنیا میں کوئی احمق بھی قائل نہیں۔

ہم نے یہ چند مثالیں تحریر کی ہیں جو معمولی توجہ سے سامنے آگئیں ورنہ جنھوں نے قرآن و حدیث کو پڑھا اور سمجھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی علم کا لفظ مطلقاً بولا گیا ہے اس سے علم شرع ہی مراد ہے۔ فمن شاء فلیراجع الی کتب الشرح والمطولات فی الحدیث والتفسیر والفقه۔

علم عقل کی روشنی میں

عقلی حیثیت سے بھی اگر دیکھا جائے تو علم سے دُنیوی علوم مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہ ہوگا، جس کی متعدد وجوہ ہیں۔

(۱) نظر شرع میں علوم شرعیہ کے مقابلے میں دنیوی علوم صنعت وغیرہ اتنے ناقص ہیں کہ ان کو علم کہا ہی نہیں جا سکتا، اس لئے کہ پوری کائنات کی وجہ تخلیق یہ ہے کہ انسان ان سے استفادہ کرے لقولہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ہ جب سب چیزیں انسان کے لئے بنائی گئی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود انسان کی وجہ تخلیق کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے لقولہ تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ہ سو معلوم ہوا کہ سارے عالم کی پیدائش سے اصل مقصد عبادت ہے اور عبادت کا علم علم شرع ہے۔ پس علم کا فرد کامل چونکہ علم دین ہے اس لئے علی الاطلاق جب علم کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے علم دین ہی مراد ہوگا اسی طرح جب قرآن و حدیث میں علم کا لفظ علی الاطلاق آتا ہے تو اس سے علم شرع ہی مراد ہوتا ہے

(۲) فخر موجودات محسن اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اُمور دُنیا کی تعلیم نہیں بلکہ امور متعلقہ بالآخرۃ کی تعلیم ہے اس لئے آپ کی اصطلاح میں علم سے مراد بھی وہی ہوگا جو آپ کی بعثت کا مقصود ہے۔

(۳) جو علم انسان کا خاصہ ہے وہ علم دین ہے، کیونکہ صرف علم دین ہی میں انسان کی انفرادیت ہے، دوسرے علوم میں انسان کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر حیوان دُنیوی علوم کو بقدر ضرورت جانتا ہے، بلکہ انسان سے زیادہ جانتا ہے اور کئی علوم انسان نے حیوانات سے سیکھے ہیں چنانچہ ذیل میں ہم کئی مثالوں سے ان حقائق پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سیاست:

سیاست اور انتظامی اُمور میں انسان دیگر جانوروں پر برتری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، شہد کی مکھیاں جب چھتہ بناتی ہیں تو اسمیں ہشت پہلو سوراخ اور خانے بنا کر اپنے قلعہ کی تعمیر کرتی ہیں، اس قلعہ کی تقسیم اس طرح ہوتی ہے کہ ایک حصّے میں شہد بنایا جاتا ہے، ایک حصّے میں بچّے پلتے ہیں اور ایک حصّے میں بڑی مکھیاں رہائش پذیر ہوتی ہیں، نیز ان کا ایک امیر بھی

ہوتا ہے جس کو عربی میں "یعسوب" کہتے ہیں وہ ان سب کی نگرانی کرتا ہے، چنانچہ اگر ایک مکھی کسی زہریلے پتے پر بیٹھ کر اسکا رس شہد میں ملانے کی کوشش کرتی ہے تو فوراً اسے مار کر اسکا سر کاٹ دیا جاتا ہے، شہد کے کسی چھتے کے پاس جاکر دیکھئے کسی کا سر کٹا ہوا اور کسی کی کمر ٹوٹی ہوئی ملے گی۔ پھر امیر کی اطاعت کا یہ عالم ہے کہ مجرم کو سزائے موت دینے پر دوسری مکھیوں میں بغاوت یا ایجی ٹیشن کا جذبہ نہیں ابھرتا۔

سیاست میں بطخوں کی تنظیم اور اطاعت تو قابلِ تقلید ہے، جب سب بطخیں سو جاتی ہیں تو ان کا امیر ایک ٹانگ پر ساری رات جھیل میں کھڑا ہو کر نگرانی کرتا ہے، خطرے کی صورت میں آواز لگاتا ہے۔ پہلی ہی آواز پر ساری قوم خطرے سے آگاہ ہو جاتی ہے اور سب پر تول لیتی ہیں دوسری آواز پر پرواز شروع کر دیتی ہیں۔ امیر سب کے آگے آگے چلتا ہے اور باقی بطخیں دو قطاریں بنا کر پیچھے پیچھے اُڑتی ہیں۔ امیر جدھر کو رُخ کرلے ادھر کو باقی قوم چل دیتی ہے، اس سے انکا ایک دوسرے پر کامل اعتماد بھی ظاہر ہے۔

آج کی متمدن دُنیا اس سے بڑھکر تنظیم سیاست کا مظاہرہ کرکے دکھادے۔

طبِّ قدیم و جدید

(۱) طبِ قدیم و جدید دونوں علم احتقان (حقنہ) اور علم تلقیح (انجکشن) میں ایک بگلے کی رہینِ منت ہیں۔ حکیم جالینوس نے کسی بگلے کو پریشانی کی حالت میں دیکھا تو محسوس کیا کہ اس کے پیٹ میں درد ہے، تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے بگلے نے چونچ میں آبِ نمکیں بھرا اور اسکی مَقْعَدْ میں داخل کر دیا جس سے اس کو کھُل کر اجابت ہوگئی اور درد جاتا رہا، جالینوس مکان پر آیا تو ایک قولنج کا مریض آپہنچا، جالینوس نے اس پر بگلے سے حاصل کردہ حکمت کا تجربہ کیا جو بہت مفید ثابت ہوا، جالینوس نے بگلے سے عمل احتقان سیکھا اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے طبِ جدید نے انجکشن ایجاد کیا اسی لئے انجکشن کو عمل الطائر کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ طبِ جدید و قدیم دونوں بگلے کی شاگرد ہیں۔

(۲) حضرت قاری محمد طیّب صاحب مدظلہم نے اپنا چشم دید واقعہ بیان فرمایا، لکھتے ہیں کہ تقسیم سے قبل مجھے ایک ہندو ریاست اندر گڈھ میں بارہا جانیکا اتفاق ہوا، وہاں میرے بعض اعزہ اونچے عہدوں پر ممتاز تھے، اس ریاست میں بندروں کے مارنے کی ممانعت تھی اس لئے

بندروں کی تعداد ہزاروں کی حد تک تھی، بندروں کی جبلت میں شرارت اور چالاکی بلکہ ایذارسانی داخل ہے اسلئے وہ کافی نقصان کرتے تھے۔ کبھی برتن اُٹھا کر بھاگ جاتے کبھی کپڑا اٹھا لیجاتے اس لئے ایک بار ہم نے سوچا کہ کوئی تدبیر کرنی چاہیئے، اسلئے ہم نے ایک روپے کا سنکھیا خریدا اور اُسے آٹے میں ملایا اور روٹیاں بجوا کر چھت پر پھیلا دیں تاکہ وہ کھائیں اور مرتے جائیں، اس لئے ہم روٹیاں چھت پر ڈال کر خود ایک گوشے میں بیٹھ کر منتظر رہے کہ اب بندر آکر ان روٹیوں کو کھائیں گے اور مریں گے، کچھ بندر آئے مگر ان روٹیوں سے دُور کھڑے ہو کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا نیا حادثہ پیش آیا کہ روٹیاں بکھری ہوئی پڑی ہیں یقیناً اس میں کچھ بات ہے ورنہ روٹیاں یوں نہیں بکھیری جاسکتیں اس لئے روٹی کو غور سے دیکھا پھر سُونگھا، بالآخر انھوں نے روٹی کو ہاتھ نہیں لگایا اور چلے گئے، ہم سمجھے کہ تدبیر فیل ہوگئی لیکن بندروں کا یہ چالاک قافلہ جا کر پھر اپنے ساتھ اور بندروں کو لایا اور چودہ پندرہ موٹے بندر ان کے ہمراہ آئے اور روٹیوں کے ارد گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد ایک آگے بڑھا اور اُس نے روٹیوں کو سونگھا، پھر دوسرا آگے بڑھا اُسنے ایک روٹی توڑی اور اسکے ٹکڑوں کو سونگھا اور روٹیاں چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔

اب ہمیں یقین ہوگیا کہ یہ سب کچھ سمجھ گئے ہیں اور ہماری ساری تدبیر ناکام ہوگئی، مگر تھوڑی ہی دیر بعد تقریباً ساٹھ ستر بندروں کا ایک قافلہ آیا اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک ٹہنی تھی جن میں ہرے ہرے پتے تھے انھوں نے آکر پہلے تو روٹیوں کو توڑا، انکے ٹکڑے کئے، گویا پوری جماعت میں یہ اُصول پیشِ نظر تھا کہ ؎

نیم نانے گر خورد مردِ خُدا
بذلِ درویشاں کُند نیمے دگر

بندر بانٹ تو مشہور ہے، آخر کار اُنھوں نے وہ ٹکڑے باہم بانٹ لئے اور ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا کھا کر اُوپر سے وہ پتے چبا لئے جو ہر ایک اپنے ساتھ لایا تھا، اور دندناتے ہوئے چلے گئے اور ہم دیکھتے رہ گئے، اپنا آٹا بھی گیا، کپڑا تو پہلے ہی جا چکا تھا اور اوپر سے وقت بھی ضائع ہوا

(انسانیت کا امتیاز ص۳۴)

اب بھی اگر انسان اپنا یہ کمال ظاہر کرے کہ ہم طبیب ہیں اور جڑی بوٹیوں کے خواص جانتے ہیں تو یہ غلط ہوگا کیونکہ بندر بھی تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی طبیب ہیں ہم جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں،
۳۰ بلکہ زہر تک کا تریاق ہم کو معلوم ہے، ایسے ہی دیگر جانوروں میں بھی معالج اور اطباء موجود ہیں۔

اگر انسانوں کے معالجین اور جانوروں میں کچھ فرق ہے تو صرف اتنا ہوسکتا ہے کہ انسان کو زیادہ دوائیں معلوم ہیں اور ان کو کم، مگر اس سے انسان کی بڑائی ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ ان کو انسان کی بہ نسبت امراض بھی تو کم پیش آتے ہیں غالباً وجہ یہ ہے کہ عام انسانوں سے عام جانوروں کو اُصولِ طب زیادہ معلوم ہیں، اکثر جانور حفظ ما تقدم کے اُصولوں پر عمل کرکے بیماری کو روکدیتے ہیں اس طرح سے ضرورت دوا ہی باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح سب حیوانات اپنی غذا میں بھی مضر اور مفید چیزوں کا علم رکھتے ہیں، اگر کوئی مضر چیز کسی وجہ سے اندر چلی جاتی ہے تو ان کو اسکا فاذِ زہر بھی معلوم ہے چنانچہ کتا کوئی مضر چیز کھالیتا ہے تو وہ کسی طرح سے قے کرکے اسے نکالدیتا ہے۔

ہم نے گھوڑے کو بارہا دیکھا کہ منہ میں لگام ہونے کی حالت میں گھاس کھا رہا ہے، اس کے منہ میں گھاس کے اُلجھے ہوئے تنکوں میں اگر کوئی ایک تنکا اسکے لئے مضر ہوتا ہے تو وہ اسے لگام منہ میں ہونے کے باوجود ان اُلجھے ہوئے تنکوں میں سے نکال باہر کردیتا ہے۔

حفظِ صحت

علم حفظ صحت کے اصول میں سے ورزش بہت اہمیت رکھتی ہے اور اس کا دستور سب جانوروں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ لوگ آسنوں کے موجد رشی منی اور لوگی ہر جاندار کی حرکات کو غور سے دیکھ کر اس کی ورزش کا طریقہ سیکھتے تھے، اس طرح انسان نے جانوروں سے چوراسی لاکھ آسن سیکھے جن میں سے صرف چوراسی آسن مشہور ہیں،

تعمیرات

ہر جانور اپنی حیثیت کے مطابق اپنے لئے محفوظ اور آرام دہ مکان تیار کرتا ہے، سردی، گرمی، بارش آندھی اور دشمنوں سے حفاظت ان سب چیزوں کی رعایت ان کے مکان میں ہوتی ہے گویا کہ دشمن سے حفاظت کے لئے ایک طرف مضبوط تہ خانہ ہے تو دوسری جانب سردی، گرمی کی شدت سے حفاظت کے لئے ائیرکنڈیشنڈ، زنبور کا بنایا ہوا مکان اس کی واضح مثال ہے۔

بیا چڑیا کا گھونسلہ دیکھئے، اس کی بُنائی کو دیکھئے کیسی بہترین بنائی ہے اور ایسا مضبوط کہ ہوا کے جھکڑ چلیں، موسلا دھار بارش ہو کیا مجال ہے کہ اسکا گھونسلہ شاخ کو چھوڑ دے اور

پھر اس میں انڈوں اور بچوں کی حفاظت کس حد تک ہوتی ہے۔ شہد کی مکھی کا مکان دیکھئے، بچے دینے کے کمرے الگ اور شہد پیدا کرنے کی جگہ الگ ہے۔ تتیّا کا مکان بھی اسی قسم کا ہوتا ہے۔

کیمیکل

شہد کی مکھی کس طریقے سے مختلف درختوں کی پتّیوں، پھلوں اور پھولوں سے مختلف قسم کے وٹامن حاصل کرکے کیمیاوی طور پر اس میں کیا تصرف کرتی ہے کہ وہ بہترین عمدہ، لذیذ اور صحت بخش غذا کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

علم المکاشفہ:

محنتِ شاقہ اور طویل مجاہدات کے بعد بعض لوگوں کو توجہ نفس اور مسمریزم وغیرہ میں کامیابی ہوتی ہے مگر حیوانات بدون کسی قسم کے مجاہدہ اور مشق کے بعض حالات کو معلوم کر لیتے ہیں چنانچہ حیوانات کے لئے کشفِ قبور احادیث سے ثابت ہے۔

فنِّ زلزلہ پیما:

ماہرین زلزلہ پیما آج تک قبل از وقت زلزلے کی کوئی یقینی اطلاع نہیں دے سکے، مگر بھیڑ بکری اور دوسرے حیوانات قبل از وقت اسے محسوس کر لیتے ہیں اور چلّانا شروع کر دیتے ہیں۔

فنِّ معدنیات:

آجکل معدنیات کے پیچھے پوری دُنیا لگی ہوئی ہے، زمین کھود کر ارضی خزانوں کی تلاش میں مصروف ہے مگر آج سے ہزارہا سال قبل ہُدہُد نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی تھی کہ اسے اپنے لشکر کے ہمراہ رکھا کریں اسلئے کہ اسے زمین کی گہرائیوں میں پانی کے خزانے نظر آتے ہیں۔

فنِّ موسمیات:

بارش اور آندھی وغیرہ کیلئے محکمۂ موسمیات والوں کی پیشگوئی بسا اوقات غلط بھی ہو جاتی ہے، ان کا اعلان ظنِ غالب کی بنیاد پر ہوتا ہے مگر چیونٹی اور دیگر حشرات الارض کو اسکا ایسا علم ہوتا ہے کہ وہ قبل از وقت اپنے انڈے اور غذائی سامان وغیرہ محفوظ مقامات پر منتقل کر لیتے ہیں۔

فنِّ معلوماتِ سیلاب:

سیلاب سے متعلق بھی ماہرینِ فن کوئی یقینی پیشگوئی نہیں کر سکتے مگر دریاؤں کے قریب

بسنے والے جانور سیلاب سے قبل اپنے انڈے بچے اور دوسرا سامان دُور محفوظ مقامات میں منتقل کر دیتے ہیں۔

فنِّ غوطہ زنی :

انسان غوطہ زنی میں کتنا ہی ماہر ہو مگر دریائی جانوروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فنِّ تیراکی :

کون انسان ہے جو تیرنے میں مچھلی وغیرہ دریائی جانوروں کا مقابلہ کر سکے۔

فنِّ پرواز :

انسان کتنی ہی پرواز کرے، پرندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا، نیز اس انتہائی ترقی کے زمانے میں بھی کوئی طیارہ یا بحری جہاز جبتک کسی نشان کو سامنے نہ دیکھ رہا ہو محض قطب نما سے زاویہ قائم کرکے سیدھا نہیں جا سکتا، بلکہ مقامِ مطلوب کا مقامِ روانگی سے جو زاویہ قائم کرکے چلتا ہے وہ زاویہ دونوں مقامات کے درمیان خطِ مستقیم پر چلنے سے قدم قدم پر بدلتا ہے اسلئے اگر کوئی چیز ایک زاویہ قائم کرکے روانہ ہو تو وہ مقامِ مطلوب تک پہنچنے کی بجائے قطب مقناطیسی کے گرد چکّر کاٹتی رہے گی، اس بناء پر زاویہ کی مدد سے رفتار کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) خطِ مستقیم کے زاویے کی بہ نسبت اتنا بڑا زاویہ رکھا جاتا ہے کہ جہاز چکّر کاٹ کر مقامِ مطلوب پر پہنچ جائے

(۲) خطِ مستقیم کے زاویے پر روانگی شروع کی جاتی ہے پھر ہر ساٹھ میل کے بعد دائیں یا بائیں ایک میل ہٹ کر اس فرق کو نکالا جاتا ہے،

مگر پرندے دُور دراز کا سفر بغیر کسی قطب نما کی مدد کے براہِ راست طے کرتے ہیں، خصوصاً شہد کی مکھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثم کلی من کل الثمرٰت فاسلکی سبل ربك ذللاً الآیۃ، اس سے ثابت ہوا کہ رب کریم کی شانِ تربیت نے شہد کی مکھی کی پرواز کے لئے بہت دُور دراز کے راستے مسخر فرما دیئے ہیں، مکھیوں کے ماہرین اسکا مشاہدہ بتاتے ہیں۔

فنِّ دفاع :

حیوانات کے دفاعی مکانوں کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، مزید بریں دشمنوں سے اپنی حفاظت کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے ہر حیوان کو القاء فرمائے ہیں۔

فنِّ کسبِ معاش :

جہاں تک کسبِ معاش کا تعلق ہے یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو علمِ معاشیات

میں وہ کمال عطا فرمایا ہے کہ آجکل کے ماہرینِ معاشیات کو اسکا عشرِ عشیر بھی نصیب نہیں، نیز حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے توکّل کی کتنی بڑی دولت عطا فرمائی ہے، اوّل تو کئی حیوانات پرندے وغیرہ ایسے ہیں کہ وہ کل کی فکر نہیں رکھتے، اور بعض حیوانات جیسے چیونٹی وغیرہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں تو ان کو بلا شبہہ یہ بھی خوب معلوم ہے کہ کس جگہ ان کو رکھا جائے تاکہ سردی گرمی کے اثر اور دشمنوں کی لُوٹ مار سے انکی حفاظت ہوسکے، غرضیکہ اس فن میں بھی حیوانات کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔

فنِّ تخریجِ اوقات :

مُرغ کو دیکھا ہوگا کہ وہ بغیر لمبی چوڑی حسابی تخریجات کے کس طرح اوقات کا پتہ دیتا ہے، خاص طور پر ظہر، صبح صادق، صبح کاذب اور آدھی اور تین چوتھائی رات میں تو ٹھیک وقت پر بانگ دیتا ہے حتّٰی کہ بعض دیہاتوں میں رات کے اوقات بالخصوص سحری کا دار و مدار مُرغ کی آواز پر ہوتا ہے۔

یہ فنون دنیویہ کی چند ایسی مثالیں ذکر کی گئی ہیں جنکا ہر شخص مشاہدہ کر رہا ہے ورنہ ماہرینِ حیوانات تو خدا جانے حیوانات کے کن کن کمالات کی اطلاع پا چکے ہیں، معہٰذا انکی معلومات سے مجہولات زیادہ ہیں غرضیکہ دُنیا کے علوم و فنون میں سے کسی کو بھی لے لیں اور خود انصاف سے فیصلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان علوم و فنون میں کوئی ایسا نہیں جس میں انسان منفرد ہو بلکہ ان تمام علوم میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہے اسلئے قرآن و حدیث میں جس علم کی تعریف کی گئی ہے اور جسے انسان کا زیور بلکہ وجہِ امتیاز بتایا گیا ہے وہ علم ایسا ہونا چاہیئے جس میں انسان منفرد ہو اور وہ علم دین ہی ہے جیساکہ ہم پیچھے وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں۔

(۳) کسی بھی علم کی شرافت معلوم کی شرافت کی وجہ سے ہوتی ہے جیساکہ سُنار اور موچی کا علم شرافت میں متفاوت ہے، علوم شرعیہ کی معلومات قرآن و حدیث ہیں اور علومِ دُنیا کی معلومات صنعت و حرفت وغیرہ ہیں، اور ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث اللہ و رسول کی تعلیمات ہیں اس لئے وہ صنعت و حرفت پر شرافت کے لحاظ سے بہت فوقیت رکھتی ہیں تو ان کا علم بھی اعلیٰ و اشرف ہوگا اور حدیث میں اسی اعلیٰ و اشرف علم کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

(۴) دنیوی علوم کا ماحصل یہ ہے کہ اس دُنیا کی عارضی زندگی سنور جائے، گویا علوم دنیویہ عارضی زندگی کا موقوف علیہ ہیں، بخلاف علومِ اسلامیہ کے کہ وہ وطن اور ہمیشہ کی زندگی کا موقوف علیہ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو وطن اور دائمی زندگی کا موقوف علیہ ہے وہ اعلیٰ و اشرف ہوگا۔

(۵) دُنیوی علم اپنے ہم جنس انسانوں میں زندگی گزارنے اور انکے ساتھ تعلقات اور رابطہ رکھنے کا ذریعہ ہے اور علمِ آخرت اپنے خالق اور احکم الحاکمین کیساتھ تعلق اور رابطہ کو استوار رکھنے کا ذریعہ ہے اسی سے انکی رضا

حاصل ہوتی ہے اسلئے بندہ اور خالق میں جو فرقِ مرتبہ ہے وہی علمِ دنیا و علمِ دین میں ہے ان وجوہ کی بنا پر علمِ آخرت کو کمال اور علمِ دنیا پر شرف حاصل ہے اسلئے جہاں مطلق علم بولا جاتا ہے اس سے اس کا فردِ اشرف و اکمل یعنی علمِ دین مراد ہوتا ہے۔

اصطلاحِ شرع میں صرف علمِ دین کے ساتھ لفظِ علم کا اختصاص اس حد تک عام معروف و مشہور ہے کہ اہلِ اسلام میں قبل از اسلام کے لئے زمانۂ جاہلیت اور کافر کے لئے جاہل کی اصطلاح عام زبان زد ہے۔ کتبِ بلاغت میں یہ مثال بکثرت مذکور ہے قول الجاھل انبت الربیع البقل و شفی الطبیب المریض، ابوجہل مشہور دانشور ہونے کی وجہ سے ابوالحکم کے لقب سے معروف تھا مگر دولتِ ایمان سے حرمان کی وجہ سے ابوجہل بن گیا۔ عام مقولہ ہے "علمے کہ بحق رہ ننماید جہل است" وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے ——— راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

ذکرِ چین:

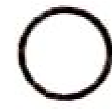
حقیقتِ مذکورہ دلنشین ہو جانے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ذکرِ چین کا کیا مطلب؟ چین عہدِ رسالت میں بھی علمِ دین سے عاری تھا اور بعد میں بھی اب تک وہاں سے علمِ دین کی تحصیل کا کچھ مطلب نہیں بنتا اور نہ ہی آئندہ کے لئے اس کی کوئی توقع نظر آتی ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال جس طرح علمِ دین سے متعلق پیدا ہوتا ہے اسی طرح علمِ دنیا مراد لینے پر بھی یہی اشکال لازم آتا ہے، اسلئے کہ علومِ دنیویہ میں بھی چین کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں بلکہ دوسرے ممالک کو چین پر ہمیشہ فوقیت رہی ہے۔ بالفرض علومِ دنیویہ میں چین کی کوئی برتری تسلیم بھی کر لی جائے تو بھی حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی، یعنی کلامِ محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم میں علم سے علمِ دین ہی مراد ہے اور چین کا ذکر صرف بُعدِ مسافت میں تمثیل کے طور پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ علمِ دین کی تحصیل میں خواہ کتنا ہی طویل سفر کرنا پڑے اور کتنی ہی مشقت برداشت کرنی پڑے تو بھی اس فریضہ میں تساہل کی کوئی گنجائش نہیں، عام محاورہ میں اس قسم کے کلام سے بُعدِ مسافت میں تمثیل مراد ہوتی ہے نہ کہ اس مقام کی تعیین، کما ھو ظاھر علی من تتبع وتفکر فی کلام الناس، وھذا ھو الحق الصریح لمن شاء ان یکون النجیح۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

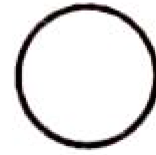
۲۸ رجب سنہ ۹۵ ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب



كشف الغطاء
عن
حقيقة اختلاف العلماء



اختلاف العلماء کی تحقیق

(اقتباس از تقریر صحیح بخاری)

علماء کے اختلاف کا ختم ہو جانا ناممکن ہے اور اس کی تمنّا رکھنے والا بہت بڑا احمق ہے، اسلئے کہ علماء کا اتفاق صرف اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ قرآن و حدیث میں ہر شخص کے متعلق ہر فعل کی ہر کیفیت کا حکم منصوص ہو، اور یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ دُنیا میں انسان غیر محصور ہیں اگرچہ غیر متناہی نہیں پھر ہر شخص کے افعال غیر محصور اور ہر فعل کی کیفیات اور احکام غیر محصور، پس اگر اتنی مفصّل کتاب نازل کر دی جاتی جس میں ہر ہر جزئیہ مذکور ہو تو وہ اتنی ضخیم ہوتی کہ نہ تو اس کی حفاظت ممکن ہوتی اور نہ اس کا نقل کرنا انسان کی قدرت میں ہوتا اور نہ ہی اس سے استفادہ کی کوئی صورت ممکن ہوتی، غیر محصور انسانوں میں سے اپنا نام تلاش کرنا ہی مشکل ہو جاتا، پھر اپنے غیر محصور افعال کے غیر محصور احکام میں سے کسی حکم کا تلاش کرنا ناممکن ہوتا۔ پس ایسی کتاب کا نازل کرنا کہ اس سے انسان استفادہ نہ کر سکے اور اس کی حفاظت سے بھی عاجز ہو یہ ایک عیب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ میں عیب کا ہونا ناممکن ہے۔ لہٰذا اختلاف کا مٹنا بھی ناممکن ہے اور ناممکن کی تمنا کرنے والا احمق ہوگا۔ پس ضروری ہوا کہ قرآن و حدیث میں جزئیات کے بجائے کُلّیات مذکور ہوں جن سے ہر ہر جزئیہ کا حکم مستنبط کیا جائے اور کُلّیات سے استنباط میں انسان کی عقل و فہم کا دخل ہوتا ہے، اور انسانوں کی عقول مختلف ہیں جس کی وجہ سے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے بعض دفعہ جزئیہ ایک ہوتا ہے اور کُلّیات بھی فریقین میں مسلّم ہوتے ہیں مگر اختلاف اسمیں ہوتا ہے کہ یہ جزئیہ کس کلی کے تحت درج ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جج کے پاس کسی مقدمہ میں مُدعی اور مدعیٰ علیہ کے وُکلاء اختلاف کرتے ہیں، حالانکہ جزئیہ بھی ایک ہے، جس پر دونوں بحث کر رہے ہیں اور جن قوانین سے اپنے نظریے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ قوانین بھی ایک ہی حکومت کے اور فریقین کے ہاں مسلّم ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود دونوں وکیلوں میں یوں اختلاف ہوتا ہے کہ مدعی کا وکیل کہتا ہے کہ فلاں قانون کی رُو سے اس جزئیہ میں مدعیٰ علیہ کو سزا ہونی چاہیئے اور مدعیٰ علیہ کا وکیل یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ جزئیہ اس قانون کے تحت نہیں آتا جو مدعی کے وکیل نے بیان کیا ہے بلکہ دوسرے قانون سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے جس کے لحاظ سے مدعیٰ علیہ بری ہوتا ہے۔ غرضیکہ ان دونوں کی بحث اسمیں ہوتی ہے کہ یہ جزئیہ کس کلّیہ کا فرد ہے اور کونسا قانون اس پر منطبق ہوتا ہے۔ ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ وکلاء کی بحثیں اسی طرح جاری رہتی ہیں اور دونوں وکیل حکومت کے مجاز ہوتے ہیں۔ ان کے اختلاف پر نہ ہی فریقین کو اعتراض ہوتا ہے اور نہ ہی دوسرے

لوگ اسے بُرا سمجھتے ہیں اور نہ جج اُن کے اختلاف پر ناراض ہوتا ہے، نہ حکومت انہیں اختلاف سے روکتی ہے بلکہ انہیں خوب بحث کرنیکا اور دلائل بیان کرنیکا موقع دیا جاتا ہے، اور جو وکیل زیادہ بحث کرتا ہے اُسے داد ملتی ہے۔ اسکے بعد جج دونوں میں سے جس کے دلائل کو راجح پاتا ہے اسی جانب فیصلہ دیدیتا ہے مگر دوسرے وکیل کی نہ اجازت سلب کی جاتی ہے اور نہ اس کو سزا دیجاتی ہے اور نہ ہی اسے بُرا سمجھا جاتا ہے بلکہ آئندہ مقدمات میں پھر اسے بدستور بحث کرنے کی اجازت ہوتی ہے، بعینہٖ یہی مثال علماء کی ہے کہ جزئیہ معینہ پر کونسا کلیہ منطبق ہوتا ہے اسمیں ان کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ دُنیا میں اختلاف وکلاء کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے اختلافات ہم دیکھتے اور سُنتے رہتے ہیں، مثلاً سیاسی اختلاف اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسمبلیوں میں بعض دفعہ کرسی بازی تک کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی طرح علم العلاج میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایلوپیتھی۔ ہومیوپیتھی۔ یونانی اور ویدک وغیرہ کے تو اصول ہی مختلف ہیں۔ چنانچہ ایلوپیتھی میں علاج بالضّد ہوتا ہے اور ہومیوپیتھی میں علاج بالمثل۔ پھر ہر طریقۂ علاج میں مرض کی تشخیص اس کے اسباب اور تجویز دوا اور خوراک پرہیز اور دوا کی مقدار، دوا کی خوراکوں کی تعداد اور دوا کے طریقۂ استعمال میں اختلاف ہوتا ہے، خواہ ایک ہی طریقہ کے دو ماہرین کو یعنی دو ڈاکٹروں یا دو حکیموں کو دیکھا جائے تو وہ بھی آپس میں مختلف ہونگے مگر اس کے باوجود اس اختلاف کو کوئی بُرا نہیں کہتا اور اختلاف کرنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا اور ان کے اختلافات کو دیکھ کر کوئی علاج نہیں چھوڑ دیتا بلکہ جس حکیم یا ڈاکٹر پر اعتماد ہوتا ہے اسی سے علاج کروایا جاتا ہے۔ علماء کا اختلاف اس سے بہت کم درجہ رکھتا ہے اس لئے کہ ان کے اصول متحد ہیں معہذا اس اختلاف کو بُرا کہا جاتا ہے اور علماء کو طعن کا ہدف بنایا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کس عالم کی بات مانیں، حقیقت میں یہ نتیجہ ہے دین اور علم دین کی طرف سے بے توجہی اور بے رغبتی کا۔ علاج جسمانی کی اہمیت ہے اس لئے ڈاکٹروں کا اختلاف علاج سے مانع نہیں بنتا۔ اس کے برعکس باطنی امراض کے علاج کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی دین کی قلب میں اہمیت نہیں اس لئے اختلافِ علماء کو حیلہ بنایا جاتا ہے۔ یہانتک اس کا بیان تھا کہ اختلاف ہونا لازمی امر ہے اور اس کا مٹانا ناممکن ہے، آگے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اختلاف کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ فریقین کا نقطۂ نظر رضائے الٰہی ہو، ہر شخص یہ خیال کرے کہ جو میں کہتا ہوں اس میں دین کا فائدہ ہے اور فریقِ مخالف کا جو نظریہ ہے اس میں دین کا ضرر ہے اس صورت میں جانبین پر یہ اختلاف فرض ہوتا ہے جس میں جانبین کو ثواب ملتا ہے اگر یہ اختلاف کو چھوڑ دیں تو گنہگار ہونگے۔

دوم یہ کہ جانب واحد کا مقصد رضائے الٰہی ہو اور دوسری جانب صرف اتباعِ ہوی کی خاطر

اختلاف کر رہی ہو۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کو نماز کی تلقین کرتا ہے اور منکرات سے روکتا ہے، نہ رکنے کی صورت میں اس سے اختلاف کرتا ہے اور دوسرا شخص صرف اس لئے اسکا مخالف ہے کہ یہ اسے منکرات سے کیوں روکتا ہے؟ تو پہلے شخص پر یہ اختلاف واجب ہے اور دوسرے پر حرام۔

سوم یہ کہ دونوں خواہشاتِ نفسانیہ کی بنا پر اختلاف کر رہے ہوں۔ یہ اختلاف جانبین کے لئے حرام ہے۔ اور اس کا ترک واجب ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف قسم اوّل کا اختلاف تھا۔

جوازِ اختلاف کی شرائط:

① اختلاف کے محمود ہونے کی شرط اوّل یہ ہے کہ اسکا منشأ رضائے الٰہی ہو۔

② دوسری شرط یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے کا نظریہ بداہت کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص اونٹ کو بکری کہنے لگے اور یہ کہے کہ میری تحقیق یہی ہے۔ میں اپنی دیانت واخلاص سے یہی سمجھتا ہوں، اس کے باوجود اس اختلاف کو محمود نہیں کہا جا سکتا بلکہ مذموم ہے۔

مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ کے خلاف قول کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔ اس لئے کہ جس طرح قرآن اپنے مفہوم میں سنت کا محتاج ہے بعینہٖ اسی طرح کتاب وسنت دونوں اپنے مفہوم میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے محتاج ہیں۔ یعنی کتاب وسنت کا مفہوم وہی لیا جائے گا جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سمجھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہٹ کر کتاب وسنت کا مفہوم سمجھنا ضلال ہے، اس پر مختصر دلائل یہ ہیں۔

① اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں صراطِ مستقیم کی تفسیر صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے کی گئی ہے۔ اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر صِرَاطَ اللّٰهِ یا صِرَاطَ الرَّسُوْلِ یا صِرَاطَ الْقُرْاٰنِ سے نہیں کی گئی اس لئے کہ لوگ اس کے مفہوم میں اختلاف کرتے اور ہر شخص اپنے متعیّن کردہ مفہوم کو صراطِ قرآن قرار دیتا لہٰذا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے وضاحت کر دی کہ صراطِ مستقیم سے مراد منعم علیہم بندوں کا راستہ ہے جو ایک جماعت ہے۔

② وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ، اس میں بھی سبیل اللہ کی بجائے سبیل المؤمنین فرمایا گیا۔

③ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سَبِيْلِيْ کے بعد اَنَا پر مَنِ اتَّبَعَنِيْ کا عطف فرما کر اس کی وضاحت فرما دی

کہ سبیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس کی طرف آپ کے متبعین یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دعوت دے رہے ہیں۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ عَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ۔ سُنَّتِیْ کے بعد سُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ کا ذکر کرنا کھلی دلیل ہے کہ سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہوگی جو خلفاء اختیار کریں گے، یعنی یہ عطف تفسیری ہے، اور اس کے سوا اس کے دوسرے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔

(۵) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ناجی فرقہ وہ ہے جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کے مطابق ہوگا، اگر سنت اپنے مفہوم میں صحابی کی محتاج نہ ہوتی تو صرف مَا اَنَا عَلَیْہِ کہہ دینا کافی تھا وَاَصْحَابِیْ کا لفظ بیکار ہو جاتا ہے۔

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ النجوم امنۃ للسماء اصحابی امنۃ لامتی (رواہ مسلم)

(۷) صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مغفور لہم ہونا نصِ قرآنی سے بھی ثابت ہے۔ فرماتے ہیں وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی اور دوسری جگہ فرمایا اَلَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ۔ دونوں آیتوں کے ملانے سے نتیجہ یہ نکلا کہ کُل صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ناجی ہیں۔

(۸) یہ امر عقلاً بھی ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کا مفہوم وہی متعین ہوگا جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سمجھا اس لئے کہ متکلم کی مراد سمجھنے میں چند امور کا دخل ہوتا ہے۔ مثلاً اہلِ زبان ہونا۔ متکلم کی حالت سے باخبر ہونا۔ متکلم سے ظاہری اور باطنی قرب ہونا۔ کلام کے شانِ ورود سے واقف ہونا۔ یعنی یہ کلام کس محل اور کس موقع پر اور کس وقت واقع ہوا؟ اور متکلم کے لہجہ کو سننا۔ اس کے ہاتھ اور چہرہ کے آثار کو دیکھنا خصوصاً اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنے میں تقدس و تقویٰ اور باطن کی طہارت اور نورِ قلب نہایت ضروری ہے۔

یہ سب امور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اسی لئے جب کوئی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے کسی حکم کی مزید تاکید بیان کرنا چاہتے ہیں تو روایت کرتے وقت یوں فرماتے ہیں۔ ابصرتہ عینای وسمعتہ اذنای ووعاہ قلبی۔

ان لوگوں کا اہلِ حق سے اصولی اختلاف ہے جو قرآن وحدیث کو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تفسیر کا محتاج نہیں سمجھتے جیساکہ پرویز قرآن کو حدیث کا محتاج نہیں سمجھتا۔

کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہم قافیہ کرنے کے لئے میں اس جماعتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رجال اللہ سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ اور یہ لفظ ماخوذ ہے رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ سے۔

③ جواز اختلاف کی تیسری شرط یہ ہے کہ اختلاف کرتے وقت الاھم فالاھم کا خیال رکھا جائے۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین اختلاف کے زمانے میں قیصر روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے اپنے کو مطمئن سمجھ کر ایران کے کچھ حصّہ پر قبضہ کرنا چاہا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت میں تھا اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک روم کو لکھا، واللہ لئن لم تنتہ و ترجع الی بلادك یا لعین لاصطلحن انا وابن عمی علیك ولاخرجنك من جمیع بلادك ولاضیقن علیك الارض بما رحبت، وفی جمھورۃ رسائل العرب وبلغ معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صاحب الروم یرید قصد بلاد الشام ایام صفین فکتب الیہ تاللہ لئن تممت علی ما بلغنی لاصالحن صاحبی ولاکونن مقدمۃ الیك ولاجعلن القسطنطینیۃ الحمراء حممۃ سوداء ولانزعنك من الملك نزع الاصطفلینۃ ولاردنك اریسا من الارارسۃ ترعی الدواب وفی روایۃ کما کنت ترعی الخنانیص،

غرضیکہ اہم اختلاف کے ہوتے ہوئے ادنیٰ اختلافات کو چھوڑ کر متحد ہو جانا ضروری ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَلِّفۡ بَيۡنَ قُلُوۡبِنَا وَاَصۡلِحۡ ذَاتَ بَيۡنِنَا وَانۡصُرۡنَا عَلٰی عَدُوِّكَ وَعَدُوِّنَا، اٰمین

رشید احمد

اواخر شعبان سنہ ۸۶ ہجری

الأنبياء إخوة من علات أمهاتهم شتى ودينهم واحد (متفق عليه)

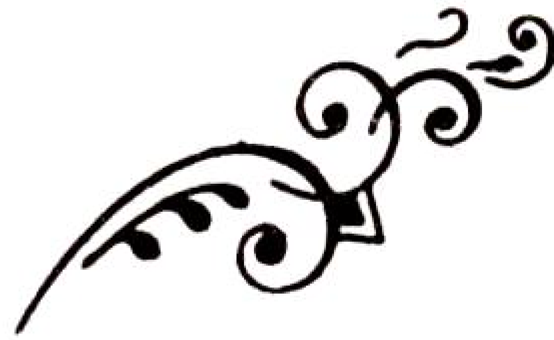




تنبیہ المغفلین

فی

بیان التفاضل بین المرسلین



تفاضل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

(اقتباس از تقریر صحیح بخاری)

عام طور پر واعظین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفضیل دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بیان کرتے ہیں اور اس میں ایسی چیزیں بیان کرتے ہیں جو فی نفسہ غلط ہیں، اور اگر کوئی چیز صحیح بھی تسلیم کرلی جائے تو بھی اس طریقے سے فضیلت بیان کرنا جو دوسرے نبی کی تنقیص پر شامل ہو جائز نہیں۔ اس بارے میں بظاہر احادیث متعارض نظر آتی ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تخیرونی علی الانبیاء اور فرمایا لا تفضلوا انا خیر من یونس بن متی حالانکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پر اپنی فضیلت بیان فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں انا سید ولد اٰدم ولا فخر اور فرمایا انا صاحب اللواء یوم القیٰمۃ واٰدم تحت لوائی اور فرمایا کنت نبیا واٰدم بین الماء والطین ، حدیث شفاعۃ میں بھی آپ نے اپنی فضیلت سب انبیاء علیہم السلام پر بیان فرمائی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھا جس میں آپ کو سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے مولانا جامی رحمۃ اللہ نے بھی اس قصیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

زجودش گر نبودے راہ مفتوح بجودی کے رسیدے کشتیٔ نوح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصیدہ پر انکار نہیں فرمایا، ان روایاتِ متعارضہ میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ طرزِ بیان اگر ایسا ہے کہ وہ کسی نبی کی تنقیص کا موہم نہ ہو تو جائز ہے اور جہاں ایک نبی کا دوسرے نبی سے مقابلہ کرکے ایک کو ترجیح دی جائے چونکہ اس میں دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں جن مواقع پر آپ نے اپنی تفضیل سے منع فرمایا ہے وہ ایسے ہی تقابل کے مواضع تھے چنانچہ لا تخیرونی علی الانبیاء اس وقت فرمایا جبکہ ایک یہودی کا مسلمان سے جھگڑا ہوا مسلمان نے کہا واللہ الذی اصطفٰی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم علی العالمین اور یہودی نے کہا واللہ الذی اصطفٰی موسٰی علیہ السلام علی العالمین تو اس مسلمان نے یہودی کے طمانچہ مار کر کہا علی محمد ایضاً؟ وہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لیکر آیا، آپ نے سارا واقعہ سنا تو فرمایا لا تخیرونی علی الانبیاء ، غرضیکہ جہاں دو نبیوں میں تقابل ہو رہا ہو جسمیں ایک کی تفضیل دوسرے کی تنقیص کو مستلزم ہو، اس قسم کی تفضیل سے منع فرمایا،

واعظین عموماً مندرجہ ذیل وجوہِ فضیلت بیان کرتے ہیں۔

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے معجزہ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے،

اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی مار کر پانی نکالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پانی نکلا جبکہ آپ نے ایک پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو پانی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ پتھر سے پانی نکلنا کچھ بعید نہیں۔ پتھروں سے تو چشمے نکلتے ہی ہیں، انگلیوں سے یعنی انسان کی ہڈی اور گوشت سے چشمہ جاری ہو جانا یہ بڑا کمال ہے۔

(۲) کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلّی دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر تشریف لے گئے اور بلا حجاب اللہ تعالیٰ کو دیکھا مگر بیہوش نہیں ہوئے۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر جا رہے تھے کہ فرعون کے لشکر نے تعاقب کیا، بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ سامنے دریائے نیل ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے تو گھبرائے۔ اسوقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انّ معی ربّی سیھدین۔ اس کلام میں ایک نقص تو یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو لفظ رب پر مقدم کیا اور دوسرا یہ کہ رب کی معیت صرف اپنے ساتھ بیان کی اور قوم کو چھوڑ دیا۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا (لا تحزن ان اللہ معنا) اس میں اللہ کے لفظ کو مقدم فرمایا اور معنا کہہ کر معیتِ الٰہیہ کو عام رکھا صرف اپنے ساتھ مختص نہیں کیا۔

(۴) حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کر کے ساری قوم کو غرق کرا دیا، اس کے برعکس طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے کہ اگر حکم ہو تو میں ان لوگوں کو ان دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

یہ وجوہ ترجیح اگر صحیح ہوتیں تو بھی ان کا اس طریقہ سے بیان کرنا جائز نہ ہوتا اس لئے کہ اسمیں دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تنقیص ہے۔ ایک بھائی کی تعریف یوں کیجائے کہ وہ اسکے دوسرے بھائی کی تنقیص کو متضمن ہو تو باعثِ مسرت ہونے کی بجائے غیظ و غضب کا سبب ہوتی ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ وجوہ فضیلت جو اوپر بیان کی گئی ہیں فی نفسہٖ غلط ہیں۔

(۱) اس میں موسیٰ علیہ السلام کی بھی تنقیص ہے اور ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تنقیص ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص تو ظاہر ہے کہ وہ معجزہ جسے اللہ تعالیٰ نے بار بار بطور امتنان ذکر فرمایا ہو اس کے متعلق یہ کہدینا کہ کوئی بڑی بات نہیں کتنی بڑی جرأت ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص یوں ہے کہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آپ کی انگلیوں سے پانی نکلا بلکہ حقیقت اس واقعہ کی یوں ہے کہ آپ نے پانی میں ہاتھ رکھا جس کی برکت سے وہ پانی زیادہ ہو گیا اور انگلیوں کے درمیان سے اُبھرتا ہوا نظر آ رہا تھا تو معجزہ کا دعوی کر کے اسے ثابت نہ کر سکنا موجب تنقیص ہے۔ لہذا یہ وجہ ترجیح و تفضیل دوستیٔ نادان کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۲) گھر میں بیٹھ کر کوئی بات کر لینا سہل ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ خصم کے سامنے بات کریں۔ غور کیجئے کہ اگر ہم یہی وجہ ترجیح کسی یہودی کے سامنے بیان کریں اور وہ جواب میں یوں کہدے کہ ہمارا نبی اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر بیہوش ہوا اور تمہارا نبی ایک دفعہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر بیہوش ہوگیا تو ہمارے پاس سوائے ندامت کے اسکا کیا جواب ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تجلّی عالم دُنیا میں ہوئی تھی اور عالم دُنیا کے قویٰ ضعیف ہیں جو تجلی الٰہی کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرئیل علیہ السلام کو دیکھکر بیہوش ہوجانا اسی وجہ سے تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپ کو وہاں کے حالات دکھانے کے لئے اُس عالم کے مناسب قویٰ عنایت کردیئے گئے تھے چنانچہ معراج سے قبل آپ کا شقّ صدر اور غسل بماء زمزم اسی لئے کیا گیا تھا کہ آپ میں عالم اعلیٰ کی قوت پیدا ہوجائے لہٰذا ایک عالم کو دوسرے پر قیاس کرنا جہالت ہے اور پھر قصۂ معراج میں عرش سے تجاوز کر جانا وغیرہ بہت سی خرافات ایسی بیان کی جاتی ہیں جو اصولِ شریعت کے خلاف ہیں اور رؤیۃ باری تعالیٰ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے[ف] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں من زعم انہ رای ربہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ

(۳) یہ ایسی غلطی ہے کہ اس میں بعض مصنّفین بھی مبتلا ہوگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام دونوں کا کلام اپنی اپنی جگہ بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہے اور اپنے اپنے مواقع و محل کے عین مناسب ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کہد یتے تو کلام میں بلاغت نہ رہتی۔ ایسے ہی اگر حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ فرماتے تو موقع کے غیر مناسب ہونیکی وجہ سے کلام بلیغ نہ رہتا۔ تعجب ہے علامۂ تفتازانی پر کہ فنِ فصاحت و بلاغت میں تصنیف کر رہے ہیں اور اسی میں غلطی کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو کلامِ موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح دے رہے ہیں۔ غالباً یہ غلطی علامہ بیضاوی سے بھی ہوئی ہے اب ذرا تفصیل ملاحظہ ہو جس سے ثابت ہوگا کہ ہر نبی کا کلام اپنے موقع میں نہایت بلیغ ہے حضرت موسیٰ کی قوم اسقدر ضعیف الایمان واقع ہوئی تھی کہ اللہ کے حکم سے اللہ کے نبی کے ساتھ جا رہے ہیں اور نبی بھی ایسا کہ اسکے معجزات صرف معقول نہیں تھے بلکہ محسوس مبصر تھے جس سے کم عقل آدمی بھی یقین حاصل کرسکتا ہے۔ اس حالت میں ان لوگوں کو اپنی گرفتاری کا وہم تک نہ آنا چاہیئے تھا مگر انھوں نے لشکرِ فرعون کو دیکھتے ہی وسوسہ تو کیا یقینی طور پر کئی تاکیدات کے ساتھ حکم لگادیا اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ لفظ اِنَّا اور لام تاکید اور جملۂ اسمیہ لاکر اس یقین کے استحکام کو ظاہر کیا، اب قابلِ غور مقام ہے کہ ایسی قوم جسے خدا و رسُول کے وعدے پر اطمینان نہ ہو اور وہ اس کے خلاف کا یقین رکھتی ہو اور اسے تین تاکیدات سے بیان کر رہی ہو

ف قول رؤیت راجح ہے ۱۲ منہ

یعنی یقیناً یقیناً یقیناً پکڑ لئے گئے تو ایسی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت اور مدد کیسے ہو سکتی ہے؟ لہذا موسیٰ علیہ السلام نے "اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ" میں بغرض حصر "مَعِيَ" کو مقدم کیا اور ضمیر متکلم مفرد لائے کہ میرے ساتھ ہی میرے رب کی معیت ہے اس کی برکت سے تم بھی بچ جاؤ گے، ورنہ تم تو اس لائق ہو کہ یا تو فرعون کے ظلم کا شکار ہو جاؤ یا دریا میں غرق ہو جاؤ تو مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ رب کی معیت صرف میرے ساتھ ہے تم اس معیت کے لائق نہیں ہو۔ پس اگر "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" فرماتے تو خلافِ مقصود ہوتا لہذا کلام بلاغت کے معیار سے بالکل گر جاتا، اس کے برعکس غارِ ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کامل تھا اور بطور وسوسہ جو یہ لفظ زبان پر آئے کہ اگر کفار ذرا جھک کر دیکھیں تو ہمیں پکڑ سکتے ہیں، اولاً یہ صرف وسوسہ کے درجہ میں تھا جس پر مواخذہ نہیں، ثانیاً یہ کہ اس وسوسہ کا منشاء خوف علی النفس نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف تھا جو دلیل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال محبت اور کمال ایمان کی، چنانچہ لَا تَخَفْ کی بجائے لَا تَحْزَنْ اس کی وضاحت کر رہا ہے اس لئے کہ خوف نفس پر ہوتا ہے اور حُزن کسی محبوب چیز کے جُدا ہونے پر ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو خوفِ نفس نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جُدا ہو جانے کا خطرہ تھا، لہذا آپ نے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرما کر واضح کر دیا کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان اتنا کامل ہے کہ جیسے اللّٰہ کی معیت میرے ساتھ ہے ایسے ہی ان کے ساتھ بھی ہے۔ اگر اس موقع پر آپ "اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ" فرماتے تو مقصود ادا نہ ہوتا اور کلام میں بلاغت نہ رہتی۔

(۴) حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ کہنا کہ انھوں نے بددعا کے ذریعہ قوم کو تباہ کرا دیا، یہ قرآن سے بیخبری کا نتیجہ ہے قرآن کریم میں اگر حضرت نوح علیہ السلام کے قصّہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو قوم پر بڑی شفقت تھی اور کسی صورت میں بھی انھیں ان کا ہلاک ہونا پسند نہ تھا، چنانچہ فرماتے ہیں "لَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ" اس سے معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کو قوم کی بدعملی پر دُکھ ہوتا تھا جو شفقت اور محبت کی دلیل ہے دشمن کی بدعملی پر دُکھ نہیں ہوا کرتا بلکہ مسرّت ہوتی ہے۔ ساڑھے نو سو سال تک نوح علیہ السلام ان کی بدعملی پر دُکھ اُٹھاتے رہے، ساڑھے نو سو سال کی مدّت قابلِ غور ہے۔ کہنے میں آسان ہے مگر اتنی مدت تک بدعملیاں دیکھتے رہنا اور اس پر غمناک ہوتے رہنا پھر بھی صبر و استقلال کا دامن نہ چھوڑنا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس کے باوجود جب ان کے غرق کا حکم ہوتا ہے تو نوح علیہ السلام بہت اصرار اور الحاح سے ان کی سفارش کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ، ثابت ہوا کہ نوح علیہ السلام نے سفارش

کی تھی جس سے روکا جا رہا ہے، اور بلاغۃ کا تقاضا ہے کہ انکار کی شدت کے مطابق جواب میں شدت اور تاکید ہوتی ہے۔ یعنی جواب کی تاکید انکار کی تاکید پر دلیل ہوتی ہے، لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا میں کس قدر تاکیدات ہیں۔ اوّل یہ کہ لَا تَشْفَعْ کے بجائے لَا تُخَاطِبْنِیْ فرمانا بہت بڑی تاکید ہے کہ ان کے بارے میں مجھ سے کوئی بات مت کرو اور فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا سے ان کی قباحتِ شان کو ذکر کر کے نوح علیہ السلام کو سمجھانا، پھر لفظ اِنَّ اور جملہ اسمیہ سے مؤکد کرنا یہ سب امور اس پر دال ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا انکار یعنی شفاعت پر اصرار بہت شدید تھا مگر اس کے باوجود یہ شفاعت قبول نہیں ہوئی اور غرق کا حکم محکم ہو گیا مگر اس کے باوجود بھی نوح علیہ السلام اس تاک میں رہے کہ کہیں سے سفارش کا کوئی موقع اور کوئی حیلہ مل سکے چنانچہ اپنے بیٹے سے متعلق ذرا سی گنجائش پائی تو فوراً سفارش کر دی۔ اسے شفقتِ پدری کا خاصہ نہیں کہا جا سکتا۔ اولاً اس لئے کہ نبی کا تعلق ساری امت کے ساتھ باپ جیسا ہوتا ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ اولاد اگر انکار کرتی ہے تو اس پر غیظ وغضب دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو جب بیٹے کے انکار پر بھی اتنی شفقت تھی تو دوسروں پر تو اس سے زیادہ ہوگی۔ غرضیکہ بیٹے کی سفارش اس حیثیت سے نہیں تھی کہ وہ بیٹا ہے بلکہ اس وجہ سے تھی کہ کسی اور کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ اس کے بعد بیٹے کی سفارش میں بھی جب حضرت نوح علیہ السلام کو سخت تنبیہ کی گئی اور بار بار سفارش کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا احتمال گذرا تو اس کے تدارک کے لئے اور اپنی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں فنا کرنے کے لئے عرض کیا لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا، تو یہ دُعا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے تھی۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نوح علیہ السلام کی بد دُعا سے ہی یہ عذاب آیا ہے تو کئی افراد بلکہ کئی قبائل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بد دُعا کرنا بھی ثابت ہے۔ پس بد دُعا کرنے یا نہ کرنے کے مواقع کو انبیاء علیہم السلام ہی خوب جانتے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نوح علیہ السلام کے مقام پر ہوتے تو آپ بھی بد دُعا فرماتے۔ اور اگر طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر حضرت نوح علیہ السلام ہوتے تو یقیناً آپ بھی بد دُعا نہ کرتے۔ فقط والحمد للہ اوّلاً وآخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسلہ الکرام خصوصاً علیٰ سیّد الانام ما اختلفت اللّیالی والایام وھو خیر ختام۔

رشید احمد

۸ محرم ۱۳۸۷ھ یوم الاربعاء

تنبیہ الغافلین ——————— ۶

کتاب التفسیر والحدیث

ہو کر کھانے سے ممانعت کی حدیث

سوال: نہی عن الاکل قائماً کے بارے میں فقہ کی عبارات تو موجود ہیں مگر حدیث باوجود
لاش کرنے کے نہیں ملی۔ لہذا آنحضور کی نظر میں اگر کوئی حدیث ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

ن قتادۃ عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہی ان یشرب
ائماً قال قتادۃ فقلنا فالاکل فقال ذلک اشر او اخبث (مسلم ص۱۷۳ ج ۲) وعند الترمذی
ل الاکل قال ذلک اشد، ھذا حدیث صحیح (ص۲۵ ج۲) اس سے معلوم ہوا کہ روایت مسلم میں قول
اللہ تعالیٰ عنہ ذلک اشر بھی مرفوع ہے، دوسری روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے قال
ری رحمہ اللہ تعالیٰ ورواہ الضیاء وزاد والاکل قائما (مرقاۃ ص۲۱۷ ج ۸) اور
نوز السنۃ میں لا یأکل ولا یشرب قائما کے تحت مسند احمد وطیالسی کا حوالہ تحریر ہے علاوہ
رب سے نہی کی علت اکل میں بطریق اولیٰ موجود ہے اور شرب قائما پر اتنی تشدید
ہے کہ قے کر کے پانی نکال دے۔ بعض احادیث میں شرب قائما کا
ہے۔ تطبیق میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اعلم ان ھذہ الاحادیث اشکل
علی بعض العلماء حتی قال فیھا اقوالا باطلۃ وزاد حتی تجاسر ورام ان یضعف
ادعی فیھا دعاوی باطلۃ ولا غرض لنا فی ذکرھا ولا وجہ لاشاعۃ الاباطیل والغلطات
یر السنن بل نذکر الصواب ویشار الی التحذیر من الاغترار بما خالفہ ولیس
الاحادیث بحمد اللہ تعالیٰ اشکال ولا فیھا ضعف بل کلھا صحیحۃ والصواب
ے النھی محمول علی کراھۃ التنزیہ واما شربہ صلی اللہ علیہ وسلم قائما فبیان
فلا اشکال ولا تعارض وھذا الذی ذکرناہ یتعین المصیر الیہ واما من زعم
غیرہ فقد غلط غلطا فاحشا وکیف یصار الی النسخ مع امکان الجمع بین الاحادیث
ن نسخا لو ثبت التاریخ وانی لہ ذلک واللہ اعلم (نووی علی مسلم کتاب الاشربۃ)
ۃ القاری بعد نقل کلام النووی بالاختصار قال الطحاوی ما ملخصہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم
ا النھی الاشفاق علی امتہ لانہ یخاف من الشرب قائما الضرر وحدوث الداء کما

قال لهم اما انا فلا آكل متكئًا انتهى قلت اختلفوا فى هذا الباب بحسب اختلاف الاحاديث فيه فذهب الحسن البصرى وابراهيم النخعى وقتادة الى كراهة الشرب قائما وروى ذلك عن انس رضى الله عنه وذهب الشعبى وسعيد بن المسيب وزاذان وطاؤس و سعيد بن جبير ومجاهد الى انه لا بأس به ويروى ذلك عن ابن عباس وابى هريرة وسعد وعمر بن الخطاب وابنه عبد الله وابن الزبير وعائشة رضى الله تعالى عنهم (عمدة القارى ج ۴ كتاب الحج) فقط والله تعالى اعلم

غرہ محرم سنہ ۷۴ھ

سوال مثل بالا

سوال: کیا نہی عن الاکل قائماً کے متعلق کوئی مرفوع حدیث ہے بیّنوا توجروا

الجواب

جمع الفوائد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے (انس) نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الشرب قائما وعن الاکل قائما للبزار والموصلی (جمع الفوائد ص ۲۹۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ محرّم سنہ ۷۴ ہجری

حدیث لا ترفع عنھم عصاک ادبا کا حوالہ

سوال: تربیت اولاد کے متعلق لا ترفع عنھم عصاک ادبا مقولہ ہے یا کہ حدیث؟ اگر حدیث ہے تو اسکا حوالہ مطلوب ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

حدیث ہے ولا ترفع عنھم عصاک ادبا واخفھم فی اللہ رواہ احمد (مشکوٰۃ جلد اوّل، باب الکبائر وعلامات النفاق الفصل الثالث) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ربیع الاوّل سنہ ۷۴ھ

تحقیق حدیث لولاک لما خلقت الافلاک

میں نے ایک سوال کے بارے میں تحریر ذیل لکھی ہے اسکے بارے میں اپنے نظریے سے آگاہ فرمائیں،

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ حدیث "لولاک لما خلقت الافلاک" موضوع اور بے بنیاد ہے۔ ملا علی قاری نے اسے موضوع لکھا ہے۔

الجواب

بیشک ایک عالم صغانی نے اسے موضوع کہا ہے اور بعض دیگر علماء نے بھی، مگر سب محدثین نے نہیں۔ ازاں سوا، اگر بالفرض صغانی محدّث کا قول قبول کرلیا جائے تو بھی وہ ظاہری الفاظ کے متعلق ہے نہ کہ حقیقت اور اصل ومعنی کے متعلق۔ کیونکہ بالمعنیٰ یہ حدیث صحیح ہے جس بزرگ نے صغانی کی طرف اسے موضوع کہنے کی نسبت کی ہے انھوں نے ہی (حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ) موضاعاتِ کبیر مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۵۹ میں لکھا ہے کہ "حدیث لولاك لما خلقت الافلاك" قال الصغانی انہ موضوع کذا فی الخلاصۃ لکن معناہ صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً اتانی جبرئیل فقال یا محمد لولاك ماخلقت الجنۃ ولولاك ماخلقت النار وفی روایۃ ابن عساکر لولاك ماخلقت الدنیا

(۲) امام شہاب الدین احمد قسطلانی شارح بخاری نے کتاب مواہب لدنیہ میں نقل کیا ہے قال اللہ تعالیٰ لآدم یاآدم یا ابا محمد ارفع رأسك فرفع رأسہ فرأی نور محمد فی سرادق العرش فقال یارب ماھذا النور قال ھذا نور نبیّ من ذریتك اسمہ فی السماء احمد وفی الارض محمد لولاہ ماخلقتك ولاخلقت سماء ولا ارضا

(۳) یہی روایت حضرت شیخ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی بھی انوار محمدیہ میں لائے ہیں،

(۴) مذکورہ دونوں کتابوں (مواہب لدنیہ اور انوار محمدیہ) میں حضرت کعب احبار تابعی کا قول منقول ہے۔ حضرت کعب تورات اور انجیل کے بھی بڑے عالم تھے اور قرآن وحدیث کے بھی بڑے ماہر۔ حضرت کعب فرماتے ہیں۔ ان آدم وجمیع المخلوقات خلقوا لاجل محمد رواہ البیہقی۔

(۵) حق تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں۔ لولاك لما اظھرت الربوبیۃ (عطر الوردۃ فی شرح البردۃ از علامہ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی)

(۶) حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نشر الطیب میں تحریر فرماتے ہیں عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ لآدم یاآدم لولا محمد ماخلقتك رواہ الحاکم وصححہ البیہقی والطبرانی

(۷) قال اللہ تعالیٰ یاآدم لولا محمد ماخلقتك وھو آخر الانبیاء (الدر النظیم فی مولد النبی الکریم مصری)

(۸) علامہ امام زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد اول میں لکھتے ہیں ۔ عن ابی الـ
الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسی بن مریم یٰعیسیٰ لو
ماخلقت اٰدم ولا الجنۃ ولا النار وروی الحاکم مثلہ وصححہ ورواہ السبکی والبـ
(۹) قال اللہ تعالیٰ وعزتی وجلالی لولا محمد ماخلقت عرشا ولا کرسـ
سماء ولا ارضا ولا جنۃ ولا نارا ولا لیلا ولا نھارا وما خلقت جمیع الاشیاء الا
للذی سمیتہ محمدا (مولد النبی للقطب الربانی الشیخ عبد الرحیم البرعی)
ظھرلی فی ھذا الباب ۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مَیں اس تحریر سے متفق ہوں ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد ۱۲ صفر ۵

سورۂ فاتحہ در کدام پارہ داخل است

سوال : سورۂ فاتحہ زائد از سی پارہ ہست یا داخل در اول پارہ یا در غیر او اگر د
در اول ست پس نام او الحمد چرا نداشتہ شد و اگر داخل در غیر اوّل ست پس در اوّل
چرا نہادند بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

سورۃ الحمد بمنزلہ متن ست و جملہ قرآن بمنزلہ شرح ۔ پس سورۂ فاتحہ نہ از جملہ قرآن خا
و نہ در جزء معین داخل ۔ بلکہ مشترک ست درمیان جملہ اجزاء قرآن نیز ثبوت پارہ پارہ قرآ
حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیست و نہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ این تجزیہ و تقسیم کردند، بلکہ د
نقل مصاحف بلا قصد محض اتفاقاً سی اجزاء مرتب شدند پس خارج ماندن جزء قرآن از یـ
جائز ست کہ انحصارش در سی اجزاء ثابت نیست ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۵ ۷

حدیث نجد کی تحقیق

سوال : نجد سے متعلق جو حدیث میں آیا ہے ھنالك الزلازل والفتن وبھا یـ
قرن الشیطان ۔ اس سے سلطان ابن سعود کے کفر یا فسق پر استدلال کیا جاتا ہے لہـ
حدیث کی تشریح فرماکر مطمئن فرمائیں ۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت تک نجد میں کوئی صالح شخص پیدا ہی نہیں ہوسکتا سب کے سب کافر یا فاسق ہونگے بلکہ حدیث میں کثرتِ شرور وغلبۂ شیطان کا بیان ہے چنانچہ علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں: وبنجد یطلع قرن الشیطان ای امتہ وحزبہ قال کعب یخرج الدجال من العراق وان فتنۃ تکون من تلک الناحیۃ وکذلک کانت وھی وقعۃ الجمل ووقعۃ صفین ثم ظھور الخوارج فی ارض نجد والعراق وماوراھا من المشرق علامہ کرمانی شرح بخاری میں مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ مزید تحریر فرماتے ہیں، کذلک خروج الدجال ویأجوج ومأجوج منہا۔ امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں والمراد بذلک اختصاص المشرق بمزید من تسلط الشیطان ومن الکفر کما قال فی حدیث آخر رأس الکفر نحو المشرق۔ غرضیکہ حدیث سے ہر فرد نجد کا کافر یا فاسق ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص کا صالح اور متقی ہونا واضح ہو تو قبیلہ یا شہر یا ملک میں غلبۂ شر کی وجہ سے اس پر "لا تزر وازرۃ وزر اخری" اور "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کے قانون سے کوئی دھبہ نہیں آسکتا۔ ثانیاً یہ کہ سارے ملک عرب کے دو حصے ہیں۔ حجاز اور نجد۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک حجاز باقی سب مع عراق، بغداد، بصرہ کوفہ وغیرہ نجد ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "نجد ورائے حجاز را گویند" اور ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "نجد ھو اسم خاص لمادون الحجاز" اور علامہ عینی رحمہ اللہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں، نجد من المشرق وقال الخطابی نجد من جھۃ المشرق ومن کان بالمدینۃ کان نجدہ بادیۃ العراق ونواحیھا وھی مشرق اھل المدینۃ۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں من کان بالمدینۃ الطیبۃ کان نجدھا بادیۃ العراق ونواحیھا وھی مشرق اھلھا۔

المصباح المنیر میں ہے تھامۃ من تھم اللبن واللحم تھماً من باب تعب تغیر وانتن لانھا انخفضت عن نجد فتغیرت ریحھا۔ اور نجد کی تحقیق میں فرماتے ہیں "نجد ماارتفع من الارض" آگے فرماتے ہیں وقال الصغانی کل ماارتفع من تھامۃ الی ارض العراق فھو نجد وقال فی التھذیب کل ما وراء الخندق الذی خندقہ کسری علی سواد العراق فھو نجد الی ان تمیل الی الحرۃ فاذا ملت الیھا فانت فی الحجاز انتھی کلام

صاحب المصباح، ملا علی قاری جمع الوسائل میں فرماتے ہیں۔ حجاز کا منخفض حصہ یعنی مکہ مکرمہ اور اس کا جنوب تہامہ کہلاتا ہے۔ صاحب قاموس کی تحقیق سے بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ نجد کی تخصیص جس حصہ کے ساتھ آجکل عرف عام میں سمجھی جارہی ہے حقیقت سے بعید ہے نجد اپنے وسیع معنوں میں ماوراء حجاز کو شامل ہے۔ چنانچہ حضرت علی ممبر کوفہ پر شہید ہوئے اور حضرت حسین میدان کربلا میں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اما نجد فهو كل مكان مرتفع وهو اسم لعشرة مواضع والمراد منها ههنا ما اعلاها تهامة واليمن واسفلها الشام والعراق۔ پس اس حدیث سے جو حکم ابن سعود پر لگایا جاتا ہے جملہ اہل بغداد، کوفہ، یمن، عراق پر بھی لازم ہوگا۔ ثالثاً یہ کہ حدیث میں نجد سے مراد عراق ہے۔ کنز العمال میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاع اور مُد کے بارے میں برکت کی دُعا کی اور پھر شام و یمن کے لئے دعائے برکت فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور ہمارے عراق کے لئے بھی دُعا فرمائیے۔ آپ نے سکوت کر کے فرمایا کہ وہاں تو شیطانی گروہ اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور ظلم مشرق میں ہے۔

اور مسند ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عراق کے قصد پر کعب احبار رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ آپ کو عراق سے محفوظ رکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ اس میں کیا خرابی ہے۔ کعب نے کہا اس میں نو حصے شر ہے اور کل سخت عیب اس میں ہیں اور نافرمان جن اور ہاروت و ماروت اور شیطان نے وہاں انڈے بچے دے رکھے ہیں۔ علامہ عینی و کرمانی کی مذکور بالا تحقیق بھی اسی کی مثبت ہے۔ فقط واللہ الهادی الی الصواب والعاصم من موجبات الارتیاب

۲۹ صفر سنہ ۶۴ ہجری

وجہ تسمیہ آیت ورکوع وسورہ

سوال: آیت را آیت۔ رکوع را رکوع۔ سورت را سورت چرا نام نہادہ شد؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

آیت در لغت علامت را مے گویند و آیت قرآنی علامت ست بر انقطاع مابعد از ما قبل۔ و از کلمات قرآن طائفہ مخصوصہ را ہم آیت مے گویند چرا کہ ایں طائفہ کلمات علامت ست بر معنے خود۔ یا بایں مناسبت کہ ایں طائفہ مدخول و مصحوب علامت انقطاع ست۔ و آیت

لغوی منقول ست از آیۃ کہ برائے تمییز شی از شی استعمال مے شود۔ علامت لغوی ہم ممیز ست برائے ذی علامت از غیر۔ یا منقول ست از اوی الیہ بمعنی رجع چرا کہ رجوع کردہ مے شود بطرف علامت برائے معرفت ذی علامت۔ وممکن ست کہ گرفتہ شود آیت قرآنیہ از منقول عنہ۔ امّا از آیۃ پس ازیں سبب کہ علامت قرآنی ممیز ست برائے طائفہ از طائفۂ دیگر وآیت بمعنی طائفۂ کلمات ممیز ست از طائفہ دیگر۔ وامّا از اوی الیہ پس ازیں سبب کہ علامت قرآنی بمنزلۂ منزل ست کہ قاری بآں رجوع مے کند وآیت بمعنی طائفہ مصحوب ومجاور ایں منزل ست۔ فلذا سمیت باسمہ یا ازیں سبب کہ منزل قاری لفظ آخر ست از طائفہ کلمات فسمیت الطائفۃ باسم جزئہا الآخر۔

قال البیضاوی رحمہ اللہ والآیۃ فی الاصل العلامۃ الظاہرۃ ویقال للمصنوعات من حیث انہا تدل علی وجود الصانع وعلمہ وقدرتہ ولکل[1] طائفۃ من کلمات القرآن المتمیزۃ عن غیرہا بفصل واشتقاقہا من ای لانہا تبین ایّا من ایٍّ او من[2] اوی الیہ واصلہا ایَیَۃ کثمرۃ فابدلت عینہا الفا علی غیر قیاس اوایْیَۃ اواَوَیَۃ کرمکۃ فاعلت اوآئیۃ کقائلۃ فحذف الہمزۃ تخفیفا۔ وفی الحاشیۃ وفی آیۃ القرآن قولان فقیل انہا العلامۃ لانقطاع الکلام الذی بعدہا من الذی قبلہا وقیل انہا جماعۃ من القرآن وطائفۃ من الحروف وقول المصنف من حیث اشارۃ الی القول الاول وقولہ لکل طائفۃ اشارۃ الی الثانی فکان علیہ ان یمیز بین القولین ولذلک اعترض علیہ بانہ لم یصب فی خلطہما۔ وایضا فیہا قولہ ایّا من ایٍّ بالتشدید قیل معناہ شیء یسأل عنہ بایٍّ فالمعنی یمیز امرا مجہولا من آخر وقیل ان العبارۃ آیا من آیٍ بالمد ای شخصا من شخص لان الآی بمعنی الشخص وفیہ نظر قولہ او من اوی الیہ لانہا بمنزلۃ المنزل یأوی الیہ القاری (تفسیر بیضاوی صـ ۶۷)

رکوع در لغت بمعنی اطمینان آمدہ است ودر وجہ تسمیۂ طائفہ مخصوصہ از قرآن میتواں گفت کہ قاری بعد از وصولش بدو وطے کردن منزلے از سفر مطمئن مے شود۔ ووجہ ظاہر ایں ست کہ قاری در تراویح ایں قدر خواندہ رکوع مے کند، وحکی عن القاضی الامام عماد الدین رحمہ اللہ تعالیٰ ان مشایخ بخارا جعلوا القرآن خمسمائۃ واربعین رکوعا وعلموا الختم بہا لیقع الختم فی اللیلۃ السابعۃ والعشرین رجاء ان ینالوا فضیلۃ لیلۃ القدر اذ الاخبار قد کثرت بانہا

---

[1] لکونہا علامۃ علی معناہا ۱۲ [2] لانہا یرجع الیہا لمعرفۃ ذی العلامۃ ۱۲

لیلۃ السابع والعشرین من رمضان وفی ھذہ البلدۃ المصاحف معلمۃ بالآیات وانما سموہ رکوعا علی تقدیر انھا تقرأ فی کل رکعۃ (مبسوط ص۱۲۶ ج ۲ عالمگیریہ ص۱۲۵ ج ۱، خانیہ علی ھامش العالمگیریہ ص۲۱۹ ج ۱) ولم اطلع علی معیار مقدار الرکوعات ولعل قارئ ختم لیلۃ السابع والعشرین فوضعوا رکوعا علی ما اتفق لہ من القراءۃ فی کل رکعۃ واللہ اعلم

سورت منقول ست از سور البلد چراکہ محیط ست طائفہ قرآن را یا انواع علم را یا از سور بمعنی مرتبہ چراکہ سُوَر مثل منازل و مراتب ند کہ قاری آنہا را قطع مے کند۔ یا ازیں سبب کہ ہر سورت در طول وقصر وفضل وثواب مرتبہ مے دارد، یا از سورہ کہ بمعنی قطعہ است۔ قال البیضاوی وھی ان جعلت واوھا اصلیۃ منقولۃ من سور المدینۃ لانھا محیطۃ بطائفۃ من القرآن مفرزۃ محوزۃ علی حیالھا او محتویۃ علی انواع من العلم احتواء سور المدینۃ علی ما فیھا او من السورۃ التی ھی الرتبۃ قال ولرھط حرّاب وقدّ سورۃ۔ فی المجد لیس غرابھا بمطار۔ لان السور کالمنازل والمراتب یرتقی فیھا القاری اولھا مراتب فی الطول والقصر والفضل والشرف وثواب القراءۃ وان جعلت مبدلۃ من الھمزۃ فمن السورۃ التی ھی البقیۃ والقطعۃ من الشیء (تفسیر بیضاوی ص۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولی سنہ ۵۷ ہجری

رکوع وپارہ کی تحقیق

سوال: قرآن کریم میں رکوع کس نے لگائے اور ان کا معیار کیا ہے؟ بظاہر ان کا کوئی معیار سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے کہ ان کی مقدار مختلف ہے اور اگر مضمون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بعض مواقع ایسے بھی ہیں کہ مضمون ختم ہونے میں ایک دو آیتیں باقی ہیں مگر رکوع ختم ہوگیا، یا نئے مضمون کی ایک دو آیتیں گزرنے کے بعد نیا رکوع شروع ہوا، اگر رکوع کی مقدار کو سماعی کہا جائے تو کیا اسکا کوئی ثبوت ہے؟ بظاہر احادیث کے ذریعہ اسکا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح قرآن کریم کے تیس پارے کیسے اور کب شروع ہوئے، احادیث میں پاروں کا بھی کہیں ذکر نہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

رکوع اور پاروں کا ثبوت حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملتا، مشایخ بخارا نے قرآن کریم میں پانچسو چالیس رکوع لگائے تاکہ تراویح میں ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو

ستائیس رمضان تک ایک ختم ہو جائے جیسے کہ متقدمین نے ہر دس آیات کے بعد تعاشیر علامات لگائیں، جس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ تراویح کی ہر رکعت میں اتنی مق پڑھنے سے پورے مہینے میں قرآنِ کریم ختم ہو جائے گا کیونکہ پورے مہینے میں رکعاتِ ترا کی تعداد چھ سو ہے اور کل آیات چھ ہزار سے کچھ زائد ہیں۔

وروى الحسن عن ابى حنيفة رحمه الله تعالى ان الامام يقرأ فى كل ركعة عش آيات ونحوها وهو الاحسن لان السنة فى التراويح الختم مرة وبما اشار اليه ابوحن رحمه الله تعالى يختم القرآن مرة فيها لان عدد ركعات التراويح فى جميع الشهر ست وعدد آى القرآن ستة آلاف وشيء فاذا قرأ فى كل ركعة عشر آيات يحص الختم فيها۔ (مبسوط للسرخسى ص۱۴۶ ج۲ الفصل السادس فى حق قدر القراءة فى الت خانيه على هامش العالمگيريه ص۲۱۷ ج۱)

وحكى عن القاضى الامام عماد الدين رحمه الله تعالى ان مشايخ بخارا ج القرآن خمسمائة واربعين ركوعا وعلموا الختم بها ليقع الختم فى الليلة السابعة والعش رجاء ان ينالوا فضيلة ليلة القدر اذ الاخبار قد كثرت بانها ليلة السابع والعشر من رمضان وفى غير هذه البلاد المصاحف معلمة بالآيات وانما سموه ركوع تقدير انها تقرأ فى كل ركعة۔

(مبسوط ص۱۴۶ ج۲، عالمگيريه ص۱۲۵ ج۱، خانيه على هامش العالمگيريه ص۱۹ ج)

رکوع کی مقدار کے بارے میں کوئی واضح چیز نظر سے نہیں گزری۔ یوں معلوم ہوتا کہ کسی مشہور قاری نے تراویح میں قرآن کریم ختم کیا اور جتنی مقدار تلاوت کرنے کے بعد ر کرتے گئے اتنی مقدار پر تلامذہ نے رکوع کی علامت لگادی۔

پاروں کے بارے میں بعض حضرات کا خیال ہے کہ ان کی تعیین قصداً نہیں کی گ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قرآنِ کریم کو نقل کیا تو اتفاقاً تیس مساوی اج میں تکمیل ہوئی مگر اس خیال کا ثبوت کہیں نظر سے نہیں گزرا، نیز بقول بعض فاتحہ چھوڑ کر سب پاروں کے حروف اور نصف قرآن "نکرا" پر ہے، امر اتفاقی میں ایسی مساوات بعید ہے، بندہ کے خیال میں صحیح توجیہ یہ ہے کہ قرآن سے متعلق روایات مختلف ہیں، تین روز، سات روز، اور ایک ماہ، ایک مہینے میں قرآن کریم ختم کرنے

عـه فلذا وضعوا التعاشير ۱۲ منه

پیش نظر اس کے تیس پارے متعین کردئے گئے جس طرح کہ ایک ہفتہ میں ختم کرنے والوں کے لئے سات منزلیں بنادی گئیں۔
ولاکمال التسویۃ افردوا الآیۃ الاولی من سورۃ الحجر اعتمادا علی فهم القاری بأن المنزل قد تم علی
آخر سورۃ ابراهیم - والله سبحانه وتعالی اعلم

۵ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۶ھ

تحقیق حدیث متعلق قضاء بشہادۃ زور

سوال: حنفیہ کے ہاں شہادت زور سے واقع شدہ قضا باطناً بھی نافذ ہے پس حدیث بعضکم الحن من بعض الخ کا کیا جواب ہوگا۔ اس حدیث میں عدم نفاذ قضا کی تصریح ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس بارے میں شاہ صاحب کی تحقیق جو عرف شذی میں منقول ہے سب سے زیادہ شرح وبسط کے ساتھ ہے۔ وہو ہذا۔ قالوا ان حدیث الباب یرد علی الحنفیۃ حین قالوا ان القضاء نافذ ظاهرا وباطنا وانکره البخاری رحمه الله فی کتاب الحیل اشد الانکار اقول لیست المسألۃ ان ینکر ذلک الانکار فان عنوان المسألۃ هذا قضاء القاضی بشهادۃ الزور فی العقود والفسوخ لافی الاملاک المرسلۃ اذا کان المحل قابلا للانشاء ولا یأخذ القاضی الرشوۃ نافذ ظاهرا وباطنا وقیود اُخر ایضاً، واما الاملاک المرسلۃ فهی ان یدعی ان هذا الشیء لی ولا یذکر سبب ملکه فانه قضاء ظاهرا لا باطنا واما وجه عدم نفاذه باطنا فذکر صاحب الهدایۃ ان الشیء یتملک باسباب عدیدۃ فاذا قضی فالقضاء یکون بدون السبب ولا وجه لترجیح بعض الاسباب علی بعضٍ فیکون ترجیحا بلا مرجح والوجه ان العقود والفسوخ فی ید القاضی وقد رته بخلاف الاملاک المرسلۃ فعلی ما ذکرنا انه اذا ادعی رجل نکاح امرأۃ وشهد شاهد ان فحکم القاضی بنکاحه حل له الاستمتاع وزعم خصومنا انا اخترنا هذا الارتکاب بلا نکیر والحال ان هذا الزعم فاسد وعلی المدعی والشاهدین وزر الآخرۃ کما قال الشیخ فی الفتح وخلاف العراقیین والحجازیین فی ان النکاح صحیح ام لا والمرأۃ منکوحۃ ام لا فقال الحجازیون انها تقوم عنده ولا تمکنه من نفسها وقلنا انها تمکنه من نفسها ثم قال جماعۃ منا ان القضاء بمنزلۃ النکاح حتی قالوا انه یجب عند هذا القضاء شاهدان مثل ما یکون الشاهدان فی النکاح وقیل لا یجب الشاهدان لان القضاء لیس بنکاح صریح بل النکاح فی

ضمنه واتفقنا على ان القضاء قائم مقام النكاح واما حديث الباب فلا يرد علينا فانه فيمن هو الحن بحجته ولا نقول بان القضاء نافذ بمحض ذلك اللحن بل يجب الشاهدان وغيرها من الشروط ونقول ايضا ان الحديث فى الاملاك المرسلة فانه فى الميراث كما اخرجه ابوداود ص۱۴۸ ج ۲ وقد يورد بالبال انه مع الحل باطنا من النار لا فى الكذب ابتداء فقط بل مستمرا ونظيره ما ذكره فى ردالمحتار فى نكاح الرقيق فى من وطئ جارية ابنه وادعى الولد والاسهل ان يقال انه قطع له من النار من جهة السبب فهو فى نفس الامر لا بعده فالسبب تحقق ابتداء والاتصاف مستمر كما قال بعض ارباب الفنون ان التحقق مرة يصدق الاطلاق العام مستمرا او انه حكم من جهة السبب وبمثله قالوا فى حديث عمار رضى الله عنه تقتله الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار . واما حجتنا فذكرالطحاوى حين بوّب على المسألة واتى بشيء لطيف من باب التفقه ويذكر ارباب تصنيفنا واقعة على رضى الله تعالى عنه انه ادعى عنده رجل نكاح امرأة وشهد شاهدا الزور فحكم على رضى الله تعالى عنه بالنكاح فقامت امرأة فقالت والله اعلم انه كاذب فانكحنى به امير المؤمنين كى لا ياثم فقال على رضى الله عنه شاهداك زوجاك الخ ذكره محمد رحمه الله فى الاصل ولا يذكرون سند هذه الواقعة ولم اجد السند وظنى انها لا تكون بلا اصل ومر الحافظ رحمه الله تعالى على الاثر ولم يرده زيادة الرد ولم يقبله ايضا فدل على انه ليس بلا اصل (عرف شذى ص۲۰۶)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے حدیث متلاعنین اور حدیث اختلاف المتبایعین فی الثمن سے استدلال کیا ہے۔ ونصہ فقد علمنا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لو علم الكاذب منهما (اى الزوجين) بعينه لم يفرق بينهما ولم يلاعن لو علم ان المرأة صادقة لحد الزوج بقذفه اياها ۔ ولو علم ان الزوج صادق لحدت المرأة بالزنا الذى كان منها فلما خفى الصادق منهما على الحاكم وجب حكم آخر فحرم الفرج على الزوج فى الباطن والظاهر ولم يرد ذلك الى حكم الباطن (الى قوله) وقد حكم رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المتبايعين اذا اختلفا فى الثمن والسلعة قائمة انهما يتحالفان ويترادان فتعود الجارية الى البائع ويحل له فرجها ويحرم على المشترى ولو علم الكاذب منهما بعينه اذا لقضى بما يقول الصادق ولم يقض بفسخ بيع ولا بوجوب حرمة فرج الجارية المبيعة على المشترى الخ (شرح

الآثار للطحاوی ص۲۸۸ ج ۲)

وقال فی فیض الباری قریباً مما مضی من العرف الشذی ونصہ واورد علیہم الحنفیۃ) حدیث الباب فانہ لو نفذ باطناً ایضاً لما وصفہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلت وھذا وصف لاحکم ویمکن ان یکون شیء یوصف بالناریۃ ثم لا یدخل بہ فی النار کالسؤال فانہ یترتب علیہ النار ثم لا یلزم ان یکون کل سؤال بل قد یتخلف عنہ لعارض فانہ یصح وصف الشیء بحال الجنس ایضا واذا زم تحققہ فی الافراد کلھا وتحققہ فی البعض یصح وصفہ بہ باعتبار الجنس و لحظ فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب اوصف فی الفاتحۃ لاحکم بالوجوب علی المقتدی فی الحالۃ الراھنۃ وسیأتی لہ فی موضعہ ان شاء اللہ تعالیٰ (فیض الباری ص۳۳۵ ج ۳)

وفی بذل المجھود ولا یخالف ھذا الحکم الحدیث الوارد فیہ فان الحدیث یقتضی فضیت لہ من حق اخیہ شیئاً وفی العقود والفسوخ لا یقضی بحق اخیہ شیئاً حکم بالعقد او الفسخ الذی ھو حق الحاکم نعم اذا قضی القاضی فی غیر صورۃ العقد خ لا ینفذ حکمہ الا ظاھراً واما فی الباطن عند اللہ تعالیٰ فلا ینفذ حکمہ لانہ حکم اخیہ وھو لیس تحت القضاء (بذل المجھود ص۳۰۸ ج ۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۱۵ ربیع الاول سنہ ۷۶ ہجری

احرف کی تشریح

سوال: حدیث میں وارد ہوا ہے انّ ھذا القرآن انزل علیٰ سبعۃ احرف اور آجکل جو قرارات معروف ہیں وہ دس تک ہیں تو تین قرائتیں زیادہ کیسے ہو گئیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث میں سبعۃ احرف سے معروف سات قرائتیں مراد نہیں بلکہ اختلاف قرارات ت انواع مراد ہیں۔

(۱) صیغ اسمار

(۲) صیغ افعال

(۳) اختلاف اعراب

(۴) کمی بیشی

(۵) تقدیم وتأخیر

(۶) الفاظ مترادفہ

(۷) صفات حروف

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالی وقد حمل ابن قتیبۃ وغیرہ العدد المذکور علی الوجوہ التی یقع بھا التغایر فی سبعۃ اشیاء **الاول** ما تتغیر حرکتہ ولا یزول معناہ ولا صورتہ مثل ولا یضار کاتب ولا شھید بنصب الراء ورفعھا **الثانی** ما یتغیر بتغیر الفعل مثل وبعد بین اسفارنا و باعد بین اسفارنا، بصیغۃ طلب والفعل الماضی **الثالث** ما یتغیر بنقط بعض الحروف المھملۃ مثل ننشرھا بالراء والزاء **الرابع** ما یتغیر بابدال حرف قریب من مخرج الاخر مثل طلح منضود فی قراءۃ علی وطلع منضود **الخامس** ما یتغیر بالتقدیم والتأخیر مثل وجاءت سکرۃ الموت بالحق فی قراءۃ ابی بکر الصدیق وطلحۃ من المصرف وزین العابدین وجاءت سکرۃ الحق بالموت **السادس** ما یتغیر بزیادۃ اونقصان کما تقدم فی التفسیر عن ابن مسعود وابی الدرداء واللیل اذا یغشی والنہار اذا تجلی والذکر والانثی ھذا فی النقصان واما فی الزیادۃ فکما تقدم فی تفسیر تبت ید ابی لھب فی حدیث ابن عباس وانذر عشیرتک الاقربین ورھطک منھم المخلصین **السابع** ما یتغیر بابدال کلمۃ بکلمۃ ترادفھا مثل العھن المنفوش فی قراءۃ ابن مسعود وسعید بن الجبیر کالصوف المنفوش وھذا وجہ حسن

وقال ابو الفضل الرازی الکلام لا یخرج عن سبعۃ اوجہ فی الاختلاف، **الاول** اختلاف الاسماء من افراد وتثنیۃ وجمع او تذکیر وتأنیث **الثانی** اختلاف تصریف الافعال من ماض ومضارع وامر **الثالث** وجوہ الاعراب **الرابع** النقص والزیادۃ **الخامس** التقدیم والتأخیر **السادس** الابدال **السابع** اختلاف اللغات کالفتح والامالۃ والترقیق والتفخیم والادغام والاظھار و

نحو ذلك (قلت) وقد اخذ کلام ابن قتیبۃ ونقحہٗ (فتح الباری ص۲۵ ج ۹)

ابتداء تنزیل میں لوگ اسلوب قرآنی سے ناواقف تھے، مختلف علاقوں اور مختلف قبیلوں کے لوگوں کے علاوہ بوڑھے بدوی اور ناخواندہ لوگوں کو ایک اسلوب پر چلانے میں حرج تھا اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سات اقسام کے الفاظ کی اجازت عطا فرمائی ان سات اقسام میں ہر شخص کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے قرآن کریم میں ردّ و بدل کرلے بلکہ یہ مختلف قراءات اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین تھیں بعد میں جب لوگ اسلوب قرآنی سے واقف ہوگئے تو عرضۂ اخیرہ یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ قرآن کے وقت بہت سی قراءات منسوخ کردی گئیں، اس کے بعد جو قراءات باقی رہیں ان کی رعایت رکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع قرآن کے وقت رسم الخط ایسا اختیار فرمایا جس میں سب قراءات کے مطابق پڑھنے کی گنجائش ہو، مثلاً ملك کو مَلَكَ مَلِكِ اور مالك تینوں طرح پڑھا جاسکتا ہے ایسے ہی قل کو بصیغۂ امر اور بصیغۂ ماضی دونوں طرح پڑھنے کی گنجائش ہے۔ مصاحف عثمانیہ میں نقاط، اعراب وغیرہ کو ترک کرکے اس رسم الخط میں مزید وسعت پیدا کردی گئی مثلاً ننشرها پر نقطے نہ لگائے جائیں تو اسے ننشرا اور ننشز دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے بعض قراءات اس رسم الخط میں نہ سما سکیں تو ان کو دوسرے مصحف میں مستقلاً لکھوا دیا، اس قسم کے سات مصاحف لکھوا کر مختلف اطراف میں بھجوائے اور ان کے ساتھ قراء بھی بھیجے لوگ ان مصاحف سے ان قراء کی تعلیم کے مطابق قراءات سیکھتے۔ اس زمانے میں مذکورہ بالا سات اقسام کے اندر قراءات کی بہت بڑی تعداد تھی، مگر بعد میں ان میں سے دس کی زیادہ شہرت ہوگئی، بقیہ کو وہ شہرت حاصل نہ ہوئی، پھر ان دس قراءات میں سے بھی سات زیادہ مشہور ہوگئیں اس لئے سبع قراءات اور عشر قراءات کا عرف ہوگیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ معروفہ سبع قراءات کو سبعۃ احرف کا مصداق سمجھنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الثانیہ سنہ ۹۶ھ

ضربت علیہم الذلۃ الخ پر اشکال کا جواب

سوال: کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم کی آیت ضربت

علیہم الذلّۃ والمسکنۃ وباءوا بغضب من اللہ سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم یہود ہمیشہ ذلیل وخوار رہے گی اور فقر و فاقہ میں مبتلا رہے گی اور قیامت تک ان کی حکومت قائم نہ ہوگی، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہود قوم متمول چلی آرہی ہے اور انکی موجودہ حکومت بھی اسرائیل کے نام سے قائم ہے بلکہ ایک مرتبہ عرب ان سے شکست بھی کھا چکے ہیں۔

ازراہِ کرم آیت کا مطلب اور شبہات کا جواب مفصل اور مدلّل تحریر فرمائیں اور ذلّت و مسکنت کی بھی وضاحت کریں تاکہ کمزور ایمان والوں کے دلوں سے شکوک کے کانٹے نکل جائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

یہود کی ذلّت وغیرہ سے متعلق قرآن کریم میں چار جگہ ذکر آیا ہے۔

(۱) ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباءو بغضب من اللہ ط ذٰلک بانّھم کانوا یکفرون بایٰت اللہ ویقتلون النّبیین بغیر الحق ط ذٰلک بما عصوا وکانوا یعتدون ع (۲ - ۱۶)

(۲) واذ تأذّن ربّک لیبعثنّ علیہم الی یوم القیٰمۃ من یسومھم سوء العذاب ط انّ ربّک لسریع العقاب صلے وانّہ لغفورٌ رحیمٌ ہ (۷ - ۱۶۷)

(۳) ضربت علیہم الذلۃ این ما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من النّاس وباءوا بغضب من اللہ وضربت علیہم المسکنۃ ط ذٰلک بانّھم کانوا یکفرون بایٰت اللہ ویقتلون الانبیاء بغیر حقٍّ ط ذٰلک بما عصوا وکانوا یعتدون ع (۳ - ۱۱۲)

(۴) اذ قال اللہ یٰعیسٰی انّی متوفّیک ورافعک الیّ ومطھّرک من الذین کفروا وجاعل الّذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا الیٰ یوم القیٰمۃ ج (۳ - ۵۵)

ان آیات سے یہود کے لئے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) ذلّت

(۲) مسکنت

(۳) دوسری قوموں کا معتوب رہنا اور ان کے ہاتھوں مختلف مصائب کا شکار ہوتے رہنا۔

(۴) مغلوبیت

۴

(۱) ذلت سے مراد حکم قتل ہے، الا بحبل من اللہ سے مراد یہ ہے کہ راہب، نابالغ اور عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور حبل من الناس سے مستأمن اور اہلِ ذمہ کا استثنار مقصود ہے۔

(۲) مسکنت کے معنی فقر وفاقہ کے نہیں بلکہ پستی کے معنی مراد ہیں جیسے دعاءِ اللّٰھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین میں مسکنت بمعنی فقر وفاقہ نہیں ہے بلکہ تواضع وانکسار اور فروتنی کے معنی میں ہے۔ پستی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی جلالت اور عظمت شان کے سامنے تواضع وانکسار۔ یہ نعمت ہے اور دُعا میں یہی مراد ہے۔

دوسری اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ذلّت وخواری میں ابتلار یہ عذاب ہے یہود پر دوسری قسم کی پستی مسلّط کردی گئی ہے وہ خود بھی اپنے کو ذلیل سمجھتے ہیں جسے دوسرے لفظوں میں احساس کمتری کہا جاتا ہے۔ نیز ہمیشہ کے لئے مغلوبیت اور معذب فی الدنیا ہونے سے بڑھ کر کیا پستی اور ذلّت ہو سکتی ہے ان دونوں اُمور کا بیان آگے آرہا ہے۔

(۳) یہود قوم پر ہمیشہ کے لئے کچھ ایسی طاقتیں مسلط رہیں گی جو ان کو طرح طرح کی پریشانیوں اور مصائب میں مبتلا رکھیں گی۔

(۴) مسلمان اور نصاریٰ قیامت تک یہود پر غالب رہیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں مسلمان اور نصاریٰ دونوں داخل ہیں۔ نصاریٰ میں اتباع ناقص ہے اور مسلمانوں میں اتباع کامل۔ اور آیتِ قرآنیہ دونوں قسم کے اتباع کو شامل ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں اور نصاریٰ کی حکومتوں کا مجموعہ یہود کی حکومت پر غالب رہے گا۔ اس تفصیل کے بعد اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ قرآن کریم میں یہودیوں کی حکومت کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ مسلمانوں اور نصاریٰ کی مجموعہ حکومتوں کے مقابلہ میں یہود کی مغلوبیت کی پیشگوئی کی گئی ہے، جس کے صدق میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح ان کے فقر وفاقہ اور تنگدستی کی کوئی پیشگوئی نہیں، بلکہ مغلوب اور معذب رہنے کی ذلّت وپستی کی پیشگوئی ہے جسکی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

آیت ۴ سے متعلق یہ بھی کہا جا سکتا ہے بلکہ یہی زیادہ ظاہر ہے کہ اتباع سے کامل اتباع مراد ہے اور نصاریٰ سب کے سب اور مسلمانوں کی اکثریت اتباع کامل سے منحرف ہے، اور کسی صفت پر جب کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو وہ اکثریت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ کمافی قولہ تعالیٰ، وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین، وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم، نعم اذا کثر الخبث، پس اگر خدانخواستہ کسی وقت یہود کی حکومت مسلمانوں اور نصاریٰ کی مجموعہ حکومتوں کے مقابلہ میں بھی غالب ہو جائے تو بھی فیصلہ قرآنی کے خلاف نہ ہوگا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہود پر قیامت تک کسی نہ کسی قوم کی طرف سے کوئی نہ کوئی آفت آتی رہے گی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ر جمادی الاولیٰ ۹۶ھ

حدیث سبحان من زین الرجال الخ کا حوالہ

سوال: عام طور پر حدیث سننے میں آتی ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت کی یہ تسبیح ہے، سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب، اسکا حوالہ مطلوب ہے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کنوز الحقائق لعبد الرؤف المناوی علی ہامش الجامع الصغیر ص۱۴۲ ج۱ میں بحوالہ حاکم صرف اتنی حدیث منقول ہے سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب اور ص۹ ج۲ میں بحوالہ مسند الفردوس للدیلمی یہ الفاظ ہیں۔ ملائکۃ السماء تستغفر لذوائب النساء و لحی الرجال، امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفصل روایت نقل فرمائی ہے ونصہ وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال، ان للہ تعالیٰ ملائکۃ تسبیحهم سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالقرون الذوائب (المبسوط ص۲۶۴ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ر جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

مودودی صاحب میں مفسر کی شرائط نہیں

سوال (۱) قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کے لئے کن باتوں کا ہونا لازمی ہے؟

(۲) مودودی صاحب میں کون سی باتیں موجود ہیں سوال نمبر ۱ کے حوالہ سے۔

(۳) ایک عام فہم آدمی عربی سے ناواقف کے لئے کونسی تفسیر زیادہ موزون ہوگی بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

"قال المولى احمد بن مصطفى المعروف بطاش كبرى زاده فى "مفتاح السعادة ومصباح السيادة" (ثم اعلم) ان العلماء كما بينوا فى التفسير شرائط بينوا فى المفسر ايضا شرائط لا يحل التعاطى لمن عرى عنها او هو فيها راجل (وهى) ان يعرف خمسة عشر علما على وجه الاتقان والكمال (احدها) اللغة اذ بها يعرف شرح مفردات الالفاظ ومدلولاتها الوضعية قال مجاهد لا يحل لاحد يؤمن بالله واليوم الآخر ان يتكلم فى كتاب الله تعالى اذا لم يكن عالما بلغات القرآن ونقل ايضا ذلك عن الامام مالك ولا يكتفى بمعرفة اليسير منها اذ لا يأمن ان يكون اللفظ مشتركا وهو ذاهل عن احد المعنيين او المعانى والمراد المعنى الآخر (الثانى) النحو اذ يختلف المعانى ويتبدل باختلاف الاعراب كما روى عن الحسين انه قال تعلم العربية فان الرجل يقرء الآية فيعتنى بوجهها فيهلك فيها (الثالث) التصريف اذ به معرفة الابنية والصيغ كما نقل عن ابن فارس انه قال كم من كلمة يجهل معناها فيتضح بمصادرها (وقال) الزمخشرى من بدع التفاسير قول من قال ان الامام فى قوله تعالى يوم ندعوا كل اناس بامامهم جمع ام وان الناس يدعون يوم القيمة بامهاتهم دون آبائهم قال وهذا غلط اوجبه جهله بالتصريف فان اما لا يجمع على امام (الرابع) الاشتقاق لان الكلمة يختلف معناها باشتقاقها من مادتين مختلفتين كالمسيح هل هو من السياحة او المسح (الخامس) و (السادس) و (السابع) المعانى و البيان والبديع اذ بالاول يعرف خواص التركيب من جهة افادتها المعنى وبالثانى خواصها من حيث اختلافها بحسب الزيادة فى الوضوح والنقصان فيه وبالثالث وجوه تحسين الكلام وهذه العلوم الثلاثة هى علوم البلاغة الاولان ذاتيا و الثالث عرضيا وهى من اعظم اركان المفسر لانه لابد له من مراعاة ما يقتضيه الاعجاز وانما يدرك بهذه العلوم الا ان ملاك الامر فيه اما السليقة كالاعراب الخلص ومن يحذو حذوهم او الذوق الذى هو الآلة فى اكتساب البلاغة ولا يمكن تحصيلها بدونه، قال السكاكى فى حق المعانى والبيان فالويل كل الويل لمن تعاطى التفسير وهو فيهما راجل (الثامن) علم القراءات اذ به يعرف كيفية النطق بالقرآن ويرجح بعض الوجوه المحتملة على بعض (التاسع) اصول الدين لان فى القرآن آيات

لا یجوز ظاهرہا فی حق اللہ تعالیٰ فالاصولی یأول ذلک ویحملہ علی ما یجوز فی حقہ تعالیٰ فمعرفۃ ما یستحیل فی حقہ تعالیٰ وما یجب وما یجوز لا یمکن الا بہ (العاشر) اصول الفقہ اذ بہ یعرف وجوہ الاستدلال علی الاحکام والاستنباط (الحادی عشر) اسباب النزول والقصص اذ سبب النزول یعرف بہ معنی الآیۃ بحسب ما انزل فیہ (الثانی عشر) الناسخ والمنسوخ لیعلم المحکم من غیرہ (الثالث عشر) الفقہ (الرابع عشر) الاحادیث المبینۃ لتفسیر المجمل والمبہم (الخامس عشر) علم الموھبۃ وھو علم یورثہ اللہ تعالیٰ لمن عمل بما علم والیہ الاشارۃ بحدیث من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم "واعلم" ان ھذہ العلوم ھی العلوم التی لا مندوحۃ للمفسر عنہا والا فعلم التفسیر لابد لہ من التبحر فی کل العلوم، واما العلوم المستنبطۃ من القرآن فبحر لا ساحل، ولو ان اخطرت بالبال ان العلوم الوھبیۃ لیست فی قدرۃ البشر بل ذلک امر حاصل بفضلہ سبحانہ من غیر کسب من العباد فنقول معنی العلوم الوھبیۃ ان یحصل فی الانسان حالۃ کشفیۃ تنکشف معہا العلوم والمعارف بلا تعمل و اکتساب بل بمحض لطف الملک الوھاب لکن تحصیل تلک الحالۃ داخلۃ تحت القدرۃ وحاصلۃ بالمباشرۃ بان لا یکون فی القلب بدعۃ وکبر وھوی وحب الدنیا والاصرار علی الذنب وان لا[۱] یتحقق بالایمان او یتحقق بہ علی ضعف وان لا یعتمد فی باب التفسیر علی قول مفسر لیس عندہ علم او راجع الی عقلہ القاصر وھذہ العلوم کلہا حجب عن حصول الکشف وموانع عنہ بعضہا اکثر من بعض

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ تفسیر لکھنے کے لئے پندرہ ۱۵ علوم میں مہارتِ تامّہ کا ہونا ضروری ہے
(۱) لغت (۲) نحو (۳) صرف (۴) اشتقاق (۵) معانی (۶) بیان (۷) بدیع (۸) علم القرآت (۹) اصول الدین (۱۰) اصولِ فقہ (۱۱) اسباب النزول والقصص (۱۲) ناسخ منسوخ (۱۳) فقہ (۱۴) احادیث (۱۵) علم الموہبۃ

مودودی صاحب کو ان علوم سے تو کیا حاصل ہوتا انھیں تو محض عربی زبان پر بھی پوری قدرت نہیں، ان کی کتابوں کے عربی ترجمے مولانا مسعود عالم ندوی نے کئے ہیں اگر ان کو کسی علم سے کچھ واقفیت ہے بھی تو وہ صرف انکے مطالعہ تک محدود ہے، انھوں نے کوئی علم کسی مستند درسگاہ

---

[۱] ای ان لا یکون غیر متحقق بالایمان او ضعیف التحقیق کذا فی الاتقان عن الزرکشی ۱۲ منہ

سے حاصل نہیں کیا۔ ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی تحصیل علوم کے بغیر صرف مطالعہ سے کوئی فن حاصل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کوئی شخص دنیا بھر کی کتب طب قدیم وجدید کا مطالعہ کرلے تو بھی اسے حکیم یا ڈاکٹر کی سند نہیں دی جاسکتی اور نہ ہی اس کو علاج معالجہ کرنے کی اجازت دیجاسکتی ہے جب تک کہ کسی معتبر ادارہ میں ماہر اساتذہ کی نگرانی میں علم حاصل نہ کرے۔ پھر مودودی صاحب میں علم الموہبۃ کی شرائط کے وجود کا تو کیا ہی کہنا۔ نیز حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن مبین کے حاملین اوّلین ہیں اس لئے انکے ساتھ عداوت رکھنے والوں اور انکی شان میں گستاخی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ علوم قرآن کی نعمت عطا نہیں فرماتے جیسے کہ روافض عداوتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وجہ سے حفظِ قرآن کی دولت سے محروم ہیں۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بالخصوص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جامع قرآن ہیں لہٰذا آپ کے ساتھ بغض رکھنے والے کو دولتِ قرآن ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی۔ شرائط مفسر میں علم الموہبۃ بھی ہے۔ بغضِ صحابہ اور علم الموہبۃ ایک قلب میں جمع نہیں ہوسکتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیانت کو مخدوش کرنا درحقیقت قرآنِ کریم کی صداقت کو مجروح کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الآخرہ سنہ ۹۶ھ

لانکاح بین العیدین کی تحقیق

سوال: کیا نکاح بین العیدین حدیث ہے اور کیا واقعی عیدین کے درمیانی دو مہینوں شوال اور ذی قعدہ میں نکاح ٹھیک نہیں جیسا کہ ہمارے دیار میں مشہور ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عیدین کے درمیانی مہینوں شوال اور ذی قعدہ میں نکاح اور زفاف دونوں بلاکراہت جائز ہیں اسے کیسے ناجائز کہا جاسکتا ہے جبکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ محبوب ترین زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شوال ہی میں نکاح کیا اور شوال ہی میں رخصتی ہوئی۔ باقی رہا "لانکاح بین العیدین"۔ اوّل تو یہ حدیث صحیح نہیں اور اگر بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے تو اسمیں عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ نہیں بلکہ جمعہ اور صلوۃ العید مراد ہیں اور اس سے مقصد قاعدۂ کلیہ کا بیان نہیں بلکہ یہ واقعہ جزئیہ ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ سردی کے زمانے میں جبکہ دن چھوٹے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے فارغ ہوئے تو کسی نے نکاح پڑھانے کی درخواست کی ہوگی تو آپ نے

یہ ارشاد فرمایا ہوگا کہ دونوں نمازوں کے بیچ میں نہیں، مطلب یہ تھا کہ جمعہ کا افضل وقت نکاح کی نذر نہ ہو جائے اسلئے اس سے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں ۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی مستحبات النکاح (تنبیہ) قال فی البزازیۃ والبناء والنکاح بین العیدین جائز وکرہ الزفاف والمختار انہ لا یکرہ لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تزوج بالصدیقۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) فی شوال وبنی بہا فیہ وتأویل قولہ علیہ السلام لا نکاح بین العیدین ان صح انہ علیہ السلام کان رجع عن صلوٰۃ العید فی اقصر ایام الشتاء یوم الجمعۃ فقالہ حتی لا تفوتہ الرواح فی الوقت الافضل اھ (شامیہ ص۲۹۳ ج۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ ذی الحجہ سنہ ۹۵ ہجری

طوفانِ نوح علیہ السلام عام تھا

سوال: طوفانِ نوح عام تھا یا خاص؟ اس کا جواب ضرور عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

باری تعالیٰ کا ارشاد وجعلنا ذریتہ ھم الباقین وقولہ لا تذر علی الارض من الکٰفرین دیارا وقولہ وقلنا احمل فیھا من کل زوجین اثنین سے اس طوفان کا عام ہونا معلوم ہوتا ہے اس آیت کی تفسیر میں ترمذی کی روایت بھی اسی کی مؤید ہے اسلئے جمہور کا یہی مسلک ہے بعض نے خصوص کا قول بھی روایت کیا ہے اور آیات میں حصر اضافی اور ارض معہود کی تأویل کی ہے مگر اسکے قائل بہت قلیل ہیں۔ اگر عموم عذاب سے بعثت عامہ کا شبہ کیا جائے حالانکہ بعثت عامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے تو اسکے یہ جواب دیئے جاسکتے ہیں۔

(۱) قال الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ ورأیت فی بعض الکتب ولا ادری الآن ای کتاب ھو ان نوحا علیہ السلام لم یرسل الا بالتوحید ونحوہ من اصول العقائد ولم یرسل بفروع ۔ پس جب نوح علیہ السلام کی بعثت صرف توحید وغیرہ اصول دین کے ساتھ ہوئی اور تمام انبیاء علیہم السلام اصول دین میں متحد ہیں تو یہ سزا توحید کی مخالفت کی وجہ سے عام ہوئی۔

(۲) نبی کی بعثت اگرچہ خاص ہو مگر ہر قوم پر اسکی نبوت کی تصدیق ضروری ہے اگرچہ التزام طاعت ضروری نہیں لہٰذا تکذیب اور انکار نبوت کی وجہ سے عذاب عام ہوا۔

(۳) اسوقت دنیا کی آبادی ہی محدود تھی اور جو آبادی تھی وہ نوح علیہ السلام کی قوم میں سے تھی اسلئے عذاب سب پر نازل ہوا اور عموم بعثت کے معنی یہ ہیں کہ اقوام کثیرہ کی طرف بعثت ہو ورنہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی عموم بعثت کا اشکال ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ر رجب المرجب سنہ ۸۸ھ

سات زمینوں کی تحقیق

سوال: ارشاد باری تعالیٰ "اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن" سے معلوم ہوا کہ جیسے آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں مگر یہ زمینیں ہمارے اوپر ہیں یا نیچے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

بعض کہتے ہیں کہ زمین ایک ہی ہے اور مثلیّت بعض صفات میں مراد ہے عدد میں نہیں مگر یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ سات زمینوں کا وجود احادیث صحیحہ سے ثابت ہے مگر شریعت نے انکی جگہ نہیں بتائی اسلئے اس بارے میں اقوال مختلف ہیں۔

(۱) سات زمینیں ایک دوسری کے اوپر ہیں اور ہر دو کے درمیان فصل ہے۔

(۲) پہلے آسمان کے اوپر دوسری زمین ہے پھر دوسرے آسمان کے اوپر تیسری زمین، علیٰ ہٰذا القیاس چھٹے آسمان کے اوپر ساتویں زمین ہے اور اسکے اوپر ساتواں آسمان،

(۳) اقالیم سبعہ مراد ہیں۔

(۴) معادن یا مٹی کے سات طبقات مراد ہیں۔

قول اول راجح ہے کیونکہ یہ بعض احادیث سے بھی ثابت ہے اور جمہور کا قول بھی یہی ہے قال الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ والمثلیۃ تصدق بالاشتراک فی بعض الاوصاف فقال الجمهور هی ههنا فی کونها سبعًا وکونها طبقا بعضها فوق بعض بین کل ارض وارض مسافۃ کما بین السماء والارض وفی کل ارض سکان من خلق اللہ عزّ وجل لا یعلم حقیقتهم الا اللہ تعالیٰ وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما انهم اما ملائکۃ او جن (الی ان قال) کون ما بین کل ارضین خمسمائۃ سنۃ کما بین کل سماءین جاء فی اخبار معتبرۃ کما روی الامام احمد والترمذی عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الحدیث (روح المعانی ص۱۲۶ ج ۲۸)

تحقیقاتِ جدیدہ کے مطابق اگر چاند وغیرہ سیّاروں کی زمین کے ساتھ مماثلت ثابت ہو جائے تو وہ قول مذکور کے مطابق ہے۔ سبعہ سیّارہ میں سے شمس کے سوا باقی سیّارات کی زمین سے مماثلت بتائی جاتی ہے سو بشمول ارض سات کا عدد پورا ہو جاتا ہے۔ اور اگر سیّارات مزید ثابت ہو جائیں تو شاید ارض کے ساتھ ان کی مماثلت من کل وجہ نہ ہو اور من کل وجہ مماثلت بھی ثابت ہو جائے تو سات کے عدد میں احتمال تکثیر ہے، نیز عدد اقل اکثر کی نفی نہیں کرتا۔

اور دو سیّاروں کے درمیان فصل اگر پانچ سو سال کی مسافت کے مطابق نہ ہو تو اس عدد کو بھی تکثیر کے لئے لیا جا سکتا ہے۔ وھو معروف فی کلام العرب، فتح الباری میں ایک روایت اکہتر یا بہتر کی بھی منقول ہے اس سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ یہ اعداد تکثیر کیلئے ہیں لکیلا تتضاد

بعض روایات میں ہے کہ بقیہ زمینیں ہماری زمین کے نیچے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ بعض حالات میں نیچے ہوتی ہیں اور بعض میں اوپر، چونکہ زمین کے مفہوم میں تحتانیت متصور ہے اس لئے صرف نیچے ہونا بیان کیا گیا۔ اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ سیّارات پر کوئی مخلوق نہیں اور نہ ہی وہاں کسی جاندار کے زندہ رہنے کا امکان ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ عدم وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں، بالخصوص جبکہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے منقول ہے کہ وہ مخلوق ملائکہ یا جنات ہیں اور یہ امر مسلم و مشاہد ہے کہ ملائکہ اور جنات کے وجود و عدم اور انکے مدار زندگی کے فقدان کا فیصلہ انسان نہیں کر سکتا۔ بہرکیف اسلم یہ ہے کہ اس تحقیق میں نہ پڑا جائے کہ یہ زمینیں کہاں ہیں؟ صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ سات زمینیں ہیں۔ واللہ اعلم بمکانھا وکیفیاتھا وسکانھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الاوّل سنہ ۸۹ھ

تحقیق حدیث فی کل ارض آدم کآدمکم الخ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم و نوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم وعیسیٰ کعیسیٰ ونبی کنبیکم الخ کیا یہ درست ہے؟ پہلی زمین اور دوسری زمین میں کتنا فاصلہ ہے؟ کیا ہر ایک زمین میں اس طرح نبی گزرے ہیں اور اس طرح آدمی ہیں؟ بحوالہ کتب مع عبارات تحریر فرمائیں کہ مولوی صاحب کا قول درست ہے یا غلط؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی ھٰذہ الآیۃ ۔ ومن الارض مثلھن قال فی کل ارض مثل ابراھیم ونحو ما علی الارض من الخلق ھٰکذا اخرجہ مختصرًا واسنادہ صحیح واخرجہ الحاکم والبیہقی من طریق عطاء بن السائب عن ابی الضحی مطوّلا واولہ ای سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم وعیسیٰ کعیسیٰ ونبی کنبیکم قال البیہقی اسنادہ صحیح الا انہ شاذ بمرۃ (فتح الباری ص۲۰۲ ج ۶)

وقال الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ وھکذا ما یذکرہ کثیر من اھل الکتاب وتلقاہ عنھم طائفۃ من علمائنا من ان ھٰذہ الارض من تراب والتی تحتھا من حدید والاخری من حجارۃ من کبریت والاخری من کذا فکل ھٰذا اذا لم یخبر بہ ویصح سندہ الی المعصوم فھو مردود علی قائلہ ۔ وھکذا الاثر المروی عن ابن عباس انہ قال فی کل ارض من الخلق مثل ما فی ھٰذہ حتی آدم کآدمکم وابراھیم کابراھیمکم فھذا ذکرہ ابن جریر مختصرًا واستقصاہ البیہقی فی الاسماء والصفات وھو محمول ان صح نقلہ عنہ علی انہ اخذہ ابن عباس عن الاسرائیلیات (البدایۃ والنہایۃ ص۲۱ ج ۱)

وقال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ والمثلیۃ تصدق بالاشتراک فی بعض الاوصاف فقال الجمھور ھی ھنا فی کونھا سبعًا وکونھا طباقًا بعضھا فوق بعض بین کل ارض و ارض مسافۃ کما بین السماء والارض و فی کل ارض سکان من خلق اللہ عزوجل لا یعلم حقیقتھم الا اللہ تعالیٰ وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما انھم اما ملائکۃ اوجن واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ والبیہقی فی شعب الایمان وفی الاسماء والصفات من طریق ابی الضحی عنہ انہ قال فی الآیۃ سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوح وابراھیم کابراھیم وعیسیٰ کعیسیٰ قال الذھبی واسنادہ صحیح ولکنہ شاذ بمرۃ لا اعلم لابی الضحی علیہ متابعًا وذکر ابو حیان فی البحر نحوہ عن الحبر وقال ھٰذا حدیث لاشک فی وضعہ وھو من روایۃ الواقدی الکذاب واقول لا مانع عقلا وشرعًا من صحتہ والمراد ان فی کل ارض خلقا یرجعون الی اصل واحد رجوع بنی آدم فی ارضنا الی آدم علیہ السلام وفیھم افراد ممتازون علی سائرھم کنوح وابراھیم وغیرھما فینا ۔ واخرج ابن ابی حاتم والحاکم وصححہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما

مرفوعًا ان بین کل ارض والتی تلیها خمسمائة عام والعلیا منها علی ظهر حوت قد التقی طرفاه فی السماء والحوت علی صخرة بید ملك والثانیة مسجن الریح - والثالثة فیها حیاتها - والسادسة فیها عقاربها والسابعة فیها سقر فیها ابلیس مصفد بالحدید ید امامه وید خلفه یطلقه اللہ تعالیٰ لمن یشاء وھو حدیث منکر کما قال الذھبی لا یعول علیه اصلاً فلا تغتر بتصحیح الحاکم ومثله فی ذلك اخبار کثیرة فی ھذا الباب لولا خوف الملل لذکرناھا لکن کون ما بین کل ارضین خمسمائة سنة کما بین کل سمائین جاء فی اخبار معتبرة کما روی الامام احمد والترمذی عن ابی ھریرة الخ

(روح المعانی ص ۱۲۵ ج ۲۸)

ان عبارات سے مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوئے۔

(۱) یہ مضمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

بعض حضرات نے اسے موقوف علی السماع ہونے کی وجہ سے بحکم مرفوع قرار دیا ہے، مگر اسکا اس لئے یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اسرائیلیات سے لینے کا احتمال ہے کما قال الحافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ

(۲) اس کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کی صحت میں اختلاف ہے صحت راجح معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ اگرچہ حاکم کی تصحیح قابلِ اطمینان نہیں مگر ذہبی کی تصحیح بلاشبہ معتبر ہے اس کی وجہ بندہ کی کتاب ارشاد القاری الی صحیح البخاری میں ملاحظہ فرمائیں

(۳) اس کی روایت میں ابو الضحیٰ متفرد ہیں۔

بظاہر یہ امر روایت کی صحت کو مخدوش کر رہا ہے کہ ایسے اعجب العجائب مضمون کو سوائے ایک شخص کے اور کوئی روایت نہیں کرتا، مگر اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بخوف فتنہ اسے چھپاتے تھے چنانچہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ لو حدثتکم بتفسیرھا لکفرتم وکفرکم بتکذیبکم بھا

خلاصہ یہ کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیطرف نسبت کی صحت راجح ہے مگر بحکم مرفوع ہونے میں کلام ہے۔

مطلب

بعض اکابر نے لکھا ہے کہ بقیہ اراضی میں مخلوق کا ہونا ثابت ہے اور "لکل قوم ھاد" سے

ثابت ہوتا ہے کہ ان کی طرف انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ نیز "یتنزل الامر بینھن" سے بھی ثابت ہوا کہ سب زمینوں میں وحی نازل ہوتی ہے، اس لئے اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حقیقت پر مبنی ہے یعنی دوسری زمینوں میں بھی انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی ہے، آگے دو احتمال ہیں ایک یہ کہ انکے نام آدم، ابراہیم بطور تشبیہ ہوں۔ دوسرا یہ کہ واقعۃً انکے بھی یہی نام ہوں "نبی کنبیکم" سے احتمال اوّل کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

مگر دوسرے محققین نے اس سے اتفاق نہیں کیا اسلئے کہ بقیہ زمینوں میں مخلوق کا ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اور اگر مخلوق کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو وہ بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملائکہ یا جنات ہیں اور نبی کا انسان ہونا لازم ہے، اور انسان کا صرف جنات کی طرف مبعوث ہونا اور دوسرے انسانوں سے الگ صرف جنات ہی کی بستی میں رہنا بعید ہے اسکے برعکس دوسری زمینوں کے جنات کی ہدایت کا اس زمین کے انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہونا اور ان کا یہاں آکر ہدایت پانا کچھ بعید نہیں، اور "یتنزل الامر بینھن" میں امر سے تکوینی امر مراد لیا جاسکتا ہے۔

باقی رہا صرف یہی اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سو اوّلاً تو شبہۂ اسرائیلیات کی وجہ سے اسکا محمل تلاش کرنے میں کاوش کی چنداں حاجت نہیں بالخصوص جبکہ خود صاحب اثر بھی اسے چھپاتے تھے کما مرّ من الدر المنثور، ثانیاً اسکا محمل یہ ہوسکتا ہے کہ جیسے ہماری زمین میں مبدء اور ممتاز حضرات ہیں اسی طرح دوسرے طبقات میں بھی مبدء اور ممتاز افراد ہیں، کما مرّ من الروح اور "نبی کنبیکم" میں نبی بمعنی لغوی ہوسکتا ہے۔

غرضیکہ اوّلاً تو یہ حدیث نہیں بلکہ اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے۔ پھر اس کا ثبوت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مختلف فیہ ہے، پھر اسرائیلیات میں سے ہونے کا شبہ ہے، پھر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسکا محمل واضح ہے، مگر ہوس نبوّت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسی کمزور بنیاد پر کتنی بڑی عمارت کھڑی کر رہے ہیں کہ جب زمین کے دوسرے طبقات میں بھی انبیاء ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ ہوئے، ان کی مثال بس وہی ہے من اسس بنیانہ علی شفا جرف ھار فانھار بہ فی نار جھنم، نصّ قرآنی اور قطعی واجماعی عقیدہ کے ناقابل تسخیر قلعہ کو مچھر کے پر سے اُڑانا چاہتے ہیں اللّٰھم خذھم اخذ عزیز مقتدر۔

اگر دوسرے طبقات میں انبیاء علیہم السلام کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ کیسے

ثابت ہوا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں یا ان میں سے کوئی آپکا ہم رتبہ ہے تشبیہ کے لئے مساوات ضروری نہیں، آپ کی نبوت کا عموم اور ختم نبوت نصوص قطعیہ سے ثابت ہونیکی وجہ سے لازماً یہی کہنا پڑیگا کہ دوسرے طبقات میں اگر انبیاء گزرے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل گزرے ہیں۔ آپ کی نبوت جمیع طبقات کے لئے عام ہے، اس پر یہ اشکال نہیں ہوسکتا کہ آپ سے دوسرے طبقات کے استفادہ کی کیا صورت ہے؟ اس لئے کہ وہاں بستے ہی جنات ہیں اور انھیں استفادہ کے لئے ہماری زمین پر آنے میں کوئی دقت نہیں نیز یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ کام کر رہی ہو، بلکہ یہ احتمال سب انبیاء علیہم السلام میں ہے، اس طرح تشبیہ اشتراک فی الاسم کو بھی شامل ہوگئی یہ علی سبیل التسلیم تحریر کر دیا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ دوسرے طبقات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا وجود ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ صفر سنہ ۹۷ ہجری

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

سوال: کیا کسی حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے تفصیل سے تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حدثنا هداب بن خالد وشيبان بن فروخ قالا اخبرنا حماد بن سلمة البنانی وسليمان التيمی عن انس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اتيت وفی رواية هداب مررت علی موسیٰ ليلة اسری بی عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلی فی قبره (صحیح مسلم ص۲۶۸ ج۲) مختلف طرق سے یہ حدیث مروی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

سب سے اوّل کیا پیدا ہوا؟

سوال: ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور تھا پھر آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میری روح تھی، پھر آپ نے فرمایا کہ جو شئے سب سے پہلے

پیدا ہوئی وہ میری عقل تھی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو چیز سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی تھی وہ قلم تھا تو اب ان چاروں حدیثوں سے بندہ کو خلجان ہو گیا لہٰذا مہربانی کرکے بندہ کے شک کو رفع کیا جائے۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ رأیت فی الدر المنثور نقلاً عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان اوّل شیء خلقہ اللہ القلم (الی ان قال) وفی الدر ایضاً عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اوّل شیء خلق اللہ القلم ثم النون وھی الدواۃ (الی ان قال) وروی ان اول ما خلق اللہ العقل و ان اوّل ما خلق اللہ نوری وان اوّل ما خلق اللہ روحی وان اوّل ما خلق اللہ العرش والاولیۃ من الامور الاضافیۃ فیؤول ان کل واحد ممّا ذکر خلق قبل ما ھو من جنسہ فالقلم خلق قبل جنس الاقلام ونورہ قبل الانوار (الی قولہ) ومنہ اوّل ما خلق نوری وفی روایۃ روحی ومعناھما واحد اھ (مرقاۃ ص۱۶۷ ج۱)

خلاصہ یہ کہ روح اور نور کے ایک ہی معنی ہیں اور بقیہ اشیاء میں اوّلیت سے اوّلیت اضافیہ مراد ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الآخر سنہ ۸۹ھ

تشریح حدیث من ھٰذا الرجل الخ

سوال: قبر میں میّت سے منکر نکیر دریافت کرتے ہیں، من ھٰذا الرجل الذی بعث فیکم الخ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں حاضر ہوتے ہیں یا روضۂ اقدس سے قبر تک پردۂ حجاب اُٹھایا جاتا ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھائی جاتی ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگرچہ احتمال یہ بھی ہے کہ قبر میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مثالیہ پیش کی جاتی ہو یا قبر اور روضۂ اطہر کے درمیان سے حجاب اُٹھا دیا جاتا ہو مگر احادیث کے ظاہر اور تبادر عقل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور صفات سامیہ بیان کرنے کے بعد دریافت کیا جاتا ہے۔ ھٰذا الرجل ولم یقل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لئلا یکون تلقینا للحجۃ قال عیاض یحتمل انہ صلی اللہ علیہ وسلم مثّل للمیّت فی قبرہ والاظھر

انہ سمی لہ انتہی یعنی لانہ المتبادر من قولہ فی الصحیحین عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل محمد وکذا فی روایۃ ابن المنکدر عن اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا عند احمد رحمہ اللہ ولہ من حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا ما ھذا الرجل الذی کان فیکم (ارشاد القاری ص۲۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۔۔ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ

کتب حدیث کی تاریخ تالیف

سوال : بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ، موطا، نسائی، مسند امام احمد، سنن ابوداود، سنن دارمی اور سنن امام شافعی، یہ کتابیں کس کی لکھی ہوئی ہیں اور کس سن ہجری میں لکھی گئی ہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مذکورہ کتابوں کے مؤلف خود سوال میں کتاب کے ساتھ مذکور ہیں۔ موطا دو ہیں۔ موطا امام مالک، موطا امام محمد۔ ان محدثین کی تواریخ وفات یہ ہیں۔

(۱) موطا امام مالک بن انس متوفی سنہ ۱۷۹ ہجری
(۲) موطا امام محمد متوفی سنہ ۱۸۹ ہجری
(۳) مسند الامام الشافعی متوفی سنہ ۲۰۴ھ (یہ تین کتابیں دوسری صدی کی ہیں)
(۴) صحیح بخاری متوفی سنہ ۲۵۶ ہجری
(۵) صحیح مسلم متوفی سنہ ۲۶۱ ہجری
(۶) سنن ابی داود متوفی سنہ ۲۷۵ ہجری
(۷) سنن الترمذی متوفی سنہ ۲۷۹ ہجری
(۸) سنن نسائی متوفی سنہ ۳۰۳ ہجری
(۹) سنن ابن ماجہ متوفی سنہ ۲۷۳ ہجری
(۱۰) مسند امام احمد متوفی سنہ ۲۴۱ ہجری
(۱۱) مسند دارمی متوفی سنہ ۲۵۵ ہجری

یہ سب کتابیں تیسری صدی کی ہیں (ارشاد القاری ص۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۳ھ

تشریح حدیث من رأی منکم منکرا الخ

سوال : حدیث من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ الخ کی کیا تفسیر ہے ؟ بازار میں عام لوگ ڈاڑھی منڈے اور فسق وفجور میں مبتلا نظر آتے ہیں کیا ان سب کو تبلیغ کرنا فرض ہے ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث میں استطاعت سے حسّی استطاعت مراد نہیں، اسلئے کہ اس صورتمیں عدم استطاعت متصور ہی نہیں ہوسکتی کیونکہ بادشاہ کو بھی طمانچہ مارنے کی حسّی استطاعت تو سب میں موجود ہے اسلئے استطاعت سے مراد یہ ہے کہ جسے تبلیغ کرنا چاہتا ہے اسکے شر سے محفوظ رہ سکے نیز اگر قبول کی توقع نہو تو تبلیغ ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالےٰ اعلم

۲۷ ر ذی الحجہ سنہ ۹۴ ہجری

تشریح حدیث للمسلم علی المسلم ستّۃ حقوق

سوال : حدیث للمسلم علی المسلم ستّۃ حقوق الخ کی کیا تفسیر ہے ؟ کیا ہر شہری کے ذمہ لازم ہے کہ وہ دن میں کم از کم ایک مرتبہ ہسپتال جاکر بیماروں کی تیمار داری کرے۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دنیا کے ہر مسلم کی عیادت ہر مسلم پر واجب ہو تو نہ عیادت کرنے والوں کو کسی دوسرے کام کی فرصت مل سکتی ہے اور نہ ہی مریض کو چین وآرام کی مہلت میسر آسکتی ہے لہٰذا حدیث مخصوص ہے اہل تعلق واہل معرفت کے ساتھ۔ فقط واللہ تعالےٰ اعلم

۲۸ ر ذی الحجہ سنہ ۹۴ ہجری

امر بالمعروف کی طرح نہی عن المنکر بھی فرض ہے

سوال : امر بالمعروف کرنا اور نہی عن المنکر نہ کرنا مخرج عن عہدۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ہے یا نہیں۔ اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مقصود نصیحت کرنے سے اصلاح الغیر ہے اور نہی عن المنکر سے نفرت اور ضد پیدا ہوتی ہے اسلئے امر بالمعروف کرنا کافی لاصلاح الغیر ہے بلکہ زیادہ مؤثر ہے اس سے کہ اجتماع بین الامر والنہی ہوجائے اور کہتے ہیں کہ ہم نے اسکا تجربہ کیا ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر دو مستقل مأمور بہ ہیں، ایک پر عمل سے دوسرے سے فارغ الذمہ نہیں ہوگا البتہ نہی عن المنکر میں ملاطفت اور ہمدردی کا اظہار ضروری ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ر محرم سنہ ۹۵ھ

عاشوراء میں توسیع علی العیال سے متعلق حدیث:

سوال: عام طور پر مشہور ہے کہ جو شخص یوم عاشوراء کو اپنے اہل وعیال میں فراخی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورے سال فراخی و وسعت عطا فرماتے ہیں، کیا شرعاً اس کی کچھ اصل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں ایک حدیث مشہور ہے جسے امام احمد، عقیلی، ابن قیسرانی ابن جوزی، ابن تیمیہ، ابن قیم اور حافظ ابن حجر جیسے جبال حدیث نے غیر ثابت قرار دیا ہے، البتہ دوسرے بعض نے موضوع کی بجائے ضعیف کہا ہے۔ مگر فضائل میں بھی عمل بالضعیف کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کسی قاعدہ شرعیہ میں داخل ہو اور اسے سنت نہ سمجھا جائے (علائیہ) یہاں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں، یہ کسی کلیہ شرعیہ کے تحت نہیں اور عوام اسے سنت سمجھتے ہیں، محرم سے متعلق احادیث موضوعہ کا طومار اسے اور زیادہ مخدوش بنا رہا ہے، علاوہ ازیں اس میں اور بھی کئی قبائح ہیں جن کی تفصیل بندہ کے رسالہ "منکرات محرم" میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۰ ربیع الآخر سنہ ۹۵ھ

"واللہ یعصمک من الناس" کا وعدہ بعد الموت کو بھی شامل ہے:

سوال: کچھ علماء و واعظین یہ قصہ بیان کرتے ہیں کہ سلطان نور الدین زنگی کو خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ دو سرخ کتے میری مرقد منور پر حملہ آور ہیں ان کا تعاقب کرو، او کما قال، نیز ان سرخ رنگ یہودیوں کا مثالی حلیہ بھی دکھایا گیا تھا۔ سلطان مرحوم نے مع سپاہ و فوج مدینہ منورہ پہنچ کر اُن کا سراغ لگایا اور انہیں پہچان کر قتل کیا ملخصاً، یہ قصہ کیا مبنی بر حقیقت ہے؟ اور کس مستند اسلامی کتاب میں موجود ہے؟ اگر "واللہ یعصمک من الناس" کا وعدہ مابعد الموت کے لئے بھی ہے تو سلطان کو حفاظت کی کیا ضرورت تھی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ واقعہ صحیح ہے ۵۵۷ھ میں اسکا وقوع ہوا اور آج تک امت میں اس تواتر سے چلا آتا ہے کہ کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ اکثر علماء نے اس کو اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم نے فضائل حج میں سیرت کی معتبر ومقبول عام کتاب وفاء الوفاء جلد اوّل کے حوالہ سے اس کو بالتفصیل نقل فرمایا ہے۔ واللہ یعصمک من الناس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا جو انتظام فرمایا گیا تھا بظاہر یہ حیات وبعد الممات دونوں کو شامل ہے۔ واللہ یعصمک من الناس سے مافوق العادۃ ذرائع سے حفاظت مراد ہے جو واقعۂ مذکورہ میں حاصل ہے لہٰذا یہ واقعہ آیتِ مذکورہ کے خلاف نہیں بلکہ اسکا مظہر ہے اور اس خاص ذریعہ میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کے معجزہ کا اظہار ہو، اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر تک جانیکی کسی کو ویسے ہی قدرت نہ ہوتی تو معجزہ کا اظہار نہ ہوتا اس کی ایک نظیر حضرت حذیفہ وجابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامت ہے۔ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں شاہِ عراق (ملک فیصل اوّل) کو فرمایا کہ ہماری قبریں دوسری جگہ منتقل کرو یہاں دجلہ کا پانی آرہا ہے چنانچہ بڑی شان وشوکت کے ساتھ ان حضرات کی نعشوں کو وہاں سے نکالا گیا، اور لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے اسکا مشاہدہ کیا اور بیشمار کافر یہ کرامت دیکھ کر اسلام لائے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ نعش ہائے مبارک کا کفن حتیٰ کہ ریش مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ دیکھنے والوں کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ شاید انھیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں گزرا، دونوں حضرات کی آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پر اسرار چمک تھی کہ دیکھنے والا اُن سے آنکھیں نہ ملا سکتا تھا، اس واقعہ کے ایک عینی شاہد لطافت حسین صاحب کا مکتوب ماہنامہ "صدق" لکھنؤ ۱۱ر دسمبر سنہ ۱۹۴۴ء اور ماہنامہ "دار العلوم" دیوبند ستمبر ۱۹۵۷ء مطابق صفر ۱۳۷۷ھ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں بھی وہی معجزۂ اسلام کے اظہار کی حکمت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھے کہ دریا کا پانی انکی قبور کی طرف نہ آنے دیتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ر رجب سنہ ۹۵ ہجری

حدیث "الدنیا جیفۃ الخ" کا حوالہ

سوال: "الدنیا جیفۃ وطالبوہا کلاب" کیا یہ حدیث صحیح ہے۔ اگر ہے تو کس کتاب میں؟ تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ مضمون بلاشبہ حدیث سے ثابت ہے البتہ سرسری نظر سے بعینہ یہ الفاظ نہیں ملے۔

اوحی اللہ الی داؤد علیہ السلام یا داؤد مثل الدنیا کمثل جیفۃ اجتمعت علیہا الکلاب یجرونہا افتحب ان تکون کلبا مثلہم فتجر معہم (کنز العمال ص۱۲۲ ج ۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے متعلق حدیث

سوال: کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عوام کے کوڑے پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا؟ اس کی وجہ کیا تھی اور یہ ذکر کونسی کتاب میں ہے عوام کے کوڑے پر یا کسی بھی جگہ پر ایسا کیا تھا اس کی مکمل تفصیل تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباطۃ قوم فبال قائما ثم دعا بماء فمسح علی خفیہ (رواہ ابوداؤد فی باب البول قائما)

حدیث مذکور میں اسکی تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا۔ علماء نے اس کی مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں۔

(۱) آپ کے گھٹنوں میں درد تھا۔

(۲) کمر میں درد تھا ان دونوں دردوں کیلئے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مفید خیال کیا جاتا تھا

(۳) آپ زرع پہنے ہوئے تھے اس لئے بیٹھنے پر قدرت نہ تھی۔

(۴) بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حالت میں کپڑے نجس ہونیکا خطرہ تھا۔

بہر حال بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شرعاً ممنوع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو کسی عذر پر محمول کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ذی قعدہ سنہ ۹۲ھ

"ربّ اجعلنی مقیم الصّلوٰۃ الخ" پر اشکال کا جواب

سوال: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا فرمائی تھی ربّ اجعلنی مقیم الصلوٰۃ و من ذرّیّتی، اس میں مِنْ تبعیضیہ ہے جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ مجھے اور میری بعض اولاد کو نماز قائم کرنے والے بنا اور بعض دیگر کے حق میں یہ دعا نہیں ہے حالانکہ چاہیئے یہ کہ ہماری تمام اولاد مصلّی بنیں۔ کیا ہم اس وقت یہ دُعا پڑھ سکتے ہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحبِ وحی تھے۔ آپ کو بذریعہ وحی معلوم کرا دیا گیا تھا کہ آپکی بعض اولاد نیک نہیں ہوگی۔ لاینال عهدی الظّالمین، ومن ذریتهما محسن وظالم لنفسه مبین۔ اس لئے آپ کی دُعا میں "من ذریتی" میں مِنْ تبعیض کے لئے ہے آپ اس دُعا میں کوئی تغیر نہ کریں بلکہ مِنْ کو "تبیین یا ابتدار" کے لئے لیکر جمیع ذرّیت کی نیت کرلیا کریں قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ فی تفسیر قوله تعالیٰ ربّنا هب لنا من ازواجنا وذرّیّٰتنا الخ ومن ابتدائیة متعلقة بهب ای هب لنا من جهتهم وجوزان تکون بیانیة کانه قیل هب لنا قرة اعین ثم بیّنت القرة وفسّرت بقوله سبحانه من ازواجنا وذرّیّٰتنا و هذا مبنی علی مجیء من للبیان وجواز تقدم المبیّن علی المبین (روح المعانی ص۴۷ ج۱۹)

فکذلك یمکن النقل برهنا مثلاً اجعل اقامة الصلوٰة من ذرّیتی او اجعل مقیمی الصّلوٰة من ذرّیتی۔ فقط والله تعالیٰ اعلم

۳ ر ذی الحجہ سنہ ۹۶ ھ

تحقیق حدیث عرضِ اعمال

سوال: ایک پمفلٹ کا تراشا ارسالِ خدمت ہے جسمیں تحریر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عرضِ اعمال کی روایت باجماع محدثین موضوع ہے اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں۔

محدّثین کا اجماع ہے کہ عرضِ اعمال کی یہ روایت من گھڑت ہے۔ روایت یوں ہے۔ عن ابن المبارك انا رجل من الانصار عن المنهال بن عمرو انه سمع سعید بن المسیّب یقول لیس من یوم الّا یعرض فیه علی النبی امته غدوة وعشیة فیعرفهم باسمائهم واعمالهم فلذلك یشهد علیهم۔ ترجمہ: ابن المبارک نے کہا کہ مجھ سے ایک انصاری شخص نے اور اسنے المنهال

ابن عمرو سے سُنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے سعید بن مسیّب (تابعی) کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا کہ نبی پر آپ کی اُمّت صبح و شام پیش نہ کی جاتی ہو اور آپ اُمّتیوں کو انکے ناموں اور اعمالوں کیساتھ پہچان نہ لیتے ہوں تاکہ ان پر گواہی دیں۔ یہ حدیث نہیں بلکہ ایک تابعی سے منسوب کی جانیوالی غلط بات ہے۔ پھر رَجُلٌ من الانصار کا نام ہے نہ پتہ، نہ کسی حدیث کی کتاب میں اس روایت کا ذکر ہے۔ قرآن کریم یہ قاعدہ کلیہ بیان فرماتا ہے۔ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المؤمنون آیت ۱۰۰) ترجمہ سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ (آڑ) حائل ہے، دوسری زندگی کے دن تک (المؤمنون آیت ۱۰۰)

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (احقاف آیت ۵) اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں۔

یہی بات صحیح بخاری میں مختلف مقامات پر آئی ہے مثلاً یجاءُ برجالٍ من امتی فیؤخذ بھم ذات الشمال فاقول یا ربّ اصیحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول کما قال العبد الصالح وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (المائدہ ۱۱۷) فیقال انّ ھؤلاء لم یزالوا مرتدّین علی اعقابھم منذ فارقتھم (بخاری ص۶۶۵)

ترجمہ: نبی نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری اُمّت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا اور پھر وہ بائیں طرف (جہنم کی طرف) لیجائے جانے لگیں گے تو میں کہونگا کہ میرے رب! یہ تو میرے اُمتی ہیں (جہنم کی طرف کہاں چلے) اسوقت مجھ سے خطاب کیا جائیگا کہ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے بعد انھوں نے کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں، جواباً میں وہی کہونگا جو عبد صالح (عیسٰی علیہ السلام) کا قول قرآن میں ہے کہ "میں جب تک انمیں قیام پذیر رہا اُنکے احوال کی نگرانی کرتا رہا، اور جب تونے مجھے وفات دیدی تو صرف تُو ان پر نگران باقی رہ گیا" پھر مجھے بتایا جائیگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے رخصت ہوجانے کے بعد برابر اُلٹے پیروں واپس پھرتے گئے (بخاری ص۶۶۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نبی پر اُمّت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوتے تو اُن کو ان بدعتیوں کے معاملہ میں یہ تعجب نہ ہوتا۔ نبی کا زندگی میں یہ حال تھا کہ وہ فرماتے تھے تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحبّ ان یعرض عملی وانا صائم (رواہ الترمذی) ترجمہ: نبی نے فرمایا کہ اعمال اللہ کی بارگاہ میں دوشنبہ اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اسلئے میں محبوب رکھتا ہوں کہ ان دنوں میں جب میرے اعمال بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں (ترمذی مشکوٰۃ ص۱۸۰)

معلوم ہوا کہ اعمالِ انسانی اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں،

رہے وہ جو یہ عقیدہ رکھنے پر اصرار کریں کہ اعمال رسول پر پیش ہوتے ہیں تو وہ کھلے مشرک ہیں انھوں نے نبی کو اِلٰہ بنا لیا ہے۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تعجب ہے کہ محرر نے اس حدیث کے منگھڑت ہونے پر اجماع محدثین کا دعویٰ تو کیا مگر اسکے اثبات کے لئے کسی ایک محدث کا بھی کوئی قول نقل نہیں کیا۔ حدیث کا موضوع ہونا تو درکنار اسکے ضعیف ہونے پر بھی کوئی سند نہیں پیش کی۔ طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ محرر شدید غلو کا شکار ہے اسلئے اس نے اس حدیث کے موضوع یا ضعیف ہونے سے متعلق محدثین کے اقوال تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں فروگذاشت کیا ہوگا معہذا اسے اپنی خواہش کے مطابق کوئی قول نہیں ملا، ورنہ وہ اسے اپنی تائید میں ضرور پیش کرتے۔ سرسری تلاش سے احادیث ذیل نظر سے گزریں جنمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہر شخص کے والدین و اعزہ و اقارب پر بھی عرض اعمال کی تصریح ہے۔

(۱) مرسل سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ جو محرر نے بلا حوالہ نقل کی ہے کسی کے دریافت کرنے پر محرر نے "التذکرہ للقرطبی" کا حوالہ دیا۔

(۲) قال الحافظ رحمه الله تعالى اخرج ابن ابى حاتم والطبرانى وغيرهما من طريق يونس بن محمد بن فضالة عن ابيه ان النبى صلى الله عليه وسلم اتاهم فى بنى ظفر ومعه ابن مسعود وناس من اصحابه فامر قارئاً فقرأ فاتى على هذه الاية فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا، فبكى حتى ضرب لحياه ووجنتاه فقال يارب هذا على من انا بين ظهريه فكيف بمن لم اره؟ واخرج ابن المبارك فى الزهد من طريق سعيد بن المسيب قال ليس من يوم الا يعرض على النبى صلى الله عليه وسلم امته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم واعمالهم فلذلك يشهد عليهم ففى هذا المرسل ما يرفع الاشكال الذى تضمنه حديث ابن فضالة والله اعلم (فتح البارى ۹۹/۸)

(۳) فى المواهب مع شرحه للعلامة الزرقانى (روى ابن المبارك) عبدالله الذى تستنزل الرحمة بذكره (عن سعيد بن المسيب) التابعى الجليل ابن الصحابى (قال ليس من يوم الا وتعرض على النبى صلى الله عليه وسلم اعماله منه غدوة وعشيا فيعرفهم بسيماهم واعمالهم) فيحمد الله ويستغفر لهم فاذا علم المسىء ذلك قد يحمله الاقلاع ولا ينافى (ما رواه الحكيم الترمذى) وقدمناه عن الجامع الصغير لجواز ان العرض على النبى صلى الله عليه وسلم كل يوم على وجه التفصيل وعلى الانبياء ومنهم نبينا على وجه الاجمال يوم الجمعة فيمتاز صلى الله عليه وسلم بعرض اعمال امته كل يوم تفصيلا ويوم الجمعة اجمالا (زرقانى ص۳۲۱ ج۵) سعید بن المسیب کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی ہے اور عبد اللہ بن المبارک کی ولادت ۱۱۸ھ میں۔ لہذا یہ سند مرسل ہونیکے ساتھ معلق بھی ہے، عدم قبول مرسل میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متفرد ہیں مگر سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مراسیل کو امام شافعی بھی حجت تسلیم کرتے ہیں (تدریب الراوی ص۱۲۰)

علق اس شرط سے قبول ہے کہ راوی روایت عن الثقہ کا التزام کرے کتعلیقات البخاری، عبد اللہ ابن المبارک کی جلالتِ شان کے علاوہ اعتضاد بالروایا الاُخری کی وجہ سے اس روایت کو ساقط قرار دینا صحیح نہیں۔

(۴) تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللہ وتعرض علی الانبیاء وعلی الآباء والامہات یوم الجمعۃ فیفرحون بحسناتہم وتزداد وجوہہم بیاضاً واشراقاً فاتقوا اللہ ولا تؤذوا موتاکم، الحکیم عن والد عبد العزیز (ح) (الجامع الصغیر ص۱۳۰ ج ۱)

(۵) ایک عالم نے بتایا کہ جامع صغیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی مضمون کی روایت بحوالہ مسند الفردوس للدیلمی انکی نظر سے گزری ہے جو اسوقت سرسری تلاش سے نہیں ملی،

(۶) وفی جمع الفوائد عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال صلی اللہ علیہ وسلم حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم۔ للبزار۔ وفی حاشیۃ اعذب الموارد قال الھیثمی رجالہ رجال الصحیح کذا فی الفیض ۴۷۹/۲ و ۴۰۱/۳ وفی مجمع الزوائد ۲۴/۹ رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (جمع الفوائد ص۳۴۳ ج۲)

(۷) قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ (وجئنا بک شہیداً علی ھؤلاء) فان اعمال امتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تعرض علیہ بعد موتہ فقد روی عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قال حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ومماتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ تعالیٰ علیہ وما رأیت من شر استغفرت اللہ تعالیٰ لکم بل جاء ان اعمال العبد تعرض علی اقاربہ من الموتی۔

(۸) فقد اخرج ابن ابی الدنیا عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تفضحوا اموانکم بسیئات اعمالکم فانہا تعرض علی اولیائکم من اھل القبور۔

(۹) واخرج احمد عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً ان اعمالکم تعرض علی اقاربکم وعشائرکم من الاموات فان کان خیراً استبشروا وان کان غیر ذلک قالوا اللّٰھم لا تمتہم حتی تھدیہم کما ھدیتنا۔

(۱۰) واخرجہ ابوداؤد من حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزیادۃ والھمھم ان یعملوا بطاعتک

(۱۱) واخرج ابن ابی الدنیا عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال ان اعمالکم تعرض علی موتاکم فیسرون ویساؤن فکان ابوالدرداء یقول عند ذلک اللّٰھم انی اعوذبک ان یمقتنی خالی عبد اللہ بن رواحۃ اذا لقیتہ یقول ذلک فی سجودہ۔

والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لامتہ بمنزلۃ الوالد بل اولیٰ (روح المعانی ص۱۹۴ ج ۱۴)

(۱۲) علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ روح المعانی میں احادیث بالا کے بعد فرماتے ہیں کہ علامہ

مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی عرض الاعمال علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روایت نقل فرمائی ہے۔
احادیث مذکورہ میں سے حدیث ۱ کی سند صحیح اور ۲ کی سند حسن ہونیکی تصریح ہے اور حدیث ۹ اور ۱۰ کی قوت کے لئے امام احمد اور امام ابوداود رحمہما اللہ تعالیٰ کا نام ہی ضمانت ہے۔

محرر نے اپنے دعویٰ پر قرآن کریم کی دو آیتیں اور ایک حدیث پیش کی ہے، ان سے استدلال ایسا بدیہی البطلان ہے کہ اس سے متعلق کچھ لکھنے کی کوئی حاجت تو نہیں معہذا اسلئے لکھے دیتا ہوں کہ محرر کا مبلغ علم سامنے آجائے۔

① پہلی آیت کا پورا مضمون اس طرح ہے۔ حتّٰی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون ٥ لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون ٥
یعنی جب نافرمان کی موت کا وقت آتا ہے تو وہ مہلت طلب کرتا ہے تاکہ وہ نیک عمل کرلے اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ اب اسکی واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ اسکا حاصل یہ ہوا کہ مرنے کے بعد کوئی واپس نہیں آتا، یہ مطلب ہرگز نہیں اس دنیا سے بھی کوئی عالم برزخ میں نہیں جاتا۔ یہاں سے تو ارواح و اعمال کے جانیکا سلسلہ جاری ہی رہتا ہے اور احادیث کیمطابق بعد میں جانیوالوں کی پہلے جانیوالوں سے ملاقات بھی ہوتی ہے، اسی طرح ایصالِ ثواب کی صورت میں اموات کو ثواب بھی پہنچتا ہے۔

② دوسری آیت یہ ہے ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیٰمۃ وھم عن دعائھم غٰفلون ٥ یعنی بت اپنے پرستاروں کی پکار سے بیخبر ہیں اسکا مسئلۂ زیر بحث سے کیا تعلق؟

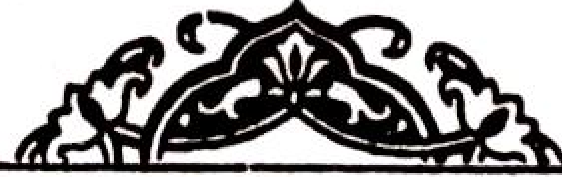
③ حدیث یجاء برجال من امتی الخ سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگوں کو ان کی صورتوں سے نہ پہچانیں گے، یہ مضمون عرض اعمال کے خلاف نہیں، کیونکہ عرضِ اعمال اُمت کے ناموں سے ہوتا ہے جس سے معرفت صور نہیں ہوتی۔ بارہ روایات میں سے دو میں "اسماء" کی بجائے "سیما" کا لفظ ہے جو سہو ناسخ معلوم ہوتا ہے۔

محرر نے آخر میں عرضِ اعمال کا عقیدہ رکھنے والی پوری اُمت مسلمہ بشمول کبار صحابہ و جلیل القدر محدثین کو مشرک قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ "انھوں نے نبی کو الٰہ بنا لیا ہے۔"

محرر پر لازم ہے کہ وہ پہلے شرک کی جامع و مانع حدّ تام بیان کریں اور پھر عرض اعمال کا اس میں دخول ثابت کریں، اگر مطلقاً دُور سے کسی چیز پر مطلع ہوجانا ہی الوہیت ہے خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے ہو تو آج جو لوگ گھر بیٹھے ٹیلیویژن پر دُنیا بھر کے حالات دیکھ اور سن رہے ہیں، کیا یہ سب محرر کے خیال میں اللہ ہیں؟ فقط واللہ العالم
جمادی الاولیٰ ۷۹ھ

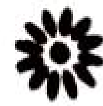


وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب



دفع الوسواس
عن
قصة القرطاس





فاروق

قصۂ قرطاس کی حقیقت

سوال: حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مشہور واقعۂ قرطاس کی حقیقت کیا ہے۔ اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں ان کی تفصیل اور تحقیق کیا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں وفات سے چار روز قبل پنجشنبہ کے دن اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ قرطاس یعنی کاغذ لاؤ میں ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوقت بیماری کی تکلیف زیادہ ہے لہٰذا آپ کو زحمت نہ دینا چاہیے اور ضروری احکام کے لئے کتاب اللہ کافی ہے اور بعض نامعلوم الاسم لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ لکھوا لینا چاہیئے۔ اس اثناء میں کچھ لوگوں نے "جن کا نام کسی روایت میں مذکور نہیں" کہا اھجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استفھموہ، یعنی کیا آپ کی جدائی کا وقت آگیا؟ آپ سے پوچھو تو سہی، پھر اسوقت نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریر کے لکھوانے کا قطعی حکم دیا اور نہ اسکے بعد کسی اور وقت میں اس کے متعلق کچھ فرمایا حالانکہ چار روز تک اس کے بعد دُنیا میں تشریف فرما رہے۔

قصّہ تو صرف اسی قدر ہے جو اوپر بیان ہوا، مگر اہلِ تشیع نے بڑی بے باکی کے ساتھ اس قصّہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تین اعتراض بڑے زور شور سے کئے ہیں۔

(۱) حضرت عمر نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا کہ یہ شخص ہذیان بکتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک) ہجر کے معنی ہذیان بکنے کے لیتے ہیں اور اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) ایسی ضروری تحریر جس کے بعد قیامت تک گمراہی کا اندیشہ نہ رہتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ لکھنے دی، اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی ہوئی اور تمام مسلمانوں کا نقصان بھی۔

(۳) حضرت عمر نے حسبنا کتاب اللہ فرمایا جسکا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی ضرورت نہیں۔

اعتراض اوّل کا جواب (۱) لفظ ہجر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہیں۔ کتب اہلِ سنت

میں، کوئی ایک صحیح روایت بھی اس افتراء کے ثبوت میں نہیں مل سکتی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ نہیں کہ یہ لفظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے بھی تحفۂ اثنا عشریہ میں یہی لکھا ہے، شیعہ علماء بھی جنھیں تجسس و عیب جوئی کی خاص مشق ہوتی ہے درجنوں کی درجنوں کئی سو برس سے ایسی روایت کی تلاش میں ہیں مگر مطالبات کے باوجود آج تک کوئی روایت نہیں پیش کر سکے، لہٰذا اگر کسی عالم اہل حق نے اسے مقولۂ عمر رضی اللہ عنہ تسلیم کر لیا ہے تو انھیں دھوکہ ہوا ہے کیونکہ شیعہ نے اپنی افتراء پردازیوں کو کچھ اس طرح شہرت دی اور عوام میں اسقدر پھیلایا کہ اس عام شہرت سے بعض خواص بھی دھوکہ کھا گئے جس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔ مثلاً امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں متعہ کا جواز اسقدر مشہور کیا گیا کہ صاحب ہدایہ جیسے محقق دھوکہ کھا گئے۔ کسی بڑے سے بڑے عالم کا دھوکہ میں آجانا کچھ مستبعد نہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے مطالبہ کیا ہے کہ کوئی معتبر روایت بسند صحیح پیش کرو۔ اوّل ہر شخص کا بلا سند کوئی بات کہہ دینا روایت معلّق نہیں ہو سکتا، معلّق اسے کہتے ہیں کہ کوئی محدث روایت کرتے وقت کسی چیز کو بلا ذکر سند کے بیان کرے۔ پھر ہر روایت معلّق کا صحیح ہونا بھی غلط ہے ورنہ پھر سند تو ایک بیکار شے ہو جائے گی۔ مولانا عبد الحی صاحب رحمہ اللہ ظفر الامانی میں فرماتے ہیں۔

"تلک الاخبار لا یعتبر بہا ما لم یعلم سندہا ومخرجہا (الی ان قال) المرسل انما هو ما ارسله راوی الحدیث وترک الواسطة بینه وبین النبی صلی الله علیه وسلم لا مجرد قول کل من قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والا لزم ان یکون قول العوام والسوقیة قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کذا مرسلا والوجه فیه ان الارسال والانقطاع ونحو ذلک من صفات الاسناد ویتصف الحدیث به بواسطته فحیث لا اسناد فلا ارسال ولا انقطاع ولا اتصال وانما هو مجرد نقل اعتمادا علی الغیر ومن المعلوم ان صاحب الهدایة وغیرہ من اکابر الفقهاء ومؤلف احیاء العلوم وغیرہ من اجلة العرفاء لیسوا من المحدثین ولا من المخرجین وان کانوا فی الفقه والتصوف وغیرهما من الکاملین" (ظفر الامانی ص ۱۸۹)

(۲) ہجر کے معنی محض ہذیان کے نہیں بلکہ یہ لفظ جدائی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ واهجرهم هجرا جمیلا۔ یہ معنی علماء لغت وشراح حدیث بھی لکھتے ہیں۔

فتح الباری ج ۸ ص۱۰۱ میں ہے ویحتمل ان یکون قوله اهجر فعلا ماضیا من الهجر بفتح الهاء وسکون الجیم والمفعول محذوف ای الحیاة وذکره بلفظ الماضی مبالغة لما رای من علامات الموت ۔

اور علامہ محمد طاہر گجراتی مجمع بحار الانوار (جو خاص حدیث کی لغت ہے) ج ۲ ص ۴۷۵ میں فرماتے ہیں۔ ویحتمل ان یکون معناه هجر کم رسول الله صلی الله علیه وسلم من الهجر ضد الوصل ، بلکہ تحقیق یہ ہے کہ اس لفظ کے اصل معنی جدا ہونے ہی کے ہیں۔ ہذیان کے معنی میں بھی اسی مناسبت سے آتا ہے کہ اس میں عقل سے جدائی ہوتی ہے اور یہی معنی زیادہ مشہور و متبادر ہیں اردو میں بھی ہجر بمقابلۂ وصل بولا جاتا ہے اور حدیث قرطاس میں یہی معنی چسپاں ہوتے ہیں۔ ہذیان کے معنی وہاں دو وجہ سے نہیں بنتے ۔

(الف) ہذیان کا شبہ اس بات پر ہوتا ہے جو خلافِ عقل ہو ۔ ایک پیغمبر اپنے آخری وقت میں فرماتے ہیں کہ کاغذ لاؤ میں ایک ضروری ہدایت نامہ لکھدوں ، اس میں کونسی بات خلافِ عقل ہے جسے ہذیان کہا جاسکے ۔

(ب) روایت میں ہجر کے بعد استفھموہ کا لفظ ہے ، یعنی آپ سے پوچھو اگر ہجر بمعنی ہذیان لیا جائے تو استفھموہ سے ربط بالکل غلط ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ جسے ہذیان ہو گیا اب اس سے پوچھنا بالکل خلافِ عقل ہے ، اب دیکھئے جُدائی کے معنی کس خوبی سے بنتے ہیں ۔ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ مرض میں ہدایت نامہ لکھوانے کو فرمایا تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب پر ایک بجلی سی گر گئی کہ شاید وہ قیامت کی گھڑی آگئی ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

کیونکہ ایسی تحریر آخری وقت میں لکھوائی جاتی ہے لہٰذا انھوں نے کہا "اہجر استفھموہ" یعنی کیا حضرت اب جدا ہو رہے ہیں ۔ آپ سے پوچھو تو ۔ یہ لفظ ہجر جس نے بھی کہا کمال محبت اور جذب عشق میں کہا ، مگر جن کے قلوب دردِ محبت سے نا آشنا ہیں وہ اس کی کیا قدر کر سکتے ہیں ؎

چو دل بمہر نگارے نہ بستۂ ای مہ ترا ز سوز درون و نیاز ما چہ خبر

(۳) بفرضِ محال اگر یہ لفظ بمعنی ہذیان ہی ہو تو یہ ہمزۂ استفہام کے ساتھ ہے ، اور استفہام انکاری ہے ممکن ہے کہ یہ قول اس جماعت کا ہو جو تحریر لکھوانے کی مؤید تھی اسنے اپنی رائے کو تقویت دینے کے لئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کیوں توقف

کرتے ہو، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ہذیان ہوگیا ہے؟ یعنی ہذیان نہیں ہوا۔ یہ مطلب بھی شراحِ حدیث نے بیان کیا ہے۔ بخاری میں یہ روایت سات جگہ پر ہے۔ کتاب الجہاد کے سوا باقی چھ مواضع میں یہ لفظ ہمزۂ استفہام کے ساتھ ہے اور بخاری کے علاوہ دوسری کتب میں بھی ہمزہ موجود ہے پس اگر ایک روایت میں ہمزہ نہو تو حرج نہیں، ایک ہی واقعہ کی متعدد اسانید میں اگر ایک لفظ کسی روایت میں ہو اور کسی میں نہو تو یقیناً یہی سمجھا جائے گا کہ جس میں نہیں ہے اس میں راوی سے چھوٹ گیا ہے اسی لئے حافظ رحمہ اللہ فتح الباری ج ۸ ص۱۰۱ میں فرماتے ہیں، الرّاجح فیہ اثبات الھمزۃ علاوہ ازیں بلا اداۃ استفہام کے بھی استفہام ہوتا ہے۔ ان تینوں جوابوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ اوّل تو لفظ ہجر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ نہیں، دوسرے بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہجر بمعنی ہذیان نہیں بلکہ جُدائی کے معنی میں ہے جو خاص محبت کا کلمہ ہے نہ کہ گستاخی کا، تیسرے بالفرض ہجر بمعنی ہذیان ہو تو ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے اور استفہام انکاری ہے۔ اب اربابِ عقل غور کریں کہ اس اعتراض میں کیا جان باقی رہ گئی جب تک شیعہ ان تین باتوں کا جواب نہ دیدیں یعنی کسی روایت میں اس کا مقولۂ عمر رضی اللہ عنہ ہونا دکھائیں پھر یہ ثابت کریں کہ ہجر کے معنی سوائے ہذیان کے اور کچھ نہیں ہیں۔ یا یہاں سوائے ہذیان کے اور کوئی معنی چسپاں نہیں ہوتے۔ پھر یہ بھی ثابت کریں کہ یہ لفظ ہمزۂ استفہام کے ساتھ نہیں، یا یہ استفہام انکاری نہیں ہو سکتا۔ اس وقت تک اس اعتراض کا نام لینا سخت بے غیرتی ہے۔

(اعتراض ثانی کا جواب) اس کے جواب سے قبل چند امور غور طلب ہیں۔

(۱) الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ بالاتفاق اس قصۂ قرطاس سے پہلے نازل ہو چکی تھی، پس اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی ضروری تحریر باقی تھی تو دین ہرگز کامل نہیں ہو سکتا اور یہ آیت معاذ اللہ غلط ثابت ہوتی ہے۔

(۲) قصۂ قرطاس پنجشنبہ کے روز واقع ہوا، اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دوشنبہ کو ہوئی تو چار روز تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قصہ کے بعد اس عالم میں تشریف فرما رہے۔ پس اگر کوئی ایسی ضروری تحریر باقی ہوتی تو آپ کو اس کے لکھوانے کا کافی موقع ملا، اس کے باوجود آپ نے نہ لکھوائی، یہ ایک بہت بڑا اور سخت الزام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عاید ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے سے یا ان کے خوف سے نہ لکھوانا کوئی مسلمان باور نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے ہی کسی کے خوف سے اگر انبیاء علیہم السلام تبلیغ سے رُک جائیں

تو دین سے امان اٹھ جائے گا اور نبوت ایک بازیچۂ اطفال ہو جائے گی۔ خیال کیجئے جب کفار نے آپ سے کہا کہ اگر آپ کو سلطنت کی خواہش یا کسی حسین عورت کی طلب ہے تو سلطنت اور تمام عرب سے حسین عورت آپ کو لا دیتے ہیں۔ مگر ہمارے معبودوں کو بُرا مت کہو، کفار کے مقاطعہ کے وقت ابوطالب نے آپ کو پیغام پہنچایا اور سمجھایا کہ اے بھتیجے تو اس تبلیغ سے باز آجا، میں اکیلا سارے عرب کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو آپ نے فرمایا کہ اے چچا اگر میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے میں چاند بھی رکھدیا جائے تب بھی اس کلمۂ حق سے ہرگز نہیں رُکوں گا۔ غرضیکہ جس دن آپ تمام عرب سے دین کی خاطر برسر پیکار تھے اسوقت تو آپ نے ضروریات دین کو نہیں چھوڑا تو اب ایسی اہم چیز کو کیسے چھوڑ سکتے تھے؟ پھر ان چار پانچ روز میں دن میں یا رات میں کسی وقت تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُٹھ کر گئے ہونگے اسوقت آپ لکھوا دیتے۔

(۳) اتنی ضروری تحریر کو اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا تھا تو حضرت علی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا فرض تھا کہ لکھواتے مگر کسی نے بھی اس طرف توجہ نہ کی، پس حضرت عمر سے زیادہ الزام حضرت علی پر ہوگا۔ اس لئے کہ بزعم شیعہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب سب سے زیادہ تھا۔ نیز ایسا حکم عموماً گھر والوں ہی کو ہوتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو یہ حکم دیا گیا ہوگا جس کی انھوں نے تعمیل نہیں کی۔ مزید بریں مسند احمد کی روایت میں تصریح موجود ہے کہ یہ خطاب حضرت علی کو تھا۔

(۴) اتنا بڑا واقعہ اور تمام طبقۂ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی متنفس سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس کی روایت نہیں کرتا پھر ابن عباس کے سیکڑوں شاگردوں میں سے صرف ان کے بیٹے عبیداللہ اور سعید بن جبیر اس کے ناقل ہیں۔

(۵) اس قصۂ قرطاس سے بہت پہلے حدیث ثقلین ارشاد ہو چکی تھی۔ اس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں، اگر تم ان دونوں سے تمسک کرو گے تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ پس اگر یہ قصۂ قرطاس والی تحریر کوئی ضروری فرض کی جائے تو حدیث ثقلین کی تکذیب لازم آئے گی۔

ان امور پر غور کرنے کے بعد عقلِ سلیم دو امور میں سے ایک کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

(۱) یا تو یہ قصہ ہی سرے سے غلط ہے، دین کامل ہو چکا تھا۔ اور ہرگز کوئی ایسی ضروری تحریر باقی نہ تھی اور ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ قرآنیہ کے خلاف کسی تحریر کے لکھوانے کا

ارادہ ظاہر نہیں فرمایا تھا، یہ قصہ محض بے بنیاد اور اعداء دین کا خانہ زاد ہے اور محض اسلئے گھڑا گیا کہ آیت قرآنیہ الیوم اکملت لکم دینکم الخ اور حدیث ثقلین کی بھی تکذیب ہو جائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تبلیغ رسالت میں کوتاہی کرنے کا الزام قائم ہو کر سارا دین مشکوک ہو جائے مگر امام بخاری رحمہ اللہ جیسے محدثین کی تخریج اس نظریہ کی تردید کرتی ہے۔

(۲) یا پھر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان لینے کے لئے فرمایا تھا کہ قلم دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں ایک ایسی ضروری و مفید تحریر لکھوا دوں کہ اسکے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے درحقیقت نہ کوئی ایسی ضروری تحریر باقی تھی اور نہ واقع میں آپ کا ارادہ تھا محض امتحان مقصود تھا کہ یہ لوگ ایمان میں کہاں تک راسخ القدم ہیں۔ اگر کہیں خدانخواستہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اس تحریر کے لکھوانے پر مستعد ہو جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوتا اور فوراً فرماتے کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ کے بعد اب بھی تم کسی تحریر کے منتظر ہو اور دین کو کامل نہیں سمجھتے مگر الحمد للہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس امتحان میں بدرجۂ اعلیٰ کامیاب ہوئے اور اس کامیابی میں نمایاں حصہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، چند نامعلوم الاسم لوگوں نے لکھوانے کی تائید کی۔ قوی احتمال ہے کہ یہ حضرات جدید الاسلام ہونگے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اگر کوئی ممتاز شخصیت یہ قول کرتی تو انکا نام ضرور روایت میں مذکور ہوتا۔ کما ھو ظاھر من دأب المحدثین، پس ان جدید الاسلام لوگوں کا اختلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آیا جسکا اظہار "قوموا عنی" کے الفاظ سے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطریق امتحان تھا اس پر دو زبردست دلیلیں ہیں۔

(۱) جبکہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ اکمال دین اور اتمام نعمت کی خبر دے چکی تھی تو ناممکن تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی تحریر کی حاجت ظاہر فرما کر دین کو ناقص اور نعمت خداوندی کو ناتمام قرار دیتے۔

(۲) آپ نے جو صفت قرطاس والی تحریر کی بیان فرمائی ہے۔ اسی صفت کی دو چیزیں جب آپ امت کے ہاتھ میں دے چکے تھے (جن کا ذکر حدیث ثقلین میں گذر چکا ہے) تو اب اس تحریر کی کیا حاجت تھی؟ اس کی حاجت تو اسوقت ہو سکتی تھی جب ان دونوں چیزوں میں یہ صفت نہ ہو لہٰذا ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حدیث کیخلاف ایسی بات فرمائیں علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا یہ خیال ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے اور صحیحین کی اس روایت کو اپنے اس

خیال پر قرینہ بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس آخری مرض میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے والد اور بھائی کو بلواؤ تاکہ میں ابوبکر کے لئے تحریر لکھدوں تاکہ لوگ میرے بعد اختلاف نہ کریں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا رہنے دو۔ یأبی اللہ والمؤمنون الا لابی بکر اھ پس آپ کو وحی سے مطمئن کردیا گیا تھا اس لئے اس ارادہ کو ترک فرمادیا۔ اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ مطمئن ہوجانے کے بعد بھی آپ خلافت صدیق لکھوانا چاہتے تھے تاکہ لوگ اختلاف نہ کریں تو بعد میں آپ کا سکوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں تھا جس میں راز یہ تھا کہ انتخاب خلیفہ کا زرین اصول "تفویض الی اھل الحل والعقد" قائم کرجائیں اور ولیعہدی کی رسم جاہلیت کا تصور اسلام میں باقی نہ رہے۔ کئی مواقع پر آپ نے وحی الٰہی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت فرمائی۔ اس موقع پر بھی آپ کا سکوت اور حضرت عمر کی موافقت وحی الٰہی سے تھی۔ اسے شیعہ بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ کتب شیعہ میں نہایت معتبر کتاب فلک النجات ص۳۲۶ جلد اول پر بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ واما سکوتہ علیہ السلام بعد التنازع فما کان من عندہ بل کان بوحی ۵

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف اگر بالہام اللہ تعالیٰ اختلاف نظر تھا (کما وقع فی مواضع شتی) تو اس کا مناقب میں شمار ہونا بدیہی ہے اور اگر شدت مرض اور آپ کی تکلیف کے مدنظر یہ اختلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تو اس کی نوعیت بعینہٖ صلح حدیبیہ کے موقع پر لفظ رسول اللہ مٹانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار جیسی ہوگی جسے شیعہ لوگ مناقب علی میں شمار کرتے ہیں۔

(اعتراض ثالث کا جواب) یہ تو بعینہ وہ قول ہے جس کو خود حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں اس سے تین ماہ پیشتر لاکھوں کے مجمع میں فرما چکے تھے یعنی لن تضلوا ما تمسکتم بہ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "حسبنا کتاب اللہ" کہنے کا اگر یہی مطلب ہے تو قرآن میں ہے "حسبنا اللہ" پس اسکا مطلب بھی یہ ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہیں، رسول کی ضرورت نہیں، فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

سچ یہ ہے کہ یہ زرین مقولہ یعنی حسبنا کتاب اللہ ایمان کی جان ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان کمالات کا آئینہ ہے جنکا نمونہ اس آسمان نے بایں ہمہ طول کبھی نہیں دیکھا۔ فقط وھٰذا اٰخر الکلام والحمد للہ رب العالمین

رشید احمد

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

مجال التحریر لخیال الزمهریر

تحقیق انیق متعلق حدیث اشتکت النار الیٰ ربّہا

حضرت الاستاذ العلام مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی ثم خیرپوری محدّث دار العلوم کراچی دامت برکاتہم کی تقریر بخاری سے ایک اقتباس۔

عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہٗ قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰۃ فان شدۃ الحر من فیح جہنم واشتکت النار الیٰ ربہا فقالت یا ربّ اکل بعضی بعضا فاذن لہا بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف وھو اشدّ ما تجدون من الحرّ واشد ما تجدون من الزمہریر ——— جامع بخاری ص۷۶ ج۱

کیا جہنم میں طبقۂ زمہریریہ کا وجود بھی ہے: تمام اُمت میں عام طور سے یہ مسلمہ سا سمجھا جانے لگا ہے کہ جہنم طبقۂ ناریہ اور طبقۂ زمہریریہ دو حصّوں پر مشتمل ہے۔

طبقۂ زمہریریہ کا ثبوت تمام ذخیرہ ہائے کتاب وسنت میں کہیں نہیں ملتا۔ بلکہ قرآن کریم میں تو "لا یذوقون فیہا بردا ولا شرابا الا حمیما وغساقا" فرمایا گیا ہے۔ نکرہ تحت النفی لاکر جہنم سے برودت اور زمہریر کا سلب کُلّی فرمادیا۔ برداً کی تخصیص نافع کے ساتھ صحیح نہیں، کیونکہ برد ضار کا استثناء نہیں جیسے کہ "الا حمیما وغساقا" کے ساتھ شراب ضار کا استثناء کیا گیا ہے اگر تخصیص بالقرائن کو کافی سمجھا جاتا تو شراب ضار کے استثناء کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اصطلاح قرآن وحدیث میں تو جہنم مرادف "نار" بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت میں جہاں جہاں جہنم کا تذکرہ ہے وہاں دوزخ کو جہنم کے لفظ سے کم اور "نار" کے الفاظ سے زیادہ تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے "فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ" "علیہم نارٌ مؤصدۃ" "کانہا ترمی بشرر کالقصر" اسی طرح فرمایا گیا ہے "کلما نضجت جلودھم بدلنٰھم جلوداً غیرھا"۔ نضج کا لفظ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ جہنمیوں کا عذاب آگ ہی ہوگا، کانزین کے بارہ میں ارشاد ہے "یوم تکوی بہا جباھہم وجنوبہم وظھورھم" یہاں بھی کیّ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنے داغنے کے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ عصاۃ المؤمنین کو آگ سے اس حال میں نکالا جائے گا کہ وہ جل کر کوئلے ہوچکے ہونگے اور ان کو نہر حیا میں غسل دیا جائیگا اور فرمایا کہ نار ان کے قلوب پر اثر نہ کرسکے گی۔ ابو طالب ضحضاح نار میں ہوگا، اُریت النار، عرضت علیّ النار، حابسہ ہرہ اور اوّل من سیّب السوائب کے متعلق فرمایا کہ میں نے ان کو نار

میں دیکھا اور فرمایا کہ میری مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی اس میں پروانے گرنے لگے وہ ان پروانوں کو آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہے مگر یہ اس پر غالب آرہے ہیں اور آگ میں داخل ہو رہے ہیں۔ غلول پر وعید فرمائی "ان الشملة التی اصابھا یوم خیبر من المغانم لم تصبھا المقاسم لتشتعل علیہ نارا" اور فرمایا، "شراك او شراكان من نار" غرضیکہ بے شمار مثالیں کتاب سنت میں اس قسم کی موجود ہیں کہ جہنم کے اوپر نار کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ان تمام مثالوں کو اگر یکجا جمع کیا جائے تو اس سے دفتر کے دفتر سیاہ ہو سکتے ہیں۔ زیر بحث حدیث میں بھی اشتکت النار الی ربھا فرمایا گیا۔ اشتکت الزمہریر نہیں، اور نفسین کا اذن بھی نار کو دیا گیا۔ اگر طبقۂ زمہریریہ کا وجود ہوتا تو قرآن وحدیث کے اتنے بڑے ذخیرہ میں کہیں نہ کہیں اس کا تذکرہ ضرور ہونا چاہیے تھا یا کم از کم قرون مشہود لہا بالخیر صحابہ، تابعین یا ائمۂ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہی کوئی قول منقول ہوتا۔

پھر یہ کہ اگر طبقۂ زمہریریہ کے وجود کو بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے تو ایک زبردست اشکال پیش آئے گا کہ جس وقت میں سردی کی شدت ہو اس وقت میں بھی تاخیر صلوٰۃ کا حکم ہوتا حالانکہ حدیث میں صرف ابردوا بالصلوٰۃ فان شدۃ الحر کا ذکر ہے۔ اگر طبقۂ زمہریریہ کا وجود ہوتا تو سردی میں بھی نماز کو مؤخر کرنے کا حکم ہوتا کیونکہ سردی اسی کے سانس باہر پھینکنے سے ہوتی اور جس طرح حرارت آثار غضب میں سے ہے اسی طرح برودت بھی آثار غضب میں سے ہوتی نیز عنقریب ہی بیان کروں گا کہ شدت حرارت لنفس جہنم یا لقرب الشمس میں منافاۃ نہیں اس لئے کہ شمس جہنم سے ہی حرارت اخذ کرتا ہے۔ پس حرارت شمس بعینہٖ حرارت جہنم ہے۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوگا کہ اگر جہنم میں طبقۂ زمہریریہ بھی ہے تو جیسے شمس جہنم سے حرارت اخذ کر کے دنیا میں شدت حرارت پیدا کرتا ہے اسی طرح موسم شتاء میں لازم آئیگا کہ شمس جہنم سے برودت اخذ کر کے ارض پر پھینکے جو شدت زمہریر کا باعث بنے حالانکہ شدت سرما کے موسم میں بھی شمس میں برودت نہیں ہوتی بلکہ حرارت ہی ہوتی ہے۔

حدیث کا مطلب: اب یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ جب طبقۂ زمہریریہ کا ثبوت نہیں تو پھر اشد ما تجدون من الزمھریر کا مطلب کیا ہے؟ اور دُنیا میں سردی کی وجہ اور سبب جہنم کیسے ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے چند مقدمات کی ضرورت ہے۔

(۱) گرمی سے اشیاء میں انبساط اور تخلخل پیدا ہوتا ہے اور سردی سے تکاثف اور اکتناز و انقباض، یہی وجہ ہے کہ ریلوے لائن کے دو ٹکڑوں کو جوڑتے وقت ان کے درمیان کچھ

خلا رکھا جاتا ہے، کیونکہ اگر باہم پیوست کرکے ان کو جوڑ دیا جائے تو پہیوں کی رگڑ اور موسم کی تمازت وغیرہ سے شدید حرارت پیدا ہونیکے بعد لائن کے اجزاء میں تخلخل و انبساط ہونے کی وجہ سے اس کے اوپر اٹھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے جسکا نتیجہ گاڑی کے الٹ جانے یا بوجھ پڑنے سے لائن کے ٹوٹ جانے کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔

(۲) متخلخل چیز خفیف ہوتی ہے اور متکاثف ثقیل جیسے روئی اور لوہا۔

(۳) خفیف چیز سریع الحرکت سہل الانجذاب ہوتی ہے اور محرک و جاذب کے اثر کو جلدی قبول کرتی ہے اور ثقیل چیز بطیٔ الحرکت اور متعسر الانجذاب ہوتی ہے، محرک اور جاذب کے اثر کو جلدی قبول نہیں کرتی۔

اب یہ سمجھیں کہ جب جہنم اپنا سانس باہر پھینکتی ہے تو باہر کی ہوا گرمی کی وجہ سے متخلخل ہو جاتی ہے، پھر جہنم کا دوسرا سانس اندر کو ہوتا ہے باہر کو نہیں، اس لئے جب وہ سانس اندر کو لیتی ہے تو گرم ہوا تخلخل کی وجہ سے چونکہ خفیف اور ہلکی ہوتی ہے لہٰذا سانس کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اور سرد ہوا چونکہ متکاثف ہوتی ہے اس لئے اس میں خفت نہیں ہوتی، ثقل ہوتا ہے لہٰذا وہ دُنیا میں رہ جاتی ہے اور سردی کا باعث بنتی ہے۔ اس ہوا میں ایک جانب سے کرۃ الماء اور دوسری جانب سے کرۂ زمہریر کا تلاصق بھی برودت کا باعث بنتا ہے۔

حدیث پر فلسفیانہ اشکالات۔ اس حدیث پر اہل فلسفہ کیجانب سے یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ امر ثابت ہے کہ دنیا کی سردی اور گرمی کا سبب سورج کا قرب بعد ہے جب سورج دُنیا کے کسی حصہ سے قریب ہوتا ہے تو وہاں گرمی ہوتی ہے اور جہاں سے دور ہوتا ہے وہاں سردی۔ تو پھر اس سردی و گرمی کا سبب جہنم کے سانس کو ٹھیرانا کہاں تک صحیح ہے؟

اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسباب میں تزاحم نہیں ہوا کرتا۔ ایک چیز کے اسباب مختلف اور متعدد ہو سکتے ہیں چنانچہ سردی و گرمی کے اسباب میں سے ایک سبب جس طرح آفتاب کا قرب و بعد ہے، اسی طرح وہ بھی ہے جو حدیث میں بیان کیا گیا، بلکہ اسکے اور بھی کئی اسباب ہیں۔ مثلاً بلندی پر ہونا سردی کا باعث ہے اسی طرح سمندر یا پہاڑ کا قرب بعد، صلابت و رخاوت میں قطعات ارض کا اختلاف، جنس ارض کی انواع شورہ، گندھک وغیرہ کے آثار کا اختلاف، ریاح کا دباؤ اور احتباس واحتقان وغیرہ۔ اگر صرف سورج کا قرب و بعد ہی سبب ہوتا تو بمبئی اور کوئٹہ کے موسم میں اسقدر زبردست تفاوت نہ ہوتا جبکہ

ف۱ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ نے بھی فتح الملہم میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ

دونوں کے عرض البلد میں صرف ۴۳ دقیقہ کا فرق ہے۔ اسکے باوجود کوئٹہ سخت سرد مقام ہے اور سبّی سخت گرم۔ اس جواب پر پھر چند اشکال وارد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر جہنم کی وجہ سے موسم بدلتا ہے تو چاہیے یہ کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی (عرض تسعین) میں بھی چھ مہینے سردی اور چھ مہینے گرمی ہو حالانکہ وہاں ہمیشہ سردی ہے گرمی نہیں اسی طرح میل کلی یعنی مدار سرطان اور مدار جدی (تقریباً ۲۳½ درجہ عرض البلد) کے اندر بسنے والے لوگوں کے یہاں آٹھ موسم ہوتے ہیں۔ ہر فصل سال میں دو مرتبہ آتی ہے تو ایسا کیوں ہے؟ جبکہ حرّ جہنم تو تمام دنیا پر ہونی چاہیئے۔ اس لئے مدار سرطان وجدی سے کم عرض البلد میں بھی آٹھ فصلوں کی بجائے چار فصلیں ہونی چاہئیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتراض کا ثبوت اس امر پر موقوف ہے کہ محققین عرض تسعین میں سال بھر موسم کا بالکل یکساں رہنا کہ ذرّہ برابر بھی فرق نہیں آتا۔ ثابت کریں۔ اگر ذرّہ برابر بھی فرق ہو جیساکہ عقل کا تقاضا ہے (کیونکہ چھ مہینے تک وہاں آفتاب نکلا تو رہتا ہی ہے۔ اگرچہ وہ افق سے تقریباً ۲۳½ درجہ سے زیادہ مرتفع نہیں ہوتا) تو کوئی اشکال نہیں۔ اسی طرح اس امر کی تحقیق کیجائے کہ میل کلی سے کم عرض البلد میں مواسم ثمانیہ میں سے ایک شتاء دوسری شتاء سے اور ایک صیف دوسری صیف سے کچھ متفاوت ہے یا نہیں۔ اگر تفاوت ہے تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر عدم تفاوت محقق ہو جائے تو اصل اشکال کے دفع کے لئے دوسرا جواب ہی متعیّن ہوگا جو عنقریب آرہا ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے نفس جہنم سے حرارت کا دفعۃً پیدا ہو جانا لازم تھا۔ حالانکہ موسم کی تبدیلی بتدریج ہوتی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ دفعۃً حرارت کا پیدا ہونا اور موسم کا بدل جانا چونکہ صحت کے لئے سخت مضر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نفس جہنم سے خارج ہونیوالی حرارت کو کسی جگہ پر محتقن فرما دیتے ہیں اور بتدریج زمین پر پھیلاتے ہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ نفس جہنم دفعۃً خارج نہیں ہوتا، بلکہ بتدریج خارج ہوتا ہے اور اسکے ظہور کی وجہ یہ ہے کہ جب جہنم کی مشابہت حیوان کے ساتھ ہوئی تنفس میں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سال بھر میں دو نفس جہنم کے ہیں ایک خارج اور دوسرا داخل تو حیوان کی طرح تنفس کی حرکات کا اتصال جب ہی ہوسکتا ہے کہ ہر ایک نفس چھ ماہ تک بتدریج ممتد رہے۔

تیسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ جہنم کی حرارت شمس کے قرب کے ساتھ اور جہنم کی برودت شمس کے بعد کے ساتھ متلازم کیوں ہے۔ کبھی اسکے برعکس کیوں نہیں ہوتا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ شمس کی حرارت کی مناسبت سے حرارت جہنم بھی اسی زمانے میں ظاہر ہوتی ہے جس میں حرارت شمس۔ اگر بُعد شمس کے زمانے میں حرارت جہنم اور قرب شمس کے وقت میں برودت جہنم پیدا ہوتی تو حرارت وبرودت کے

اجتماع سے سال بھر موسم یکساں رہتا اور فصول مختلفہ پیدا نہ ہوتیں جو سراسر خلافِ حکمت ہے۔ نیز موسم صیف میں حرارت شمس کا تحمّل کرنے کے لئے قدرت الٰہیہ باطن جسم میں حرارت پیدا کر دیتی ہے، پس جس زمانہ میں جس چیز کے تحمل اور مقابلہ کی استعداد قدرت نے پیدا کی اسکا اسی زمانہ ہی میں پیدا ہونا حکمت و مصلحت کا مقتضیٰ ہے۔ اصل اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آفتاب کی حرارت جہنم ہی سے ماخوذ ہے اور وہ جہنم کی حرارت اپنے اندر جذب کرکے زمین پر پھینکتا ہے جس طرح بجلی کا بلب پاور ہاؤس سے بجلی کو جذب کرکے روشنی کرتا ہے اور آتشی شیشہ شمس کی شعاعوں کو جذب کرکے مقابل چیز پر پھینک کر اسے جلا دیتا ہے۔ پس سبب ظاہری تو یہی آفتاب ہے لیکن اسمیں جو حرارت ہے اسکا سبب جہنم ہے لہٰذا سردی گرمی کا سبب جہنم کو ٹھیرانا بالکل صحیح ہے پھر اس پر بھی اشکال ہوتا ہے کہ یہ تقریر اس امر کو مستلزم ہے کہ نفس شمس میں حرارت کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ شتاء میں اسکی حرارت کم ہو جاتی ہو اور صیف میں زیادہ۔ حالانکہ حقیقت اسکے خلاف ہے، موسم سرما میں سردی پڑنے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آفتاب سے حرارت کم ہو گئی ہے بلکہ آفتاب میں تو تمازت اسی قدر رہتی ہے جتنی کہ موسم صیف میں تھی مگر اسلئے زیادہ محسوس نہیں ہوتی کہ آفتاب زمین سے دُور ہو جاتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال اس امر پر موقوف ہے کہ آفتاب کی حرارت میں کمی بیشی کے عدم کو ثابت کیا جائے ممکن ہے کہ صیف و شتاء میں ذات شمس ہی میں حرارت مختلف ہوتی ہو مگر ہمیں یہ فرق محسوس نہ ہوتا ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ تفاوت نہیں تو یہ کہا جائیگا کہ آفتاب جہنم کے نفس خارج سے حرارت کو جذب کرکے اسکا ایسا مستقر بنجاتا ہے کہ جہنم کا نفس داخل اس حرارت کو واپس نہیں کھینچ سکتا۔ پس نفس داخل محض ریح حار کو کھینچتا ہے آفتاب کی حرارت کو نہیں۔ اگر اس پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ شمس کی سابقہ حرارت علیٰ حالہا قائم رہتی ہے تو ہر آئندہ سال نفس خارج کے اثر سے اسمیں اضافہ ہونا چاہیئے تو اسکا جواب یوں دیا جائیگا کہ حرارت کے ایک خاص درجہ سے ترقی نہ کرنیکی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ حرارت کو قبول کرنیوالا جسم ایک خاص اور محدود درجہ کی استعداد رکھتا ہو اس سے زیادہ کی استعداد ہی نہ ہو جیسے بجلی کا قمقمہ اور آتشی شیشہ اپنی استعداد اور مخصوص درجہ کیمطابق ہی حرارت اخذ کر سکتا ہے دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ منفعل کا درجۂ حرارت مؤثر کے درجۂ حرارت سے بڑھ نہیں سکتا، مثلاً تھرما میٹر ایک منٹ رکھنے پر جو درجہ حرارت کا ظاہر کریگا ایک گھنٹہ تک رکھنے پر بھی وہی درجہ رہے گا اسمیں اضافہ نہ ہوگا پس جہنم خواہ سانس اندر کو لے یا باہر پھینکے بہر صورت آفتاب کی تمازت و حرارت میں کوئی تفاوت اور کمی بیشی نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہو گیا کہ آفتاب کی حرارت جہنم سے ماخوذ ہے لہٰذا سردی و گرمی کا سبب حقیقی جہنم ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم برموز کائناتہ

قد ضبط ہذا التقرير اللطيف النفيس فی حلقۃ درس الجامع للبخاری احقر تلامذۃ الشیخ واصغرہم محمد تقی العثمانی الدیوبندی ثم کراچوی غفر اللہ تعالیٰ لہ ولوالدیہ ولمشایخہ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات آمین، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غرہ ربیع الآخر سنہ ٧٩ھ

تقریر مذکور سے متعلق استاذ العلماء حبر نحریر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہم العالی کی رائے سامی

"احقر نے اشتکار نار کی حدیث پر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کی املائی تقریر ملاحظہ کی میری نظر میں وہ قواعد شرع کے خلاف نہیں بلکہ مطابق ہے اور حدیث پر وارد ہونیوالے جملہ عقلی اشکالات کے جو جوابات دیئے گئے وہ نہایت قیمتی ہیں۔ شارحین حدیث نے انکی طرف بہت کم توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ مملی کو جزاءِ خیر دے کہ بہت اہم عقدے حل فرما دیئے۔ آمین" احقر العباد شمس الحق عفا اللہ عنہ

ضمیمہ تقریر بالا

ایک دوست نے طبقۂ زمہریر سے متعلق مندرجہ ذیل روایات لکھ کر دیں۔

(١) فی تنویر المقباس انہ قال امام المفسرین عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فی تفسیر قولہ عز وجل حمیم وغساق "حمیم" ماء حار قد انتہی حرّہ "وغسّاق" زمہریر یحرقہم کما تحرقہم النار (مجموعۃ التفاسیر ص۲۹ ج۵)

(٢) قال العلامۃ ابو البرکات النسفی رحمہ اللہ فی مدارک التنزیل وقیل الحمیم یحرق بحرہ والغساق یحرق ببردہ (مجموعۃ التفاسیر ص۲۹۰ ج۵)

(٣) وقال العلامۃ الخازن رحمہ اللہ فی تفسیرہ وقیل الغسّاق عین فی جہنم وقیل ہو البارد المنتن (مجموعۃ التفاسیر ص۲۹۰ ج۵)

(٤) وقال الفاضل الشربینی رحمہ اللہ "لایذوقون فیہا بردا" قال عطاء والحسن ای راحۃ وروحا ای ینفس عنہم حر النار (وبعد سطرین) وروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان البرد النوم ومثلہ قال الکسائی وابو عبیدۃ تقول العرب منع البرد البرد ای اذہب البرد النوم (وبعد سطر) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما الغساق الزمہریر یحرقہم ببردہ (السراج المنیر ص۴۷۲ ج۴)

(٥) وقال الامام ابن کثیر رحمہ اللہ اما الحمیم فہو الحار الذی قد انتہی حرّہ واما الغساق فہو ضدہ وہو البارد الذی لا یستطاع من شدۃ بردہ المؤلم ولہذا قال عز وجل (وآخر من شکلہ ازواج) ای واشیاء من ہذا القبیل الشیء وضدہ یعاقبون بہا (وبعد سطر) وقال کعب الاحبار غسّاق عین فی جہنم یسیل الیہا حمۃ کل ذات حمۃ من حیۃ وعقرب وغیر ذلک فیستنقع فیؤتی بالآدمی فیغمس فیہا غمسۃ واحدۃ فیخرج وقد سقط جلدہ ولحمہ عن العظام ویتعلق جلدہ ولحمہ فی کعبیہ وعقبیہ ویجر لحمہ کلہ کما یجر الرجل ثوبہ رواہ ابن ابی حاتم

(۶) وقال العلامة الآلوسی رحمہ اللہ واخرج ابن جریر عن کعب انہ عین فی جھنم تسیل الیھا حمۃ کل ذی حمۃ من حیۃ وعقرب وغیرھما یغمس فیھا الکافر فیتساقط جلدہ ولحمہ واخرج ابن جریر وابن المنذر عن ابن عباس رضی اللہ عنھما انہ الزمھریر وقال فی تفسیر واٰخر من شکلہ ازواج) واخرای مذوق اٰخر وفسر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کما رواہ عنہ جمیع بالزمھریر (روح المعانی ص۲۱۵ ج ۲۳)

(۷) وقال ابو حیان رحمہ اللہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ واٰخر من شکلہ ھو الزمھریر (البحر المحیط ص۴۰۶ ج ۷)

(۸) وقال الشیخ ثناء اللہ واختلفوا فی معناہ قال ابن عباس رضی اللہ عنھما ھو الزمھریر یحرقھم ببردہ کما تحرقھم النار بحرھا ومجاھد ومقاتل ھو الذی انتھی بردہ (تفسیر مظہری ص۱۸۷ ج ۸)

ان روایات کو دیکھ کر مسرت ہوئی کہ کم از کم کچھ منشأ تو ہے، ان روایات کی سند کی تحقیق بندہ نہیں کر سکا، بہرکیف اب مندرجہ ذیل امور قابلِ غور ہیں۔

(۱) محدثین نے ان روایات کی تخریج نہیں کی، پس صرف مفسرین کی تخریج وزن دار نہ ہوگی، فانہ لکل فن رجال

(۲) یہ تفسیر نہ حقیقۃً مرفوع ہے نہ حکماً۔ اگر غیر مدرک بالقیاس اور غیر مستنبط من القرآن وغیر مفھوم من اللغۃ ہوتی تو واقعی بحکم رفع ہوتی۔

(۳) اگر یہ تفسیر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتی تو اسمیں صحابہ ومن بعدہم کا اختلاف نہ ہوتا

(۴) حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر اور انکی بیان فرمودہ تفصیل غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے بحکم رفع ہے پس قول زمہریر (جو کہ موقوف ہے) اسکے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتا،

(۵) بعض مفسرین نے اسے "قیل" سے نقل کیا ہے، جو دلیل ضعف ہے۔

(۶) قرآن وحدیث کے ذخائر میں انذار وتخویف کیلئے انواع عذاب کی تفاصیل نہایت ہی بسط وشرح کے ساتھ مذکور ہیں مگر زمہریر کا ذکر کہیں نہیں ملتا، معرض بیان میں سکوت دلیل عدم ہے۔

(۷) قرآن وحدیث کی اصطلاح میں نار وجہنم مترادف ہیں، اور "لا یذوقون فیھا بردًا" میں جو تأویلات کی گئی ہیں۔ انمیں بلا ضرورت خلاف ظاہر ومتبادر کا قول کیا گیا ہے جو جائز نہیں۔

(۸) حدیث زیر بحث (اشتکا رنار) کی تقریر بہرکیف قول زمہریر سے مستغنی ہے (کما مرّ)

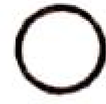
فقط واللہ تعالیٰ اعلم بتفاصیل کائناتہ۔ اللّٰھم اعذنا برحمتک من جھنم وما فیھا مما نعلم من انواع عذابھا ومما لا نعلم۔ اٰمین

رشید احمد

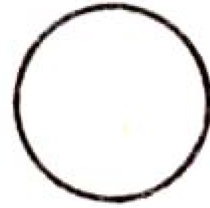
۲۷ جمادی الآخرہ سنہ ۷۹ھ



يا أيها النبي قل لأزواجك (الى) إنما يريد الله
ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم
تطهيرا ه واذكرن ما يتلى في بيوتكن (الآية)



عمدة التفسير لآية التطهير



اہل بیت کی تحقیق

سوال : شیعہ کہتے ہیں کہ جب قرآن کریم کی آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت یعنی حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہم کو اپنے کمبل میں داخل فرماکر فرمایا، اللھم ھؤلاء اھل بیتی اور ان کے لئے دعا فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی شرکت کی درخواست کی تو آپ نے انھیں روک دیا، اس قصہ کی کیا حقیقت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

آیۂ کریمہ انما یرید اللہ الخ میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن ہیں، اور اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

(۱) اس آیت کے سیاق و سباق میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن کا ذکر ہے۔

(۲) ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ فتوحات کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن نے مصارف میں کچھ وسعت کی درخواست پیش کی، اس پر آیات یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا۔ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن اجرا عظیما۔ نازل ہوئیں ان میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن کو اختیار دیا گیا کہ وہ دنیا کو پسند کریں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کو، اس امتحان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے سب سے ممتاز اور اعلی کامیابی حاصل کی، دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن بھی کامیاب ہوئیں کہ انھوں نے دنیائے دنیہ کے مقابلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کو اختیار کیا، اس امتحان میں اعلی کامیابی، بلند حوصلگی اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاجوئی کے صلہ میں اللہ تعالی نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن پر متعدد انعامات فرمائے جن کا تذکرہ ان آیات میں ہے، فرماتے ہیں:

(۱) ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرھا مرتین واعتدنا لھا رزقا کریما۔ اس آیت میں اس انعام کا بیان ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن کے لئے ہر نیک کام پر دوگنا اجر ہے۔

(۲) ینساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن الخ اس میں دوسرا

انعام مذکور ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے رُتبہ تک دُنیا کی کوئی عورت نہیں پہنچ سکتی۔

(۳) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا ٥ یہ تیسرا انعام ہوا۔

(۴) ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذلکم کان عند اللہ عظیما ٥ یہ چوتھا انعام ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو امہات المؤمنین قرار دیکر ہمیشہ کے لئے اُمت پر حرام کر دیا گیا۔

(۵) لا یحل لک النساء من بعد، ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن، اس میں پانچویں انعام کا ذکر ہے۔

لا یحل لک النساء من بعد کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ ماقبل میں مذکور صفات جن عورتوں میں نہ پائی جائیں وہ آپ کے لئے حلال نہیں ہیں، ماقبل میں اقارب کے لئے مہاجرات کی قید ہے اور مطلق نساء کے لئے مؤمنات کی قید ہے۔ ارشاد ہے انا احللنا لک ازواجک الّٰتی اٰتیت اجورھن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک و بنٰت عمک وبنٰت عمّٰتک وبنٰت خالک وبنٰت خٰلٰتک الّٰتی ھاجرن معک وامرأۃ مؤمنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا۔ الآیۃ

حاصل یہ کہ رشتہ دار عورتوں میں سے غیر مہاجر اور دوسری عورتوں میں سے کتابیہ آپ کے لئے حلال نہیں۔

دوسری تفسیر یہ کہ وہ ازواج مطہرات جو اس آیت کے نزول کے وقت آپ کے عقد میں تھیں ان کے سوا اور سب عورتیں آپ پر حرام کر دی گئیں ولا ان تبدل بھن من ازواج کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو بہ نیت تبدیل طلاق دینا حلال نہیں، اسمیں ازواج مطہرات پر یہ انعام ہے کہ ہمیشہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ان کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

غرضیکہ امتحان ازواج مطہرات کا ہوا اور اس پر یہ انعامات بھی انہی کے لئے بتائے جا رہے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں۔

(۳) اگر اہل بیت سے علی، فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم مراد لئے جائیں تو اشکال لازم آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کے بغیر ہی تطہیر اہل بیت کی بشارت دیدی

تھی تو اب پھر ان کو جمع کر کے ان کے لئے تطہیر کی دعا کرنا تحصیل حاصل بلکہ لا یعنی اور فضول ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دریائے رحمت کو جوش میں دیکھا تو اولاد کو بھی توسعاً اہل بیت میں داخل فرما کر ان کے لئے بھی تطہیر کی دعا فرمائی یعنی ازواج مطہرات تو اہل بیت کے مفہوم میں حقیقۃً داخل تھیں، اور ان کی تطہیر کی بشارت بغیر دعا کے مل چکی تھی اور اولاد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کے مفہوم میں توسعاً داخل فرما کر ان کے لئے تطہیر کی درخواست کی، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بعض روایات کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب شمولیت کی درخواست کی تو ارشاد ہوا "انك على خير" یا "انك الى خير" یعنی تم ان سے بہتر حالت پر ہو، اسلئے کہ تمہاری تطہیر تو اللہ تعالیٰ نے میری درخواست کے بغیر ہی فرما دی ہے
اشکال: آیت تطہیر میں مذکر کے صیغے ہیں، ان سے ازواج مطہرات مراد لینا کیسے صحیح ہوگا؟
جواب: مؤنث کے لئے جمع مذکر کا صیغہ استعمال کرنا کلام عرب میں معروف ہے، قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ قال لاهله امكثوا، شرح شواہد الکشاف میں فرماتے ہیں
ربما خوطبت المرأة الواحدة بخطاب الجمع المذكر يقول الرجل عن اهله فعلوا كذا (الى قوله) ومنه قوله تعالى حكاية عن موسى عليه السلام قال لاهله امكثوا، اسکے بعد دو شعر بھی پیش کئے ہیں

فان شئت حرمت النساء سواكم وان شئت لم اطعم نقاخا ولا بردا
فان تنكحي انكح وان تتأيمي وان كنت افتى منكم اتأيم

(ص ۳۲۰ جلد ۴)

جواب مذکور کے علاوہ یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ لفظ "اہل" مذکر ہے اس کی رعایت سے مذکر کے صیغے لائے گئے ہیں۔
تیسرا جواب یہ ہے کہ اہل بیت میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اس لئے بصیغہ تذکیر خطاب فرمایا گیا۔
شیعہ کہتے ہیں کہ آیت تطہیر دراصل کسی دوسرے مقام پر تھی، جامعین قرآن نے اسے ازواج پر منطبق کرنے کے لئے ذکر ازواج کے درمیان رکھدیا ہے۔
اسکا جواب یہ ہے کہ شیعہ اپنے قول مذکور میں خود عقیدۂ تحریف قرآن کا اعتراف کر رہے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ شیعہ کا قرآن کریم پر ایمان نہیں، تفصیل کے لئے بندہ کا رسالہ "حقیقت شیعہ" ملاحظہ فرمائیں، پس جبکہ شیعہ قرآن کریم پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور اسکے محرف ہونیکا عقیدہ رکھتے

ہیں تو قرآن کی اس آیت سے وہ ائمہ کی تطہیر وعصمت کے لئے استدلال کس منہ سے کرتے ہیں؟
پھر اگر ان کا قول مذکور بفرضِ محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو لفظ اہلِ بیت کو ائمہ کے ساتھ مخصوص کرنے اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو اسکے مفہوم سے خارج کرنے پر کیا دلیل ہے؟
بعض حضرات اہلِ بیت کی تخصیص بالازواج کے لئے مندرجہ ذیل دلائل بیان کرتے ہیں۔
(۱) قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ علیکم وبرکاتہ اھل البیت انہ حمید مجید، میں حضرت سارہ علیہا السلام کو اہل البیت سے خطاب کیا گیا ہے
(۲) قالت ھل ادلکم علی اھل بیت یکفلونہ لکم وھم لہ ناصحون، میں اہلِ بیت سے امّ موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔
(۳) عام عرف میں "اہل خانہ" "اہلِ بیت" اہلیہ اور "گھر والے" صرف بیوی ہی کو کہا جاتا ہے۔
(۴) گھر کے افراد میں سے بیوی کے سوا اور کسی کو گھر میں ہمیشہ کے لئے قیام نہیں ہوتا، چنانچہ مذکر اولاد بالغ ہونے کے بعد اپنا گھر بار الگ بنا لیتی ہے بلکہ لڑکے جب تک والدین کیساتھ ہوتے ہیں اس زمانے میں بھی ان کا بیشتر وقت گھر سے باہر ہی گزرتا ہے۔ اور لڑکیاں شادی ہوجانے کے بعد گھر سے رخصت ہوجاتی ہیں، مگر یہ دلائل وزنی نہیں۔
قرآن کریم، احادیث اور کلام عرب کے مواقع استعمال پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ توسعًا اہلِ بیت کا اطلاق گھر کے سب افراد پر بلکہ پورے خاندان پر ہوتا ہے، اگرچہ گھر میں ایک ساتھ نہ رہتے ہوں۔ حضرت سارہ علیہا السلام سے ملائکہ کے خطاب میں بھی اہلبیت سے پورا خاندان مراد ہے۔
خلاصۂ بحث یہ کہ آیتِ تطہیر میں سیاق وسباق اور شانِ نزول کے مدنظر اہلِ بیت کا خطاب ازواج مطہرات ہی کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توسعًا اولاد کو بھی اس میں شامل فرمادیا بلکہ خود آیت میں بھی صیغۂ تذکیر اس توسع کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اشارہ کی بنا پر اولاد کے لئے دعا فرمائی ہو۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۷ جمادی الآخرہ ۹۶ھ

کتاب السلوک

رفع تعارض مابین عبارات مختلفہ دربارہ اصلاح از غیر صالح

سوال: کسی ایسے شخص سے اصلاحی تعلق رکھنا جو فن میں تو بصیرت رکھتا ہو مگر صالح نہو درست ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے دو جگہ مختلف تحقیق تحریر فرمائی ہے۔

① فرمایا کہ شیخ کا ولی ہونا ضروری نہیں، مقبول ہونا ضروری نہیں، ہاں فن کا جاننا اور اسمیں مہارت ہونا ضروری ہے۔ جیسے طبیب کہ اسکا پرہیزگار ہونا ضروری نہیں فن کا جاننا البتہ ضروری ہے۔ اسی طرح اگر اعمال صالحہ ہوں، تقوی ہو، ولایت حاصل ہو جائے گی گو شیخ نہو ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر شیخ ولی بھی ہو تو اس کی تعلیم میں برکت زیادہ ہوگی۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ مطبوعہ مکتبۂ تھانوی صہ ۳۱ ملفوظ ۶۸)

② کارِ مرداں روشنی و گرمی ست ✤ کار دوناں حیلہٗ و بے شرمی ست

جاننا چاہیئے کہ جس طرح مرض ظاہری کے علاج کے لئے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو خود بھی صحیح و تندرست ہو مریض نہو اور دوسروں کا علاج بھی کر سکے کیونکہ اگر خود مریض ہے تو مسئلہ طبیہ ہے رأی العلیل علیل۔ گو وہ طبیب ہو مگر اس کی رائے قابل اعتماد نہیں۔ اگر وہ صحیح و تندرست ہے مگر علاج کا طریقہ نہیں جانتا تب بھی اس مریض کے مطلب کا نہیں گو خود اچھا ہے۔ اسی طرح امراض باطنی کے علاج کے لئے ایسے شیخ و مرشد کی حاجت ہے جو خود بھی متقی و صالح ہو۔ مبتدع و فاسق نہو اور دوسروں کی بھی تکمیل کر سکے۔ کیونکہ اگر بد عقیدہ اور بد عمل ہے تو اوّلاً اس پر یہ اطمینان نہیں کہ یہ خیر خواہی سے تعلیم کریگا بلکہ غالب تو یہی ہے کہ عقیدہ میں اپنا جیسا بنانے کی کوشش کریگا اور عمل میں اس کو اسلئے نصیحت نہ کر سکے گا کہ خود اسکا عامل نہیں۔ یہی خیال ہوگا کہ اگر نصیحت کرونگا تو یہ شخص اپنے دل میں کیا کہے گا بلکہ غالب یہ ہے کہ خود بھلا بننے کو اپنی بدعملی کو تاویل سے درست کرنا چاہے گا تو اس میں بڑی گمراہی کا اندیشہ ہے۔ ثانیاً اسکی تعلیم میں انوار و برکات و تاثیر و امداد غیبی نہوگی"۔

ان میں تطبیق یا ترجیح بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وجہ التوفیق : عبارتِ اولیٰ سے مقصد یہ ہے کہ غیر ولی ماہر فن سے ایسے خواص جو صحیح و سقیم میں امتیاز کرسکتے ہوں دو طریقے سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

(الف) تشخیص مرض و تجویز علاج میں اسکی بیان کردہ کلیات کو پیش نظر رکھ کر اپنے حالات کا جائزہ لیں اور جزئیات پیش آمدہ کی تشخیص و تجویز کو اس ماہر فن کی بیان کردہ کلیات سے استنباط کریں۔

(ب) بغرض علاج اپنے حالات اسکے سامنے پیش کریں اور اس کی تشخیص و تجویز کی صحت و سقم کا جائزہ لیں۔ اگر خداداد بصیرت و ذوق سلیم کی بدولت اسکی تشخیص و تجویز پر قلب مطمئن ہو تو اس پر عمل کریں ورنہ لا۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو طبیب کامل تو نہیں مگر طبیب کامل کی رائے کی صحت و سقم معلوم کرنے کی استعداد رکھتا ہے، حاصل یہ کہ غیر ولی فن میں کیسی ہی مہارت کیوں نہ رکھتا ہو بغرض علاج اسکے سامنے کامل تسلیم و تفویض، انقیاد و اعتماد، اطلاع و اتباع بدون تفکر و تدبر ہرگز جائز نہیں۔ عبارت ثانیہ کا یہی مطلب ہے۔

وجوہ الترجیح

(۱) کلید مثنوی کا مضمون مدلل ہے اور ملفوظات کا غیر مدلل، لہٰذا کلید مثنوی کا مضمون راجح ہوگا۔ ملفوظات میں جو طبیب کے ساتھ بطور تمثیل کے دلیل بیان کی گئی ہے وہ بھی مخدوش ہے کیونکہ طبیب کا ولی ہونا اگرچہ ضروری نہیں مگر صحیح و تندرست ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے طبیب ظاہر کا امراض ظاہرہ سے تندرست ہونا ضروری ہے بعینہ اسی طرح طبیب باطن کا امراض باطنہ سے تندرست ہونا ضروری ہے، رأی العلیل علیل کا اصول مسلم و مشاہد و منقول ہونیکے علاوہ معقول بھی ہے۔ بایں طور کہ علاج کے لئے کمال عقل و کمال سکون ضروری ہے اور مرض کی وجہ سے دوسرے قویٰ کی طرح قوۃ عقلیہ میں بھی ضعف آنا لازم اور مشاہد ہے۔ نیز تکلیف کی وجہ سے جو انتشار پیدا ہوتا ہے اس سے قوۃ فکریہ میں کام کرنے کی پوری صلاحیت نہیں رہتی بعینہ اسی طرح مریض باطن کمالِ عقل و سکونِ قلب سے خالی ہوتا ہے، کمال عقل اسمیں اسلئے نہیں کہ شریعت عین عقل ہے اسلئے قرآن کریم نے صرف کامل الایمان لوگوں ہی

کو "دجال" کا لقب دیا ہے۔ وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ

درا شارتہاش را بینی زنی ! مرد پنداری و چوں بینی زنی

ایں قدر عقلے کہ داری گم شود سر کہ عقل از وے بپرد دم شود

پس جس حد تک شریعت میں کوتاہ ہوگا اسی حد تک عقل میں فتور لازم ہوگا اور سکونِ قلب اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اسکی تحصیل منحصر ہے تعلق مع اللہ میں، پس جسقدر یہ تعلق ضعیف ہوگا سکونِ قلب ناقص ہوگا اور اسکی ضد یعنی انتشار موجود ہوگا تو ثابت ہوا کہ غیر ولی کمال عقل و کمال سکون قلب سے خالی ہوتا ہے، ضعفِ عقل اور انتشار کا شکار ہوتا ہے لہٰذا اس میں معالج بننے کی صلاحیت نہیں۔

(۲) کلید مثنوی کا حصہ اول حضرت اقدس قدس سرہٗ نے خود اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا ہے لہٰذا اسکی نسبت حضرت قدس سرہٗ کی طرف بلا واسطہ ہے اور ملفوظات کی نسبت بواسطۂ ناقل ہے جسمیں احتمال الخطأ فی السماع والفہم والتعبیر موجود ہے۔

(۳) یہ امر مسلم ہے کہ کسی کتاب کی تصنیف پر جس حد تک تحقیق عمیق اور تیقظ و امعان نظر سے کام لیا جاتا ہے عام ملفوظات میں اتنا اہتمام نہیں ہوتا اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اگر ان ملفوظات کو حضرت قدس سرہٗ نے بغرض تصحیح سنا یا دیکھا بھی ہو تو بھی اس کے مقابلہ میں کلید مثنوی کی تحقیق واجب القبول ہوگی۔ والتوفیق احسن من الترجیح۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وھو العاصم لا حول ولا قوۃ الا بہٖ لا ملجأ ولا منجا منہ الا الیہ

رشید احمد

۲۷ر جمادی الآخرہ سنہ ۸۶ ہجری

جواب از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفع تعارض کی جو تقریر اوپر کی گئی ہے وہ بھی صحیح و محتمل ہے لیکن میرے دل کو تو اول وھلہ میں یہ بات زیادہ لگتی ہے کہ کمالات اشرفیہ میں ایک علمی تحقیق اور امکانِ عقلی پر گفتگو ہے کہ شیخ اگر ماہر فن ہو اور مرید کی تدبیر صحیح کرے مگر خود عامل نہو تو مرید اسکے اتباع سے درجۂ کمال کو پہنچ سکتا ہے نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے نہ شرعاً۔ ان اللہ یؤید ھٰذا الدین بالرجل الفاجر وامثالہ اس کے لئے کافی ہے۔

اور کلید مثنوی میں وہ طریق بتلایا گیا ہے جو عادۃً ضروری ہے۔ تجربہ اور عادت اسپر شاہد ہے کہ محض امکان عقلی سے کہیں دُنیا میں کام نہیں چلتا جب تک اسباب مناسب اختیار نہ کرے۔ فاسق شخص اگرچہ ماہرِ فن ہو اس پر یہ اعتماد ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ اسکی تدبیر صحیح کریگا۔ جب اعتماد نہیں تو علاج بیکار ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلا مضمون نری علمی تحقیق اور امکان عقلی و شرعی کا بیان ہے جو عموماً اصلاحِ حال کے لئے عادۃً و تجربۃً کافی نہیں ہوتا اور دوسرے مضمون میں صحیح طریقہ بتلایا گیا جس کے بغیر عادۃً اصلاح نہیں ہوتی۔

بندہ محمد شفیع از دار العلوم کراچی

۲۸ رجب المرجب سنہ ۸۶ ہجری

بیعت مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے

سوال: زید کسی پیر کا مُرید نہ ہو اور وہ مرجائے یا تمام عمر میں کسی کو مرشد نہ بنائے تو کسی قسم کا گناہ تو نہ ہوگا؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

بیعت سے مقصود اصلاح ہے اور وہ تبھی ہوتی ہے کہ کسی کامل کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھے اگرچہ بیعت نہ ہو۔ بیعت مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ رمضان المبارک ۸۸ھ

حقیقتِ تصوّف

سوال: آجکل عام طور پر مدارسِ دینیہ کے کئی اساتذہ و طلبہ اور انکے علاوہ دوسرے عام مولویوں کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ تصوّف اور اہلِ تصوّف کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کا مذاق اُڑاتے ہیں لہٰذا اس کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں کہ تصوّف کی شرعاً کیا حیثیت ہے اور اسکا قرآن و حدیث سے کیا ثبوت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

آخرت سے بے فکر مولویوں کی تصوّف سے برہمی کا سبب یہ ہے کہ تصوف کے ذریعہ اصلاحِ باطن اور فلاحِ آخرت حاصل ہوتی ہے جو علم سے اصل مقصود ہے۔ چونکہ تصوف حُبِّ جاہ و مال میں مبتلا مولویوں کے نفسانی تقاضوں کے خلاف پڑتا ہے اسلئے وہ اس کی تحقیر کرتے ہیں۔ اسکی مثال بعینہٖ یہ ہے کہ عوام الناس میں سے وہ لوگ جن میں دین کی فکر نہیں اور وہ آزادانہ زندگی بسر

کرنا چاہتے ہیں وہ علماءِ دین کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی مجالس میں ان کو بُرا بھلا کہتے رہتے ہیں جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں علماءِ حق کو رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ تصوّف کی ضرورت قرآن، حدیث اور فقہ سے ثابت ہے علاوہ ازیں عقلاً بھی اسکی ضرورت بدیہی اور ظاہر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ احکامِ شریعت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ظاہر سے متعلق

(۲) باطن سے متعلق

اعمالِ باطنہ کا وجود قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ہر شخص کا وجدان بھی اسکی شہادت دیتا ہے۔ علاوہ ازیں مسلمات عقلیہ اور متفق علیہ حقائق میں سے ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے وذروا ظاهر الاثم وباطنه ، اس کے علاوہ حسد، کبر، ریا، حُبِّ مال، حُبِّ جاہ وغیرہ رذائل اور ان کی متقابلات صفاتِ محمودہ، اخلاق رذیلہ سے تخلیہ اور اخلاق حمیدہ سے تحلیہ کا حکم، اوّل کے علاج اور دوم کی تحصیل کے طرق قرآن و حدیث میں بار بار بہت کثرت سے مذکور ہیں بس ان اعمال باطنہ یعنی رذائل کے امالہ اور اخلاق حمیدہ کی تحصیل سے متعلق علم کا نام تصوف ہے،

عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی تصوّف کی ضرورت بدیہی ہے بایں طور کہ جب امراضِ باطنہ نصوص شرعیہ سے ثابت ہیں اور مشاہد ہیں تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اللہ تعالےٰ نے انکی اصلاح اور علاج کے طریقے بھی ضرور بیان فرمائے ہونگے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت ہوگی کہ اخلاق رذیلہ پیدا تو فرما دیئے مگر ان کا علاج نہیں بتایا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے ۔ الفقه معرفة النفس مالها وماعليها (توضیح ص۱۰) یہ تعریف تصوف کو بھی شامل ہے بلکہ اعمالِ باطنہ چونکہ زیادہ اہم ہیں حتیٰ کہ اعمال ظاہرہ کا وجود و عدم اور ان کا اعتبار اعمال باطنہ ہی پر موقوف ہے اسلئے تعریف مذکور کے مطابق فقہ کا اہم شعبہ تصوّف ہوا، فقہ کا اعمالِ ظاہرہ سے تعلق رکھنے والا شعبہ ثانوی درجہ رکھتا ہے۔ علم باطن کی اہمیت کے پیش نظر فقہ کے اس شعبہ کا مستقل نام "تصوّف" رکھ دیا گیا مگر بے عمل مولویوں نے تصوف کو فقہ کے مفہوم سے ایسا اڑایا کہ فقہ کے لفظ میں تصوّف کی طرف کسی قسم کے التفات کی کوئی بھی گنجائش نہ چھوڑی۔

غرضیکہ تصوف کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اعمالِ باطنہ سے متعلق علم حاصل

کیا جائے اور اس کی ضرورت قرآن، حدیث، فقہ اور عقل سے ثابت ہو چکی ـــــ باقی مصلح کا کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ کسی شخص میں مرض کی تشخیص کرکے نسخہ تجویز کردیتا ہے، مرض اور علاج تو منصوص ہے، مرض کی تشخیص اور نسخہ کی تجویز مصلح کرتا ہے۔ اسکے علاوہ مصلح بعض ایسی تدابیر اختیار کرتا ہے جن کا تعلق فراست اور تجربہ سے ہے۔ چونکہ ان تدابیر کو مقصود نہیں سمجھا جاتا بلکہ ذریعہ مقصود (اصلاح باطن) ہیں اسلئے ان تدابیر کا ثبوت قرآن وحدیث سے ضروری نہ رہا،

ایسے بے فکر مولویوں کو اگر کوئی اصلاح باطن کا مشورہ دیتا ہے تو ان کا نفس امّارہ یہ عذر پیش کرتا ہے کہ آجکل کوئی بزرگ ایسا نہیں کہ اس سے اصلاح کرائی جائے، ایسے ہی لوگوں کے بارےمیں حضرت رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست ❊ تا بجوشد آبت از بالا و پست

معالج نہ ملنے کی شکایت اس کی دلیل ہے کہ علاج کی فکر نہیں اور مرض کو مرض نہیں سمجھا جارہا، امراضِ جسمانیہ کے علاج کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا سا پیٹ میں درد ہو تو ہر شخص معالج نظر آنے لگتا ہے مگر آخرت کی فکر نہیں اس لئے معالج نہ ملنے کی شکایت کی جاتی ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت نہ ہوگی کہ امراض باطنہ تو پیدا فرمادیئے مگر معالج کوئی بھی پیدا نہیں فرمایا، یا یوں تعبیر کریں کہ آخرت کی تباہی کے اسباب پیدا فرمادیئے مگر ان سے نجات حاصل کرنے کی کوئی سبیل پیدا نہ فرمائی، اگر یوں کہا جائے کہ جب امراض باطنہ کا علاج قرآن وحدیث میں موجود ہے تو علماء اپنا علاج خود ہی کرسکتے ہیں کسی کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں، یہ خیال اسلئے صحیح نہیں کہ اوّلاً قرآن وحدیث میں مذکور نسخوں کو صرف اہلِ فن ہی جانتے ہیں دوسرے علماء کی وہاں تک رسائی نہیں۔ ثانیاً جیسے امراض جسمانیہ کا علاج صرف کتب طب کے مطالعہ سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لئے کسی ماہر فن کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اسی طرح امراض باطنہ کا علاج بھی بدون صحبت کامل کے نہیں ہوسکتا، ضرورت صحبت پر مزید دلائل بندہ کی کتاب ارشاد القاری الی صحیح البخاری میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکر آخرت اور شوقِ وطن کی نعمت سے نوازیں۔ نفس وشیطان کے مکاید سے اپنی حفاظت میں رکھیں فقط، واللہ العاصم

۱۵ رجمادی الآخرہ سنہ ۹۶ ہجری

حضرت علی سے حسن بصری کی ملاقات اور حضرت علی سے باطنی سلاسل کی ابتداء کی حکمت

سوال: بعض حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ملاقات

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں ہوئی لیکن سلسلہ چشتیہ میں یہ لکھا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پیر (مرشد) تھے اور اس کی بھی وجہ تحریر فرمائیں کہ صرف نقشبندیہ سلسلہ کے سوا باقی تمام سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہوئے ہیں، دونوں باتوں کا جواب تفصیل سے تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے[۵] (تہذیب التہذیب) کسی صحابی کی کوئی جزئی فضیلت دوسرے صحابی کی مطلق فضیلت سے منافی نہیں چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مطلق فضیلت ہونے کے باوجود فتوح کی فضیلت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اور کثرتِ روایتِ حدیث کی فضیلت حضرت ابو ہریرہ، انس، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہے۔ اسی طرح اشاعت علم باطن کی جزئی فضیلت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہے۔ مشہور حدیث انا مدینۃ العلم وعلیؓ بابھا میں شاید یہی مراد ہو، اس کی ایک عقلی وجہ بھی ہے وہ یہ کہ افادہ واستفادۂ باطنی کے لئے خاص مناسبت اور مزاج شناسی ضروری ہے اور یہ امر نسبی تعلق خصوصاً پروردہ بچے میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ / جمادی الآخرہ سنہ ۸۹ھ

شیخ کامل کی علامات

سوال: کسی متبع سنت شیخ کامل کی علامات اور اس کی پہچان کیا ہے۔ کیا شیخ اور ان کے مریدین کے لئے اتباع شریعت ضروری ہے؟ اور کیا شریعت پر چلنے کے علاوہ بھی معرفت حاصل ہو سکتی ہے؟ کیا اصلاح باطن اور تزکیہ نفس اتباع شریعت کے علاوہ حاصل نہیں ہو سکتا یا دونوں چیزیں اتباع شریعت اور شریعت پر پورا پورا عمل کرنے ہی پر موقوف ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ شریعت اور معرفت دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شیخ کامل کی علامات یہ ہیں:

(۱) وہ زندگی کے ہر شعبہ میں پورے طور پر متبع سنّت ہو اور اپنے متعلقین و مریدین کو بھی ہر معاملہ میں اتباع سنّت کی تلقین و تاکید کرتا ہو۔

---

[۵] اس کی پوری تفصیل عنوان "حضرت علی سے حسن بصری کا استفادہ" کے تحت ہے۔ ۱۲

(۲) امراء و اغنیاء کی بجائے صلحاء و علماء حق اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوں اور اس سے عقیدت رکھتے ہوں۔

(۳) اس کے پاس بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد، آخرت کی فکر اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو۔

(۴) اسکے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنے والوں کی اکثریت ظاہراً و باطناً شریعت کی پابند ہو۔

اتباعِ شریعت کے سوا تزکیۂ نفس و اصلاح باطن کی ہرگز ہرگز کوئی صورت ممکن نہیں قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتّبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم وقال تعالیٰ وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ جو شخص معرفت و طریقت کو شریعت سے الگ قرار دیتا ہے وہ ملحد، بے دین اور زندیق ہے۔ حکومت اسلامیہ پر فرض ہے کہ اس کے قتل کا حکم دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرۂ رمضان المبارک ۹۳ھ

کرامت کی پہچان

سوال: کرامت کی صحیح تعریف کیا ہے۔ کیا ہر اعجوبہ کرامت ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

کرامت ایسے کام کو کہتے ہیں جو کسی پابندِ شریعت اور مکمل متبع سنت ولی اللہ سے بطور خرق عادت صادر ہو۔ جو شخص مکمل طور پر شریعت کا پابند نہ ہو وہ اگر کوئی اعجوبہ دکھائے تو وہ کرامت نہیں بلکہ استدراج، سحر یا مسمریزم وغیرہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ صفر سنہ ۹۴ ہجری

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت

سوال: تصوف کی اصطلاحات شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ چیزیں شریعت سے الگ ہیں؟ وضاحت سے تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

شریعت احکامِ ظاہرہ و باطنہ کا مجموعہ ہے اور طریقت صرف احکامِ باطنہ کو کہا جاتا ہے اس لئے طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ شریعت ہی کا ایک شعبہ ہے۔ شریعت کے تمام احکامِ ظاہرہ و باطنہ کے کامل اتباع کی بدولت بعض حقائق تکوینیہ و تشریعیہ کا انکشاف ہوتا ہے یہ حقیقت ہے۔ شریعت کے اتباع اور علوم کے انکشافات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی

معرفت ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے اسے معرفت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محض اصطلاحات کے گرداب سے نکال کر اپنی معرفت ومحبت عطاء فرمائیں، آمین فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ر ذی قعدہ سنہ ۹۶ ہجری

جہادِ اکبر

سوال: عام طور پر مشہور ہے کہ صوفیہ کرام مجاہدۂ نفس کو جہادِ اکبر کہتے ہیں۔ کیا اس کا قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعدى عدوك نفسك التى بين جنبيك اخرجه البيهقى (كنوز الحقائق)

وقال صلى الله عليه وسلم المجاهد من جاهد نفسه، رواه الترمذى وصححه واخرج الديلمى عن جابر رضى الله تعالى عنه قال قدم على النبى صلى الله عليه وسلم قوم غزاة فقال قدمتم خير مقدم قدمتم من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر مجاهدة العبد هواه (كنز العمال)

واليه اشار العارف الرومى رحمه الله تعالى ؎

قد رجعنا من جهاد الاصغريم ... بانبى اندر جہاد اکبریم

ان نصوص کے علاوہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ کفار کے ساتھ جہاد سے اصل مقصد حفاظتِ دین ہے اور وہ مجاہدۂ نفس ومخالفت ہوی پر موقوف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حدیث مذکور ثابت نہیں، مکمل تحقیق تتمہ میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ

۲ر ربیع الآخر سنہ ۹۷ ہجری

صاحبِ نسبت کی تعریف

بعض بزرگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صاحبِ نسبت ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے شمار نسبتیں ہیں۔ مثلاً وہ خالق ہم مخلوق، وہ رازق ہم مرزوق، وہ قادر ہم مقدور، وہ مکوِّن ہم مکوَّن وغیرہ۔ ان نسبتوں کے استحضار اور اتباعِ شریعت کی بدولت انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس کو اصطلاحِ صوفیہ میں نسبت کہا جاتا ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے نسبت کی تعریف باللازم یوں فرمائی ہے "دوامِ طاعت وکثرتِ ذکر" جس شخص کو یہ دو امور حاصل ہو جائیں اسے صاحبِ نسبت کہتے ہیں، اللہم

اجعلنا منھم، آمین - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰؍ ربیع الاول سنہ ۸۶ ہجری

تشریح حال و مقام :

بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ فلاں صاحبِ حال ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصواب

درحقیقت حال و مقام دو متقابل اصطلاحیں ہیں: "المقامات مکاسب والاحوال مواھب"

یعنی مقام وہ ملکۂ راسخہ ہے جو کسب و ریاضت سے حاصل ہوا ہو، اسے عموماً دوام ہوتا ہے، کالتوکل والصبر وغیرھما، اور حال بلا اختیار پیدا ہونے والے وارد قلبی کو کہا جاتا ہے جو اکثر زائل ہو جاتا ہے، کالشوق و الوجد والاستغراق، مقام کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے عوام سے اسکے آثار مخفی رہتے ہیں اور حال اکثر خلق پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے، کما قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

حال چوں جلوہ ست زاں زیبا عروس ۔۔۔ ویں مقام آں خلوت آمد با عروس
جلوہ بیند شاہ و غیرِ شاہ نیز ۔۔۔ وقت خلوت نیست جز شاہِ عزیز
جلوہ کردہ عام و خاصاں را عروس ۔۔۔ خلوت اندر شاہ باشد با عروس
ہست بسیار اہلِ حال از صوفیاں ۔۔۔ نادرست اہلِ مقام اندر میاں

بسا اوقات حال بالمعنی الاعم الشامل للمقام بھی استعمال ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰؍ ربیع الاول سنہ ۸۶ ہجری

حضرت علی سے حسن بصری کا استفادہ

سوال: کتب اسماء الرجال میں تصریح ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی لقاء حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں، اس صورت میں سلسلہ چشتیہ کا انقطاع لازم آتا ہے، امید ہے کہ اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈال کر مطمئن فرمائیں گے، والاجر عند اللہ الکریم۔

الجواب باسم ملھم الصواب

روایاتِ ذیل سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لقاء و سماع ثابت ہے

(۱) قال ابن سعد ولد (الحسن البصری) لسنتین بقیتا من خلافۃ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ونشأ بوادی القری وکان فصیحا رأی علیا (تھذیب التھذیب)

(۲) روی عن ابی بن کعب وسعد بن عبادۃ وعمر بن الخطاب ولم یدرکھم وعن ثوبان وعمار بن یاسر وابی ھریرۃ وعثمان ابن ابی العاص ومعقل بن سنان ولم یسمع منھم وعن عثمان وعلی الخ (تھذیب التھذیب)

اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت بدون سماع ہوتی تو یہاں بھی عدمِ سماع کی تصریح ہوتی۔

(۳) عن یونس بن عبید سألت الحسن قلت یا اباسعید انک تقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانک لم تدرکہ قال یا ابن اخی لقد سألتنی عن شیء ما سألنی عنہ احد قبلک ولولا منزلتک منی ما اخبرتک، انی فی زمان کما تری (ای فی عہد الحجاج) کل شیء سمعتنی اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھو عن علی بن ابی طالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا۔ (حاشیۃ تھذیب التھذیب من تھذیب الکمال)

اور روایاتِ ذیل میں سماع کی نفی ہے۔

(۱) عن قتادۃ واللہ ما حدثنا الحسن عن بدری مشافھۃ (تھذیب التھذیب)

(۲) حدثنا حماد بن زید عن ایوب قال ما حدثنا الحسن عن احد من اھل بدر مشافھۃ (تھذیب التھذیب)

(۳) سئل ابوزرعۃ ھل سمع الحسن احدا من البدریین قال رآھم رؤیۃ رأی عثمان وعلیا قیل ھل سمع منھما حدیثا قال لا۔ رأی بالمدینۃ وخرج علی الی الکوفۃ والبصرۃ ولم یلقہ الحسن بعد ذلک وقال الحسن رأیت الزبیر یبایع علیا (تھذیب التھذیب)

(۴) قال علی بن المدینی لم یر علیا الا ان کان بالمدینۃ وھو غلام (تھذیب التھذیب)

(۵) وفیھا ان الحسن صحب علیا وھذا باطل باتفاق اھل المعرفۃ فانھم متفقون علی ان الحسن لم یجتمع بعلی وانما اخذ عن اصحاب علی اخذ عن الاحنف بن قیس وقیس بن عباد وغیرھما عن علی وھکذا رواہ اھل الصحیح (منہاج السنۃ جلد ۳)

روایات نفی کے جوابات

(۱) پہلی دو روایتوں میں تحدیث للراوی کی نفی نہیں، مطلقاً تحدیث کی نفی نہیں،

(۲) روایات اثبات میں سے تیسری روایت میں گزر چکا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت میں عمداً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہ فرماتے تھے، لہٰذا انکارِ سماع عدم علم پر مبنی ہے۔

(۳) اصولاً نفی پر اثبات راجح ہے۔

(۴) پانچویں روایت میں مطلقاً لقاء، وصحبت کی نفی مقصود نہیں بلکہ تعارِ ممتد کی نفی مقصود ہے" لکی تتحد معانی الآثار ولا تتضاد" چنانچہ روایت رابعہ میں دونوں کے مدینہ منورہ میں بیک وقت موجود ہونے کو تسلیم کرنے کے باوجود عدم رؤیت کا محمل صرف یہی ہو سکتا ہے کہ رؤیت طویلہ کی نفی مقصود ہے، اس روایت میں لفظ غلام قادح نہیں، اسلئے کہ غلام مختص بالصغیر نہیں، آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو سال قبل پیدا ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتقال الی الکوفہ کے زمانہ میں آپ بالغ یا مراہق ہونگے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۳ھ میں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۵ھ میں شہید ہوئے، اور ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے کوفہ کی طرف تشریف لے گئے اس حساب سے اسوقت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عمر چودہ برس تھی۔ حریص علی الخیر ہونیکے باوجود اتنی عمر تک

ایک ہی مقام میں ہوتے ہوئے عدم لقاء وعدم سماع بہت بعید ہے۔ غرضیکہ آپ کو صحبتِ طویلہ حاصل نہیں ہوئی، استفادۂ باطنہ کے لئے اگرچہ بالعموم صحبتِ طویلہ ضروری ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔

اگر بالفرض عدمِ سماع بھی تسلیم کرلیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ بالواسطہ کیا ہوگا، اسمیں کیا اشکال ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ——— ۵ جمادی الآخرہ سنہ ۹۷ھ

مسئلہ وحدۃ الوجود :

سوال : بعض جاہل صوفی "ہمہ اوست" کہتے ہیں اسکا کیا مطلب ہے؟ وضاحت سے بیان فرمائیں، بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

"ہمہ اوست" مسئلۂ وحدۃ الوجود کا ایک عنوان ہے جیسے کہ اصطلاحِ صوفیہ میں توحید، عینیّت اور مظہریّت وغیرہ بھی اسی مسئلہ کے مختلف عنوان ہیں۔ حاصل اسکا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود کامل ہے اور اسکے مقابلہ میں تمام ممکنات کا وجود اتنا ناقص ہے کہ کالعدم ہے، عام محاورہ میں کامل کے مقابلہ میں ناقص کو معدوم سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے کسی بہت بڑے علامہ کے مقابلہ میں معمولی تعلیم یافتہ کو یا کسی مشہور پہلوان کے مقابلہ میں معمولی شخص کو کہا جاتا ہے کہ یہ تو اسکے سامنے کچھ بھی نہیں، حالانکہ اسکی ذات اور صفات موجود ہیں مگر کامل کے مقابلہ میں انھیں معدوم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے وجودِ کامل کے سامنے تمام مخلوق کے وجود کو حضرات صوفیہ معدوم قرار دیتے ہیں، حضرت شیخ سعدی نے دو مثالوں سے اسکی خوب وضاحت فرمائی ہے، ارشاد ہے ؎

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ ۔۔۔ بتابد بشب کرمکے چوں چراغ
یکے گفتش اے مرغکِ شب فروز ۔۔۔ چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
ببیں کآتشیں کرمکِ خاک زاد ۔۔۔ جواب از سرِ روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بصحرا نیم ۔۔۔ ولے پیشِ خورشید پیدا نیم

دوسری مثال بیان فرماتے ہیں ؎

یکے قطرہ از ابرِ نیساں چکید ۔۔۔ خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائیکہ دریاست من کیستم! ۔۔۔ گر او ہست حقا کہ من نیستم!
ہمہ ہرچہ ہستند ازاں کمتر اند ۔۔۔ کہ با ہستیش نامِ ہستی برند

تقریرِ بالا سے معلوم ہوا کہ وحدۃ الوجود کے یہ معنی نہیں کہ سب ممکنات کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود سے متحد ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وجودِ کامل صرف واحد ہے، بقیہ موجودات کالعدم ہیں "ہمہ اوست" کا بھی یہی مفہوم ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کے دربار میں درخواست پیش کرے، بادشاہ اسے چھوٹے حکام کی طرف رجوع کا مشورہ دے اور یہ جواب میں کہے کہ حضور آپ ہی سب کچھ ہیں،

تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ سب حکام آپ سے متحد ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپکے سامنے سب حکام کالعدم ہیں،

اسی طرح عینیّت اصطلاحِ صوفیہ میں بمعنی احتیاج ہے، اس معنی سے جملہ مخلوق عینِ خالق ہے یعنی اسکی محتاج ہے، پھر کبھی عینیّت میں یہ قید لگا دیتے ہیں کہ اس احتیاج کی معرفت بھی ہو، اس معنی سے صرف عارف کے لئے عینیّت ثابت کرتے ہیں پھر بعض اوقات ایک قید مزید بڑھا دیتے ہیں کہ اس معرفت میں اسقدر استغراق ہو کہ جملہ مخلوق حتیٰ کہ اپنی ذات کی طرف بھی التفات نہ رہے وبہذا المعنی قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

آں یکے را روئے او شد سوئے دوست — ویں یکے را روئے او خود روئے دوست

جاہل صوفیوں کے فتنہ سے اُمت کی حفاظت کے لئے اہلِ ارشاد نے وحدۃ الوجود کی اصطلاح کو وحدۃ الشہود سے بدلدیا ہے، اسمیں فتنہ کا خطرہ نہیں، کیونکہ اسمیں غیر کے وجود کی نفی نہیں بلکہ اسکا مفہوم یہ ہے کہ جملہ موجودات میں سے شہود اور التفات صرف ایک ذات کی طرف ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ر جمادی سنہ ۹۷ھ

تشریح فنار وبقار :

سوال : مقامِ فنا کے کیا معنی ہیں ؟ بیّنوا توجروا

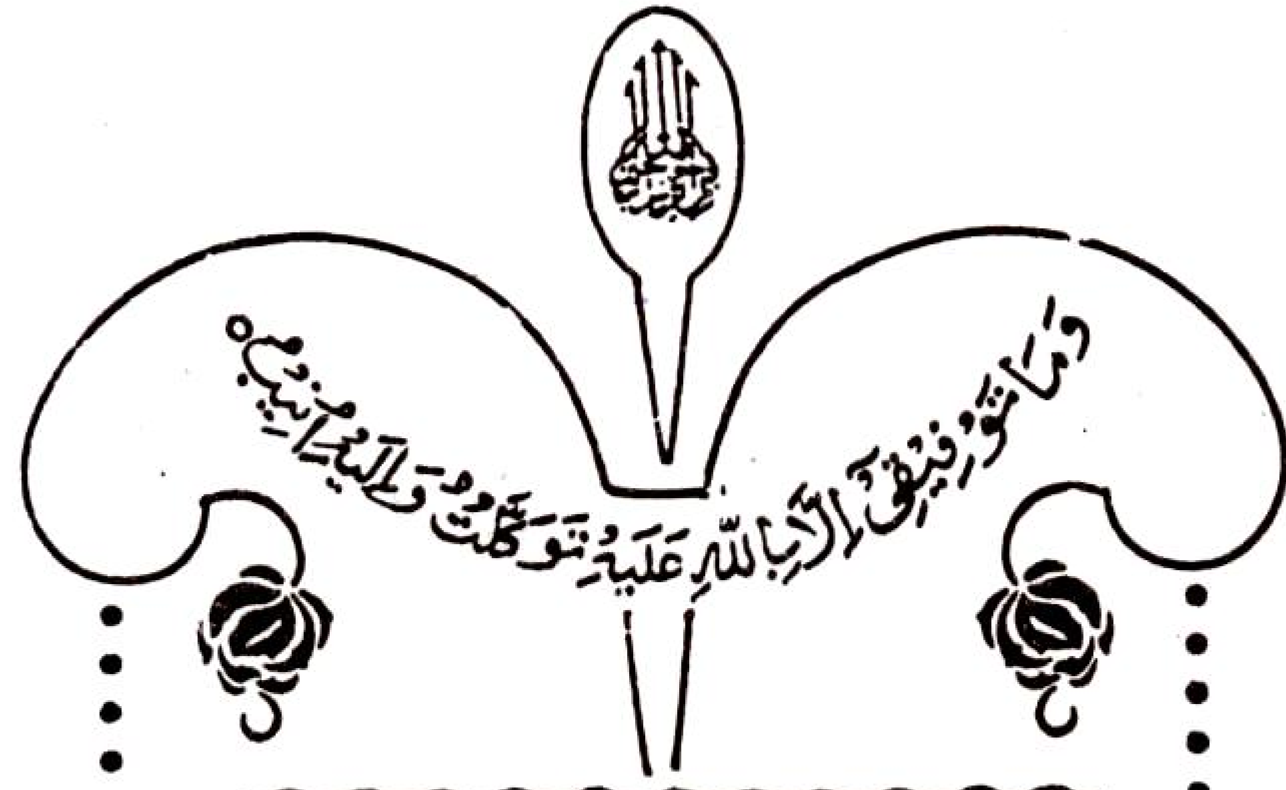
الجواب باسم ملهم الصواب

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے غلبۂ شہود کی وجہ سے اپنی ذات وصفات سے بے خبری کو فنار کہتے ہیں۔ فنارِ صفات کو قرب نوافل، اور فنارِ ذات کو قرب فرائض کہا جاتا ہے۔ چونکہ حدیث قدسی "وما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا (رواہ البخاری)" میں فنارِ صفات کو تقرب بالنوافل پر مرتب کیا گیا ہے اسلئے صوفیہ اس درجہ کو قرب نوافل کہتے ہیں، اور فرائض کا درجہ نوافل سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کے شروع میں ہے "وما تقرب الیّ عبدی بشیٔ احب الیّ مما افترضت علیہ" اسلئے فنار ذات کو جو کہ افضل ہے فنار صفات سے قرب فرائض کہتے ہیں

پھر اس فنار کا بھی علم نہ رہے تو یہ فنار الفنار ہے جیسے کہ نائم اپنی نوم سے بھی بے خبر ہوتا ہے۔ بعض حضرات بقار یعنی فنار سے افاقہ کو فنار الفنار کہتے ہیں۔

فنار وبقار ایک اور معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ زوالِ رذائل کو فنار اور حدوثِ فضائل کو بقار کہا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ر جمادی الآخرہ سنہ ۹۷ھ



فکر آں باشد کہ بکشاید رہے
راہ آں باشد کہ پیش آید شہے
(رومی)

استیناس لابد

بشرح

فضل العالم علی العابد

فاروقی



وجہِ تالیف

ایک مرتبہ لاہور کے سفر میں جامعہ اشرفیہ میں حاضری ہوئی وہاں کے ایک عالم فرمانے لگے کہ

"میرے خیال میں علماء کو ذکر و شغل اور نوافل و تلاوت کی بجائے درس و تدریس اور افتاء و ارشاد میں مشغول رہنا زیادہ ضروری ہے۔"

اُنھوں نے اپنے اس خیال کی تائید میں حدیث "فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم" پڑھی بندہ نے عرض کیا کہ "جو عالم ذکر و تلاوت وغیرہ عبادتِ نافلہ کثرت سے نہیں کرتا وہ اصطلاحِ شرع میں عالم ہی نہیں۔" اللہ تعالیٰ نے اس پر کچھ دلائل بیان کرا دیئے، یہ قصہ عصر و مغرب کے درمیان پیش آیا، نماز مغرب کے بعد وہ عالم تشریف لائے اور فرمایا کہ

"آپ کے بیان سے متأثر ہو کر مَیں آج اوّابین پڑھ کر آرہا ہوں۔"

مَیں نے کراچی واپس آکر سفر کی روئیداد میں یہ قصہ بھی ذکر کیا، اسوقت کسی صاحب نے ٹیپ ریکارڈر لگا رکھا تھا، اس میں یہ بیان محفوظ ہو گیا سُننے والوں نے بہت پسند کیا اور اس کی اشاعت کی ضرورت بیان کی، بندہ کو بھی خیال ہوا کہ

"کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم مذکور کی طرح اس غلط فہمی میں مبتلا دوسرے علماء کے لئے بھی اسے نافع بنا دیں"

چنانچہ مَیں نے یہ مضمون ٹیپ سے نقل کروا کر استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بغرضِ اصلاح پیش کیا، آپ بہت مسرور ہوئے، اس پر اپنا تأثر تحریر فرمایا اور فرمایا کہ

"دار العلوم کے سب اساتذہ کو جمع کر کے یہ مضمون سُنایا جائے۔" حضرت مفتی صاحب کی نظر میں اس کی اسقدر اہمیت ثابت ہونے کے بعد اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور ہم سب کے لئے نافع بنائیں۔ وفقنا اللہ الجمیع لما یحب و یرضیٰ، اٰمین

رشید احمد ـــــ ۷ صفر سنہ ۹۷ھ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

کا تأثر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم مولانا رشید احمد صاحب زادہ اللہ تعالیٰ فضلاً وکمالاً کا مضمون متعلقہ حدیث فضل العالم علی العابد شوق سے سُنا ماشاء اللہ حجت کے اعتبار سے سنگین اور اثر کے اعتبار سے رنگین ہے یہ حقیقت ہے کہ فقہاء کرام کے ایسے اقوال جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علمِ دین کی کتابوں کا مطالعہ یا درس وتدریس قیام اللیل سے افضل ہے ان سے بہت سے اہلِ علم اس مغالطہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ تہجد اور نوافل واوراد کو بالکلیہ ترک کرکے سارا وقت تبلیغ وتعلیم میں خرچ کریں، لیکن خود حضرات فقہاء، ومحدثین اور تمام علماء سلف وخلف کا تعامل دیکھا جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی اہم نوافل تہجد وغیرہ اور اہم اذکار کو چھوڑ کر علمی خدمات کو اختیار نہیں کیا بلکہ علمی خدمات کے ساتھ اَوراد واذکار اور تہجد ونوافل کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا ہے۔

مَیں نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ حضرت امام قاضی ابویوسف عین اس زمانے میں جبکہ وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور اور اسکے فرائض کی ادائیگی میں مشغول تھے رات کو تین سو رکعت پڑھتے تھے، جہاں تک مجھے یاد ہے خلاصۃ الفتاوی میں کسی جگہ لکھا ہے (جواس وقت سرسری تلاش سے ملا نہیں) کہ تعامل علماءِ سلف کا یہ تھا کہ دن کا وقت تو زیادہ تر علمی خدمات درس وتدریس تبلیغ وتعلیم یا تصنیف وفتوی میں صرف کرتے تھے مگر رات کا بڑا عمل ان کا نماز تہجد وتلاوت ہی ہوتا تھا اور حقیقت ہے کہ تعلیم وتبلیغ کی خدمت بھی مؤثر ومفید جبھی ہوتی ہے جبکہ تعلق مع اللہ اور ذکر اللہ کے لازمی اثرات اس میں موجود ہوں۔ واللہ المستعان

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دار العلوم کراچی نمبر۱۴

$\frac{12}{85ھ}$ ۶



قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ كَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاكُمْ

اس حدیث کے پیشِ نظر بعض علماء اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اہلِ علم کو نفلی عبادت کی بجائے علمی مشغلہ رکھنا چاہیے، اوّابین تہجد اور ذکر و شغل وغیرہ میں مشغول ہونا صحیح نہیں، یہ وقت علم دین کی خدمت و اشاعت میں صرف کرنا افضل ہے، مگر یہ محض مغالطہ اور نفس و شیطان کا کید ہے۔ اس لئے حدیث مذکور کی تشریح کی ضرورت پیش آئی۔

اوّلاً یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ شریعت کی نظر میں علم کسے کہتے ہیں؟ سو واضح ہو کہ نظرِ شرع میں علم وہ معتبر ہے کہ جس سے خشوع و خضوع اور تقوی و فکر آخرت اور حساب و کتاب کا استحضار اور دنیا و ما فیہا سے زہد اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو، فرماتے ہیں

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اس سے معلوم ہوا کہ علم سے خشیت پیدا ہوتی ہے

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَتْقَاكُمْ وَاَعْلَمُكُمْ بِاللّٰہِ اَیْ اَنَا اَتْقَاكُمْ لِاَنِّیْ اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰہِ اس سے ثابت ہوا کہ زیادۃِ علم زیادۃِ تقوی کی مورث ہے۔ اور فرمایا:

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ ان آیات سے جہل و علم کی حقیقت معلوم ہوئی کہ حیاتِ دنیا پر نظر رہنا جہل اور ثواب اللہ پر نظر ہونا علم ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ کا صرف اعتقاد حاصل ہو جانا علم نہیں بلکہ تحقق علم کے لئے اس کا استحضار اور اس کے مطابق عمل ضروری ہے وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ سے اس کی مزید تاکید فرما دی، لہٰذا خواہ کوئی دنیا بھر کے علوم حاصل کر لے مگر بدوں تقوی کے وہ نظر شرع میں كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا اور "چار پائے بر و کتابے چند" کا مصداق ہوگا، عقلاً بھی یہ امر مسلّم اور بدیہی ہے کہ حقیقی علم معرفت خالق ہے۔ ــ ۵

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے | راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

اور یہ بھی مسلم ہے کہ کسی چیز کی صفات کی جس حد تک معرفت ہوگی اسی حد تک اسکے آثار بھی مرتب ہونگے۔ پس اللہ تعالیٰ کی شانِ جلالی وجمالی کی معرفت کے بعد غلبۂ شوق و غلبۂ خوف اور ان کے آثار کا ترتب لازمی ہے، دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ تقویٰ اور خشوع کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اسکی تحصیل کے قرآن کریم نے مختلف مواضع میں متعدد طریقے بیان فرمائے ہیں، ارشاد ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اس مضمون کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ توجہ الی الآخرۃ موقوف ہے زہد عن الدنیا پر، کیونکہ تحلیہ بلا تخلیہ ناممکن ہے؟

حضرت رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

آئینت دانی چرا غماز نیست | زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

رو تو زنگار از رُخِ او پاک کُن | بعد زیں ایں نور را ادراک کُن

اور زہد عن الدنیا نام ہے ازالۂ حُبِّ دنیا کا جو شامل ہے حبِّ مال وحبِّ جاہ کو۔ پس فرماتے ہیں کہ حُبِّ مال کا علاج صبر یعنی ترک لذات وشہوات سے کرو، اسلئے کہ تحصیلِ لذّات کے لئے مال کی ضرورت پڑے گی تو مال کی طلب بڑھے گی، لہٰذا نفس کو ترک لذّات کا عادی بناؤ تاکہ مال کثیر کی ضرورت نہ پڑے قال البوصیری ؎

النّفس کالطفل ان تھملہ شبّ علیٰ | حبّ الرّضاع وان تفطمہ ینفطم

اور حبِّ جاہ کا علاج نماز سے کرو، اس لئے کہ نماز میں سراسر عجز وانکسار ہے اور نماز کی گرانی کا علاج خشوع یعنی سکونِ قلب ہے، اس طرح کہ اعضاء کی حرکات قلب کی حرکات (خیالات وارادات) کے تابع ہیں، اسلئے نماز میں سکون اعضاء کی قیود (یعنی چلنے پھرنے بولنے دیکھنے کھانے پینے سے ممانعت) اسوقت تک گراں معلوم ہونگی جب تک قلب میں سکون پیدا نہیں ہوگا اور سکونِ قلب (خشوع) حاصل کرنیکا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ اپنے رب سے لقاء اور حساب وکتاب، جزاء وسزا کا مراقبہ کرتے رہا کرو۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا ط ان دونوں آیتوں میں تقوی کا امر فرما کر اس کی تحصیل کا طریقہ بیان فرمایا کہ قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا مراقبہ کیا کرو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً ج اس میں تحصیل تقوی کے لئے باری تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کے مراقبہ کا حکم فرمایا۔

اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ط اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ٥ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ٥ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ٥ اس میں حبِّ مال کا علاج یہ بیان فرمایا کہ حشر اور حساب وکتاب کا مراقبہ کیا کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقوی اور فکر آخرت پیدا کرنے کے لئے مراقبۂ موت کی تعلیم فرمائی۔

اَكْثِرُوْا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ۔

كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا۔ زُوْرُوْهَا (الْقُبُوْرَ) فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ۔

اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ میں مراقبۂ ذاتِ حق کا حکم فرمایا،

حَقِيْقٌ بِالْمَرْءِ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ مَجَالِسُ يَخْلُوْ فِيْهَا وَيَذْكُرُ ذُنُوْبَهٗ فَيَسْتَغْفِرُ اللهَ مِنْهَا (هب) سے محاسبہ کی تاکید فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج یہاں تقوے اختیار کرنے کے لئے محاسبۂ اعمال کا حکم فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ٥ اس آیت میں تحصیلِ تقوی کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ صادقین کے ساتھ رہ پڑو، یعنی کثرت صحبتِ صادقین۔

اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ٥ اس سے معلوم ہوا کہ کثرتِ ذکر اللہ سے قلب کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے اور اوپر آیۂ کریمہ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط کی تفسیر میں بیان ہوا کہ سکونِ قلب سے نماز سہل ہو جاتی ہے، جس سے حبِّ جاہ زائل ہوتی ہے جس سے فکرِ آخرت پیدا ہوتی ہے، ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، یعنی جو شخص خلوت میں ذکر اللہ کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں اسے اللہ تعالیٰ ایسے قرب سے نوازتے ہیں کہ قیامت کے روز اس کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے جبکہ لوگ تمازت سے پریشان ہوں گے اور

پسینوں میں ڈوب رہے ہونگے۔ غرضیکہ مراقبہ، محاسبہ، صحبت اولیاء اللہ اور کثرت ذکر سے علم و معرفت میں ترقی ہوتی ہے جس سے تقویٰ، خشوع اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے اسلئے کثرتِ ذکر کا حکم دیا گیا ہے،

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝

وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

این قدر گفتیم باقی فکر کن ۔۔۔ فکر گر جامد بود رو ذکر کن
ذکر آرد فکر را در اہتزاز ۔۔۔ ذکر را خورشید این افسردہ ساز

نتیجہ یہ نکلا کہ علم موقوف ہے کثرتِ ذکر، محاسبہ، مراقبہ اور صحبتِ اولیاء اللہ پر، سیّدِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی کئی روز تک مراقبہ اور تخلیہ کروانے کے بعد علم و عرفان سے آپ کا تحلیہ فرمایا گیا۔ پس ابتداءً تو یہ اذکار و اشغال مرض جہل سے نجات حاصل کرنے کے لئے بطور علاج کے ضروری ہیں، مگر جب ان کی بدولت علم اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ و خشوع کی نعمت ملجاتی ہے تو یہ اذکار و اشغال خود مرض بن کر عاشق پر مسلّط ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ کسی مرض کے لئے افیون یا تمباکو استعمال کروایا جائے جس سے اصل مرض کا علاج تو ہو جائے مگر خود افیون یا تمباکو کی عادت کالا علاج مرض ہمیشہ کے لئے سوہانِ روح بن جائے۔ ابتداء میں انسان علاج کے طور پر بادلِ نخواستہ ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے مگر کچھ وقت کے بعد یہ اذکار و اشغال انسان کو ایسے پکڑتے ہیں، کہ ان سے بچنا ناممکن ہو جاتا ہے ؎

مکتبِ عشق کا دُنیا سے نرالا دستور ۔۔۔ اُس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہا

اسی حالت کے بارے حضرت مجذوب فرماتے ہیں ؎

اب تو چھوڑے سے بھی نہ چھوٹے ذکر ترا اے میرے خدا
حلق سے نکلے سانس کے بدلے ذکر ترا اے میرے خدا

اذکار و اشغال میں یہ فرق ہے کہ اشغال خود مقصود نہیں صرف ذریعۂ مقصود ہیں، اور اذکار ذریعۂ مقصود ہونے کے علاوہ بذاتِ خود بھی مقصود ہیں۔ ارشاد ہے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ السجدة

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۝ السجدة یعنی کثرتِ ذکر و مراقبات سے ان پر ایسی رقّتِ قلب طاری ہو جاتی ہے کہ اپنے محبوب کی باتیں سُن کر ان کے قلوب پر زلزلہ آنے لگتا ہے، وریدوں کا خون گرما جاتا ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں روتے ہوئے بےساختہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور آنکھوں سے سیلِ اشک جاری ہو جاتا ہے جو اس قدر کثرت سے بہتا ہے کہ گویا خود آنکھیں ہی بہی جا رہی ہیں ؎

کوئی نہیں جو یار کی لا دے خبر مجھے　　　اے سَیلِ اشک تو ہی بہا دے ادھر مجھے

؎ از حالِ خود آگہ نیم جز ایں قدر دانم کہ تو
ہر گہ بخاطر بگذری اشکم ز داماں بگذرد

محبوبِ حقیقی نے اپنے عشاق کے مراقبہ، محاسبہ، کثرتِ ذکر، کثرتِ صلوٰۃ اور قیامِ لیل کا تذکرہ قرآنِ کریم میں بار بار دہرایا ہے، فرماتے ہیں۔

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ، یعنی قیامت کی ہولناکیوں کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں۔

يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ حسنات قبول بھی ہوئیں یا نہیں۔

يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

اس میں اوّلاً مادۂ قلت ثانیاً اس کی تنکیر للتقلیل ثالثاً من تبعیضیہ رابعاً ما تاکیدیہ لا کر کس شان کے ساتھ ان کے قیامِ لیل کا تذکرہ فرمایا ہے کہ رات کو بہت ہی کم سوتے ہیں اور جب رات قریب الختم ہوتی ہے تو رات بھر کی عبادت کا محاسبہ کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ کچھ بھی

عبادت نہ کرسکے۔ مَاعَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اپنی عبادت کا نقص سامنے آتا ہے تو اس پر استغفار کرتے ہیں ؎

نیکیاں یا رب مری بدکاریوں سے بد ہوئیں وہ بھی رُسوا کُن ترے دربار میں بیحد ہوئیں

یہ عشاق اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے بھی اپنے کو قصور وار ہی سمجھتے ہیں ؎

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، یعنی کثرتِ ذکر و مراقبۂ قدرت میں لگے رہتے ہیں۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۤءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَاۤئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ اس میں اہلِ علم اسے کہا گیا ہے جو رات کو خشوع و خضوع اور خوف و رجا کی حالت میں کثرت سے نوافل پڑھے، بلکہ آیت ذیل کے ظاہر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں میں غلبۂ خشیت، خشوع و خضوع، کثرت ذکر، کثرت قیام لیل نہیں وہ مؤمن ہی نہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ السجدة تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ان آیات میں انّما کلمۂ حصر ہے، یعنی جب تک صفاتِ مذکورہ نہ پائی جائیں گی ایمان کا وجود ہی نہیں ہوسکتا، ان آیات کے ظاہر اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک رجال اللہ کے تعامل سے کثرتِ ذکر و قیام لیل کی فرضیت بلکہ شرطِ ایمان ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں (۱) ضابطہ کا فرض (۲) رابطہ کا فرض مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کے علاج کے مصارف اور بیوی کے ذمّہ شوہر کی خدمت ضابطۂ شرعیہ میں فرض نہیں، مگر رابطہ کی حیثیت سے یہ ایسا اہم فریضہ شمار ہوتا ہے کہ اسمیں کوتاہی کرنے والے شوہر یا بیوی کو زوجیت کے لائق ہی نہیں سمجھا جاتا، اگرچہ ضابطہ کی رُو سے یہ میاں بیوی ہیں، اسی طرح ضابطہ کی رو سے اگرچہ کوئی شخص مسلمان ہو مگر مسلمان کہلانے کے لائق اور رابطہ کا مسلمان تب بنے گا جب رابطہ کے فرائض و شرائط (خشوع و خضوع کثرت ذکر و

قیامِ لیل) کو ادا کریگا۔ اس پوری تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جب تک مراقبہ، محاسبہ، خشوع وخضوع کثرتِ ذکر و قیامِ لیل متحقق نہ ہوگا، اسوقت تک عالم بننا تو درکنار صحیح معنوں میں مسلمان بھی نہیں بن سکتا، اب حدیث کا مطلب واضح ہوگیا کہ عالم سے مراد وہ ہے جو نظرِ شرع میں عالم ہو اور کامل مؤمن ہو۔ یعنی کم از کم اتنی عبادت کرتا ہو جو حقیقتِ علم اور کمالِ ایمان کے لئے شرط ہے جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی، ورنہ وہ عالم ہی نہیں بلکہ اس لائق بھی نہیں کہ اسے مؤمن کہا جائے اگرچہ حقیقت میں مؤمن ہو، پس عالم سے مراد وہ شخص ہے جو کم از کم اتنی عبادت کرتا ہو جو حقیقتِ علم کے لئے موقوف علیہ ہے اور زیادہ وقت مشاغلِ علمیہ میں صرف کرتا ہو اور عابد سے مراد وہ ہے جو درجۂ موقوف علیہ سے بھی زیادہ عبادت کرتا ہو اور علم بقدرِ ضرورت سے زیادہ حاصل نہ کیا ہو، پس دونوں عالم بھی ہیں اور عابد بھی، فرق اتنا ہے کہ ایک علم بقدرِ ضرورت یعنی بقدرِ فرضِ عین حاصل کرکے فرضِ کفایہ کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے کثرتِ عبادت میں مشغول ہوجاتا ہے اور دوسرا عبادت بقدرِ ضرورت (جو حقیقتِ علم و کمالِ ایمان کے لئے موقوف علیہ ہے) کرتا ہے، اور علم سے فرضِ کفایہ کا درجہ بھی حاصل کرلیتا ہے حقیقتِ علم منکشف ہونیکے لئے دردِ محبت کی ضرورت ہے ؎

در درونِ خود بیفزا درد را تا ببینی سبز و سرخ و زرد را

اس درد کی بدولت ایسے علوم منکشف ہوتے ہیں کہ عقل خیرہ رہ جاتی ہے ؎

بینی اندر خود علومِ انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

جو لوگ اس لذتِ درد سے ناآشنا ہیں ان کو حقیقتِ علم کی کیا خبر ؎

تو ندیدی گہے سلیماں را چہ شناسی زبانِ مرغاں را

آگاہ نۂ تپ درون را نشتر چہ زنی رگِ جنوں را

ان کو تو خود پرستی محبوبِ حقیقی کی طرف آنے ہی نہیں دیتی ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید

ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں فضل دارد از علوم جانِ خود را مے نہ داند ایں ظلوم

جانِ جملہ علمہا این ست واین کہ بدانی من کیم در یومِ دیں

ایہا القوم الذی فی المدرسہ کل ما حصلتموہ وسوسہ

علم نبود الا علم عاشقی ما بقی تلبیس ابلیس شقی

خدمتِ علمِ دین کا بہانہ بنا کر عبادت سے جی چُرانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی اور آج تک رجالِ اُمت کے سلسلہ کا طرزِ عمل دُنیا کی آنکھوں سے اوجھل کر سکتے ہیں؟ آپ لوگ تو بزعم خود صرف علمِ دین کے محافظ و مبلّغ ہی ہیں، حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر تو مبلّغ ہونے کے علاوہ حکومت کی ذمہ داریاں بھی تھیں، پھر ان نفوس قدسیہ میں جذبۂ تبلیغ و احساسِ ذمہ داری کس حد تک تھا، یہ ہمارے وہم و گمان سے بھی خارج ہے ؂

وکیف یدرک فی الدنیا حقیقتہ قوم نیام تسلوا عنہ بالحلم

معہٰذا آپ قیام لیل کس حد تک فرماتے تھے، کمر باندھ لیتے، احیاء لیل فرماتے، پاؤں متورم ہو جاتے اور کثرت سے نفل روزے رکھتے اور ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے، آپ نے یہ خیال کیوں نہ فرمایا کہ کثرتِ نوافل کی بجائے یہ وقت بھی تبلیغِ علمِ دین اور نظم و اقامت حکومت میں ہی صرف کرنا چاہیئے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے چالیس سال تک مسلسل عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی، ایک قرآن پاک روزانہ ختم فرماتے تھے، علامہ برہان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ نے تیرہ سال تک مسلسل روزہ رکھا اور کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا، کیا آپ کا جذبۂ حفاظت و اشاعت علم دین ان مقدس ہستیوں سے بھی بڑھ کر ہے؟ مثال کے طور پر ان دو ہستیوں کا ذکر کر دیا، ورنہ اس سلسلہ کے ہر فرد کی یہ کیفیت ہے ؂

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

ایک مرتبہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ اپنے اُستاذ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مہمان ہوئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی صاحبزادی نے مہمان کی دیگر ضروریات کے ساتھ تہجد کے وقت وضو کے لئے پانی بھی رکھ دیا، صبح کو جب دیکھا کہ پانی ویسے ہی رکھا ہے تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے یوں شکایت کی کہ "طالب علم لیس لہ حظ فی الصّلٰوۃ" یہ کیسا طالبِ علم ہے جسے تہجد کی بھی توفیق نہیں ہوتی؟ ایک جلیل القدر امام کی صاحبزادی کا یہ جملہ مدعیان علم کے لئے تازیانۂ عبرت ہے، امام شافعی کے دریافت فرمانے پر امام احمد رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ رات آپ کے ہاں جو کھانا کھایا ہے اسکے انوار اس قدر محسوس ہوئے کہ رات بھر عبادت میں گزری ایک لمحہ کے لئے بھی غفلت نہیں ہوئی، لہٰذا وضو کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، ماضی قریب

میں ہی ایسے رجال گزرے ہیں کہ امت مسلمہ پر کوئی دینی یا دنیوی ادنیٰ سی آفت بھی انکو پریشان کردیتی تھی، جس سے ان کی نیند غائب اور آرام کافور ہوجاتا تھا، ایک درد تھا جوکسی وقت چین نہ لینے دیتا تھا ان کے جذبۂ اشاعت دین کی مدعیان حفاظت علم کو تو ہوا بھی نہیں لگی، ایک طرف جہاد، وعظ و تقریر، تبلیغ و اشاعت، تدریس و افتاء، تصنیف و تالیف کے میدان میں یہ حضرات سبّاق تھے، دوسری طرف مراقبہ، محاسبہ، کثرت ذکر و شغل، نوافل و قیام لیل میں ممتاز اور امراض باطنہ کے طبیب حاذق تھے، ایک جانب بلا واسطہ علم نبوت حاصل کرنے والے ہزاروں شاگرد اور مواعظ و ملفوظات و تصانیف سے مستفید ہونے والے کروڑوں افراد اور دوسری جانب ان کے مطب روحانی سے صحتیاب ہونے والے اور نورِ نبوّت حاصل کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہیں، ان حضرات نے فقہ، قرآن، حدیث، علوم نقلیہ وعقلیہ، ظاہرہ و باطنہ کی ایسی گتھیاں سلجھائی ہیں کہ مدعیان علم و فراست سمجھانے پر بھی نہ سمجھ سکیں، مدعیان حفاظت و اشاعت علم ان عشاق کی تبلیغ و اشاعت دین جیسا کوئی ادنیٰ سا نمونہ تو پیش کریں ؎

اولئك اٰبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا عنید المجامع

حقیقت یہ ہے کہ جب تک تعلق مع اللہ حاصل نہیں ہوتا، اسوقت تک تبلیغ و اشاعت کا فریضہ ادا ہی نہیں ہوسکتا، آجکل خطرناک ضلالت یہ ہے کہ علم حقیقی کا مدعیانِ علم مذاق اُڑانے لگے ہیں اور اپنے حلقۂ اثر کو اس سے روکتے ہیں ؎

منعم کنی ز عشق وے اے مفتیٔ زمن معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

عوام کالانعام کی واہ واہ انسان کو تباہ کردیتی ہے، عوام کی عقیدت اور دست بوسی پر عجب و پندار کوتاہ نظری اور مہلک ہے، کسی صاحب نظر سے تشخیص کروائیے ؎

بنما بصاحب نظرے گوہر خود را عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

ہمیں کہتی ہے دنیا تم ہو دل والے جگر والے ذرا تم بھی تو دیکھو کہ ہو تم بھی تو نظر والے

یہ لوگ بصورت علم و بحقیقت جہل کے پندار میں مبتلا ہیں ؎

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

یہ علم کی لذّت اور اہلِ دل کے سوز و گداز کو کیا جانیں ؎

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد ہائے کمبخت تونے پی ہی نہیں

ع ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

چوں دل بمہر نگارے نہ بستۂ اے ماہ ترا ز سوزِ درون و نیاز ما چہ خبر؟

اہلِ انصاف کے لئے اسی قدر مضمون کافی ہے، چنانچہ ایک معروف اہلِ علم جو اس غلط فہمی میں مبتلا تھے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس مضمون کا صرف خلاصہ سُنتے ہی انھوں نے اوّابین اور اشراق وغیرہ نوافل شروع کر دیئے اور اہلِ اعتساف کی خدمت میں یہ دو شعر پیش کرتا ہوں ؎

با مدعی نگوئید اسرارِ عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

تو و طوبےٰ و ما و قامتِ یار فکرِ ہر کس بقدرِ ہمّت اوست

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو علمِ حقیقی کی دولت سے نوازیں

زہد زاہد را و دیں دیندار را ذرۂ دردت دلِ عطار را

اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ اَبَدًا - اٰمین -

رشید احمد

اوائل ذی الحجہ سنہ ۸۵ھ

تکملہ:

کسی کو اشکال ہو سکتا ہے کہ علماء کے لئے تدریس، تبلیغ، افتاء اور تصنیف جیسی متعدی خدمات انجام دینا فرض کفایہ ہے اور ذکر، شغل، مراقبہ و محاسبہ وغیرہ عبادات نافلہ ہیں، اور فرض کی اہمیت و ثواب نفل سے زیادہ ہے، پھر میں علماء کو کثرتِ ذکر و فکر کی تبلیغ کیوں کرتا ہوں؟ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی،

الزامی جواب،

میں نے نصوصِ قرآنیہ سے ثابت کیا ہے کہ جو عالم عبادت نافلہ اور ذکر و فکر کی کثرت نہیں کرتا وہ نظرِ شرع میں عالم تو درکنار مومن کہلانے کے لائق بھی نہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت کے اقوال سے اس کی اہمیت ثابت کی ہے، اور بتایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر علماء امت کا تعامل یہی چلا آیا ہے کہ وہ اشاعت دین کی متعدی خدمات کے ساتھ اپنے اوقات کا بڑا حصہ عبادت نافلہ اور ذکر و فکر میں صرف فرماتے تھے، علماء آبدین اس پر غور فرما کر جواب دیں،

تحقیقی جواب،

دوسروں کو تبلیغ اور ان کی اصلاح کی کوشش فرض کفایہ ہے، مگر اپنی اصلاح فرض عین ہے، اصلاح کا

مطلب یہ ہے کہ معاصی ظاہرہ و باطنہ سے احتراز کیا جائے اور یہ موقوف ہے ذکر و فکر اور محاسبہ و مراقبہ کے اہتمام پر، پس فرض عین کا موقوف علیہ بھی فرض عین ہوگا، ذکر و فکر اور محاسبہ و مراقبہ اور صحبت کامل کے معتد بہ درجہ کے سوا معاصی سے بچنے کی فکر ہی نہیں ہوتی، بلکہ معاصی باطنہ میں سے اکثر کا تو علم اور احساس ہی نہیں ہوتا، کسی مرض کا کچھ احساس ہو بھی تو وقت پر اس کا استحضار نہیں ہوتا اور استحضار بھی ہو تو اس سے بچنے کی فکر اور علاج کا خیال نہیں ہوتا، لہٰذا ذکر، محاسبہ، مراقبہ اور کسی کامل کی صحبت کا کم از کم وہ درجہ فرض ہے جو معاصی ظاہرہ سے حفاظت کے ساتھ معاصی باطنہ سے بھی پاک کر دے، رذائل سے تخلیہ اور فضائل سے تحلیہ کا موجب ہو، اس مقصد میں کامیابی کے بعد بھی ذکر و فکر کے اس درجہ کا التزام اس لئے ضروری ہے کہ اس میں غفلت سے امراض کے عود کا سخت خطرہ ہے،

مزید برین ذکر و فکر کے درجہ مذکورہ پر اضافہ بھی لازم ہے اس لئے کہ اس سے قلب کی صلاحیت بڑھتی ہے، محبت و اخلاص میں ترقی ہوتی ہے اور محبت و اخلاص میں جس حد تک ترقی ہوگی اسی درجہ میں اعمال کے اجر اور دوسروں کو تبلیغ کے اثر میں اضافہ ہوگا اور علم میں نور اور تصنیف و تالیف میں برکت ہوگی،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کے بعد اور فتح مکہ سے قبل اسلام لانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جبل احد کے برابر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سونا خرچ کرے وہ متقدمین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک مُد (۵ رسم ۸۸ گرام) جو بلکہ اس کے نصف تک بھی نہیں پہنچ سکتا، فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا درجہ اس سے بھی کم ہے اور غیر صحابی کا درجہ ادنیٰ صحابی سے بھی بہت کم ہے، اس حدیث میں لفظ "اصحابی" سے ثابت ہوا کہ کثرت مجاہدہ کے علاوہ صحبت بھی زیادۃ اجر کا باعث ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کی بدولت ان کے قلوب میں جو صلاحیت اور محبت و اخلاص تھا وہ غیر میں نہیں ہو سکتا، اس سے ثابت ہوا کہ قلب کی صلاحیت سے اجر میں اضافہ اور کام میں برکت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء عابدین کے کام اور تبلیغ میں جو برکت ہے وہ آبدین میں نہیں اور فرق اجر کا مشاہدہ آخرت میں ہوگا، بلکہ اہل بصیرت کو اس کا اثر دنیا میں بھی مشاہد ہے۔

اللهم ارزقنا حبك وحب من يحبك وحب عمل يقرب الى حبك، اللهم اجعلنا ممن يعبدك كأنه يراك آمين

رشید احمد
۲ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ

(بقیہ صفحہ ۱۹)

- قراءۃ مسنونہ
- قرآن کے خلاف کمپیوٹری سازش
- قربانی کا وجوب
- القول الاظہر فی تحقیق مسافۃ السفر
- القول السافر عن حکم المسبوق خلف المسافر
- القول الصدوق فی بیع الحقوق
- القول الصواب لہدایۃ المرتاب (نایاب)
- القول الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل
- القول المبرہن فی کراہۃ بیع الرادیو والتلوزن
- القول المتین فی شرح اطلبوا العلم ولو بالصین
- القید المراد بالعرف لا یزاد
- کارخانہ کے منافع میں مزدور کی شرکت
- کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم
- کشف الغبار عن مسألۃ سوء الاختیار
- کشف الغطاء عن حقیقۃ اختلاف العلماء
- الکلام البدیع فی احکام التوزیع
- گائے کی قربانی میں ایک شخص کے دو حصے
- لمعات المصابیح فی رکعات التراویح
- مجال التحریر لخیال الزمہریر
- مروجہ احادیث موضوعہ وضعیفہ
- مسح وتیمم کا مشہور طریقہ ثابت نہیں۔
- المشرقی علی المشرقی
- المشکوٰۃ لمسألۃ المحاذاۃ
- المصابیح الغراء للوقایۃ عن عذاب الغناء
- المضامین الجاہلیۃ فی صورۃ القوانین العائلیۃ
- معجم العلوم والکتب والمصنفین (نامکمل)
- المقالۃ البیضاء فی العمامۃ السوداء
- المقالۃ المستقیمۃ للسائل عن حکم البہیمۃ
- منکرات اہل مدارس واہل ثروت
- منکرات تبلیغ وخانقاہ وسیاست
- منکرات رمضان وتراویح وعیدین
- منکرات شادی وغمی
- منکرات مجالس دینیہ ومبلغین وواعظین
- منکرات محرم
- منکرات مساجد واوقاف
- منکرات معاشرہ
- مودودی صاحب اور تخریب اسلام
- النخبۃ فی مسألۃ الجمعۃ والخطبۃ
- النذیر العریان عن عذاب صورۃ الحیوان
- نماز میں اغلاط العوام والخواص
- نوافل کی جماعت
- نوٹوں کا مبادلہ اور ہنڈی
- نیل السعادۃ بالاقتداء فی الصلوٰۃ المعادۃ
- نیل الفضیلۃ بسؤال الوسیلۃ
- نیل المآرب بحلق الشوارب
- نیل المرام بالتزام السکوت عند قراءۃ الامام
- الوصیۃ الاخوانیۃ فی حکم الجماعۃ الثانیۃ
- وطن الارتحال یبقی ببقاء الاثقال
- الہدایات المفیدۃ لتنزیہ المدارس من العلوم الجدیدۃ
- ہدایۃ المرتاب فی فرضیۃ الحجاب

۳۷

محمد احمد کا "درسِ قرآن" پڑھنا جائز نہیں

میں نے مؤلف کو بذریعہ رجسٹری یہ اطلاع بھیجدی تھی کہ اگر آپ "درسِ قرآن" سے متعلق میری تحریر کا کوئی جواب لکھیں گے یا کسی سے لکھوائیں گے تو میں اس کا کوئی جواب نہیں دونگا۔

جب انھوں نے چار علماء سے کتاب کی اصلاح کرانے کی تحریر لکھدی اور چار مشہور علماء کے نام بھی لکھدیئے تو میرا مقصد پورا ہوگیا اس لئے میں نے اس سلسلہ میں کچھ کہنا سننا بالکل بند کردیا۔

مگر مؤلف نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا، ان مشہور علماء سے اصلاح کرائے بغیر کتاب شائع کررہے ہیں، اسلئے عوام کو اس فتنہ سے بچانے کی کوشش جاری رکھنا فرض ہے، میری مفصل تحریر کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مؤلف عالم نہیں، اس لئے ان کا اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لگانا جائز نہیں اس سے عوام کو دھوکا ہوتا ہے۔

(۲) میں نے "درس قرآن" پر تقریظ لکھنے سے انکار کردیا تھا اس کے باوجود انھوں نے میرا نام کتاب میں شائع کردیا اور میرے نام سے امت کو پندرہ سال سے دھوکا دے رہے ہیں۔

(۳) میں نے تو صرف تقریظ ہی سے انکار کیا تھا مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب زید مجدہٗ نے تو مجھ سے بھی بڑھ کر کتاب کی اشاعت ہی سے منع فرمایا تھا، اس کے باوجود انھوں نے کتاب شائع کردی، ساتھ مزید جرأت یہ کہ حضرت شیخ الحدیث کا نام بھی شائع کردیا۔

(۴) مولانا محمد تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

"محمد احمد صاحب نے احقر کو رائے حاصل کرنے کے لئے کتاب یا اس کا مسودہ نہیں بھیجا تھا، نہ اظہار رائے کے لئے کہا تھا، لیکن کتاب میں میرا نام شائع کردیا، احقر سے نہ رائے لی نہ مشورہ کیا، نہ کبھی کتاب کا ذکر کیا، آنجناب کی طرف سے "درسِ قرآن" پر اعتراضات کے بعد احقر نے متعدد مرتبہ ان سے کہا کہ اگر آپ احقر سے واقعۃً رائے لیتے تو احقر یہ مشورہ دیتا کہ آپ اس کتاب کی تالیف کا اقدام نہ کریں۔"

ان حضرات کی ممانعت کا علم بلا تجسس ہوگیا، ممکن ہے اور علماء نے بھی روکا ہو۔

(۵) اگر یہ معاملہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوتا کہ آپ کے سلسلہ کے ایک غیر عالم خلیفہ نے تفسیر لکھی، کئی مشہور علماء نے اس کو اس کی اشاعت سے منع فرمایا جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی ہیں، مگر اس نے اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لگا کر کتاب

(بقیہ صفحہ ۱۹)

- قراءۃ مسنونہ
- قرآن کے خلاف کمپیوٹری سازش
- قربانی کا وجوب
- القول الاظہر فی تحقیق مسافۃ السفر
- القول السافر عن حکم المسبوق خلف المسافر
- القول الصدوق فی بیع الحقوق
- القول الصواب لہدایۃ المرتاب (نایاب)
- القول الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل
- القول المبرہن فی کراہۃ بیع الرادیو والتلوزن
- القول المتین فی شرح اطلبوا العلم ولو بالصین
- القید المراد بالعرف لا یزاد
- کارخانہ کے منافع میں مزدور کی شرکت
- کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم
- کشف الغبار عن مسألۃ سور الاختیار
- کشف الغطاء عن حقیقۃ اختلاف العلماء
- الکلام البدیع فی احکام التوزیع
- گائے کی قربانی میں ایک شخص کے دو حصے
- لمعات المصابیح فی رکعات التراویح
- مجال التحریر لخیال الزمہریر
- مروجہ احادیث موضوعہ وضعیفہ
- مسح وتیمم کا مشہور طریقہ ثابت نہیں۔
- المشرقی علی المشرقی
- المشکوٰۃ لمسألۃ المحاذاۃ
- المصابیح الغراء للوقایۃ عن عذاب الغناء
- المضامین الجاہلیۃ فی صورۃ القوانین العائلیۃ
- معجم العلوم والکتب والمصنفین (نامکمل)
- المقالۃ البیضاء فی العمامۃ السوداء
- المقالۃ المستقیمۃ للسائل عن حکم البہیمۃ
- منکرات اہل مدارس واہل ثروت
- منکرات تبلیغ وخانقاہ وسیاست
- منکرات رمضان وتراویح وعیدین
- منکرات شادی وغمی
- منکرات مجالس دینیہ ومبلغین وواعظین
- منکرات محرم
- منکرات مساجد واوقاف
- منکرات معاشرہ
- مودودی صاحب اور تخریب اسلام
- النخبۃ فی مسألۃ الجمعۃ والخطبۃ
- النذیر العریان عن عذاب صورۃ الحیوان
- نماز میں اغلاط العوام والخواص
- نوافل کی جماعت
- نوٹوں کا مبادلہ اور ہنڈی
- نیل السعادۃ بالاقتداء فی الصلوٰۃ المعادۃ
- نیل الفضیلۃ بسؤال الوسیلۃ
- نیل المارب بحلق الشوارب
- نیل المرام بالتزام السکوت عند قراءۃ الامام
- الوصیۃ الاخوانیۃ فی حکم الجماعۃ الثانیۃ
- وطن الارتحال یبقی ببقاء الاثقال
- الہدایات المفیدۃ لتنزیہ المدارس من العلوم الجدیدۃ
- ہدایۃ المرتاب فی فرضیۃ الحجاب

۳۷

محمد احمد کا ”درسِ قرآن“ پڑھنا جائز نہیں

میں نے مؤلف کو بذریعہ رجسٹری یہ اطلاع بھیجدی تھی کہ اگر آپ ”درسِ قرآن“ سے متعلق میری تحریر کا کوئی جواب لکھیں گے یا کسی سے لکھوائیں گے تو میں اس کا کوئی جواب نہیں دونگا۔

جب انھوں نے چار علماء سے کتاب کی اصلاح کرانے کی تحریر لکھدی اور چار مشہور علماء کے نام بھی لکھدیئے تو میرا مقصد پورا ہوگیا اس لئے میں نے اس سلسلہ میں کچھ کہنا سُننا بالکل بند کردیا۔

مگر مؤلف نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا، ان مشہور علماء سے اصلاح کرائے بغیر کتاب شائع کررہے ہیں، اسلئے عوام کو اس فتنہ سے بچانے کی کوشش جاری رکھنا فرض ہے، میری مفصل تحریر کا خلاصہ یہ ہے:

① مؤلف عالم نہیں، اس لئے ان کا اپنے نام کے ساتھ ”مولانا“ لگانا جائز نہیں اس سے عوام کو دھوکا ہوتا ہے۔

② میں نے ”درسِ قرآن“ پر تقریظ لکھنے سے انکار کردیا تھا اس کے باوجود انھوں نے میرا نام کتاب میں شائع کردیا اور میرے نام سے اُمت کو پندرہ سال سے دھوکا دے رہے ہیں۔

③ میں نے تو صرف تقریظ ہی سے انکار کیا تھا مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب زید مجدہٗ نے تو مجھ سے بھی بڑھ کر کتاب کی اشاعت ہی سے منع فرمایا تھا، اس کے باوجود انھوں نے کتاب شائع کردی، ساتھ مزید جرأت یہ کہ حضرت شیخ الحدیث کا نام بھی شائع کردیا۔

④ مولانا محمد تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

”محمد احمد صاحب نے احقر کو رائے حاصل کرنے کے لئے کتاب یا اس کا مسودہ نہیں بھیجا تھا، نہ اظہارِ رائے کے لئے کہا تھا، لیکن کتاب میں میرا نام شائع کردیا، احقر سے نہ رائے لی نہ مشورہ کیا، نہ کبھی کتاب کا ذکر کیا، آنجناب کی طرف سے ”درسِ قرآن“ پر اعتراضات کے بعد احقر نے متعدد مرتبہ ان سے کہا کہ اگر آپ احقر سے واقعۃً رائے لیتے تو احقر یہ مشورہ دیتا کہ آپ اس کتاب کی تالیف کا اقدام نہ کریں۔“

ان حضرات کی ممانعت کا علم بلا تجسس ہوگیا، ممکن ہے اور علماء نے بھی روکا ہو۔

⑤ اگر یہ معاملہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوتا کہ آپ کے سلسلہ کے ایک غیر عالم خلیفہ نے تفسیر لکھی، کئی مشہور علماء نے اس کو اس کی اشاعت سے منع فرمایا جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی ہیں، مگر اس نے اپنے نام کے ساتھ ”مولانا“ لگا کر کتاب

شائع کر دی اور مزید ظلم یہ کہ کتاب میں ان علمار کا نام شائع کر کے پندرہ سال سے اُمّت کو دھوکا بھی دے رہا ہے، اور بعض ایسے علمار کا نام بھی شائع کر دیا ہے جن کو کتاب یا اس کا مسودہ دکھانا تو درکنار اُن کو اس کی خبر تک بھی نہیں دی تو کیا حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ ایسے شخص کو توبہ اور ان علمار کرام سے معافی مانگنے اور کتاب کی اشاعت بند کرنے پر مجبور نہ فرماتے؟ اور بصورتِ انکار سلسلہ سے اخراج کا اعلان نہ فرماتے؟ اور کیا اب سلسلہ کے موجودہ اکابر پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا؟

⑥ اگر ان کا یہ مقدمہ نمبر "۵" میں مذکور تفصیل کے مطابق عدالتِ شرعیہ میں پیش کیا جائے تو کیا عدالت ایسے شخص کو سخت تعزیر اور کتاب پر بندش نہیں لگائے گی؟

⑦ سابق مفصل تحریر میں یہ وضاحت کر چکا ہوں کہ میں نے اس تحریر سے پہلے دو بار انکو بہت نرمی سے سمجھایا اور تیسری بار چہرے کے پردے کے مسئلہ پر ذرا سختی سے کہا تو یہ بہت سخت برہم ہوئے اور اس بے پردگی کو تفسیر عثمانی سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب ان سے قبول کی کوئی توقع نہ رہی تو میں نے علمار کو جاہل مفسرین کے خطرناک فتنہ کی طرف متوجہ کرنا فرض سمجھا۔

بحمد اللہ تعالیٰ بندہ کے متوجہ کرنے پر دنیا بھر میں مشہور علمار کرام نے اس فتنہ کے خلاف خوب کھُل کر لکھا، مؤلف کو بہت سخت تنبیہ فرمائی، علمار سے کتاب کی اصلاح کرانے پر مجبور کر دیا، مگر اس نے طریقِ اصلاح سے متعلق علمار کی ہدایات قبول کرنے سے انکار کر دیا، علمار کی تحریریں دار الافتاء میں محفوظ ہیں۔

⑧ مؤلف علمار کی ہدایات سے انحراف کی وجہ سے انتہائی کوشش اور بڑی سے بڑی مالی پیشکش کے باوجود مشہور و مسلّم علمار میں سے کسی ایک کو بھی کتاب کی اصلاح پر آمادہ نہیں کر سکا، کسی غیر معروف وغیر مسلّم عالم کی اصلاحی نظر معتبر نہیں، اس لئے اس کتاب کا دیکھنا جائز نہیں۔

اس تنبیہ کو زیادہ سے زیادہ شائع کر کے قرآن کو تحریف سے بچانے کا فرض ادا کریں، غفلت کی صورت میں اللہ کی گرفت اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈریں۔

رشید احمد
دار الافتاء والارشاد ناظم آباد
۱۵ جمادی الآخرہ ۱۴۱۲ ہجری



دوست دشمن سب ترے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے

مجذوب

انوار الرشید

مکمل

فقیہ العصر شیخ الحدیث، مفتی اعظم

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم

کے

نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات،

جنکے مطالعہ سے بیشمار لوگونکی زندگیوں میں ایسا انقلابِ عظیم
آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔

اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

شائع کردی اور مزید ظلم یہ کہ کتاب میں ان علماء کا نام شائع کرکے پندرہ سال سے اُمّت کو دھوکا بھی دے رہا ہے، اور بعض ایسے علماء کا نام بھی شائع کردیا ہے جن کو کتاب یا اس کا مسودہ دکھانا تو درکنار اُن کو اس کی خبر تک بھی نہیں دی تو کیا حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ ایسے شخص کو توبہ اور ان علماء کرام سے معافی مانگنے اور کتاب کی اشاعت بند کرنے پر مجبور نہ فرماتے؟ اور بصورتِ انکار سلسلہ سے اخراج کا اعلان نہ فرماتے؟ اور کیا اب سلسلہ کے موجودہ اکابر پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا؟

(٦) اگر ان کا یہ مقدمہ "نمبر ۵" میں مذکور تفصیل کے مطابق عدالتِ شرعیہ میں پیش کیا جائے تو کیا عدالت ایسے شخص کو سخت تعزیر اور کتاب پر بندش نہیں لگائے گی؟

(٧) سابق مفصل تحریر میں یہ وضاحت کرچکا ہوں کہ میں نے اس تحریر سے پہلے دو بار انکو بہت نرمی سے سمجھایا اور تیسری بار چہرے کے پردے کے مسئلہ پر ذرا سختی سے کہا تو یہ بہت سخت برہم ہوئے اور اس بے پردگی کو تفسیر عثمانی سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب ان سے قبول کی کوئی توقع نہ رہی تو میں نے علماء کو جاہل مفسرین کے خطرناک فتنہ کی طرف متوجہ کرنا فرض سمجھا۔

بحمد اللہ تعالیٰ بندہ کے متوجہ کرنے پر دنیا بھر میں مشہور علماء کرام نے اس فتنہ کے خلاف خوب کھل کر لکھا، مؤلف کو بہت سخت تنبیہ فرمائی، علماء سے کتاب کی اصلاح کرانے پر مجبور کردیا، مگر اس نے طریقِ اصلاح سے متعلق علماء کی ہدایات قبول کرنے سے انکار کردیا، علماء کی تحریریں دار الافتاء میں محفوظ ہیں۔

(٨) مؤلف علماء کی ہدایات سے انحراف کی وجہ سے انتہائی کوشش اور بڑی سے بڑی مالی پیشکش کے باوجود مشہور و مسلّم علماء میں سے کسی ایک کو بھی کتاب کی اصلاح پر آمادہ نہیں کرسکا، کسی غیر معروف و غیر مسلّم عالم کی اصلاحی نظر معتبر نہیں، اس لئے اس کتاب کا دیکھنا جائز نہیں۔

رشید احمد
دار الافتاء والارشاد ناظم آباد
۱۵ جمادی الآخرہ ۱۴۱۲ ہجری

اس تنبیہ کو زیادہ سے زیادہ شائع کرکے قرآن کو تحریف سے بچانے کا فرض ادا کریں، غفلت کی صورت میں اللہ کی گرفت اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈریں۔



دوست دشمن سب ترے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے

مجذوب

انوار الرشید

فقیہ العصر، شیخ الحدیث، مفتی اعظم

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم

کے

نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات،

جنکے مطالعہ سے بیشمار لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلابِ عظیم آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔

اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی